اشرفُ السوانح

جلد اوّل - جلد دوم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا
محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کمپیوٹر ایڈیشن... خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ
کی نایاب رنگین تصاویر کے ساتھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
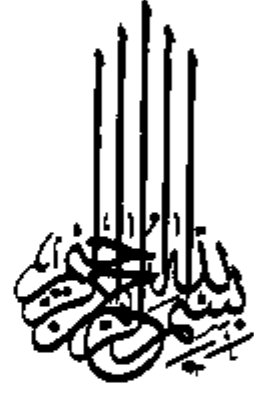
نہ سمجھنا کہ یہ فسانہ ہے
علم وحکمت کا اک خزانہ ہے
نام مجذوب اس کا تاریخی
سیرت اشرفِ زمانہ ہے
١٤٥٤ھ

اَشرفُ السَّوانِح

جدید ایڈیشن

اشرف السوانح

جلد اوّل - جلد دوم

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

مرتبین

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ

حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ

ادارۂ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 4540513-4519240

اشرف السوانح

تاریخ اشاعت.................ربیع الاول ۱۴۲۷ھ
ناشر.................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.................سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ... چوک فوارہ... ملتان
مکتبہ رشیدیہ...... راجہ بازار...... راولپنڈی
ادارہ اسلامیات...... انارکلی...... لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی... خیبر بازار...... پشاور
مکتبہ سید احمد شہید...... اردو بازار...... لاہور
ادارۃ الانور...... نیو ٹاؤن...... کراچی نمبر 5
مکتبہ رحمانیہ...... اردو بازار ...... لاہور
مکتبہ المنظور الاسلامیہ... جامعہ حسینیہ... علی پور
مکتبہ المنظور الاسلامیہ...... بلاک زیڈ...... مدینہ ٹاؤن...... بنک موڑ...... فیصل آباد

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

''اشرف السوانح'' حضرت مجدد تھانوی رحمہ اللہ کی وہ مقبول عام سوانح حیات ہے جس سے ہر دور کے علماء صلحاء نے بھرپور استفادہ کیا اور عوام وخواص کی زندگیوں میں انقلاب آیا۔

حضرت مجدد تھانوی رحمہ اللہ کی یہ بھی ایک کرامت ہے کہ آپ کی یہ سوانح آپ کی حیات مبارکہ ہی میں آپ کی نظر ثانی کے بعد شائع ہوئی۔ آپ نے معاصرین و متعلقین کے بارہا اصرار پر اپنے حالات کو قلمبند کرنے کی اجازت دی جس کی سعادت آپ کے خلیفہ خاص حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کے ورثے میں آئی۔ اپنے اکابر سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ بیسیوں صفحات لکھ کر حضرت کی خدمت میں نظر ثانی کے لئے پیش کرتے تو ان میں سے چند صفحات منتخب ہوتے۔

الحمد للہ زیر نظر سوانح حیات ایسی ہے جسے خود صاحب سوانح نے دیکھا اور ہر ہر بات

میں شرعی اصولوں اوران کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے پوری احتیاط برتی۔

یہی وجہ ہے زمانہ تالیف سے تادم تحریر پاک و ہند سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے اور عوام وخواص کے لئے ہدایت وبصیرت کا سامان ہوئے۔

عصر حاضر کے ذوق کے مطابق ''اشرف السوانح'' کا جدید ایڈیشن آپ کے سامنے ہے۔اس میں ادارہ نے جناب مولانا زاہد محمود ملتانی مدظلہ (فاضل جامع قاسم العلوم ملتان) سے عربی اور فارسی اشعار کا ترجمہ' پیراگرافی' عنوانات کا کام کرایا ہے۔ان تمام عوامل سے اب اس عظیم سوانح سے عوام الناس بھی باآسانی استفادہ کرسکیں گے۔

اللہ پاک ادارہ کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت سے نوازیں اور تادم زیست اپنے اکابر کے مسلک اعتدال پر کاربند رہنے کی توفیق سے نوازیں۔آمین۔

والسلام

محمد اسحٰق عفی عنہ

ربیع الاول ۱۴۲۷ھ بمطابق مارچ 2006ء

اشرف السوانح

حالات وعادات   مقالات وتعلیمات

فیوض وبرکات   کشف وکرامات

معمولات طیّبہ   بشارات منامیہ

انعامات الٰہیہ پر مشتمل ہے اور مشعل راہ ہے

اجمالی فہرست

جلد اوّل

جلد دوم

اجمالی فہرست

جلد سوم

اجمالی فہرست

جلد چہارم

فہرست عنوانات

"سفر"

"لقائے بزرگان ودعائے بزرگان"

سلسلۂ امدادیہ کے بزرگوں کی توجہات

”شرف بیعت و استفاضۂ باطنی“

طیب الطیبہ لشیب الهیبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشفِ حقیقتِ اشرفُ السَّوانح

بعد حمد وصلوٰۃ احقر اشرف علی عفی عنہ عرض رسا ہے کہ اس سوانح پر میرا کچھ لکھنا اسلئے تو نازیبا ہے کہ وہ میری طرف منسوب ہے۔ لیکن بعض تنبیہات ضروریہ کی مصلحت لکھنے کو متقضی ہوئی اس لئے تکلف کو ترک کر کے اس کے متعلق امور ذیل معروض ہیں۔

۱- اس کی تحریر میں ایک تو بے احتیاطی ہے کہ زندہ شخص کے متعلق ہے کو اکثر اہل طریق کے معمول کے خلاف ہے جس کی حکمت اس حدیث میں مذکور ہے۔

ابن مسعودؓ قال من کان مستناً فلیستن بمن قد مات فان الحی لا یومن علیہ الفتنۃ (جمع الفوائد عن رزین وجہ الاستدلال کون الاستنان ھو الغرض من ھذہ الکتابۃ فی غالب الاوقات)

اور اکثر اس لئے کہا گیا کہ بعض اکابر نے خود بھی اپنے سوانح لکھے ہیں جیسے جلال الدین سیوطیؒ وعبدالوہاب شعرانیؒ **کما بلغنی عن بعض الثقات۔**

۲- اور ایک احتیاط ہے کہ روایات میں افراط وتفریط کا احتمال بہت کم ہو جاتا ہے جس کا وقوع اکثر خوش اعتقادوں کے غلو سے ہو جاتا ہے (اور اسی بناء پر میں نے تمہ سابعہ

تنبیہات وصیت کے ضمیمہ عاشرہ مندرجہ النور ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ میں بتاکید منع کیا ہے کہ میری سوانح عمری نہ لکھی جائے) سو اس افراط وتفریط کا احتمال کم ہوجاتا ہے کیونکہ صاحب واقعہ اس کی تنقید کرسکتا ہے اور اس مصلحت کے اہم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ باقی مفسدہ مذکورہ حدیث کا انسداد اس جملہ کے استحضار سے ہوسکتا ہے کہ یہ حالات اس وقت تک کے ہیں آیندہ کی خبر حق تعالیٰ کو ہے۔ مستقبل پر ماضی سے احتجاج کافی نہیں

كما قال تعالىٰ وما تدرى نفس ماذا تكسب غداً والغيب عندالله وهو اعلم بمن اتقىٰ والعبرة بالخواتيم

حق تعالیٰ سے استقامت کی دعا کی التجا ہے اور قبول دعا کی بھی رجاء ہے۔

وما ذلك على الله بعزيز۔

ع با کریماں کارہا دشوار نیست

نیز مصلحت مذکورہ اس وقت ہے کہ کتابت کی غرض اقتداء ہو جیسا حدیث کے الفاظ بتلا رہے ہیں اور اگر غرض محض محبین کی زیادت معرفت اور اس کے واسطہ سے زیادت محبت ہو جیسا دوسری حدیث میں ہے جو کہ لوح کی عبارت میں بھی مذکور ہے وہ حدیث یہ ہے

قال صلى الله عليه وسلم اذا اخىٰ الرجل الرجل فليسأ له عن اسمه واسم ابيه وممن هو فانه او صل للمودة رواه الترمذى

تو اس صورت میں یہ لکھنا حدیث متن کے تو خلاف نہیں اور حدیث لوح کے موافق ہے پھر کوئی وجہ ہی شبہ کی نہیں۔ یا اگر کسی جزو میں اقتداہی کا قصد ہو تب بھی استنان بالحی میں جو کہ منہی عنہ ہے دائم کی قید لگانے سے (جیسا کہ خود حدیث میں احتمال افتتان وتغیر سے اس نہی کا معلل ہونا اس تقیید کو مقتضی ہے) اور اس اقتداء مقصود میں قبل التغیر کی قید لگانے سے جس عزم ضابط اور ناظرین کا امر اختیاری ہے یہ مانع مرتفع ہوجائے گا۔ نیز اسکا ایک معتد بہ حصہ لکھا ہوا دیکھنے پر ایک حکمت یہ بھی مشاہدہ میں آئی کہ واقعات خاصہ کے ضمن میں بہت سے مسائل فن کی تدوین ہوگئی جس سے یہ مجموعہ بھتیجا مولاناؒ کے اس شعر کا ایک خوشنما مصداق بن گیا۔

خوشتر آن باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

اور اُن کی تدوین گو مستقلاً و مقصوداً بھی ہو سکتی تھی اور ہوئی بھی ہے لیکن واقعات چونکہ اُن کے لئے بمنزلہ شواہد کے ہو گئے۔ اسلئے اس طرز سے وہ اوضح واوقع فی النفس ہو گئے۔ آخر کوئی تو وجہ ہے کہ قرآن مجید میں عبر وحکم کے ساتھ قصے بھی ذکر فرمائے گئے ہیں۔

۳- واقعات کے معنون میں اُمید ہے کہ مبالغہ یا غلو نہیں کیونکہ مؤلف مجھ سے تحقیق بھی کرتے رہے اور لکھ کر دکھلاتے بھی رہے البتہ عنوان میں کوئی ایہام مدح یا تزکیہ کا ہو جانا محبت سے بعید نہیں جو باوجودیکہ دل سے مجھ کو عقلاً بھی پسند نہیں اور جذبات حیا سے طبعاً بھی گوارا نہیں لیکن میں نے اُن کی دلشکنی کے خیال سے بدلا نہیں مگر اسی کے ساتھ ہی اپنے عیوب کے استحضار سے معنون کو تو ٹھیک اس شعر کا مصداق سمجھتا ہوں ؎

طاؤس را بہ نقش ونگارے کہ ہست خلق　　　　تحسیں کنند واو خجل از پائے زشت خویش

اور عنوان کو بدوں احتیاج کسی استحضار کے اس شعر کا مصداق سمجھتا ہوں ؎

منش کردہ ام رستم پہلواں　　　　وگرنہ یلے بود در سیستاں

۴- بعض واقعات کے بعض اجزاء بوجہ تقادم عہد وعدم اہتمام استحضار واستحفاظ مجھ کو بھی تیقن کے درجہ میں محفوظ نہ تھے مگر غالب گمان پر حاصل اور اصل مقصود کو محفوظ رکھتے ہوئے تسامح کیا گیا۔

۵- جس جگہ کسی کے نام کی تصریح مدحاً یا قدحاً بظن غالب صاحب واقعہ کی ناگواری کو محتمل تھی نام نہیں لکھا گیا البتہ خود خطا فی الظن سے بچنا مشکل تھا ایسے موقع پر صاحب واقعہ سے معافی کی درخواست ہے اسی طرح اگر اتفاقاً التزام میں کوتاہی ہو گئی ہو۔

مقام تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر)
خانقاہ امدادیہ۔ شہر محرم الحرام ۱۳۵۴ ہجری

اے اشرفِ زمانہ زمانے مدد نما
درہائے بستہ را بہ کلید کرم کشا
مستعینا بالمخاطب قلتہٗ
متشیرا فی التخاطب قلتہٗ

تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

امابعد۔ سلف وخلف کا ہمیشہ سے مقتداؤں کے سوانح کے ضبط کا معمول چلا آیا ہے اور اس میں ظاہری وباطنی فوائد بیان کئے گئے ہیں۔ ان ہی فوائد کی مصلحت سے ایک کثیر جماعتِ احباب مخلصین کی تجویز تھی کہ حضرت اقدس حکیم الامۃ مجدد الملۃ محی السنۃ قطب الارشاد مرشد العالم امام الطریق شیخ المشائخ حجۃ اللہ فی الارض مولانا ومقتدانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی حنفی چشتی صابری امدادی مدظلہم العالی کے سوانح بھی ضبط کئے جائیں لیکن ایک تو کسی کا اس مہتم بالشان کام کیلئے فارغ نہ ہونا۔ دوسرے اس کام کا فی نفسہ صعوبت سے خالی نہ ہونا۔ تیسرے خود حضرت صاحب سوانح کی ممانعت جس کو اپنی وصایا کے اندر دو مختلف عبارتوں میں قلمبند بھی فرمایا ہے جن کی نقل سوانح ہذا کے باب وصایا میں ملاحظہ سے گذرے گی۔ یہ سب قوی موانع اس تجویز کی تنفیذ کے مجتمع تھے اس لئے اب تک اس کی نوبت نہ آئی تھی نہ کسی کی ہمت ہوتی تھی۔

اتفاق سے حضرت ممدوح کے ایک مخلص خادم مکرمی جناب مولوی حکیم عبدالحق خانصاحب فتحپوری کے ذہن میں حضرت ممدوح کی تالیفات کی مفصل فہرست مرتب کرنے کا داعیہ پیدا ہوا جس کی تکمیل میں اُنھوں نے مالی وجانی ہر طرح کی مشقت برداشت فرمائی (وہ فہرست بھی اس مجموعہ میں اپنے موقع پر درج کی گئی ہے) حسب عادت اہل علم کہ مؤلفات کے ساتھ مؤلف کا ضروری حالی بھی بہ عنوان ترجمۃ المصنف نقل کیا کرتے ہیں حکیم صاحب کو بھی اسکی ضرورت محسوس ہوئی اوراس خدمت کیلئے اس ناکارہ کوانتخاب فرمایا لیکن۔

چونکہ حدِ خود ندیدم تن زدم　　لاجرم از عذر سر امن زدم

مگرانہوں نے اس عذرکوقبول نہیں فرمایااس لئے باوجوداپنی عدم اہلیت کے۔

چونکہ قولِ آں ایازِ پاک دید　　درنگاہِ دیدہ ودل می خلید

نقض امر از کسرِ دُر دشوار تر　　لا جرم بستم بامرِ او کمر

اب یہ داعی تو نہایت قوی پیش آ گیا لیکن موانع کی حیلولہ کا مسئلہ فیصلہ طلب رہا سو مانع اول کا حل تو یہ ہوا کہ احقر نے اپنی خاص ضرورتوں سے ایک طویل رخصت لی تھی اسلئے کسی قدر فراغ کا زمانہ بے تکلف میسر ہوگیا۔ دوسرے مانع کا حل یہ ہوا کہ مادہ تو ایک معتد بہ مقدار میں حضرت صاحب سوانح کی تحریرات وتقریرات سے جمع کرلیا گیا جس میں حکیم صاحب موصوف نے بھی بہت کچھ اعانت فرمائی اورصورت میں خود حضرت صاحب سوانح کے مشوروں سے مدد حاصل کرتا رہا۔ اورتیسرے مانع کا حل خود حضرت صاحب سوانح کی تحریر معنون بہ کشف حقیقت اشرف السوانح میں مذکور ہے جوقبل تمہید ہذا ہدیۂ ناظرین کی جاچکی ہے جس کا حاصل ممانعت کا خاص علل سے معلل ہونا اوران علل کا مرتفع ہوجانا ہے چنانچہ خود ممانعت کی اُن دونوں عبارتوں میں جنکا اوپر حوالہ دیا گیا ہے ادنیٰ تامل کرنے سے یہ معلل ہونا واضح ہوتا ہے اوراسی سے ایک عبارت میں علی الاطلاق ممانعت اور دوسری عبارت میں ایک قید کے ساتھ اجازت کے ظاہری تعارض کا توہم بھی دفع ہوجاتا ہے کیونکہ وہ اطلاق ظاہری عدم احتیاط کی حالت میں ہے اوراجازت احتیاط کی حالت میں پس تعارض نہ رہا۔ غرض جب داعی قوی تھا اورموانع مرتفع ہوگئے پھر کیا عذر رہا۔ لہٰذا بنامِ خدا قلم لیکر کام

شروع کردیا ہر چند کہ توافق عادت اہل علم متعلق ضبط ترجمۂ مؤلف مع المؤلفات کی مصلحت اختصار ترجمہ سے حاصل ہوسکتی تھی اور یہی ارادہ بھی تھا لیکن جب ایک محبّ اپنے محبوب کا ذکر شروع کرے اہل محبت جانتے ہیں کہ وہ اختصار پر قادر نہیں ہوسکتا۔ پھر بھی جس تطویل پر احقر مضطر تھا اُس کا اسلئے وقوع نہیں ہوا کہ خود حضرت صاحب سوانح برابر عبارات و معانی کو حذف کراتے رہے اسلئے غالبًا یہ مجموعہ معتدل ہوگیا۔ اس مجموعۂ سوانح کا نام حضرت صاحب سوانح کے اسم شریف کی مناسبت سے اشرف السوانح اور لقب تاریخی سیرت اشرف زمانہ تجویز کیا گیا ہے اور پچیس ابواب قائم کئے گئے ہیں۔

آخر میں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ میں ایک عامی شخص ہوں اور تصنیف کا سلیقہ نہیں رکھتا لہٰذا ناظرین اصل مقصود یعنی حضرت صاحب سوانح کے حالات طیبات پر نظر رکھیں میری عبارت کے حسن و قبح کو نہ دیکھیں اور اپنا نصب العین اس شعر کو بنائیں۔

نہ بہ نقش بست مشوشم نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم ۔۔۔ نفسے بیادتو میزنم چہ عبارت و چہ معانیم

میرا بھی مطمح نظر یہی تھا ورنہ مجھ جیسے نااہل کو ایسے مہتم بالشان موضوع پر قلم اٹھانیکی جرأت ہی نہ ہوسکتی تھی کیونکہ یہ منصب اہل علم کا تھا اسی لئے کوشش بلیغ بھی کرنی پڑی تعب بھی بہت اٹھانا پڑا اور پھر بھی ع حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا اب دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ احقر کی ظاہری و باطنی فرو گزاشتوں کو معاف فرما کر اس سوانح کو مقبول و نافع فرمائے اور حضرت صاحب سوانح کو بعافیت و خیر و برکت ہمیشہ سلامت باکرامت رکھے اور سب مسلمانوں کو آپ کی ذات بابرکات سے مستفیض و متتفع فرماتا رہے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

احقر الزمن عزیز الحسن عفا عنه الله ذو المنن وحفظه

عن جميع الشرور والفتن ما ظهر منها وما بطن

۲۱۔ محرم الحرام ۱۳۵۴ھ

نہ گنجد در بیاں وصفِ کمالش
کنم طبع آزمائی باخیالش

اس کے کمال کی تعریف بیان میں نہیں سما سکتی
بس اسی کے خیال میں گم ہوکر کوشش کرتا ہوں

باب اول

نام نامی ولقب گرامی

نام نامی اشرف علی ہے۔ یہ نام حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس زمانہ کے مقبول عام اور مشہور نام اہل خدمت مجذوب تھے۔قبل ولادت حضرت والا بلکہ قبل استقرار حمل ہی بطور پیشین گوئی تجویز فرمادیا تھا جس کا مفصل واقعہ ان شاء اللہ تعالیٰ ولادت باسعادت کے باب میں بیان کیا جائے گا۔ اس نام میں یہ بھی اتفاقی شرف پیدا ہو گیا کہ یہ نام ایک صحابی کا بھی تھا۔ (کذافی الاصحابہ)

یہ نام تو ابتداء ننہال کی طرف سے تجویز کیا گیا تھا کیونکہ حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب مجذوبؒ نے ننہال ہی میں تشریف لاکر یہ نام تجویز فرمایا تھا۔

دادھیالی نام

دادھیال سے عبدالغنی تجویز کیا گیا لیکن بمضمون ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے، اگرچہ اللہ کے بندے کی زبان سے ہوتی ہے)

حضرت حافظ صاحبؒ ہی کا تجویز فرمایا ہوا نام مبارک مشہور ہوا۔ دادھیالی نام عبدالغنی مشہور نہ ہوا۔ البتہ اس کا بھی استعمال خود حضرت والا نے اپنے رسالہ **الخطوب المذیبہ** میں ایک ایسے موقع پر کیا ہے جہاں فرضی نام سے کام لینا مصلحت تھا۔ (اسی طرح حضرت والا کے چھوٹے بھائی صاحب کا ننہالی نام حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحبؒ کا رکھا ہوا تو اکبر علی تھا اور دادھیالی نام مظفر)

لقب

لقب گرامی حکیم الامت ہے جو ایک عرصہ دراز سے حق تعالیٰ نے قلوب خواص وعوام میں القاء فرمادیا ہے اور جو بلاد وامصار میں عام طور پر شائع وذائع ہے جہاں تک حضرت والا

کو یاد ہے سب سے پہلے جناب مولوی مرزا محمد بیگ صاحب مرحوم مالک مطبع محبوب المطابع دہلی نے یہ لقب حضرت والا کے پتہ میں تحریر فرمایا تھا اس کے بعد خود بخود نہ معلوم کس طرح منجانب اللہ زبان زد خاص و عام ہوگیا جس طرح مشہور ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کیلئے مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی نے سب سے پہلے مجدد الف ثانی کا لقب استعمال فرمایا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے عام طور پر یہی لقب مشہور فرما دیا۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

سجع جناب مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند کا فرمودہ یہ ہے۔

سجع

"از گروہ اولیاء اشرف علی"

یہ سجع مفتی صاحب نے اس وقت تصنیف فرمایا تھا جب حضرت والا کو بزمانہ طالب علمی ہی استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس اللہ سرہ العزیز سابق مدرس اول دارالعلوم دیوبند نے (جو حضرت والا کے استاد خاص تھے) فتویٰ نویسی کا کام جناب مفتی صاحب موصوف کے ابتدائی افتاء کے زمانہ میں سپرد فرمایا تھا اور مہر پر کندہ کرانے کے لیے سجع کی ضرورت واقع ہوئی تھی۔ یہ سجع بھی بفضلہ تعالیٰ ایک فال نیک ثابت ہوا کیونکہ سجع ذومعنیین ہوا کرتا ہے جن میں سے ایک معنی تو مقصود ہوتے ہیں اور دوسرے معنی غیر مقصود۔ مگر اس مقصود میں اشارہ ہوتا ہے غیر مقصود کی طرف۔ چنانچہ حضرت والا کے مذکورہ بالا سجع کے معنی مقصود تو یہ ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ گروہ اولیاء میں سب سے اشرف ہیں اور معنی مشارالیہ یہ ہیں کہ صاحب سجع یعنی حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم العالی گروہ اولیاء میں سے ہیں۔

باب دوم

''شرف نسب''

دادھیال اور والد محترم

حضرت والا کی دادھیال فاروقی اور نانہال علوی ہے اگر کسی کو مزید تاریخی تحقیق کا شوق ہو تو رسالہ ہذا کا باب وصایا ملاحظہ فرمایا جائے۔ والد ماجد کا اسم مبارک ''عبدالحق'' تھا۔ آپ قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کے ایک مقتدر رئیس اور صاحب نقد و جائیداد تھے۔ فارسی میں بہت اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے اور بہت اچھے انشاء پرداز تھے اور گو باقاعدہ قاری نہ تھے لیکن مخارج بہت صحیح تھے اور گو حافظ نہ تھے لیکن ناظرہ ایسا رواں تھا کہ بعض اوقات حافظوں کو بھی لقمہ دے دیا کرتے تھے۔ میرٹھ کی ایک بڑی ریاست کے مختار عام تھے اور باجازت رئیس کمسریٹ کے ٹھیکے بھی لے لیا کرتے تھے۔ جن میں خدا تعالیٰ نے اتنی برکت عطا فرمائی کہ ہزاروں روپے کی آمدنی ہوئی جس سے بہت سی نئی جائیداد بھی خرید لی اور خرچ کے مواقع پر بہت فراخ حوصلگی کے ساتھ روپیہ بھی صرف فرماتے رہے۔

حضرت والا اپنے والد ماجد کے جو حالات بیان فرمایا کرتے ہیں کہ کسی طرح بفراست خداداد بچپن ہی سے حضرت والا کو تعلیم عربی کے لیے اور حضرت والا کے چھوٹے بھائی جناب منشی اکبر علی صاحب مرحوم کو (جو بریلی مینوسپلٹی کے سیکرٹری کے معزز عہدہ پر بمشاہرہ پانچ سو روپیہ ملازم تھے۔) تعلیم انگریزی کے لیے منتخب فرمالیا اور کس حسن تدبیر سے تربیت فرمائی اور کس خوش اسلوبی سے امور دنیوی و کار منصبی کو انجام دیتے رہے وہ سب ممدوح کے کمال عقل و دانش پر دال ہیں۔ نیز حضرت والا کے جد اعلیٰ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عقل و فراست تو مسلمات عالم میں سے ہے۔

ننھیال اور والدہ محترمہ

غرض عقل کی دولت تو حضرت والا کو دادھیال سے ملی اور عشق کی دولت نانہال سے پہنچی جو پیرزادوں کا ایک مشہور خاندان ہے جس کے مورث اعلیٰ حضرت شاہ شیخ عبدالرزاق

صاحب جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کی ممتاز بزرگی اسی سے ظاہر ہے کہ حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مستند بزرگ نے اپنی کتاب ''اخبار الاخیار'' میں جس میں اکابر اولیاء اللہ کے حالات درج ہیں بہت تعریف کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

نیز حضرت والا کی والدہ صاحبہ محترمہ بھی ایک باخدا اور صاحب نسبت بی بی تھیں جیسا کہ حضرت والا نے اپنے خاندان کے معمر بزرگوں سے سنا ہے نیز ان کی عقل و فراست اور فہم و بصیرت کی تصدیق حضرت حافظ غلام مرتضٰی صاحب مجذوبؒ نے بھی فرمائی جس کا ذکر ولادت کے عنوان میں آئے گا اور حضرت والا کی ننہال کے جد اعلیٰ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی (جن پر اکثر سلاسل طریقت منتہی ہوتے ہیں) شان علمی و عشقی مسلم الثبوت ہے۔

خاندانی ورثہ

غرض حضرت والا کی جامعیت عقل و عشق یا بالفاظ دیگر جامعیت شریعت و طریقت جو آج روز روشن کی طرح ظاہر و باہر اور مشہور روزگار ہے اور جس کی بناء پر حضرت والا پر بالکل یہ شعر صادق آتا ہے۔

برکفے جام شریعت برکفے سندان عشق   ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

(ایک ہاتھ میں شریعت کا جام اور دوسرے ہاتھ میں عشق کا بوجھ، ہر ہوس پرست بیک وقت جام اور بوجھ سنبھالنا نہیں جانتا)

درجہ استعداد فطری میں دادھیال اور ننہال ہی سے موروث ہے جس پر بے ساختہ یہ شعر ذہن میں آتا ہے۔

زیکسو بوئے گل وزیک طرف پیغام یار آمد   من آں دیوانہ ام کز ہر دو سوئے من بہار آمد

(ایک طرف سے پھول کی خوشبو اور دوسری جانب سے محبوب کا پیغام آیا ہے، میں وہ دیوانہ ہوں کہ جس کے دونوں جانب سے بہار آئی ہے)

شان فاروقی و علوی کے مظہر اتم

اس طرح حضرت والا ماشاء اللہ تعالیٰ اپنے خاندان کے خلف الصدق اور شان فاروقی و شان علوی دونوں کے جامع اور مظہر اتم ہیں۔ و ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء و اللہ ذو الفضل العظیم.

کیوں نہ ہو عادت اللہ ہمیشہ سے یہی جاری ہے کہ جس کو مرجع خلائق بنانا اور منصب ارشاد پر متمکن فرمانا منظور ہوتا ہے اس کو اعزاز خاندانی اور شرافت نسبی سے بھی ممتاز فرمایا جاتا ہے تاکہ بڑے سے بڑے طبقہ کے لوگ بھی اس کے اتباع سے عار واستنکاف نہ کریں گو مطلق قبول عند اللہ کیلئے شرافت نسب کی بالکل حاجت نہیں بقولہ تعالیٰ فاذانفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذ ولایتساء لون و لقولہ تعالیٰ ان اکر مکم عند اللہ اتقکم

متمول خاندان میں پیدا ہونے کا بھی یہی اثر ہے یعنی بڑے طبقہ کے لوگوں کو بھی اتباع سے عار نہ ہونا۔ علاوہ بریں خود بھی ایسے شخص پر کسی کی وجاہت ظاہری کا بے جا اثر نہیں ہونے پاتا اور وہ نہایت آزادی کے ساتھ ہر شخص کی اصلاح کرسکتا ہے چنانچہ حضرت والا نہایت استغنا کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ میرے اوپر کسی بڑے سے بڑے رئیس کا بھی محض اس کی ریاست اور وجاہت ظاہری کی بناء پر مطلق اثر نہیں ہوتا کیونکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ یہی کیا رئیس ہیں ہم بھی خدا کے فضل سے گھر کے کھاتے پیتے ہیں۔ ہم بھی کوئی مفلس زادہ نہیں چنانچہ الحمد للہ میں نے ہمیشہ نہایت فراغت کے ساتھ زندگی بسر کی ہے اور ہزاروں روپے اپنے ہاتھوں خرچ کیے ہیں اس لیے اب کوئی حسرت مال ومتاع کے متعلق ایسی باقی نہیں رہی جس کی وجہ سے کسی مالدار کی طرف نظر احتیاج ہو کیونکہ جب سب چیزوں سے جی بھر جاتا ہے تو اس کا طبعی خاصہ ہے کہ حرص وطمع باقی نہیں رہتی۔ ''انتہیٰ کلامہ''

چنانچہ حضرت والا کی مشہور زمانہ اور یکتائے روزگار شان استغناء کا یہ بھی ایک سبب ظاہری ہے گو اس کا اصل منشاء شدت تعلق مع اللہ ہے ورنہ محض مال ومتاع والے تو بہت سے حرص وطمع میں گرفتار دیکھے جاتے ہیں۔

غرض چونکہ حق تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ حضرت والا کو اصلاح وارشاد کا منصب عالی عطا فرمائیں اس لیے ایک طرف تو عقل وافر اور عشق کامل اور دوسری جانب شرافت نسبی اور جاہ و ثروت خاندانی دونوں قسم کی دولتوں اور امتیازات سے مشرف فرمایا۔ ع یار ما ایں دارد و آں نیز ہم

حضرت والا کے نانا جی

نانہال کی شان عشقی کے ضمن میں حضرت والا کے نانا صاحب پیر جی نجابت علی صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ذکر اس جگہ بے موقع نہ ہوگا۔ آپ اعلیٰ فارسی دانی وشاعری وانشا پردازی ولطیفہ گوئی وحاضر جوابی و بذلہ سنجی کی صفات سے موصوف تھے اور ریاست کنج پورہ میں بعہدہ وکیل ریاست ممتاز تھے۔ آپ صاحب الاحوال والمواجید مولانا شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی کے ایک خلیفہ خاص سے بیعت تھے اور حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ سے جو اپنے زمانہ میں افضل المجاذیب تھے بہت عقیدت ومحبت رکھتے تھے اور باہم بہت گہرے اور خصوصی تعلقات تھے۔ حضرت حافظ صاحبؒ کی آپ پر باوجود مجذوب ہونے کے خاص نظر تربیت تھی چنانچہ ابتدائے سلوک میں جب پیر جی صاحب پر آثار ذکر وشغل کا غلبہ ہوا تو تعلقات اہل وعیال واکتساب معاش سے لاپروائی برتنے لگے۔ نانی صاحبہ کی شکایت پر مجذوب صاحب ممدوح نے اس کیفیت کو اپنی توجہ سے بضرورت سلب فرمالیا جس سے پیر جی صاحب کو اس وقت اس درجہ قلق ہوا کہ باوجود انتہائی عقیدت کے ان کی شان میں سخت سخت الفاظ مثلاً قزاق ڈاکو وغیرہ استعمال کرنے لگے لیکن حافظ صاحب نے کچھ پرواہ نہ کی اور اپنا کام کر کے چل دیئے۔ پیر جی صاحب کو بھی بعد کو سکون ہو گیا اور کسب معاش میں مشغول ہو گئے۔

جب پیر جی صاحب کے انتقال کا وقت آیا تو حافظ صاحب دفعتاً پھر آموجود ہوئے اور سیدھے بستر مرگ کے پاس پہنچ کر فرمایا نجابت علی میری طرف دیکھو ان کا نظر اٹھا کر دیکھنا تھا کہ پھر وہی کیفیت مسلوبہ عود کر آئی اور پیر جی صاحب نہایت ہشاش بشاش دنیا سے رخصت ہوئے۔

ماموں جی

حضرت کے حقیقی ماموں پیر جی امداد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی بڑے زبردست صاحب حال وقال بزرگ تھے ان کا سوز وگداز عشق حقیقی انتہاء کو پہنچا ہوا تھا جس سے مغلوب ہو کر بعض ایسے امور کا صدور ہو جاتا تھا جو عوام کے مصالح کے مناسب نہ تھے خود حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ان کے کلمات سے ایک آگ سی نکلتی ہوئی محسوس ہوتی تھی اور حضرت حافظ شیرازیؒ کا یہ شعر ان پر صادق آتا تھا۔

غلام آں کلماتم کہ آتش افروزد   نہ آب سرد زند در سخن بر آتش تیز

(میں ان باتوں کا غلام ہوں جو آگ بھڑکاتے ہیں، لہٰذا بات کر کے بھڑکتی آگ پر ٹھنڈا پانی نہ ڈالو)

اس کی تصدیق ان کی اس مناجات منظوم سے بخوبی ہوتی ہے جو حضرت والا نے اپنے رسالہ ''امواج طلب'' میں ملخصاً نقل فرمائی ہے۔

ان پر بھی حضرت حافظ غلام مرتضٰی صاحب مجذوب کی نظر توجہ ہوئی تھی۔ شروع میں بالکل وارستہ مزاج تھے۔ تلاش معاش سے تنگ آ کر بر بناء آزاد مزاجی ایک دن مجذوب صاحب سے عرض کیا کہ یا تو مجھے دنیا ہی کا بنا دیجئے یا دین ہی کا یہ بین بین حالت میں نہیں چاہتا۔ مجذوب صاحب نے جوش میں آ کر فرمایا جا جا حیدر آباد جا تجھے نواب بلا رہا ہے۔ یہ سن کر پیر جی صاحب کو بڑا قلق ہوا کہ ارے معلوم ہوتا ہے مجھے دنیا ہی ملی ''**لا حول ولا قوۃ**'' یہ میں نے کیا حماقت کی مجھے دنیا کا نام ہی نہ لینا چاہیے تھا۔ بس دین ہی طلب کرتا مگر خیر اب تو جو ہونا تھا ہو چکا' میری قسمت۔

وہ اس قول کے یہ معنی سمجھے کہ نواب صاحب حیدر آباد کے علاقہ میں روزگار ملے گا چنانچہ وہاں تلاش ملازمت میں پہنچے اور کچھ دن بعد نوکری بھی مل گئی مگر چونکہ فطری طور پر عشق حقیقی کا سودا سر میں سمایا ہوا تھا اور ابتداء ہی سے قلب میں سوز و گداز تھا اس لیے بحالت ملازمت برابر تلاش شیخ میں رہے چنانچہ جتنے درویش حیدر آباد میں تھے سب سے ملے مگر ان میں سے اکثر تو اس لیے ناپسند آئے کہ وہ حضرت مولانا اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کو برا سمجھتے تھے اور پیر جی صاحب مولانا کے بے حد معتقد تھے۔ بس اس ادا کے عاشق تھے کہ دیکھئے اپنی جان اور آبرو سب خدا کی راہ میں فدا کر دی اور بعض میں ترک دنیا کی شان نہ پائی جو پیر جی صاحب کا خاص مذاق تھا۔ بالآخر مرزا سردار بیگ صاحب کی خدمت میں پہنچے جو پہلے بڑے امراء میں سے تھے اور نواب مشہور تھے پھر ترک ریاست کر کے درویشی اختیار کر لی تھی۔ بڑے مجاہد اور بڑے تارک تھے ان کی جانب قلب کو بہت کشش ہوئی مگر احتیاطاً حضرت حافظ صاحب مجذوب کے صاحبزادے پیر احمد صاحب کو خط لکھا کہ یہاں چند درویش ہیں حافظ صاحب سے پوچھ کر مجھے اطلاع دیجئے کہ ان میں سے میں کس کی طرف رجوع کروں۔؟

حافظ صاحب سے جب پوچھا گیا تو زبانی کوئی جواب نہ دیا لیکن یہ کیا کہ اپنا کمبل جس کو اوڑھے ہوئے تھے اتار کر جلا دیا اور الگ خاموش جا بیٹھے۔ جب پیر جی صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اس کے بعد جب مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے از خود بسلسلہ گفتگو فرمایا کہ جس طرح تعلیم قالی ہوتی ہے حالی بھی ہوتی ہے۔ اور طوطی کا قصہ جو مثنوی شریف میں مذکور ہے بیان فرمایا کہ اس نے اپنے آپ کو مثل مردہ بنالیا جس میں دوسری طوطی کو اشارہ تھا کہ اگر وہ بھی اس طرح اپنے آپ کو مردہ بنالے تو رہا ہو جائے۔

مرزا صاحب سے اس قصہ کو سننا تھا کہ فوراً پیر جی صاحب کا ذہن مجذوب صاحب کے کمبل جلا دینے کی طرف منتقل ہو گیا اور اس کا یہ مطلب سمجھ میں آیا کہ یہ میرے لیے عملی تعلیم اس امر کی تھی کہ کسی ایسے بزرگ سے بیعت کرو جو سب تعلقات کو سوختہ کر چکا ہو اور اس شان کے بزرگ وہاں مرزا صاحب ہی تھے۔ بس یہ مطلب ذہن میں آتے ہی مرزا صاحب کے عشق کی آگ پیر جی صاحب کے دل میں بھڑک اٹھی اور بعد اصرار و انکار بسیار مرزا صاحب کے سلسلہ میں داخل ہو گئے۔

حضرت کے پردادا رحمہ اللہ

گو یہ مضمون طویل ہوتا چلا جا رہا ہے لیکن احقر کی رائے ناقص میں ''شرف نسب'' کے عنوان کے تحت میں اگر خاندان کے بعض خاص خاص بزرگوں کے مہتم بالشان حالات و واقعات بھی نہ نقل کیے جائیں تو شرف نسب کے متعلق کافی بصیرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ حضرت والا کے پردادا محمد فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک خاص واقعہ اور حضرت والا کے جد اعلیٰ حضرت سلطان شہاب الدین علی معروف بہ فرخ شاہ کابلی کا مختصر حال لکھنا بھی مناسب سمجھتا ہوں۔

پردادا صاحب تو کیرانہ اور شاملی کے درمیان جہاں پختہ سڑک ہے شہید ہوئے اور وہیں پر پیر سماء الدین صاحب کے مزار کے پاس دفن کیے گئے اور شروع میں بہت عرصہ تک ان کا عرس بھی ہوتا رہا۔ کسی بارات میں تشریف لے جا رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے آ کر بارات پر حملہ کیا۔ ان کے پاس کمان تھی اور تیر تھے۔ انہوں نے ڈاکوؤں پر دلیرانہ تیر برسانا

شروع کیے چونکہ ڈاکوؤں کی تعداد کثیر تھی اور ادھر سے بے سروسامانی تھی یہ مقابلہ میں شہید ہوگئے اور اس حدیث شریف کے مصداق ہوگئے۔ **من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد ومن قتل دون اهله فهو شهيد و من قتل دون مظلمته فهو شهيد (كلها فى جمع الفوائد)**

شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ شب کے وقت اپنے گھر مثل زندہ کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مٹھائی لا کر دی اور فرمایا کہ اگر تم کسی سے ظاہر نہ کروگی تو اسی طرح روز آیا کریں گے لیکن ان کے گھر کے لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب بچوں کو مٹھائی کھاتے دیکھیں گے تو معلوم نہیں کیا شبہ کریں اس لیے ظاہر کر دیا اور پھر آپ تشریف نہیں لائے۔ یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے۔

جدّ اعلیٰ حضرت فرخ شاہ

حضرت والا کے جد اعلیٰ فرخ شاہ کابلی کا حال تتمات تنبیہات وصیت سے مع حوالہ نقل کیا جاتا ہے۔

نمبر۱۔ منقول از ضمیمہ تتمہ سادسہ تنبیہات وصیت بابت منتصف اخیر ۱۳۳۶ھ مطبوعہ الامداد ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

مضمون ثالث (ط) شیوخ تھانہ بھون و حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ و حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ و حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ یہ سب سلطان شہاب الدین الملقب بہ فرخ شاہ کابلی کی اولاد سے ہیں جن کی نسبت زبدۃ المقامات میں ہے۔

''مردے از اجلہ امراء و اعاظم وزراء سلاطین کابل بودہ نخستیں نزیل ہندوستان اوست کہ از غزنین و کابل بدیار ہند آمد گویندوے باوصاف خجستہ موصوف بود و بترویج اسلام و توہین عبدۂ اصنام معروف۔

نمبر۲۔ (منقول از تتمہ سابعہ تنبیہات وصیت بابت منتصف ۱۳۳۷ھ مندرجہ رسالہ النور جو غالباً ماہ جمادی الاخریٰ یا رجب ۱۳۳۷ہجری کا ہے۔)

مضمون ثالث بحوالہ رسالہ السلسلۃ الذہبیہ

یہ سلطان شہاب الدین علی منجملہ اولیاء کاملین سے ہیں ان کا لقب فرخ شاہ ہے جو سلوک صوفیہ سے پہلے والی کابل رہے ہیں اور سلطنت غزنویہ کے زوال کے بعد آپ ہی کابل سے خروج کر کے کئی بار فوج کثیر کے ساتھ واسطے ترویج اسلام و جہاد کفار اور توہین اصنام کے ہندوستان میں تشریف لائے اور پھر بامراد بہت سا مال غنیمت لے کر مراجعت فرما ہوئے۔ آخر الامر عنایت الٰہی سے ان کی توجہ سلوک طریقہ عالیہ چشتیہ کی طرف مصروف ہوئی اور اس طریقہ عالیہ کے بزرگوں سے مستفید ہو کر کمال کے درجہ کو پہنچے۔ ایک عالم آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہوا۔

ترک سلطنت اور قبول فقر کے بعد کوہستان کابل میں آپ نے سکونت اختیار کی اور مدۃ العمر وہیں رہ کر فیض رسانی خلق میں مشغول ہوئے اور وصال کے بعد وہیں دفن ہوئے۔ آج تک وہ موضع درہ فرخ شاہ مشہور ہے اور قبر مبارک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ انتہیٰ

درویشی وشاہی کا جامع خاندان :۔

حضرت والا کے دادھیالی اور ننہالی اجداد قریبہ و بعیدہ کے حالات و واقعات مذکورہ باب ہذا سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضرت والا کیا بلحاظ ظاہر اور کیا بلحاظ باطن شاہی خاندان سے نسبت رکھتے ہیں جو درویشی و بادشاہی کا جامع رہا ہے۔ چنانچہ بمصداق الولد سر لابیہ حضرت والا کے اندر بفضلہ تعالیٰ دونوں شانیں ایک طرف تو بصورت شان فقر و عبدیت وفنا و تواضع اور دوسری طرف بصورت شان جلال و سیاست و تدبر و استغناء بدرجہ کمال نمایاں ہیں۔ بمصداق اشعار حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ

اے در رخ تو پیدا انوار پادشاہی — وفکرت تو پنہاں صد حکمت الٰہی

(اے محبوب تیرے چہرے میں شاہی انوار چمک رہے ہیں، اور تیری فکر میں اللہ کی سینکڑوں حکمتیں پوشیدہ ہیں)

کلک تو بارک اللہ در ملک و دیں کشادہ — صد چشمہ آب حیواں از قطرہ سیاہی

(تیرے قلم میں اللہ برکت دے کہ وہ دین کی بادشاہی میں کھلا ہے، سیاہی کے ایک

قطرہ سے آبِ حیات کے سینکڑوں چشمے ابل پڑتے ہیں)

اور حضرت والا کی اس جامعیت کو دیکھ کر بے ساختہ یہ شعر یاد آتا ہے۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں ۔۔۔ کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

(میں میکدہ کا غلام ہوں لیکن مستی کے وقت دیکھا کر، جب کہ میں آسمان پر ناز کرتا ہوں اور ستاروں پر حکم چلاتا ہوں)

غرض حضرت والا بفضلہ تعالیٰ علاوہ کمالات ذاتی کے شریف النسب اور عالی خاندان بھی ہیں۔ **فالحمدللہ و ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء.**

فائدہ: احقر نے جو اس عنوان کے ذیل میں یہ عرض کیا ہے کہ حضرت والا کو دادھیال سے دولت عقل اور ننہال سے دولت عشق میراث میں ملی ہے اس سے مراد استعداد فطری بالقوۃ ہے جو محض درجہ استعداد میں کوئی چیز نہیں جب تک درجہ فعلیت میں نہ آئے اور وہ درجہ فعلیت میں آتی ہے روحانی مربی کے فیض سے جس سے جمیع اقسام کی استعدادات صالحہ کا ظہور اور تعدیہ ہوتا ہے لیکن چونکہ استعداد فطری بھی ایک ایسی نعمت عظمیٰ اور موہبت خداوندی ہے جو آئندہ حاصل ہونے والے جمیع کمالات و فضائل کے لیے بمنزلہ اساس و بنیاد کے ہے اور جس کے بغیر روحانی مربی کی تعلیم و تربیت بھی چنداں مؤثر نہیں ہوتی بمصداق۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ۔۔۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

(بارش کی طبعی لطافت میں اختلاف نہیں ہے، لیکن اس سے باغ میں پھول اُگتے ہیں اور شوریلی زمین جھاڑیاں و کانٹے)

اس لیے اس استعداد فطری کا بھی ذکر بضمن شرافت نسب ضروری تھا۔

باب سوم

''وطن مالوف''

تھانہ بھون

حضرت والا کا وطن مالوف قصبہ تھانہ بھون ہے جو ضلع مظفر نگر میں واقع ہے۔ اس کا اصل نام ''تھانہ بھیم'' تھا کیونکہ وہ کسی زمانہ میں راجہ بھیم کا تھانہ تھا۔ کثرت استعمال سے تھانہ بھون ہوگیا۔ جب یہاں مسلمان آ کر آباد ہوئے تو شرفائے قصبہ کے بعض اجداد نے اپنے ایک فرزند ''فتح محمد'' کے نام پر اس کا نام محمد پور رکھا جو کاغذات شاہی میں بھی پایا جاتا ہے لیکن عام طور پر پرانا نام یعنی تھانہ بھون ہی مشہور رہا۔ غدر سے بہت پہلے اس قصبہ کی آبادی اڑتالیس ہزار کی تھی پھر غدر کے قریب چھتیس ہزار کی رہ گئی اور اب تو صرف چھ سات ہزار ہی کی ہے۔ محرم ۱۲۷۴ھ میں یہاں غدر کا اثر پہنچا تھا جس کا حضرت والا نے مادہ تاریخ خوب نکالا یعنی ''خرابی تھانہ''۔

مردم خیز اور تاریخی قصبہ

یہ قصبہ ممالک متحدہ آگرہ واودھ کا ایک مشہور و معروف مردم خیز تاریخی قصبہ ہے جہاں ہمیشہ مسلمان شرفاء بالخصوص شیوخ فاروقی النسل صاحب اقتدار اور صاحب قوۃ و شوکت اور صاحب جائیداد رہے ہیں اور گو اب افلاس غالب ہے لیکن ذی اقتدار ہستیاں بفضلہ تعالیٰ اب بھی موجود ہیں۔ نیز یہاں مختلف فنون کے اہل کمال بھی گزرے ہیں جن کے کارناموں کے افسانے کتابوں میں اور زبانوں پر اب تک ہیں۔

زمانہ شاہی میں بڑے بڑے منصب دار اور جاگیردار بھی تھے۔

اہل علم و دانش کی سرزمین

یہاں کے عقلاء خاص طور پر مشہور رہے ہیں چنانچہ ایک انگریز نے جو افسر بندوبست

تھا اپنی رپورٹ میں مختلف قصبات کے باشندگان کے متعلق اظہار رائے کرتے ہوئے تھانہ بھون کے باشندوں کو ''عاقلانِ تھانہ'' کا لقب دیا تھا۔ مجھے جہاں تک علم ہے جیسے اس گردونواح میں مسلمان شرفاء کے بڑے بڑے قصبے ہیں مثلاً دیوبند' گنگوہ کیرانہ جھنجھانہ کاندھلہ پانی پت وغیرہ ویسے ہندوستان میں اور کہیں نہیں پائے جاتے اور جتنی دینداری اور جتنا علم دین کا چرچا ان اطراف میں ہے اتنا اور کہیں نہیں دیکھا گیا۔ اور جس کثرت سے بڑے بڑے علماء وفضلا ومشائخ اس حصہ ملک میں گزرے ہیں اور موجود ہیں اتنے اور کہیں نہیں چنانچہ قنوج کے شیخ معشوق علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ایک دیندار بزرگ اور نہایت عاقل ومردم شناس رئیس تھے انہوں نے حضرت والا سے ایک بار فرمایا تھا کہ ان اطراف کے لوگ ہماری طرف کے لوگوں سے ہر بات میں بڑھے ہوئے ہیں چنانچہ یہاں کا عالم وہاں کے عالم سے اچھا' یہاں کا جاہل وہاں کے جاہل سے اچھا حتیٰ کہ یہاں کا کافر وہاں کے کافر سے اچھا ھ۔ گویا کہ حضرت حافظؒ کا یہ شعر صادق آتا ہے۔

بازار چہ گاہ گاہے برسر نہد کلاہے ۔۔۔ مرغان قاف دانند آئین پادشاہی

(بازاگرچہ کبھی کبھی سر پر ٹوپی رکھتا ہے، مگر کوہ قاف کے پرندے جانتے ہیں کہ شاہی قوانین کیا ہیں)

حضرتؒ کا دودھیالی ونھیالی وطن

حضرت والا کی دادھیال اور نانہال دونوں تھانہ بھون ہی کی ہیں۔ نانہال کے اجداد پہلے جھنجھانہ رہتے تھے پھر حضرت والا کے نانا صاحب کے والد ماجد نے تھانہ بھون میں آ کر سکونت اختیار کر لی۔ دادھیال کے اجداد میں سے مولانا صدر جہاں معاصر قاضی محمد نصر اللہ خاں کا ذکر عہد اکبر شاہ اعظم میں کاغذات سے ثابت ہے۔ ان کے اجداد قریبہ تھانیسر ضلع کرنال سے نقل سکونت کر کے تشریف لائے اور تھانیسر میں غزنین وکابل سے منتقل ہو کر آئے اور ان کا سلسلہ فرخ شاہ کابلی تک پہنچتا ہے جن کا حال باب سابق میں گزر چکا ہے۔

باب چہارم

''ولادت باسعادت''

تاریخ ولادت

حضرت والا کی ولادت باسعادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو چہار شنبہ کے دن بوقت صبح صادق واقع ہوئی حسن اتفاق سے امسال دوران تحریر سوانح ہذا بھی ۵۔ ربیع الثانی چہار شنبہ ہی کے دن واقع ہوئی ہے اور تاریخ مذکور میں سن شریف کے ۷۳ سال بحمد اللہ پورے ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت صاحب سوانح کو غیر معمولی طویل عمر بایں ہمہ فیوض و برکات ظاہری و باطنی بصحت و عافیت دائمی عطا فرمائے۔ اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و التحیۃ پر سایہ عاطفت کو تا دیر سلامت با کرامت رکھے۔ آمین ثم آمین۔

مادۂ تاریخ

کسی نے مادہ تاریخ ''کرم عظیم'' ''۱۲۸۰'' خوب نکالا ہے جو بالکل مطابق واقع کے ہے کیونکہ حضرت حکیم الامت کی ذات بابرکات کا امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و التحیۃ کے لیے اللہ تعالیٰ کا کرم عظیم ہونا اظہر من الشمس ہے۔

جائے پیدائش

حضرت والا کی ولادت باسعادت ننہال کے اس مکان میں ہوئی جو محلہ خیل میں ہے اور جواب پیر جی شوکت علی صاحب مرحوم کی اولاد کے حصہ میں ہے۔

ولادت مبارکہ کا واقعہ

حضرت والا کی ولادت باسعادت کا واقعہ نہایت عجیب وغریب ہے جو خاندان میں اسی وقت سے مشہور چلا آرہا ہے اور جس کو خود حضرت والا نے اپنے بزرگوں اور حاضرین واقعہ

سے سن کر قلمبند بھی فرمالیا ہے۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ حسام عبرت) وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت والا کے والد ماجد کو مرض خارشت ہو گیا تھا اور اس قدر شدید تھا کہ کسی دوا سے فائدہ نہ ہوتا تھا۔ کسی ڈاکٹر نے کہا کہ اس مرض کی ایک دوا اکسیر ہے مگر وہ قاطع النسل ہے چونکہ والد صاحب مرض سے بہت تنگ آ گئے تھے اس لیے انہوں نے اس دوا کا استعمال یہ کہہ کر کرلیا کہ بلا سے اولاد نہ ہو بقاءِ نوعی سے بقاءِ شخصی مقدم ہے۔ والدہ صاحبہ کو جب یہ معلوم ہوا تو بہت پریشان ہوئیں کیونکہ اس وقت تک کوئی نرینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ شدہ شدہ یہ خبر نانی صاحبہ کو بھی پہنچ گئی ان کو بھی بڑی پریشانی ہوئی۔ انہوں نے حضرت حافظ غلام مرتضٰی صاحب مجذوب پانی پتیؒ سے (جو اتفاق سے نانا صاحب کے تعلقات سابقہ کی وجہ سے تشریف لائے ہوئے تھے) شکایت کی کہ حضرت میری اس لڑکی کے لڑکے زندہ نہیں رہتے۔ حافظ صاحب نے بطریق معما فرمایا کہ عمر و علی کی کشاکشی میں مرجاتے ہیں۔ اب کی بار علی کے سپرد کر دینا زندہ رہے گا۔ اس مجذوبانہ معما کو کوئی نہ سمجھا لیکن والدہ صاحبہ نے اپنی فہم خداداد اور نور فراست سے اس کو حل کیا اور فرمایا کہ حافظ صاحب کا یہ مطلب ہے کہ لڑکوں کے باپ فاروقی ہیں اور ماں علوی اور اب تک جو نام رکھے گئے وہ باپ کے نام پر رکھے گئے یعنی فضل حق وغیرہ اب کی بار جو لڑکا ہو اس کا نام ننھیال کے ناموں کے مطابق رکھا جائے۔ جس کے آخر میں علی ہو۔ حافظ صاحبؒ یہ سن کر ہنسے اور فرمایا کہ واقعی میرا یہی مطلب ہے یہ لڑکی بڑی عقلمند معلوم ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ انشاء اللہ اس کے دو لڑکے ہوں گے اور زندہ رہیں گے ایک کا نام اشرف علی خاں رکھنا دوسرے کا اکبر علی خاں۔ نام لیتے وقت خاں اپنی طرف سے جوش میں آ کر بڑھا دیا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا وہ پٹھان ہوں گے؟ فرمایا نہیں اشرف علی اور اکبر علی نام رکھنا۔ یہ بھی فرمایا کہ دونوں صاحب نصیب ہوں گے۔ یہ بھی فرمایا کہ ایک میرا ہو گا وہ مولوی ہو گا اور حافظ ہو گا اور دوسرا دنیادار ہو گا۔ چنانچہ یہ سب پیشین گوئیاں حرف بحرف راست نکلیں۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ یہ جو میں کبھی اکھڑی اکھڑی باتیں کرنے لگتا ہوں ان ہی مجذوب صاحب کی روحانی توجہ کا اثر ہے جن کی دعا سے میں پیدا ہوا ہوں کیونکہ طبیعت مجذوبوں کی طرح آزاد ہے الجھی ہوئی باتوں کی متحمل نہیں۔

بچپن کا خواب

حضرت والا حافظ غلام مرتضٰی صاحب مجذوبؒ کی اس روحانی توجہ کے متعلق حضرت والا کے زمانہ طالب علمی کا ایک خواب بھی اصدق الرویا ہے۔ خود حضرت والا کا ارقام فرمایا ہوا نقل کر دینے کو جی چاہتا ہے وھو ہذا

''میں نے زمانہ تحصیل مدرسہ عالیہ دیوبند میں ایک بزرگ کو دیکھا مجھ سے پوچھتے ہیں تمہاری کیا عمر ہے اور تم کو سال کب شروع ہوگا۔ میں نے عمر بتلائی اور کہا کہ ۵۔ ربیع الثانی کو نیا سال شروع ہوگا۔ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ سال شروع ہونے سے پہلے دو روزے رکھ لینا برکت ہوگی۔ میں نے اس پر عمل کیا اور کئی سال تک وہ عمل کرتا رہا پھر کسل ہو گیا۔ ایک بار اس زمانہ میں بھی وہ عمل کیا تھا مگر غالباً ایک روزہ رکھا تھا۔ میں نے اس خواب کو اپنے عزیزوں میں سے ایک بزرگ سے بیان کیا انہوں نے مجھ سے حلیہ پوچھا میں نے بیان کیا سن کر فرمایا کہ یہ حافظ غلام مرتضٰی صاحب قدس سرہ تھے۔ یہ ایک مجذوب مگر پاکیزہ بزرگ تھے جن کی مدح شیوخ طریقت بلکہ خود حضرت مرشدی حاجی صاحب قدس اللہ سرہ نے بھی فرمائی۔ الخ۔ انتہیٰ

حضرت والا کے عجیب و غریب واقعہ ولادت مذکورہ باب ہذا سے حضرت والا کا مصداق ارشاد خداوندی و اصطنعتک لنفسی کا نمونہ ہونا ظاہر و باہر ہے۔ اور حضرت والا کے جو دیگر سوانح حیات ہیں وہ سب گویا اسی کی تفصیلات و تصدیقات ہیں۔

باب پنجم

''طفولیت''

حضرت والا کی انّا

چونکہ حضرت والا کے چھوٹے بھائی صاحب حضرت والا کے تولد کے تقریباً چودہ ماہ بعد ہی پیدا ہو گئے تھے اور دودھ دو بچوں کے لیے کافی نہ ہوتا تھا اس لیے حضرت والا کے لیے ایک انا یعنی دودھ پلائی مقرر کی گئی تھیں۔ وہ ضلع میرٹھ کے کسی دیہات کی تھیں۔ اور قوم کی قصائن تھیں۔ چنانچہ حضرت والا مزاح میں اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے قصائن کا دودھ پیا ہے اس لیے بھی میرے مزاج میں حدت ہے مگر الحمدللہ شدت نہیں میرا دل اس قدر نرم ہے کہ مجھ سے کسی کی ذرا بھی تکلیف نہیں دیکھی جاتی اگر کسی کو ادنیٰ تکلیف میں بھی دیکھ لیتا ہوں تو بس دل پگھل جاتا ہے اور پانی پانی ہو جاتا ہے۔ حضرت والا نے بہت چاہا کہ اپنی مرضعہ کی اولاد وغیرہ کا پتہ چلائیں تاکہ ان کے ساتھ سلوک کیا جائے لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا۔ اس خیال کا منشا طبعی تعلق اور اتباع سنت دونوں ہیں۔

والدہ محترمہ کی وفات

حضرت والا کی عمر ابھی غالباً پانچ سال ہی کی تھی کہ والدہ مشفقہ کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے اپنی والدہ صاحبہ کی صورت شکل تو پورے طور سے یاد ہی نہیں لیکن جب خیال کرتا ہوں تو اتنا یاد آتا ہے کہ ایک چارپائی پر پائنتی کی طرف بیٹھی ہیں بس یہ ہیئت ذہن میں باقی رہ گئی ہے اور کچھ یاد نہیں رہا کیونکہ میں بہت چھوٹا تھا چار پانچ برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔

والد صاحب کی شفقت

یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ والدہ صاحب کے انتقال کے بعد والد صاحب نے بڑی

محبت اور شفقت سے ہم دونوں بھائیوں کو اپنے ہاتھوں پرورش کیا۔ ناشتہ میں روغنی روٹی کو خوب گھی سے چور چور کر اور لقمے بنا بنا کر اپنے ہاتھ سے کھلایا کرتے تھے۔ ایسی محبت سے پالا کہ والدہ صاحبہ کے رنج کو بھی بھلا دیا۔ والدہ سے بھی زیادہ محبت فرماتے تھے گو والد صاحب میں تیزی بہت تھی مگر ہم دونوں بھائیوں پر بہت کم خفا ہوتے تھے اور ہمیشہ ہم لوگوں کو بڑے ناز ونعم میں رکھا۔ بالخصوص میرے ساتھ تو بہت ہی نرمی کا برتاؤ فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ تائی صاحبہ نے ان سے کہا بھی کہ یہ کیا بات ہے کہ تم شوخی پر چھوٹے ہی کو مارتے ہو۔ بڑے کو بہت کم مارتے دیکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ بھابھی صاحبہ اول تو یہ چھوٹا ہی بڑے کو شرارت سکھاتا ہے دوسرے بڑا اپنا سبق یاد کر لیتا ہے اس لیے مجھے اس سے زیادہ محبت ہے اور چھوٹا نہیں یاد کرتا۔ غرض میں بہت کم پٹتا تھا اور استادوں کے ہاتھ سے بھی میں بہت کم پٹا ہوں۔ قریب بالکل ہی نہ پٹنے کے کیونکہ سبق یاد کر لیتا تھا اور ادب کے ساتھ رہتا تھا جب کبھی ہم والد صاحب کی خفگی وغیرہ پر روٹھ جاتے تو کھانا نہ کھاتے والد صاحب سبب پوچھتے تو کہہ دیتے کہ بھوک نہیں ہے۔ فوراً صندوقچہ منگوا کر ایک ایک روپیہ نکال کر دیتے اور فرماتے کہ لو اب بھوک لگ آئے گی چنانچہ ہم خوش ہو جاتے اور کھانے بیٹھ جاتے۔

تربیت

تراویح میں ختم قرآن کی جو مٹھائی مسجدوں میں تقسیم ہوتی اس میں (والد صاحب ہمیں) کبھی شریک نہ ہونے دیتے بلکہ اس روز خود بازار سے مٹھائی منگوا کر اس سے زیادہ کھلا دیتے اور کہتے کہ مسجدوں میں مٹھائی لینے کے لیے جانا بے غیرتی کی بات ہے۔ اس خوبی کے ساتھ ہم لوگوں کو حرص سے بچاتے اور غیرت سکھاتے۔ ایک بار زمانہ طالب علمی میں میری زبان سے حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے متعلق کسی سلسلہ گفتگو میں یہ نکل گیا کہ مولانا پڑھے ہوئے نہیں۔ واقعی مولانا نے ظاہری علم نہیں پڑھا تھا گو بڑے مدبر اور صاحب نسبت بزرگ تھے ' یہ سن کر والد صاحب کو غصہ آ گیا اور بہت ڈانٹا کہ بزرگوں کی شان میں کہیں ایسے الفاظ کہا کرتے ہیں' اس

قدر خفا ہوئے کہ مارنے کو اٹھے گو مارا نہیں غرض ہم لوگوں کے اخلاق کی بہت ہی نگہداشت رکھتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی محبت اور شفقت بھی بے حد فرماتے تھے اھ۔

اعلیٰ درجہ کی ذہانت

حضرت والا کی ذہانت بچپن کی شوخیوں میں بھی نمایاں تھی۔ نئی نئی جدتیں سوجھتی تھیں۔ خود فرماتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے کیا شرارت سوجھی کہ برسات کا زمانہ تھا مگر ایسا کہ کبھی برس گیا کبھی کھل گیا مگر چار پائیاں باہر ہی بچھتی تھیں جب برسنے لگا چار پائیاں اندر کرلیں جب کھل گیا باہر بچھالیں۔ والدہ صاحبہ کا تو انتقال ہو چکا تھا بس والد صاحب اور ہم دونوں بھائی ہی مکان میں رہتے تھے تینوں کی چار پائیاں ملی ہوئی بچھتی تھیں۔ ایک دن میں نے چپکے سے تینوں چار پائیوں کے پائے رسی سے آپس میں خوب کس کے باندھ دیئے اب رات کو جو مینھ برسنا شروع ہوا تو والد صاحب جدھر سے بھی گھسیٹتے ہیں تینوں کی تینوں چار پائیاں ایک ساتھ گھسٹتی چلی آتی ہیں۔ رسیاں کھولتے ہیں تو کھلتی نہیں کیونکہ خوب کس کے باندھی گئی تھیں کاٹنا چاہا تو چاقو نہیں ملتا غرض بڑی پریشانی ہوئی اور بڑی مشکل سے پائے کھل سکے اور چار پائیاں اندر لے جائی جا سکیں۔ اس میں اتنی دیر لگی کو خوب بھیگ گئے۔ والد صاحب بڑے خفا ہوئے کہ یہ کیا نامعقول حرکت تھی اھ۔

یہ تو بالکل ہی بچپن کا واقعہ ہے۔ اور ایک واقعہ حفظ کلام مجید کے بعد کا یاد آیا۔ ایک نابینا حافظ تھے جن کو کلام مجید بہت پختہ یاد تھا اور اس کا ان کو ناز بھی تھا۔ ان کو حضرت والا قبل بلوغ نوافل میں کلام مجید سنایا کرتے تھے۔ ایک بار رمضان شریف میں دن کو ان سے کلام مجید کا دور کر رہے تھے۔ حضرت والا نے دور کے وقت ان کو متنبہ کر دیا کہ حافظ جی میں آج تم کو دھوکا دوں گا اور یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ فلاں آیت میں دھوکا دوں گا۔ حافظ جی نے کہا کہ میاں جاؤ بھی تم مجھے کیا دھوکا دے سکتے ہو بڑے بڑے حافظ تو مجھے دھوکا دے ہی نہ سکے۔

حضرت والا جب سنانے کھڑے ہوئے اور اس آیت پر پہنچے **انما انت منذر ولکل قوم ھاد** تو بہت ترتیل کے ساتھ پڑھا جیسا کہ رکوع کرنے کے قریب حضرت والا کا معمول ہے اس کے بعد اس سے آگے جب **اللّٰہ یعلم** الخ پڑھنے لگے تو لفظ اللّٰہ کو

اس طرح بڑھا کر پڑھا کہ جیسے رکوع میں جا رہے ہوں اور تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے والے ہوں بس حافظ جی یہ سمجھ کر رکوع میں جا رہے ہیں فوراً رکوع میں چلے گئے ادھر حضرت والا نے آگے قرأت شروع کر دی یعلم ما تحمل الخ اب ادھر حافظ جی تو رکوع میں پہنچے اور ادھر قرأت شروع ہوگئی فوراً حافظ جی سیدھے ہو کر کھڑے ہوئے' اس پر حضرت والا کو بے اختیار ہنسی آ گئی اور قہقہہ مار کر ہنس پڑے اور ہنسی سے اسقدر مغلوب ہوئے کہ نماز توڑ کر الگ ہو گئے۔ حضرت والا کے والد ماجد بھی علیحدہ پلنگ پر بیٹھے قرآن شریف سن رہے تھے انہوں نے سبب پوچھا جب حضرت والا نے واقعہ بیان کیا تو باوجود متانت انہیں بھی ہنسی آ گئی۔ حضرت والا کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ نماز میں قہقہہ سے نابالغ کا وضو نہیں ٹوٹتا صرف نماز فاسد ہوتی ہے۔ لہٰذا پھر نماز کی نیت باندھنے لگے تو والد ماجد نے روکا کہ ابھی نہیں پہلے خوب ہنس لو ورنہ پھر ہنسی آئے گی اور نماز فاسد ہوگی۔ بڑے ہی دانشمند تھے۔ جب حضرت والا خوب ہنس لیے تب مکرر نماز کی نیت باندھی اور جتنا اس روز قرآن سنانا تھا اس کو پورا کیا۔

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بچپن ہی سے جہاں کہیں رہا اعزہ اقربا اپنے بیگانے نے سب کا محبوب ہی رہا حالانکہ میں بچپن میں بہت شوخیاں کیا کرتا تھا۔ مگر آج کل کے لڑکوں کی سی گندی شرارتیں نہ ہوتی تھیں اس لیے سب کو بجائے ناگوار ہونے کے بھی بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ دیوالی کے زمانہ میں میرٹھ چھاؤنی کے بازار میں سڑک پر دورویہ چراغ جلائے جاتے تھے دونوں طرف ہم دونوں بھائی چلنا شروع کرتے اور رومال کو حرکت دے کر سب کو ایک طرف سے بجھاتے چلے جاتے مگر کوئی برا نہ مانتا۔ ہندوؤں کو بھی ناگوار نہ ہوتا۔

عبادت کا شوق

حضرت والا کو نماز کا بچپن ہی سے اس قدر شوق تھا کہ بعض کھیلوں میں بھی نماز ہی کی نقل اتارتے مثلاً سب ساتھیوں کے جوتے جمع کیے اور ان کی صفیں بنائیں اور ایک جوتا صفوں کے آگے رکھ دیا اور خوش ہوئے کہ جوتے بھی نماز پڑھ رہے ہیں۔ وعظ کا بھی بچپن ہی سے شوق تھا اور اس کی بھی نقل اتارا کرتے چنانچہ جب کبھی بازار کی طرف کسی چھوٹے موٹے سودے کے لیے بھیجے جاتے تو جو مسجد راستوں میں پڑتی اس میں چلے جاتے اور

سیدھے منبر پر جا چڑھتے اور کھڑے ہو کر کچھ خطبہ کی طرح پڑھ پڑھا کر وہاں سے چلے آتے۔ چونکہ وہ نماز کا وقت نہ ہوتا تھا اس لیے مسجد میں تنہائی بھی ہوتی تھی۔ اس صورت میں کوئی دیکھنے والا تو ہوتا نہ تھا جس سے شرم آتی خوب آزادی کے ساتھ خطبہ پڑھنے کے شوق کو پورا کرتے گویا وعظ گوئی اور خطبہ خوانی کا حضرت والا کو بچپن ہی سے شوق تھا۔ خدا کی شان ہونے والی بات۔ غرض حضرت والا کو دین کی باتوں کا لڑکپن ہی سے شوق تھا یہاں تک کہ بہت چھوٹی عمر میں بھی جبکہ عربی کی محض ابتدائی کتابیں پڑھتے تھے اور صرف ۱۲۔۱۳ برس ہی کی عمر تھی پچھلی رات تہجد کو اٹھتے اور نوافل و وظائف پڑھتے۔ تائی صاحبہ بڑی محبت فرماتی تھیں وہ منع بھی فرماتیں کہ بیٹے ابھی تیری عمر ہی کیا ہے اور بہت کڑھتیں۔ خاص طور سے جب سردی کے زمانہ میں حضرت والا کو اس چھوٹی سی عمر میں پچھلی رات اٹھ کر وضو کرتے اور تہجد پڑھتے دیکھتیں تو ان کا بہت جی کڑھتا اور بیچاری محبت کے مارے جب تک حضرت والا تہجد اور وظیفہ سے فارغ نہ ہو جاتے برابر بیٹھی جاگا کرتیں۔ حضرت فرمایا کرتے ہیں کہ مجھ کو دین کا شوق جس کی ایک فرع تہجد بھی ہے میرے ابتدائی استاد حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ کے فیض صحبت سے پیدا ہوا تھا جو ایک بہت ہی بابرکت اور صاحب نسبت اور صاحب اجازت بزرگ تھے۔ حضرت والا نے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ نہ کھیلتے تھے کیونکہ ان کے برے افعال کا حضرت والا کو علم تھا۔ بس اپنی ہمشیرہ کے ساتھ گھر کے اندر ہی کھیلا کرتے۔ حضرت والا کا یہ علیحدہ رہنا لڑکوں کو بہت ناگوار تھا۔ یہاں تک کہ چاقو لیے لیے پھرتے تھے کہ کہیں ملیں تو ماریں۔ مکتب میں ملازم کے ساتھ آتے جاتے جب کسی طرح لڑکے فساد سے باز نہ آئے۔ مجبوراً اس کی تھانہ میں رپورٹ کی گئی۔ تھانہ دار نے حضرت والا کو اور سب لڑکوں کو بلا کر حضرت والا ہی کے ہاتھ سے بید لے کر جو اس وقت لیے ہوئے تھے لڑکوں کو خوب مارا پیٹا۔ اس کے بعد پھر کسی کی ہمت نہ پڑی اور اندیشہ رفع ہو گیا۔

لطافت طبع

حضرت والا بچپن میں کسی کا ننگا پیٹ نہیں دیکھ سکتے تھے دیکھتے ہی بس فوراً قے ہو جاتی تھی۔ یہ حضرت والا نے اپنے خاندان کے بزرگوں سے سنا چونکہ لڑکوں کو یہ معلوم تھا اس

لیے حضرت والا کو تنگ کیا کرتے اور پیٹ کھول کھول کر دکھاتے اور حضرت والا قے کرتے کرتے پریشان ہو جاتے۔ اس لطافت مزاج کا اتنا اثر تو اب تک ہے کہ حضرت والا کی ذکاء حس بے حد بڑھی ہوئی ہے۔ اس کمرہ میں نیند نہیں آتی جس میں کوئی تیز خوشبو کی چیز رکھی ہو مثلاً امرود وغیرہ اور بدبو کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ الٰہ آباد کے سفر میں میں نے خود دیکھا کہ جب تک امرودوں کا ٹوکرا کمرہ سے جدا نہ کرا دیا گیا۔ حضرت والا کو نیند ہی نہ آئی اور وہاں یہ بھی ہوا کہ بہت فاصلہ پر خام تمباکوی خوردنی کسی دوکان پر زیادہ مقدار میں رکھی ہوئی تھی اس کی بو کو دور ہی سے محسوس فرما لیا۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ وہاں سے فاصلہ پر واقعی تمباکو کی دوکان تھی۔ حال ہی میں ایک صاحب نے حلوا بھیجا اس کا برتن بدنما تھا اس میں سے چکھا تو حلوا بدمزہ سا معلوم ہوا خیال ہوا کہ کسی کو دے دیں گے لیکن جب اس کو ایک خوشنما شیشہ کے مرتبان میں رکھ لیا اور پھر کھایا تو معلوم ہوا کہ دراصل خوش ذائقہ تھا لیکن بدنما برتن میں بری طرح رکھا ہوا دیکھ کر اس وقت طبیعت نے قبول نہ کیا تھا۔

کسی کا جھوٹا کھانا یا پانی استعمال نہیں فرما سکتے گھن آتی ہے۔ یہاں تک کہ کبھی اپنے بزرگوں کے سامنے کا بچا ہوا کھانا پانی بھی تبرکاً استعمال نہیں کر سکے۔ البتہ اپنے ساتھ برتن میں کسی کو شریک کر لینا طبیعت کو ناگوار نہیں ہوتا۔ شب کو اگر ڈاک وغیرہ کا کام باقی رہ جاتا ہے تو نیند نہیں آتی یہاں تک کہ سفر میں بارہا ایسا ہوا کہ آدھی آدھی رات تک وعظ فرما کر آئے ہیں اور پھر ڈاک لے کر بیٹھ گئے اور جب تک زیادہ حصہ اس کا ختم نہیں کر لیا سوئے نہیں اور فرمایا کہ اگر میں سونا بھی چاہوں تو سو نہیں سکتا۔ جب تک کہ ڈاک کو اتنا نہ نمٹا دوں کو وہ قابو میں آجائے۔ سفر میں کئی کئی دن کی ڈاک جمع ہو کر اکٹھی ملتی تھی اور اکثر رات کو دیر دیر تک کام کرتے رہتے تھے۔ بعض اوقات عشاء کے بعد سے صبح کی اذان تک ڈاک لکھنے میں مشغول رہے۔ غرض حضرت والا کی لطافت ونزاکت مزاج کے واقعات روزمرہ کثرت سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور یہ تو بارہا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص الجھی ہوئی تقریر یا کوئی بے اصول کام کرے جس کا حضرت والا سے تعلق ہو تو اسی وقت تبخیر ہو کر درد سر ہونے لگتا ہے حالانکہ ماشاء اللہ دماغ اس قدر قوی ہے کہ بلاتکان دن دن بھر اور سوتے وقت تک دماغی کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ کسی وقت

فارغ نہیں رہتے۔ فرمایا کرتے ہیں کہ بچپن ہی سے میرا دماغ اس کا عادی ہے کہ اگر کوئی معمولی سے معمولی بات بھی ہو مگر ترتیب کے ساتھ نہ بیان کی جائے تو میری سمجھ ہی میں نہیں آتی۔ نہ خود الجھی ہوئی تقریر کروں نہ دوسرے کی الجھی ہوئی تقریر سمجھوں کیونکہ بچپن ہی سے میرا دماغ ایک خاص ترتیب کا عادی ہو رہا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت والا کی لطیف المزاجی بس ایک درجہ میں حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کی لطیف المزاجی کے مشابہ ہے جیسا کہ روزمرہ مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔ اس بارہ میں خود حضرت والا جناب بڑی پیرانی صاحبہ مدظلہا کا قول نقل فرمایا کرتے ہیں کہ "آپ تو کسی بادشاہ کے یہاں پیدا ہوئے ہوتے"

رُوحانی ترقی کی بشارت

حضرت والا نے ایک خواب بالکل اپنے بچپن کا کہ اس سے پہلے کوئی خواب ہی دیکھنا یاد نہیں اس طرح بیان فرمایا کہ میرٹھ کے جس مکان میں ہم لوگ رہتے تھے اس میں دو درجہ کی دہلیز ہے بڑے درجہ میں ایک پنجرہ رکھا ہوا دیکھا جس میں دو خوبصورت کبوتر ہیں پھر یہ دیکھا کہ شام ہو گئی اور وہاں اندھیرا ہو گیا۔ ان کبوتروں نے مجھ سے کہا کہ اندھیرا ہو گیا ہے ہمارے پنجرہ میں روشنی کر دو۔ میں نے کہا تم خود ہی کر لو چنانچہ انہوں نے اپنی چونچیں رگڑیں اور رگڑتے ہی خوب تیز روشنی ہو گئی اور تمام پنجرہ روشن ہو گیا۔ جب ایک مدت کے بعد ماموں واجد علی صاحب مرحوم سے میں نے یہ خواب بیان کیا تو انہوں نے یہ تعبیر دی کہ وہ دو کبوتر روح اور نفس تھے کیونکہ صوفیہ کرام اپنی اصطلاح میں روح کو نر اور نفس کو مادہ کہتے ہیں۔ تو روح اور نفس نے تم سے یہ درخواست کی کہ تم مجاہدہ کر کے ہم کو نورانی کرو تم نے جو یہ کہا کہ تم خود ہی روشنی کر لو اور انہوں نے اپنی اپنی چونچیں رگڑ کر روشنی کر لی اس کا یہ مطلب تھا کہ تم ریاضت و مجاہدہ نہ کرو گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ بلا ریاضت و مجاہدہ ہی حق تعالیٰ تمہاری روح اور تمہارے نفس کو نور عرفاں سے منور فرما دیں گے۔ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ اس تعبیر کا خیر ایک جزو تو صحیح نکلا کہ ریاضت و مجاہدہ مجھ سے کچھ نہ ہوا لیکن ابھی نور تو پیدا ہوا نہیں اللہ تعالیٰ نور بھی پیدا فرما دے۔

حضرت شیخ محمد تھانویؒ کی پیشین گوئی

حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانویؒ جو حضرت میاں جی نور محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے خاص خلفاء میں سے تھے اور حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے پیر بھائی تھے حضرت والا کے متعلق لڑکپن ہی میں جبکہ حضرت والا مکتب میں پڑھتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ میرے بعد یہ لڑکا میری جگہ ہوگا چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ ایسا ہی ظہور پذیر ہوا کہ بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس قصبہ میں اب حضرت والا ہی کی ذات گرامی علوم ظاہر و باطنی کی جامع ہے۔ مولانا ممدوح کو حضرت والا سے خاص تعلق تھا۔ یہاں تک کہ بعد وفات بھی حضرت والا سے عالم رویا میں فرمایا کہ ہم کو تو تمہاری طرف اب بھی ویسی ہی توجہ ہے جیسی حیات میں تھی۔ حضرت والا مولانا کی حیات میں نو عمر ہی تھے ایک بار حضرت والا کے والد ماجد نے جن سے مولانا کو کچھ برادرانہ شکر رنجی اور مقدمہ بازی ہوگئی تھی کچھ پان ہدیۃً بھیجنے چاہے تو حضرت والا سے فرمایا کہ تم لے جاؤ تو شاید لے لیں ورنہ نہ لیں گے چنانچہ مولانا نے محض حضرت والا کی خاطر باوجود دل نہ چاہنے کے قبول فرما لیے۔

مولانا خلیل احمدؒ کا ارشاد

حضرت اقدس جناب مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک بار حضرت والا کے متعلق اپنے ایک خادم سے فرمایا تھا کہ مجھے تو ان سے اس وقت سے محبت ہے جب وہ مجھ کو جانتے بھی نہ تھے۔ غرض حضرت والا بچپن ہی سے بزرگان دین کے محبوب اور منظور نظر تھے اور ابتداء عمر ہی سے آثار سعادت و مقبولیت عند اللہ کا ظہور ہونے لگے تھا۔

عند اللہ مقبولیت

آثار نیک میں سے ایک یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت والا کی تائی صاحبہ نے جن کے پاس بچپن میں رہے ہیں خود حضرت والا سے بیان کیا کہ لڑکپن میں اکثر دیکھا گیا کہ جب حضرت والا کو کہیں سفر کرنے کا اتفاق ہوا تو اس روز ابر ضرور ہو گیا اور بہت راحت کے ساتھ سفر طے ہوا۔

باب ششم

"تحصیل علوم"

حفظ قرآن

حضرت والا نے قرآن شریف زیادہ تر حافظ حسین علی صاحب مرحوم سے حفظ کیا جو دہلی کے باشندہ تھے مگر میرٹھ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ شروع کے چند پارے آخون جی صاحب سے پڑھے تھے جو کھتولی ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے پھر حافظ حسین علی صاحب سے تکمیل کی۔

فارسی کی تعلیم

بالکل ابتدائی فارسی میرٹھ میں مختلف استادوں سے پڑھی تھی لیکن وہاں کے استادوں کے اب نام بھی یاد نہیں رہے۔ پھر تھانہ بھون میں فارسی کی متوسطات حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ سے پڑھیں اور انتہائی کتب ابوالفضل تک اپنے ماموں واجد علی صاحب سے پڑھیں جو ادب فارسی کے استاد کامل تھے پھر تحصیل عربی کے لیے دیوبند تشریف لے گئے وہاں بقیہ کتب فارسی مولانا منفعت علی صاحب دیوبندی سے پڑھیں۔ یعنی پنج رقعہ، قصائد عرفی اور سکندر نامہ۔

فارسی میں مہارت

حضرت والا کو فارسی میں دستگاہ کامل حاصل ہے۔ تحریر و تقریر نظم و نثر سب پر قدرت ہے۔ طلب علمی کے زمانہ میں جبکہ مرض خارشت کی وجہ سے مدرسہ سے چھٹی لے کر وطن تشریف لے آئے تھے۔ بطور مشغلہ مثنوی زیر و بم فارسی میں تصنیف فرمائی اور اس وقت صرف اٹھارہ برس کی عمر تھی۔ چنانچہ اس کی تمہید اس طرح شروع فرماتے ہیں۔ ہمی گوید

گرفتار درد و نالہ نادان ہشدہ سالہ (الخ)

عربی کی تعلیم اور فراغت

عربی کی پوری تکمیل دیوبند ہی میں فرمائی اور صرف 19 یا 20 سال ہی کی عمر میں بفضلہ

تعالیٰ فارغ التحصیل ہو گئے تھے۔ مدرسہ دیوبند میں تقریباً پانچ سال بسلسلہ طالب علمی رہنا ہوا۔ آخر ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں وہاں داخل ہوئے اور شروع ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل ہو گئے۔

عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے وطن تھانہ بھون میں حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ سے پڑھیں اور دیوبند پہنچ کر مشکوٰۃ شریف مختصر معانی نور الانوار اور ملا حسن شروع کی تھیں۔ حضرت والا کے والد ماجد نے حضرت والا کو عربی پڑھانے کے لیے اسی وقت سے منتخب کر رکھا تھا جبکہ پاجامہ بھی نہیں پہنتے تھے۔ یعنی بالکل ہی بچپن سے' اسی طرح چھوٹے بھائی صاحب مرحوم کو اس وقت سے انگریزی کے لیے تجویز کر لیا تھا۔ آثار سے دونوں کی مناسبت معلوم کر لی ہوگی۔ بڑے دانشمند تھے اور گو دنیا میں مشغول تھے مگر نماز روزہ تلاوت وغیرہ کے بہت پابند تھے۔ انہوں نے نہایت شوق کے ساتھ حضرت والا کو عربی کی تعلیم دلائی۔

والد گرامی کا خلوص

ایک بار تائی صاحبہ نے فرمایا کہ بھائی تم نے چھوٹے کو تو انگریزی پڑھائی ہے وہ تو خیر کما کھائے گا۔ بڑا عربی پڑھ رہا ہے وہ کہاں سے کھائے گا اس کی گزر اوقات کی کیا صورت ہوگی کیونکہ جائیداد وارثوں میں تقسیم ہو کر قابل گزارے کے نہ رہے گی۔ یہ بات والد صاحب کو بہت ناگوار ہوئی اور باوجود اس کے کہ تائی صاحبہ کا بہت ادب اور لحاظ فرماتے تھے لیکن یہ سن کر جوش آ گیا اور کہنے لگے کہ "بھابی صاحبہ تم کہتی ہو کہ یہ عربی پڑھ کر کھائے گا کہاں سے خدا کی قسم جس کو تم کمانے والا سمجھتی ہو ایسے ایسے اس کی جوتیوں سے لگے لگے پھریں گے اور یہ ان کی جانب رخ بھی نہ کرے گا تم نے یہ کہہ کر مجھے سخت تکلیف دی اور سخت رنج پہنچایا"۔ اس کو نقل کر کے حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اگر یہ بات کوئی درویش کہتا تو آج یہ اس کی بڑی کرامت سمجھی جاتی لیکن والد صاحب تو بیچارے ایک دنیادار شخص سمجھے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص اور یقین کی برکت سے ایسا ہی کر دیا۔ میرے تو دل سے دعائیں نکلا کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو ٹھنڈی رکھے میرے ساتھ بڑا احسان کیا انہی کی بدولت یہ چار حرف سیکھ لیے ہیں جو کام آ رہے ہیں ورنہ ہم بھی نہ معلوم کس رنگ میں ہوتے اور گو مجھے کچھ آیا گیا

نہیں لیکن اس پر بھی مجھے دیکھ دیکھ کر بھائی کو بارہا یہ حسرت ہوئی کہ مجھ کو بھی والد صاحب نے عربی ہی کیوں نہ پڑھائی اور الحمد للہ مجھے کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوا کہ مجھ کو انگریزی کیوں نہ پڑھائی۔ واقعہ مذکورہ سے اندازہ فرمالیا جائے کہ حضرت والا کے والد ماجد نے کس شوق اور خلوص سے حضرت والا کو عربی کی تعلیم دلائی تھی اور اللہ تعالیٰ پر کس درجہ وثوق اور حسن ظن تھا اسی حسن ظن اور صدق نیت کی برکت تھی کہ حق تعالیٰ نے ان کی پیشین گوئی کو حرف بہ حرف صحیح کر کے دکھلا دیا۔ فالحمدللہ حمداً کثیراً۔

بچپن کے دو خواب

اس جگہ دو خواب جو حضرت والا نے طالب علمی کے زمانے میں دیکھے تھے مختصراً بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے باب ''شرف بیعت واستفاضہ باطنی'' کا عنوان ''ترک ملازمت کے بعد کا دور جدید ملاحظہ ہو'' ایک خواب کا تو خلاصہ یہ ہے کہ حضرت والا کو ایک بزرگ نے اور ایک دنیاوی حاکم نے دو متفرق تحریریں لکھ کر دیں اور دونوں میں یہ لکھا تھا کہ ہم نے تم کو عزت دی۔ ایک پر تو چاروں طرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی مہر لگی ہوئی تھی اور وہ صاف پڑھی جاتی تھی دوسری مہر کے حروف پڑھے نہ جاتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ نے اس کی یہ تعبیر دی تھی کہ ''تمہیں انشاء اللہ تعالیٰ دین اور دنیا دونوں کی عزت نصیب ہوگی'' دوسرا خواب یہ دیکھا کہ ''ایک تالاب جس میں سے فوارہ کی طرح چاندی ابل رہی ہے حضرت والا کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے'' اس کی مولانا نے یہ تعبیر دی تھی کہ انشاء اللہ تعالیٰ دنیا تمہارے پیچھے پیچھے لگی پھرے گی اور تم اس کی طرف رخ بھی نہ کرو گے۔

خوش قسمتی

حضرت والا کے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ یہ لڑکا بہت خوش قسمت معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کی ہر تقریب کے موقع پر مجھے اللہ تعالیٰ نے اتنا دیا کہ میں نے خوب دل کھول کر خرچ کیا۔ چنانچہ حضرت والا کی شادی پر انہوں نے علاوہ پیسوں کے روپے بھی بکھیرے تھے جس کی بڑی شہرت ہوئی تھی اور بڑے پیمانہ پر اہل قصبہ کی دعوت کی تھی۔ نیز حضرت والا

جتنا خرچ مانگتے وہ بے دریغ دے دیتے اور چھوٹے بھائی منشی اکبر علی صاحب مرحوم کو حساب سے دیتے اور پھر ان سے حساب بھی لیتے۔ اس پر بھائی صاحب نے شکایت کی تو فرمایا کہ بھائی مجھے اس پر رحم آتا ہے وہ جو کچھ مجھ سے لیتا ہے میری زندگی ہی تک ہے میرے بعد یاد رکھو وہ میرے مال و متاع سے بالکل علیٰحدہ رہے گا چنانچہ واقعی حضرت والا نے مشتبہ مال بالکل نہیں لیا اور بقیہ زمینداری کے بجائے کچھ نقد لے کر جس میں کچھ مکان بنانے میں خرچ ہوا کچھ حج ثانی میں خرچ ہوا۔ زمینداری سے بھی دست بردار ہو گئے۔ والد ماجد کچھ طالب علمی ہی کے زمانہ سے حضرت والا کا رنگ طبیعت پہچان گئے تھے۔ بڑے دانشمند اور صاحب فراست تھے۔

لائق و ہمدرد بیٹا

حضرت والا بہت سے مسائل جواز و عدم جواز اپنے والد صاحب سے بھی باادب عرض کرتے رہتے تھے چنانچہ ایک بار جائیداد رہن رکھنے کے متعلق لکھا کہ یہ ناجائز ہے اس پر والد صاحب نے ایک ملنے والے ہندو سے کسی قدر شکایت کے لہجہ میں کہا کہ ہم نے اپنے ایک لڑکے کو عربی پڑھوائی ہے وہ ہمیں ہر بات پر ٹوکتا ہے کہ یہ بات خلاف شرع ہے وہ بات ناجائز ہے ہمیں رائے دیتا ہے کہ رہن رکھنا چھوڑ دو۔ یہ سن کر اس ہندو نے کہا کہ منشی جی یہ تو بڑے خوش ہونے کی بات ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا بیٹا بڑا لائق ہے آپ کا بڑا خیر خواہ ہے اگر آپ اس کو نجوم پڑھاتے تو وہ آپ کو مہورت کی باتیں بتاتا۔ قانون پڑھاتے تو قانون بتاتا طب پڑھاتے تو نافع و مضر چیزیں بتلاتا آپ نے اس کو دین پڑھایا ہے تو وہ لامحالہ دین کی باتیں ہی بتائے گا۔ شکر کرو بڑا لائق ہے بڑا خیر خواہ ہے۔ آخرت کے عذاب سے بچانا چاہتا ہے آپ کو تو اس بات پر بہت خوش ہونا چاہیے کہ جو کچھ میں اس کے پڑھانے میں خرچ کر رہا ہوں وہ ٹھکانے لگ رہا ہے اھ۔

وقت کی حفاظت

طالب علمی کے زمانہ میں حضرت والا کسی سے ملتے جلتے نہ تھے۔ یا تو پڑھنے میں لگے رہتے یا اگر کسی وقت فرصت ہوتی تو اپنے استاد خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ

مدرس اول کی خدمت میں جا بیٹھتے۔ ایک دن مولانا تو کہیں تشریف لے گئے تھے اور حضرت والا کو فرصت تھی تو بجائے اس کے کہ فضولیات میں وقت صرف کر دیں اپنے دوسرے استاد مولانا سید احمد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ مولانا نے دریافت فرمایا کیسے آئے حضرت والا نے غایت سادگی سے صحیح بات عرض کر دی کہ آج حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ باہر تشریف لے گئے ہیں اس لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں دیوبند میں بعضے دور کے اعزہ بھی تھے مگر ان سے بھی حضرت والا نہ ملتے تھے۔ شروع شروع میں بعض اعزہ نے اصرار کیا کہ کھانا گھر کا پکا ہوا ہمارے گھر آ کر کھا لیا کرو کیوں تکلیف اٹھا رہے ہو۔ حضرت والا نے بلا والد صاحب کی اجازت کے بطور خود ایسا کرنا ہرگز گوارا نہ کیا لیکن جب والد صاحب کو لکھا تو انہوں نے ڈانٹ لکھ کر بھیجی کہ تم وہاں رشتہ داریاں جتانے کے لیے گئے ہو یا طلب علمی کرنے؟ خبردار جو کسی عزیز کے پاس آئے گئے چنانچہ پھر حضرت والا نے ملنا جلنا بھی چھوڑ دیا اور برابر اسی طرز سے طلب علمی کا پورا زمانہ گزار دیا۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ الحمدللہ میں وہاں جیسا بے داغ گیا تھا ویسا ہی پانچ برس رہ کر بے داغ لوٹ آیا۔ جب فارغ التحصیل ہو گیا اس وقت آزادی کے ساتھ اپنے سب اعزہ سے جا کر ملا اور پھر ان کی دعوتیں بھی قبول کیں۔ اس سے قبل کسی سے میل جول پیدا نہ کیا نہ اعزہ سے نہ طلباء سے نہ اہل قصبہ سے۔ اگر کوئی میل جول بڑھانا چاہتا تو اس کے ساتھ بے رخی سے پیش آتا یہاں تک کہ لوگ عموماً دماغ دار سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہ بات نہ تھی۔

دراصل مجھ کو اپنا وقت فضول ضائع کرنے سے نفرت تھی اھ۔

انضباطِ اوقات

حضرت والا کی یہ ایک بہت ہی نمایاں خصوصیت ہے کہ وقت کو ضائع نہیں فرماتے اور یہ وہ خصوصیت ہے کہ جو ابتداء عمر سے لے کر اس وقت تک بدستور موجود ہے اور یہی وہ صفت ہے جس نے حضرت والا کو اتنی جلدی فارغ التحصیل کر دیا اور ہمیشہ بری صحبت سے محفوظ رکھا اور اس قدر کثیر التصانیف بنایا کہ امت محمدیہ علی صاحبها الصلوٰۃ و التحیۃ میں بہت کم افراد ایسے گزرے ہیں۔ حضرت والا کا انضباط اوقات نہایت حیرت

انگیز ہے بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مشین ہے جو ہر وقت چل رہی ہے کسی وقت بے کار نہیں ظاہر ہے جو ایسا کثیر المشاغل ہو اس کو بلا انضباط اوقات چارہ نہیں۔ اور انضباط اوقات جب ہی ہوسکتا ہے جب اخلاق و مروت سے مغلوب نہ ہو اور ہر کام کو اپنے وقت اور موقع پر کرے اور تو اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت والا کے استاد تھے ایک بار مہمان ہوئے۔ حضرت والا نے راحت کے سب ضروری انتظامات کر کے جب تصنیف کا وقت آیا تو بہ ادب عرض کر دیا کہ حضرت میں اس وقت کچھ لکھا کرتا ہوں۔ اگر حضرت اجازت دیں تو کچھ دیر لکھ کر بعد کو حاضر ہو جاؤں۔ فرمایا ضرور لکھو۔ میری وجہ سے اپنا حرج ہرگز نہ کرو گو اس روز حضرت والا کا دل لکھنے میں لگا نہیں لیکن ناغہ نہ ہونے دیا تا کہ بے برکتی نہ ہو تھوڑا سا لکھ کر پھر حاضر خدمت ہو گئے۔

فضولیات سے اجتناب

حضرت والا کی ذہانت و ذکاوت اور حافظہ سب طالب علموں میں مشہور تھا۔ طالب علمی کے زمانہ میں ایک دفعہ طلبہ کی آموں کی دعوت تھی جس میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ بھی شریک تھے۔ جب آم تھوڑے سے رہ گئے تو مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے انداز سے معلوم کر لیا کہ اب سب طلبہ آپس میں گٹھلی چھلکا چلانا چاہتے ہیں تو مولانا قصداً صحن سے اٹھ کر درس گاہ میں تشریف لے گئے۔ پھر خوب گٹھلی چھلکا چلا جس میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بھی از راہ غایت تواضع و بے تکلفی شریک رہے۔ جب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ درسگاہ میں تشریف لے جانے لگے تو حضرت والا بھی موقع کو غنیمت سمجھ کر ساتھ ہوئے پھر جب طالب علم زیادہ شرارتیں کرنے لگے تو حضرت مولانا دروازہ پر تشریف لائے اتنا رعب تھا کہ پھر ایک بھی طالب علم نظر نہ آیا سب بھاگ گئے اور ادھر ادھر چھپ گئے۔ پھر مولانا مکان تشریف لے آئے اور حضرت والا بھی مولانا کے ہمراہ لوٹ آئے اور اپنے حجرہ میں پہنچ گئے بعد کو طلبہ نے بہت چاہا کہ حضرت والا پر بھی رس یا پانی ڈالیں مگر حضرت والا نے حجرہ کے کیواڑ بند کر لیے یا اسی سے حضرت والا کے مذاق یکسوئی کا اندازہ فرما لیا جائے۔ غرض حضرت والا

نے طالب علمی کے زمانہ میں بھی کبھی اپنا وقت فضولیات یا بری صحبتوں میں ضائع نہیں کیا اور اپنے اصل مقصود یعنی تحصیل علوم ہی میں ہمہ تن مشغول رہے۔

اساتذہ کی رائے

حضرت والا کو تحصیل علم کا اس قدر شوق تھا کہ بعض اساتذہ سے بعض خاص کتابیں جن کے لیے مدرسہ میں وقت نہ تھا اس طرح پڑھیں کہ وہ حضرات تو نماز کے لیے وضو کر رہے ہیں اور حضرت والا ان سے سبق پڑھ رہے ہیں۔ حضرت والا کا سب اساتذہ خاص لحاظ فرماتے تھے اور بہت اچھی رائے رکھتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت والا مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز طلبہ کا امتحان لینے اور دستار بندی کرنے تشریف لائے تو حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والا کی ذہانت اور ذکاوت کی خاص طور پر تعریف فرمائی۔ تعریف سن کر مولاناؒ نے حضرت والا سے بہت مشکل مشکل سوالات کیے جن کے جوابوں سے مولانا بہت خوش ہوئے۔

مولانا سید احمد صاحب نے سکندر نامہ میں امتحان لیا اور ایک شعر کا مطلب پوچھا تو چونکہ استاد کا بتایا ہوا مطلب یاد نہ تھا حضرت والا نے اپنی طرف سے مطلب بیان کیا۔ مولانا نے دریافت فرمایا کہ کوئی اور بھی مطلب ہوسکتا ہے؟ حضرت والا نے دوسرا مطلب بیان کر دیا پھر دریافت کیا کہ اور کوئی مطلب بھی ہوسکتا ہے۔ حضرت والا نے تیسرا مطلب بیان کر دیا۔ مولانا نے فرمایا کہ ان میں سے ایک بھی مطلب صحیح نہیں لیکن تمہاری ذہانت پر نمبر دیتا ہوں حالانکہ مولانا سید احمد صاحب خود اس قدر ذہین تھے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ جو راس الاذکیا تھے فرمایا کرتے تھے کہ خود اقلیدس بھی اگر ذہین ہوگا تو بس اتنا ہی ہوگا ان سے زیادہ نہ ہوگا۔ ریاضیات میں بدرجہ کمال ماہر تھے باوجود اس کے کہ کسی استاد سے ریاضی پڑھی نہ تھی بلکہ بطور خود ہی مطالعہ کر کے اس فن کو حاصل کیا تھا۔ غرض حضرت والا کی ذہانت کے متعلق ایسے ذہین وذکی کی شہادت بڑا پایہ رکھتی ہے۔ ان سب معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ بحیثیت طالب علمی بھی حضرت والا اپنے ہم سبقوں میں سب سے زیادہ ممتاز تھے۔

حاضر جوابی وطلاقتِ لسانی

اس زمانہ میں بھی حاضر جوابی وطلاقت لسانی اور ذہانت وفطانت اور منطق میں کمال

مہارت کا وہ عالم تھا کہ دیوبند میں جہاں کوئی مذہب والا بغرض مناظرہ آتا۔ حضرت والا فوراً پہنچ جاتے اور اس کو مغلوب کر دیتے۔ ایک انگریز پادری سے بھی مناظرہ کرنے پہنچ گئے جب حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کو معلوم ہوا تو حضرت والا کے متعلق یہ سوچ کر کہ ابھی لڑکے ہیں کہیں مرعوب نہ ہو جائیں مولانا خود بھی حضرت والا کی اعانت کے لیے پہنچ گئے اور باتوں باتوں میں اس کو دو منٹ ہی کے اندر بند کر دیا عاجز دیکھ کر اس کی میم نے اس کو ایک پرچہ لکھا کہ تم چلے آؤ چنانچہ وہ یہ کہہ کر میم صاحب بلاتی ہیں اسی وقت چلا گیا اور پھر دیوبند ہی سے چلا گیا۔

مناظرہ میں مہارت

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جتنا مجھے اس زمانہ میں مناظرہ کا شوق تھا۔ اب بوجہ مضرتوں کے اتنی ہی اس سے نفرت ہے۔ عیسائیوں، آریوں، شیعوں غیر مقلدوں سب ہی سے طالب علمی میں مناظرہ فرما چکے ہیں اور اب بھی حضرت والا کی منطقی تقریریں سن سن کر راس المناظرین مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب مدت فیوضہم وجد میں آ آ جاتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت والا کو فن مناظرہ میں اس قدر ملکہ ہے کہ بڑے سے بڑا مناظرہ بھی مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ چنانچہ اس کا اب بھی آئے دن مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ بڑے بڑے معرکۃ الآرا مباحث پر بڑے بڑے زبان آور مناظر آ آ کر گفتگو کرتے ہیں لیکن حضرت والا بعون اللہ تعالیٰ بس تھوڑی ہی دیر میں بند فرما دیتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ نہ اصول مناظرہ سے ایک انچ ہٹتے ہیں نہ حق بات کے تسلیم کر لینے میں کسی موقع پر ذرا تامل فرماتے ہیں۔ باوجود مناظرہ سے اس درجہ مناسبت ہونے کے پھر بھی جو ایسی مجالس سے ہمیشہ اعراض فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر اس زمانہ میں مناظرین کی اغراض فاسد ہوئی ہیں اس لیے کوئی نفع مرتب نہیں ہوتا بلکہ ضرر ہوتا ہے۔ بقول ئے۔

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

(جب غرض آتی ہے تو ہنر چھپ جاتا ہے، دل کی طرف سے نظر کے راستہ میں سو پردے آ جاتے ہیں)

کج بحثی اور ہٹ دھرمی کی عادت پڑ جاتی ہے۔ حقیقت شناسی کی استعداد برباد ہو جاتی ہے۔ حضرت والا آج کل کے مناظروں کی ان خرابیوں کو اکثر نہایت شرح و بسط کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں اور پرانے بزرگوں کے مناظروں اور ان کی حق پسندی کے دلچسپ اور سبق آموز واقعات سے موازنہ فرمایا کرتے ہیں۔

اعتدال پسندی

حضرت والا کو باوجود معقولات سے اس قدر مناسبت ہونے کے منقولات کے مقابلہ میں ہمیشہ ان فنون سے نفرت ہی رہی۔ چنانچہ فلسفہ کا جب سبق شروع کرتے تو بجائے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتے۔ اس موقع پر حضرت والا کا ایک ملفوظ یاد آیا۔ فرمایا کہ الحمدللہ میں کبھی طبیعت کو عقل پر غالب نہیں آنے دیتا اور کبھی عقل کو شریعت پر غالب نہیں آنے دیتا ھ۔ حضرت والا کو معقولات سے اس قدر مناسبت تھی کہ صدرا اور شمس بازغہ جیسی مشکل کتابوں کا اکثر حصہ بے ترجمہ پڑھتے چلے جاتے اور بڑے بڑے مشکل مسائل بھی پانی نظر آتے تھے گو عموماً معقولات سے اس قدر مناسبت اور دلچسپی رکھنے والے بس معقولات ہی کے ہو رہتے ہیں لیکن باوجود اس کے الحمدللہ حضرت والا کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی سلامتی اور اس قدر اعتدال کی کیفیت رکھی ہے کہ ہر شے کو اس کے مرتبہ پر رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت والا نے باوجود خاص مناسبت ہونے کے معقولات کو ہمیشہ دینیات کے لیے بطور علوم آلیہ ہی کے سمجھا۔ حضرت والا کے افعال و اقوال و تصانیف کو نظر غور و انصاف سے دیکھنے والا حضرت والا میں اس وصف اعتدال و حفظ مراتب کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی آنکھوں پر عناد یا جہالت یا رسم و رواج کی پٹی باندھے ہوئے ہو تو اس پر یہ شعر خصوصاً صادق آئے گا۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمہ آفتاب راچہ گناہ

(اگر دن کے وقت اندھے کو نظر نہ آئے تو سورج کی ٹکیہ کا کیا قصور ہے)

اور یہ وصف اعتدال ایک ایسا امتیازی وصف ہے جو صدیوں کے بعد کسی خاص ہی بندہ کو عطا ہوتا ہے اور ایک حکیم الامت اور محی السنۃ ہی اس سے مشرف فرمایا جاتا ہے۔ اور یہی وصف

باعث ہوجاتا ہے۔ عام طور پر ایسے حضرات سے مخالفت کا اوران کی بدنامی کا کیونکہ افراط وتفریط کا مٹانے والا رسوم وبدعات کا قلع قمع کرنے والا اور مسلمانوں کو طریق غیر معتدل سے ہٹا کر اعتدال حقیقی یا بہ الفاظ دیگر صراط مستقیم پر لانے والا کیونکر مخالفت اور بدنامی سے محفوظ رہ سکتا ہے مگر وہ توان سے بھی زیادہ فوت منافع کے لیے آمادہ رہتا ہے۔ بدنامی کی تو کیا پروا کرتا بمصداق ۔

گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں　　　　مانمی خواہیم ننگ و نام را

(اگرچہ عقلمندوں کے نزدیک یہ بدنامی ہے مگر ہم شہرت وناموری کی خواہش نہیں رکھتے)

تواضع

مہارت فی المنطق کے متعلق خود حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ الحمدللہ مجھے منطق میں مہارت حاصل ہے اور میں سچی بات کیوں نہ کہوں کیونکہ نہ میں متواضع ہوں نہ متکبر جو چیز اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس کا کیوں انکار کروں۔ اللہ کا دین ہے میرا کوئی کمال نہیں اور میں اس کو درحقیقت کوئی کمال بھی نہیں سمجھتا کیونکہ بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنے کی برکت سے یہ اچھی طرح ذہن نشین ہوگیا ہے کہ۔

فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ　　　　جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(سمجھ وطبیعت کو چست کرنا کامیابی کا راستہ نہیں ہے، تواضع اختیار کیے بغیر مالک کا کرم نہیں ہوتا)

جامعیتِ علوم

یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے ہیں کہ اکثر میرا طریق اصلاح یہ ہے کہ جس شخص کو جس فن میں کمال کا دعویٰ ہوتا ہے پہلے میں اس کو اس فن میں مغلوب کرکے دکھلا دیتا ہوں بشرطیکہ وہ فن مقصود ہو پھر تو مجھے حق حاصل ہوجاتا ہے کہ اصلاحی امور میں بھی اس کو اپنا تابع بناؤں اور پھر خود اس کو بھی ایسے شخص کے تابع بن جانے میں عار نہیں آتی اور اس کو منازعت کا حق نہیں رہتا اور نہ تعلیم پر شبہ ہوتا ہے۔ اس سے حضرت والا کی شان جامعیت علوم وفنون مختلفہ ظاہر ہوتی ہے جو موافق ومخالف سب کے نزدیک مسلم ہے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ یہ تقریر استطراداً تھی۔ اب میں پھر مقصود کی طرف عود کرتا ہوں۔

حضرت والا کو طالب علمی کے زمانہ میں تصوف اور کتب تصوف کا بھی خاص ذوق تھا جس کے چند واقعات باب ''شرف بیعت واستفاضہ باطنی'' میں ملاحظہ سے گزریں گے۔

مولانا محمد یعقوبؒ کی پیشین گوئی

حضرت والا کی دستار بندی حضرت مولانا گنگوہیؒ کے مقدس ہاتھوں سے ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔ اس سال دیو بند میں بہت بڑا اور شاندار جلسہ دستار بندی ہوا تھا۔ حضرت والا نے جب سنا کہ دستار بندی ہونے والی ہے تو اپنے ہم سبقوں کو لے کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت ہم نے سنا ہے کہ ہم لوگوں کی دستار بندی کی جائے گی اور سند فراغ دی جائے گی حالانکہ ہم اس قابل ہرگز نہیں لہذا اس تجویز کو منسوخ فرما دیا جائے۔ ورنہ اگر ایسا کیا گیا تو مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائقوں کو سند دی گئی ۔ یہ سن کر مولانا کو جوش آ گیا اور فرمایا کہ تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں اس لیے ان کے سامنے تمہیں اپنی ہستی کچھ نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہیے۔ باہر جاؤ گے تب تمہیں اپنی قدر معلوم ہوگی۔ جہاں جاؤ گے بس تمہی تم ہو گے۔ باقی سارا میدان صاف ہے۔ اطمینان رکھو اھ۔ حضرت والا یہ قول نقل کر کے فرمایا کرتے ہیں کہ واقعی حضرت مولانا کی پیشین گوئی کی یہ برکت ہوئی کہ الحمدللہ جہاں رہنا ہوا بڑے بڑے علماء بھی وقعت ہی کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور عوام وخواص سب مجھ ہی کو اکثر کے مقابلہ میں ترجیح دیتے رہے اھ۔ وذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء.

اس وقت دیکھیں گے

اسی سلسلہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی ایک اور پیشین گوئی بھی یاد آ گئی۔ مولانا نے فتویٰ نویسی کا کام بھی حضرت والا کو طالب علمی ہی کے زمانہ میں سپرد فرما رکھا تھا۔ ایک بار ایک طویل استفتاء کا ویسا ہی طویل اور مفصل ومدلل جواب لکھ کر مولاناؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ مولانا نے اس کو پورا دیکھ کر اس پر دستخط تو فرما دیے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو فرصت بہت ہے اور ہم تو اس وقت دیکھیں گے جب خطوں کا

ڈھیر کا ڈھیر تمہارے سامنے رکھا ہوگا اور پھر بھی تم اتنے لمبے لمبے جواب لکھو گے اھ۔ چنانچہ فی الواقع ایسا ہی ہوا کہ اب خطوط کے ڈھیر کے ڈھیر ہی حضرت والا کے سامنے روزانہ ہوتے ہیں اور حضرت والا بہت مختصر جوابات تحریر فرماتے ہیں مگر نہایت جامع مانع اور بالکل کافی شافی اور سب پہلوؤں کو حاوی اور العاقل تکفیہ الاشارہ کے پورے مصداق۔ مثلاً کوئی تنبیہی سوال فرما دیا جس سے خود بخود جواب سمجھ میں آ گیا اور حضرت والا کا یہ طرز جواب طالب کے لیے نہایت نافع اور اوقع فی الذہن ثابت ہوتا ہے۔ بڑے بڑے الجھے ہوئے اور طویل طویل مضامین کے جوابات نہایت سہولت اور جامعیت کے ساتھ چند لفظوں میں تحریر فرماتے ہیں اور روز کی ڈاک روز ختم فرما دیتے ہیں۔ جس کا بہت ہی زیادہ اہتمام ہے اور اس میں بفضلہٖ کبھی تخلف نہیں ہوتا حالانکہ ڈاک لکھنے کے لیے بہت کم وقت ملتا ہے۔ بالخصوص آج کل بوجہ تبدیلی اوقات ریل ڈاک بہت دیر میں موصول ہوتی ہے۔ حالات و واقعات مذکورہ باب ہذا کا خلاصہ یہ نکلا کہ جس طرح آج حضرت والا بفضلہٖ تعالیٰ اشرف العلماء ہیں اپنے زمانہ طالب علمی میں بھی بفضلہٖ تعالیٰ اشرف الطلبہ تھے۔

باب ہفتم

''اساتذہ کرام''

حضرت مولانا محمد یعقوبؒ

حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے اساتذہ کرام بھی ایسے عطا فرمائے تھے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ غزالی اور رازی وقت تھا۔ ان میں سے سب سے زیادہ مقتدر ہستی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی تھی جو علاوہ ہر فن میں ماہر ہونے کے بہت بڑے صاحب باطن اور شیخ کامل بھی تھے۔ حضرت والا نے مولانا ممدوح سے بڑے بڑے فیوض و برکات حاصل کیے ہیں اور زیادہ تر علوم عجیبہ وغریبہ انہی سے حاصل فرمائے ہیں اور مولاناؒ کے اکثر اقوال واحوال وحقائق ومعارف نہایت لطف لے کر بیان فرمایا کرتے ہیں۔ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ حلقہ درس کیا ہوتا تھا حلقہ توجہ ہوتا تھا۔ یہ حال تھا کہ تفسیر کا سبق ہو رہا ہے آیات کا مطلب بیان فرما رہے ہیں اور آنکھوں سے زار وقطار آنسو جاری ہیں۔

دیگر اساتذہ کرام

دیگر اساتذہ جناب مولانا سید احمد صاحب جناب ملا محمود صاحب' جناب مولانا عبدالعلی صاحب' حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہم اللہ تھے۔ ابتدائی کتب کے اساتذہ کرام کے اسماء گرامی باب سابق میں مذکور ہو چکے ہیں۔

حضرت قاری محمد عبداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ

حضرت والا نے قرأت کی مشق مشہور آفاق جناب قاری محمد عبداللہ صاحب مہاجر مکی سے بمقام مکہ معظمہ فرمائی تھی جو قراء عرب کے نزدیک بھی نہایت جید اور مسلم ماہر فن قاری تھے۔ اس زمانہ میں قرأت کی مشق کرتے کرتے لہجہ میں اپنے یگانہ فن استاد سے اس قدر

مشابہت پیدا ہو گئی تھی کہ جب قاری صاحب حضرت والا کو مدرسہ صولتیہ کی بالائی منزل پہ قرأت کی مشق کراتے تو نیچے سے جو لوگ سنتے یہ تمیز نہ کر سکتے کہ اس وقت استاد پڑھ رہے ہیں یا شاگرد۔ اس سے حضرت والا کی قوت آخذہ کا پتہ چلتا ہے جو راز تھا حضرت والا کے اپنے اساتذہ کاملین سے بدرجہ اتم اخذ کمالات کر لینے کا۔ قاری صاحب بہت ہی شفقت فرمانے لگے تھے اور حضرت والا سے بعض رسائل قرأت کے چند اسباق بھی اپنے مدرسہ کے طلبہ کو پڑھوائے تاکہ کتب فن سے بھی مناسبت ہو جائے۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ہم بھی پہلے یہ سمجھتے تھے کہ ہمیں قرأت آتی ہے اس لیے قاری صاحب سے اپنا کمال جتانے کے لیے یہ ترکیب کی کہ ان سے کہا کہ مشق شروع کرانے سے قبل آپ پہلے میرا ایک رکوع سن لیں تاکہ آپ کو اندازہ ہو جائے کہ کتنی کسر ہے پھر اس کسر کو نکال دیجئے گا۔ حالانکہ یہ مطلب نہ تھا بلکہ نفس کی استادی تھی۔ چنانچہ قاری صاحب نے رکوع سنا۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا اندازہ ہوا چونکہ بہت ہی شفیق تھے فرمایا کہ بس تھوڑی سی کسر ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد نکل جائے گی۔ حالانکہ مشق شروع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ **لاحول ولاقوۃ** ہمیں کچھ بھی نہ آتا تھا۔ پھر سوچ سوچ کر بڑی شرمندگی ہوئی کہ ناحق ہی سنایا۔

حضرت کی بے مثال قرأت

حضرت والا قاری صاحب کا فرمایا ہوا ایک نہایت کام کا اصول بھی نقل فرمایا کرتے ہیں کہ لہجہ کی طرف مطلق التفات نہ کیا جائے بس ساری توجہ مخارج کی تصحیح میں صرف کی جائے کیونکہ تصحیح مخارج کے بعد جو لہجہ بھی پیدا ہوگا مستحسن ہی ہوگا چنانچہ گو قاری صاحب سے مشق کیے ایک زمانہ گزر گیا اور وہ طرز بھی فراموش ہو گیا لیکن حضرت والا کا لہجہ باوجود کبھی کیسا کبھی کیسا ہو جانے کے اب بھی اس قدر دلکش ہے کہ اس سے اہل دل بے حد متاثر اور محظوظ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک زندہ دل اور سلیم الفطرت فلسفی فاضل نے متاثر ہو کر یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت والا کی قرأت کو تو گراموفون میں بھر لیا جائے مگر چونکہ شرعاً جائز نہ تھا۔ اس لیے ان کو منع فرما دیا گیا۔ جب حضرت والا پانی پت تشریف لے گئے تو وہاں کے قراء نے بھی جن کو بجا طور پر اپنے مخارج کی صحت پر ناز ہے حضرت والا کی صحت مخارج کی

بہت تحسین فرمائی۔ لکھنو میں مولانا عین القضاۃ صاحبؒ نے جنہوں نے بہت اعلیٰ پیمانہ پر قرأت کا مدرسہ قائم فرمایا تھا اور جواب تک موجود ہے اتفاق سے فجر کی نماز میں حضرت والا کا قرآن شریف سنا اور سن کر بہت اشتیاق کے ساتھ حضرت والا سے مستقلاً کچھ قرآن شریف سننے کی خواہش ظاہر فرمائی چنانچہ حضرت والا نے خود ہی مولانا کی خدمت میں تشریف لے جا کر پورے تین رکوع سنائے تا کہ ان کا جی بھر جائے۔ مولانا سن کر بہت محظوظ ہوئے۔ ایک صاحب درد کا قول یاد آیا خود احقر سے فرمایا کہ مولانا قرآن شریف کیا پڑھتے ہیں ذبح کرتے ہیں اور واقعی بعض مخصوص اوقات میں تو اکثر یہی کیفیت ہوتی ہے۔ مثلاً نماز فجر کی طویل قرأت میں یہاں تک کہ بعض رقیق القلب مقتدیوں پر شدت کے ساتھ نماز میں گریہ بھی طاری ہو ہو جاتا ہے۔

اساتذہ کرام سے محبت و تعلق اور ادب

غرض اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو ہر فن کے لیے ایسے اساتذہ کاملین عطا فرمائے تھے جو اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اور حضرت والا پر ان کی اس قدر توجہات و عنایات تھیں کہ کسی دوسرے شاگرد پر اتنی نہ تھیں اور حضرت والا کو بھی اپنے اساتذہ سے اتنا شدید تعلق تھا کہ دوسروں کو نہ تھا۔ بس یوں کہا جائے کہ عشق تھا چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے پڑھنے میں کبھی محنت نہیں کی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اساتذہ اور بزرگوں کے ساتھ ادب و محبت کا تعلق رکھنے کی بدولت عطا فرمایا اور الحمدللہ میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے کسی بزرگ کو ایک منٹ کے لیے بھی ناراض نہیں کیا اور جتنا میرے قلب میں بزرگان دین کا ادب ہے آج کل شاید ہی کسی کے دل میں اتنا ہو۔ حضرت والا کی خدمت میں بیٹھنے والے اور ملفوظات سننے والے بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت والا سراپا ادب ہی ادب ہیں۔ بمصداق۔ ع طرق العشق کلہٗ آداب۔ اور اس ادب بزرگان ہی کی بدولت حضرت والا کو یہ کمالات ظاہرو باطنی نصیب ہوئے ہیں۔ حسب الارشاد مولانا رومیؒ ؎

از ادب پر نور گشت است این فلک   وز ادب معصوم و پاک آمد ملک

(یہ آسمان ادب کی وجہ سے روشن ہوا ہے، اور ادب سے ہی فرشتے معصوم پاکیزہ ہیں)

ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔

حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کی توجہ ومحبت

حضرت والا کے سامنے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ خاص طور پر بہت ہی زیادہ علوم ومعارف بیان فرمایا کرتے تھے کیونکہ مولانا کو معلوم تھا کہ حضرت والا کو علوم سے دلچسپی بھی ہے۔ حقائق سے مناسبت بھی ہے اور غوامض کو سمجھتے بھی ہیں اور قدر بھی کرتے ہیں۔ غرض مثنوی شریف کا یہ شعر صادق آتا تھا۔

بالب دمساز خود گر جفتمے　　ہمچو نے من گفتنیہا گفتمے

(اگر میں اپنے خاموش ہونٹوں کے ساتھ ہو جاتا، تو میں بھی بانسری کی طرح کہنے کے قابل باتیں کہتا)

چنانچہ ایک کم فہم شخص نے مولاناؒ سے پوچھا کہ حیض کے زمانہ میں نمازوں کی تو قضا نہیں لیکن روزں کی قضا ہے اس کی کیا وجہ۔ فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ اگر اس پر عمل نہ کرو گے تو اتنی جوتیاں لگیں گی کہ سر پر ایک کیل بھی نہ ملے گی اس کو تو یہ جواب دیا اور پھر کسی موقع پر حضرت والا نے یہی پوچھا تو وجہ کی نہایت لطیف تقریر فرمائی۔ وہ شخص چونکہ اس تقریر کا اہل نہ تھا اس لیے اس کو وہ جواب دیا کیونکہ۔

فہم سخن تا نکند مستمع　　قوت طبع از متکلم مجو

(جب تک سننے والا بات سمجھنے کی کوشش نہ کرے، بات کہنے والے کی طرف سے طبیعت کی ہمت طلب نہ کر)

حسب ارشاد حضرت مولانا رومیؒ۔

ہر کہ او از ہم زبانے شد جدا　　بے نواشد گرچہ دارد صد نوا

(جو اپنے ہم زبان سے جدا ہوا وہ اگرچہ سو آوازیں رکھتا ہو پھر بھی بے آواز ہے)

اساتذہ کرام کی علوم کی حفاظت

حضرت والا اکثر اپنے اساتذہ کرام کے علوم واحوال عالیہ اور تحقیقات عجیبہ وغریبہ

بیان فرماتے رہتے ہیں اور اس لطف کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ سننے والوں پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور سلف صالحین کا نمونہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔ ان کے فضائل بیان فرما کر اکثر یہ شعر پڑھ دیتے ہیں ؎

اولئک ابائی فجئنی بمثلهم   اذا جمعتنا یاجریر المجامع

(اے جریر جب تو نے ہمیں بڑے مجمعوں میں جمع کیا تو یہ میرے آباؤ اجداد ہیں ان جیسا کوئی لے آ)

اور ان فضائل کو سننے کے وقت بس ساتھ کے ساتھ یہ مشاہدہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ ان سب حضرات کی شانیں حضرت والا کی ذات کے اندر بین طور پر مجتمع ہیں۔ بمصداق ؎

لیس علی اللہ بمستنکر   ان یجمع العالم فی واحد

(اللہ تعالیٰ کے لئے یہ مشکل نہیں ہے کہ وہ ایک میں پورے جہان کو سمیٹ دے)

اس سے بھی حضرت والا کی قوت آخذہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے نیز حضرات اہل مدرسہ دیوبند کو دیکھ کر حضرت والا نے اپنا قدیم وضع کا غرارہ دار پاجامہ چھوڑ کر تنگ مہری کا پاجامہ پہننا اختیار کر لیا تھا۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہی حضرت والا کی نہایت سادہ وضع اور نہایت سادہ معاشرت تھی چنانچہ ایک بار جبکہ تعطیل میں والد صاحب کی خدمت میں آئے ہوئے تھے یوں ہی سادگی کے ساتھ رضائی لپیٹ رکھی تھی باقاعدہ اوڑھے ہوئے نہ تھے کہ دونوں پلے برابر ہوں لٹکے ہوئے نہ ہوں والد صاحب نے اس ہیئت کو دیکھ کر تنبیہ کی کہ میاں تم کو رضائی اوڑھنا بھی نہیں آتا گو حضرت والا اپنے والد ماجد کا بہت ہی ادب فرماتے تھے اور ڈرتے بھی بہت تھے لیکن اس وقت ایسا اثر ہوا کہ بے ساختہ منہ سے یہ نکلا کہ حضرت اگر آپ کو رضائی اوڑھنا ہی سکھانا تھا تو مجھ کو مدرسہ دیوبند نہ بھیجتے وہاں تو کسی کو بھی رضائی اوڑھنا نہیں آتا سب ایسی ہی الول جلول ہیں اھ۔ گو حضرت والا کے والد ماجد بہت تیز مزاج تھے لیکن یہ سن کر خاموش رہے کچھ بولے نہیں اور اس کے بعد پھر حضرت والا کو کبھی ایسی باتوں پر نہیں ٹوکا۔ ماشاء اللہ بہت ہی دانشمند اور فہیم تھے حقیقت سمجھ گئے۔ حضرت والا آج کل کے طالب علموں کی خوش لباسی اور بناؤ سنگار پر بہت ہی افسوس فرمایا کرتے ہیں اور

فرمایا کرتے ہیں کہ یہ دلیل اس کی ہے کہ ان کی نظر عالی نہیں اور ان کو علم کا چسکا لگا نہیں ورنہ ایسی اوچھی باتوں اور ادنی چیزوں کی طرف ہرگز التفات نہ ہوتا۔ طالب علمی کے زمانہ میں ایک بار جناب شیخ الٰہی بخش صاحب مرحوم رئیس میرٹھ کے (جن کے یہاں حضرت والا کے والد ماجد مختار ریاست تھے) بھائی صاحب جناب حافظ شیخ عبدالکریم صاحب جو بزرگوں کے بہت معتقد تھے اور خود بھی حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ سے بیعت تھے بغرض زیارت مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ مدرسہ میں تشریف لائے۔ حضرت والا کی وضع قطع اور طالب علمانہ رنگ دیکھ کر حیرت ہوگئی بے ساختہ مہتمم صاحب سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے تو لڑکے کو بالکل فنافی الشیخ کر دیا۔ غرض حضرت والا کو کمالات و برکات اساتذہ و اکابر کا بہت ہی شوق تھا اور ہر وقت یہی دھن رہتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا جو سب دیکھ رہے ہیں کہ حضرت والا کی ذات عالی صفات آج بحمداللہ توجہات حضرات اکابر بے نظیر کمالات کا مجموعہ ہے۔ ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء.

باب ہشتم

”درس وتدریس“

مدرسہ فیض عام کانپور

بعد فراغ درسیات حضرات والا چودہ (۱۴) سال تک بمقام کانپور درس وتدریس میں مشغول رہے اور اس درمیان میں اپنے مواعظ حسنہ اور تصانیف مفیدہ سے بھی وہاں کے مسلمانوں کو مستفیض فرماتے رہے۔ علاوہ بریں افتاء کا کام بھی اپنے ذمہ لے رکھا تھا اور فتووں کی نقل بھی مدرسہ میں محفوظ رکھی جاتی تھی جن کا ایک بڑا مجموعہ ہوگیا تھا۔

کانپور تشریف لانے کی صورت یہ ہوئی کہ مدرسہ فیض عام جو کانپور کا سب سے قدیم مدرسہ دینیہ تھا اس کے صدر مدرس جناب مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ایک مشہور اور جامع بالخصوص ماہر معقولات عالم تھے کسی وجہ سے ناراض ہوکر مدرسہ سے علیحدہ ہوگئے اور انہوں نے ایک دوسرا مدرسہ ”درالعلوم“ قائم کرلیا چونکہ طلبا میں ان کا بہت شہرہ تھا اس لئے ان کی جگہ بیٹھ کر درس دینے کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی اور اس اسی وجہ سے وہاں جانے کے لئے کوئی تیار نہ ہوتا تھا لیکن چونکہ حضرت والا کو اس صورت حال کی خبر نہ تھی لہٰذا جب وہاں سے ایک مدرس کی طلبی ہوئی تو اخیر صفر ۱۳۰۱ھ میں باجازت والد ماجد وبارشاد حضرات اساتذہ کرام بے تامل تشریف لے گئے اور درس دینا شروع کردیا تنخواہ صرف پچیس روپیہ ماہوار تھی جو کہ اس وقت کے لحاظ سے کچھ ایسی کم نہ تھی لیکن حضرت والا کے کمالات اور والد ماجد کے تمول کے لحاظ سے کچھ بھی نہ تھی پھر بھی حضرت والا نے اس کو بہت بڑی تنخواہ سمجھا کیونکہ فرماتے ہیں کہ میں جب کبھی طالب علمی میں سوچا کرتا تھا تو زیادہ سے زیادہ دس ۱۰ روپیہ ماہوار کی مدرسی اپنی ضروریات معاش کے لئے کافی سمجھتا تھا پانچ روپیہ اپنے خرچ کے لئے اور پانچ روپیہ گھر میں کے خرچ کے لئے بس اس سے زیادہ کی تنخواہ پر کبھی نظر ہی نہ جاتی تھی نہ اس سے زیادہ کا اپنے کو میں مستحق سمجھتا تھا۔

کانپور میں شہرت اور ہر دلعزیزی

گو حضرت والا اس وقت بالکل نوجوان اور سبزہ آغاز تھے۔ لیکن کانپور پہنچ کر وہاں کے جملہ مدرسین اور اہل شہر میں بہت جلد شہرت ہوگئی اور عام طور پر دلعزیز ہوگئے حتیٰ کہ مولانا احمد حسن صاحبؒ بھی بہت محبت اور وقعت سے پیش آنے لگے۔ جب حضرت والا کو فارغ التحصیل ہونے کی بعد ہی مدرسہ فیض عام میں بڑی بڑی کتابیں پڑھانے کو ملیں تو چونکہ اس سے قبل کبھی مدرسی کی ہی نہ تھی اور تحصیل علم بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ نہ کی تھی اس لئے بہت گھبرائے کہ یا اللہ میں ان کتابوں کو کیونکر پڑھا سکوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور دعا کے بعد جو پڑھانے بیٹھے تو بفضلہٖ تعالیٰ کوئی دقت واقع نہ ہوئی اور بہت آسانی کے ساتھ پڑھاتے چلے گئے اسی طرح وقتاً فوقتاً غیب سے حضرت والا کی تسلی اور ہمت افزائی ہوتی رہی چنانچہ دو خواب خود حضرت والا کے الفاظ میں اصدق الرؤیا سے نقل کیے جاتے ہیں۔

(۱) احقر نے جب حدیث کا درس شروع کیا تو استاذی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے اس طرح مشرف ہوا کہ میرے روبرو ایک جماعت صحیح بخاری پڑھنے والوں کی موجود ہے اور ایک نسخہ بخاری کا میرے سامنے ہے جس میں دیکھ کر درس دیتا ہوں اور میری برابر میں حضرت استاذی الممدوح تشریف رکھتے ہیں اور غالباً آپ کے پاس بھی ایک نسخہ بخاری شریف کا ہے اور میں جو بیان کرتا ہوں مولانا اس کی تقریر فرماتے ہیں۔ انتہیٰ۔

(۲) ایک مقام ہے جیسے کانپور میں جناب عبدالرحمٰن خاں صاحب بانی مدرسہ جامع العلوم کانپور کا چھوٹا مطبع وہاں کوئیں کے پاس حضرت ابن عباسؓ کھڑے ہیں اور میں قریب ہوں۔ اس کے بعد سے مجھ کو مناسبت تفسیر کا ظن غالب ہوگیا اھ۔

اس مناسبت تفسیر کی بشارت حضرت والا کے پیرو مرشد نے بھی قیام مکہ معظمہ کے زمانہ میں بالتصریح دی تھی جس کا ذکر باب اشرف بیعت و استفاضۂ باطنی میں آئے گا۔

مدرسہ فیض عام سے علیحدگی

مدرسہ فیض عام میں تین چار ماہ کام کرنے کے بعد حضرت والا کا اس مدرسہ سے دل

برداشتہ ہوگیا جس کا بڑا سبب یہ ہوا کہ حضرت والا اپنے وعظوں میں چندہ کی تحریک نہ فرماتے تھے کیونکہ حضرت والا کو تحریک چندہ سے اس زمانہ میں بھی بوجہ غیرت کے سخت طبعی نفرت تھی جواب تک موجود ہے بلکہ اس کو غیریت دینی کے بھی خلاف سمجھتے ہیں اور تحریک خاص کو تو بوجہ دباؤ کے جائز بھی نہیں سمجھتے۔ غرض حضرت والا کا اس وقت بھی وہی رنگ طبیعت اور وہی طرز عمل تھا جواب ہے۔ اراکین مدرسہ نے اس عدم تحریک چندہ کی آپس میں بیٹھ کر کچھ شکایت کی کسی نے اس کی اطلاع حضرت والا کو کردی حضرت والا کو نہایت ناگوار ہوا اور جواب میں فرمایا کہ اگر مجھے چندہ ہی کے لئے وعظ کہنا ہے میں چندہ اپنے ہی لئے کیوں نہ جمع کروں۔ اور فرمایا کہ یہ کام میرا نہیں ہے۔ بلکہ خود اراکین مدرسہ کا ہے میرا کام تو پڑھانا ہے اور اس پر یہ حکایت بیان فرمائی کہ اگر علماء سے پڑھانے کا بھی کام لیا جائے اور چندہ جمع کرنے کا بھی تو اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے اکبر بادشاہ نے خوش ہو کر کسی بھانڈ کو شاہی ہاتھی انعام میں دیدیا تھا۔ اب وہ اس کو کھلائے کہاں سے بالآخر اس نے یہ ترکیب کی کہ اس کے گلے میں ایک ڈھول لٹکا کر شاہی سڑک پر چھوڑ دیا جہاں سے شاہی سواری نکلتی تھی۔ بادشاہ نے جو دیکھا کہ شاہی ہاتھی اس طرح مارا مارا پھر رہا ہے تو بھانڈ کو بلا کر اس سے اس کا سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ حضور میں یہ نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔ اگر اپنے گھر باندھتا تو پھر اس کو کھلاتا کہاں سے میرے پاس بھلا کیا رکھا ہے۔ روز کماتا روز کھاتا جب میں نے کوئی صورت نہ دیکھی تو گلے میں ڈھول ڈال کر اس کو چھوڑ دیا۔ اور کہدیا کہ جا بھائی تو بھی میری طرح بس گا اور بجا مانگ اور کھا۔ تو آپ لوگ بھی بس یہی چاہتے ہیں کہ ہم ہی پڑھائیں بھی اور ہم ہی چندہ مانگ مانگ کر اپنی تنخواہیں بھی وصول کریں۔ گو یہ نہایت معقول بات تھی لیکن اراکین مدرسہ نے اس کا آپس میں چرچا کیا جو حضرت والا کو ناگوار ہوا اور استعفٰی دیدیا۔ انہوں نے بعد کو بہت معذرت بھی کی لیکن حضرت والا نے اس بناء پر یہ ناقدرے لوگ معلوم ہوتے ہیں ان سے میرا نباہ مشکل ہوگا رہنا منظور نہ فرمایا۔

اس کے متعلق حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ وہ زمانہ ذرا جوانی کے جوش و خروش کا بھی تھا اور اصل وجہ تو یہ تھی کہ نوکری ہی میرے مزاج کے خلاف تھی جب میں نے

والد صاحب کو یہاں کی شکایت لکھی تو انہوں نے ان لوگوں کی سب باتوں کی توجیہات لکھ کر بھیجیں اور لکھا کہ ابھی وہیں رہو علیحدگی اختیار کرنے میں عجلت مناسب نہیں کیونکہ ہمیں تو نوکری مقصود ہی نہیں اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے رکھا ہے ہم نے تو محض اس لئے تم کو اجازت دیدی تھی کہ اچھا ہے ابھی کتابیں تازہ ہیں پڑھانے سے پختہ ہو جائیں گی۔ اگر تم نے نوکری چھوڑ دی تو پھر پڑھانے کا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے گا۔ اور سب پڑھا لکھا نسیاً منسیا ہو جائے گا۔ کیونکہ بدوں پابندی کے تم پڑھاؤ گے نہیں اور اگر مدرسہ میں رہو گے تو پھر پابندی کرنی پڑے گی۔ مگر چونکہ حضرت والا کا دل برداشتہ ہو چکا تھا لہٰذا مدرسہ فیض عام کا تعلق چھوڑ ہی دیا اور واپسی وطن کا قصد فرمالیا۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کی زیارت

لیکن قبل روانگی جی چاہا کہ یہیں سے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ گنج مرادآبادی کی زیارت کرآئیں ورنہ پھر نہ جانے اس طرف کبھی آنا ہو یا نہ ہو۔

چنانچہ حضرت والا گنج مرادآباد تشریف لے گئے۔

آپ کیلئے نئے مدرسہ کا قیام

ادھر تو حضرت والا روانہ ہوئے اور ادھر جناب عبدالرحمٰن خان صاحب مرحوم و مغفور اور حاجی کفایت اللہ صاحب مرحوم و مغفور نے جن کو حضرت والا کے ساتھ بہت ہی محبت اور عقیدت ہوگئی تھی آپس میں مشورہ کیا کہ ایسے مولوی کہاں ملتے ہیں ان کو یہاں سے جانے نہ دیا جائے اور ان کے لیے ایک الگ مدرسہ کھولا جائے کیونکہ ہمارے شہر میں جتنے مدرسے ہیں ان میں زیادہ تر معقولات ہی پڑھائی جاتی ہیں۔ ایک ایسے مدرسہ کی بھی سخت ضرورت ہے جس میں دینیات کا پورا نصاب ہو لہٰذا ان دونوں صاحبوں نے حضرت والا کی تنخواہ پچیس روپیہ ماہوار کا اس طرح انتظام کیا کہ بیس روپیہ ماہوار تو خان صاحب نے اور پانچ روپیہ ماہوار حاجی جی نے اپنے اپنے ذمہ رکھے۔ پھر بعد کو چندہ بھی جمع کیا جانے لگا لیکن حضرت والا نے کبھی اپنی طرف سے چندہ کی تحریک نہیں کی۔ وہی دونوں صاحب اپنے طور

پر تحریک کرتے رہے۔ غرض جب حضرت والا گنج مرادآباد سے واپس تشریف لائے تو ان دونوں صاحبوں نے اصرار کر کے روک لیا اور حضرت والا جامع مسجد محلّہ ٹپکاپور میں درس دینے لگے اور ایک نیا مدرسہ قائم ہو گیا۔ اس مدرسہ کا نام جامع معقولات و دینیات ہونے کی بنا پر نیز جامع مسجد کی مناسبت سے حضرت والا نے ''جامع العلوم'' رکھا جو اب تک بفضلہٖ تعالیٰ اسی نام سے قائم ہے۔ شروع شروع میں طلبہ کو حضرت والا سے پڑھتے ہوئے شرم آتی تھی کیونکہ حضرت والا بالکل نوعمر اور سبزہ آغاز تھے۔ چنانچہ کئی سال تک طالب علم کم تعداد میں رہے پھر جب داڑھی بڑی ہو گئی تو کثرت سے طلبہ آنے لگے۔

اہل کانپور کی محبت

حضرت والا نے فرمایا کہ جب کانپور گیا ہوں تو گو اس وقت میری عمر بہت کم تھی مگر الحمدللہ ابتدا ہی سے وہاں کے لوگ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے اور بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آتے تھے۔ عمر بڑھنے سے کوئی بات بڑھی نہیں موافق اور مخالف سبھی کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے محبت ڈال دی تھی جو مخالف مشرب کے تھے گو عقیدت تو تھی نہیں لیکن محبت ان کو بھی تھی اور مجھے محبت ہی کی زیادہ قدر ہوتی ہے کیونکہ محبت میں بے تکلفی اور برابر کا تعلق ہوتا ہے، جس سے بڑی راحت رہتی ہے بخلاف اس کے عقیدت سے قلب پر گرانی ہوتی ہے۔ خواہ مخواہ بننا پڑتا ہے کہ کہیں عقیدت میں فرق نہ آجائے اور محبت تو عدم عقیدت کی حالت میں بھی نہیں جاتی۔

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ کانپور والوں نے میرے ساتھ ایسی محبت اور تعظیم و تکریم کا برتاؤ کیا کہ میں اپنے وطن کو بھی بھول گیا اور جتنا وہاں جی لگتا تھا اپنے وطن میں بھی نہ لگتا تھا۔ اتنی محبت تھی کہ میں نے اپنے برتنوں پر بھی بجائے اپنے نام کے لفظ ''کانپور'' کھدوایا تھا۔ اب بھی جو ان برتنوں کو دیکھ لیتا ہوں تو کانپور یاد آجاتا ہے۔ اگر حضرت حاجی صاحبؒ کا ایماء نہ ہوتا تو میں عمر بھر بھی کانپور کو نہ چھوڑتا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میری اتنی جو شہرت ہوئی تو وہ کانپور والوں ہی کی بدولت ہوئی ورنہ میں واقعی اس درجہ کا شخص ہرگز نہ تھا اور نہ اب ہوں۔ مجھے اب بھی کانپور والوں سے بہت محبت ہے اور میں ان کا بہت

ممنون ہوں۔ کچھ منجانب اللہ ان کے قلوب میں عام طور سے میرے ساتھ ایسی محبت ہوگئی تھی کہ اختلاف مشرب بھی اس سے مانع نہ رہا تھا۔اھ۔

مخالف مشرب والوں کے دلوں میں محبت

چنانچہ حضرت والا کو ابتداء جو ایک مولود شریف میں شرکت کا اتفاق ہوا تو قیام نہ فرمایا کیونکہ اپنے حضرت کا معمول نہ تھا بس سارے مجمع میں صرف حضرت والا ہی ایک تھے جو بیٹھے رہے باقی سب نے قیام کیا کیونکہ سب قیام کرنے والے ہی تھے۔ حضرت والا کے ایک شاگرد نے عربی میں کہا کہ اس وقت بیٹھا رہنا مناسب نہیں لیکن حضرت والا نے نہیں مانا اور فرمایا **لا طاعة للمخلوق بمعصية الخالق**۔ پھر وہ شاگرد بھی بیٹھے رہے۔ بعد کو معلوم ہوا کہ ایسے کئی موقعوں پر وہاں کے لوگ نہ کھڑے ہونے والوں کو پیٹ بھی چکے تھے کیونکہ انہیں اس امر میں بہت غلو تھا مگر حضرت والا سے کسی کو کچھ کہنے کی بھی ہمت نہ ہوئی کیونکہ قلوب میں عام طور سے بہت محبت وعظمت تھی البتہ کن انکھیوں سے برابر دیکھتے رہے بلکہ عبدالرحمٰن خاں صاحب کے صاحبزادے اور دیگر مقتدر صاحبان بھی باوجودیکہ اسی خیال کے تھے مگر کہنے لگے کہ اگر ہمیں یہ خبر ہوتی کہ مولانا نہیں کھڑے ہوئے تو ہم بھی نہ کھڑے ہوتے۔اس سے حضرت والا کی محبوبیت کا اندازہ فرمالیا جائے کہ یہ حضرات اپنے مشرب کے خلاف بھی کرنے کو تیار تھے۔

طب کی تعلیم کے لئے دہلی جانا اور واپسی

حضرت والا نے کچھ دن کے بعد یہ چاہا کہ بلا اجرت تعلیم دوں گو متاخرین نے تنخواہ لے کر دینیات کی تعلیم دینے کے متعلق بضرورت دین جواز کا فتویٰ دے دیا ہے لیکن حضرت والا کو یہ پسند نہیں تھا اس لیے جامع العلوم کے تعلق کے زمانہ میں خیال پیدا ہوا کہ حکیم عبدالمجید خاں صاحب مرحوم دہلوی کے یہاں جا کر فن طب حاصل کریں پھر مطب کی آمدنی سے تو بسر اوقات کریں اور محض لوجہ اللہ علم دین پڑھائیں۔ چنانچہ والد صاحب کو لکھا انہوں نے بخوشی اجازت دے دی اور چونکہ بہت محبت فرماتے تھے لکھا کہ میں اپنے ایک گاؤں گدائے کھیڑہ کی آمدنی تمہارے اخراجات کے لیے مقرر کیے دیتا ہوں۔غرض حضرت والا

نے دہلی جا کر طب پڑھنی شروع کر دی لیکن کانپور کے حضرات نے وہاں پہنچ کر مدرسہ کے لیے حضرت والا کی بہت سخت ضرورت ظاہر کی اور بہ اصرار واپس تشریف لے چلنے کے لیے عرض کیا اور ادھر جناب مولوی حکیم جمیل الدین صاحب غازیپوری نے مدرسہ دیوبند میں حضرت والا کے ہم سبق تھے نہایت زور دے کر یہ فرمایا کہ طب کا مشغلہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے کیونکہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ مطب کے ساتھ دین اور علم دین کی خدمت ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ غرض حضرت والا نے قصد واپسی فرما لیا لیکن چونکہ جناب حکیم عبدالمجید خاں صاحب مرحوم باوجود اس کے کہ نہایت مستغنی المزاج تھے اور حضرت والا نے صرف پندرہ دن ہی ان سے طب پڑھی تھی حضرت والا پر غایت درجہ شفقت وعنایت فرمانے لگے تھے اس لیے حضرت والا نے بطور خود ترک تحصیل طب کر دینے کو خلاف تہذیب ومروت سمجھا۔ لہذا جو بلانے آئے تھے ان سے فرمایا کہ اگر حکیم صاحب اجازت دے دیں تو میں چلنے کو تیار ہوں چنانچہ حکیم صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر اجازت دے دی کہ خیر اگر اپنی ترقی کرنا نہیں چاہتے تو اختیار ہے چلے جائیں۔ چنانچہ حضرت والا کانپور واپس تشریف لے آئے اور آ کر پھر بدستور سابق درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔

حضرت والا اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ حکیم مولوی جمیل الدین صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے انہوں نے مجھ کو یہ مشورہ دے کر میرے اوپر بڑا احسان کیا۔

حکیم عبدالمجید خانؒ کا حضرت سے متاثر ہونا

جناب حکیم عبدالمجید خان صاحب مرحوم کو باوجود اتنے بڑے اور مشہور آدمی ہونے کے حضرت والا کے ساتھ اتنا تعلق ہو گیا تھا کہ جب حضرت والا تھانہ بھون آ کر مقیم ہوئے تو حکیم صاحب نے تھانہ بھون آ کر ملنے کا قصد کیا اور ایک تھانہ بھون کے صاحب سے جو دہلی میں رہتے تھے پوچھا کہ تھانہ بھون حاضر ہونے کے کیا قواعد ہیں؟ انہوں نے کہا کہ وہ تو آپ کے شاگرد ہیں آپ کے لیے قواعد کیا ہوئے۔ تو فرمایا کہ نہیں بھائی استادی شاگردی الگ چیز ہے اور یہ راستہ الگ چیز ہے۔ میں تو وہاں اسی طرح جاؤں گا جیسے معتقدین جاتے ہیں مگر بیچاروں کو

آنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ پھر کچھ ہی دن بعد انتقال ہو گیا۔ کیا انتہا ہے اس تواضع اور سلامت فطرت کی۔ حضرت والا نے اس واقعہ کو حکیم صاحب کے انتقال کے بعد سنا تو بہت افسوس کے ساتھ فرمایا کہ اگر مجھ کو ان کا یہ خیال قبل انتقال معلوم ہو جاتا تو میں خود ہی پہنچ کر ان سے عرض کر تا کہ لیجئے حضرت آپ کے لیے میرے پاس آنے کے بس یہ قواعد ہیں یعنی خود حاضر ہو گیا۔

واپسی پر اہل کانپور اور حضرت حاجی صاحبؒ کی خوشی

اہل کانپور کو حضرت والا کی واپسی پر بیحد مسرت ہوئی اور گویا بزبان حال یہ شعر پڑھنے لگے۔

باز آمد شاہِ من در کوئے من　　　باز آمد آبِ من در جوئے من

(میرا سردار میری گلی میں لوٹ آیا ہے، میرا پانی میری ندی میں آ گیا ہے)

اور حضرت والا کے پیر و مرشد شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ العزیز نے بھی اس پر اپنے ایک مکتوب میں بہت اظہار مسرت فرمایا جس کا اقتباس باب "شرف بیعت و استفاضہ باطنی" میں زیر عنوان "اقتباسات مکتوبات امدادیہ" ملاحظہ سے گزرے گا۔

شانِ محبوبیت

حق تعالیٰ نے حضرت والا کو شروع ہی سے ایسی شان محبوبیت عطا فرمائی ہے کہ بچپن سے لے کر اب تک جہاں رہے بفضلہٖ تعالیٰ محبوب خلائق ہی ہو کر رہے حتیٰ کہ غیر مذہب والوں کو بھی حضرت والا کی جانب بے اختیار میلان اور کشش ہوتی رہی جس کے صدہا واقعات ہیں۔

حضرت والا نے جس کسی سے بھی ملتفت ہو کر دو باتیں فرمالیں بس گویا اس کا دل مٹھی میں آ گیا۔ کانپور میں بھی محبوبیت کا وہ عالم تھا کہ بعض ثقہ لوگوں کو بھی یہ شبہ ہو گیا تھا کہ کوئی تسخیر کا عمل آتا ہے چنانچہ ایک صاحب نے جو مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ سے بیعت تھے۔ اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ مولانا کے پاس اور حضرت والا کے پاس ضرور کوئی تسخیر کا عمل ہے جبھی تو دونوں کی طرف ایک دنیا کھچی چلی آتی ہے اور حضرت والا کے بہت سر ہوئے کہ ہمیں بھی وہ عمل بتا دیجئے۔ حضرت والا نے ہر چند انکار کیا بلکہ قسم بھی کھائی کہ مجھ کو تسخیر کا کوئی عمل نہیں آتا محض خدا کا فضل ہے کہ لوگوں کے دلوں میں میری محبت ڈال دی

ہے لیکن ان کی تسلی نہ ہوئی اور برابر اصرار ہی کرتے رہے کہ نہیں بتا ہی دیجئے جب کسی طرح نہ مانے تو حضرت والا نے ان کو ذکر پاس انفاس بتادیا کہ بس سب سے بڑا عمل یہ ہے۔

ہزبر خان کا واقعہ

ایک بہت بوڑھے اور دبنگ پٹھان تھے جن کو شہر میں بڑی وجاہت حاصل تھی کیونکہ پہلے خود بھی رئیس تھے اور پھر ایک رئیس کے کارندہ ہوگئے تھے مگر آن بان وہی تھی اور سب کو ڈانٹ لیتے تھے۔ نام بھی ہزبر خان تھا۔ ایک بار انہوں نے عشرہ محرم میں آکر حضرت والا سے کہا کہ یہاں کانپور میں شاہ سلامت اللہ صاحب کا دستور تھا کہ اس عشرہ میں شہادت نامہ پڑھا کرتے تھے آپ بھی پڑھیں اگر آپ نہ پڑھیں گے تو لوگوں کو بدگمانی ہوگی کہ یہ اس کے منکر ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ تشبہ بالروافض کی بناء پر ناجائز ہے۔ اس پر انہوں نے برا مان کر کہا کہ افسوس ہے ہم تو نفع اور مصلحت کی بات بتاتے ہیں اور اس کو بھی نہیں مانا جاتا۔ حضرت والا نے جواب میں فرمایا کہ افسوس ہے جو بے علم ہیں وہ بھی آج کل اہل علم کو مشورہ دینے لگے ہیں کہ ہم سے پوچھ پوچھ کر دین کے کام کیا کرو۔ اس پر وہ خفا ہو کر چلدیئے کہ اچھا ہے نہ مانئے۔ تھوڑی دور جا کر پھر لوٹے اور کہا کہ بڑی مشکل ہے ہماری بات بھی نہیں مانتے اور اب ہم جانا چاہتے ہیں تو جانے بھی نہیں دیتے۔ قدم ہی نہیں اٹھتے جانے کیا کر دیا۔ پھر حضرت والا سے معافی چاہی اور جب معاف کرالیا تب ان کو اطمینان ہوا۔

منشی صفدر حسین کا واقعہ

اسی طرح کانپور میں کاکوری کے ایک بہت معزز اور باوجاہت رئیس تھے جن کا نام منشی صفدر حسین تھا۔ ایسے آن بان کے تھے کہ کسی سے ملنے جلنے بھی نہ جاتے تھے اور ہمیشہ اپنے مکان کے سہ منزلہ حصہ پر رہتے تھے اور وہاں سے بہت کم اترتے تھے۔ بڑے دماغ دار تھے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت نعوذ باللہ بہت بدگمانی رکھتے تھے اور اپنی مجلس میں خلاف شان کلمات کہتے رہتے تھے۔

قاضی وصی الدین صاحب جو شہر میں کئی حیثیتوں سے معزز شخص تھے ایک دن حضرت

والا کو ان کے پاس لے گئے اور کہا کہ آپ اپنے شبہات ان سے حل کر لیجئے۔ انہوں نے کہا کہ میرے شبہات تاریخی واقعات ہیں ان کو کون حل کر سکتا ہے پھر انہوں نے حدیث پڑھی "من سب اصحابی فقد سبنی و من سبنی فقد سب اللّٰہ" اور یہ ثابت ہے کہ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کی شان میں گستاخی کیا کرتے تھے۔ حضرت والا نے فوراً جواب دیا کہ یہ تو غیر صحابی کے لیے ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بادشاہ یوں کہے کہ اگر کوئی ہمارے شہزادوں کو آنکھ بھر کر دیکھے گا تو ہم اس کی آنکھیں نکلوالیں گے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر شہزادے بھی آپس میں لڑیں گے تو ان کی بھی یہی سزا ہوگی۔ چاہے اور کوئی سزا ہو مگر یہ سزا ہرگز مراد نہ ہوگی بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی غیر شخص تیز نظر سے دیکھے گا تو اس کے لیے یہ سزا ہے۔ جب اس کا ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو اپنی شرم اتارنے کے لیے ایک ہندو بنگالی بابو سے جو اس وقت وہاں بیٹھے ہوئے تھے طعن کے طور پر کہنے لگے کہ دیکھئے بابو صاحب ہمارے علماء ذہانت سے کام لیتے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا اور غالباً پکار کر فرمایا تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ غباوت سے کام لیا کریں اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

چونکہ ان کو سب کے سامنے شرمندگی ہوئی اور بڑے آدمی تھے اس لیے حضرت والا نے بغایت حسن اخلاق اس کا کچھ تدارک فرمانا چاہا چونکہ وہ کچھ عملیات جانتے تھے اس لیے ان کی شرمندگی مٹانے کے لیے حضرت والا نے ان سے اپنی ایک احتیاج ظاہر کی کہ مجھے نیند بہت کم آتی ہے۔ اس لیے کوئی عمل تجویز فرما دیجئے۔ اس فرمائش پر ان کی سب شرمندگی دھل گئی اور فوراً خوش ہو کر بولے کہ بہت اچھا میں پلیٹ پر کچھ لکھ کر بھیج دیا کروں گا اس کو پی لیا کیجئے گا چنانچہ کئی روز تک ان کے پاس پلیٹ بھیجی گئی اور وہ پلیٹ لکھ کر بھیجتے رہے پھر تو ان کو حضرت والا سے اتنا تعلق ہو گیا کہ گاہ گاہ اچھی اچھی چیزیں بھی پکوا کر تحفۃً بھیجا کرتے۔

اہل محلّہ سے برتاؤ

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میں کانپور میں ہمیشہ محلّہ ٹپکاپور ہی میں رہا کیونکہ اس محلّہ میں مدرسہ تھا۔ گو اس محلّہ کے لوگ عموماً بہت آزاد اور بیباک مشہور تھے لیکن بہ نسبت اور محلّہ کے

لوگوں کے بہت سمجھ دار بھی تھے۔ میں ہمیشہ انہی لوگوں میں رہا لیکن میرے ساتھ تو ان کا ہمیشہ نہایت محبت کا برتاؤ رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں بھی کسی امر میں ان کے ساتھ سختی نہ کرتا تھا اور کبھی میں نے ان سے کوئی طمع نہیں کی بلکہ خود ہی وہاں کے غرباء کی خالص مواقع پر امداد کرتا رہتا تھا۔ ایک بار قحط پڑا تو حقوق جوار کی بناء پر میں نے کئی بار چندہ کر کے غربا کو اناج اور کپڑا تقسیم کیا۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک بار چند عورتیں نیاز دلانے کے لیے جامع مسجد میں کہ اس وقت طلبہ بھی وہیں رہتے تھے جلیبیاں لائیں۔ طالب علم تو آزاد ہوتے ہی ہیں لے کر بلا نیاز دیئے سب کچھ کھا پی گئے کیونکہ بقول حضرت والا انہیں تو ناز تھا نیاز کیا دیتے۔ اس پر بڑی برہمی پھیلی۔ تمام عورتیں اپنے مردوں کو بلا لائیں۔ ایک طالب علم نے بڑی عقلمندی کی کہ فوراً حضرت والا کے پاس دوڑ کر اطلاع کی کہ جلدی چلئے وہاں تو ہنگامہ برپا ہو رہا ہے چنانچہ حضرت والا فوراً تشریف لے گئے اور اس وقت نہایت حسن تدبیر سے ہنگامہ کو فرو کیا۔ اس طرح کہ دو چار طالب علموں کو تھپڑ لگائے اور خفا ہوئے کہ بلا اذن کسی کی چیز کھا لینا شرعاً جائز کہاں ہے؟ جب حضرت والا طالب علموں کو مارنے لگے تو پھر محلہ والے خود ہی ان کو بچانے لگے اور حمایت کرنے لگے پھر حضرت والا نے جلیبیوں کی قیمت پوچھ کر سب کھانے والوں سے ایک ایک پیسہ لے کر تین آنے جمع کر کے جلیبیوں کی قیمت ادا کی اس سے سب خوش ہو گئے اور معاملہ وہیں کا وہیں رفع دفع ہو گیا۔ پھر حضرت والا نے ان لوگوں کو سمجھا دیا کہ بھائی یہاں وہابی رہتے ہیں یہاں فاتحہ نیاز کے لئے کچھ مت لایا کرو اس سے بھی انہوں نے حضرت والا کو تو وہابی نہ سمجھا ان طالب علموں ہی کو سمجھا غرض اس قسم کے برتاؤ سے سب محلہ والے حضرت والا کا دم بھرنے لگے تھے اور محلّہ والے ہی کیا سب کانپور والوں کے قلوب میں حضرت والا کی محبت اور عظمت جاگزین ہو گئی تھی۔ کانپور کے قیام کے بعض خاص خاص حالات اور ترک تعلق کانپور کی تفصیلات معلوم فرمانے کے لئے ''باب شرف بیعت واستفاضہ باطنی'' ملاحظہ ہو اب اس باب کو حضرت والا کے طرز تعلیم کے متعلق کچھ مختصراً عرض کر کے ختم کیا جاتا ہے۔

صفر ۱۳۰۱ھ میں حضرت والا کانپور تشریف لائے اور پورے چودہ برس تک ہر طرح کی خدمت دینی بذریعہ درس وتدریس اور مواعظ وتصانیف اور ارشاد تلقین بجالا کر بہ تعمیل ارشاد

حضرت پیرومرشد آخر صفر ۱۳۱۵ھ میں کانپور کا تعلق قطع فرما کر اپنے وطن تھانہ بھون میں قیام پذیر ہوگئے۔ جس کا مفصل حال ''باب شرف بیعت واستفاضہ باطنی'' میں درج کیا جائے گا۔

تدریس کا سلیس ونفیس انداز

حضرت والا کا طرز تعلیم اس درجہ سلیس اور نفیس تھا کہ جو طالب علم دو چار سبق بھی حضرت والا سے پڑھ لیتا پھر کسی اور استاد سے اس کی تسلی نہ ہوتی۔ چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میں جب پڑھاتا تھا تو اپنے اوپر بہت تعب برداشت کر کے پہلے سے سبق کی تقریر کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتا تھا پھر پڑھاتا تھا اس لیے میری ساری تقریر نہایت سلیس اور سہل اور بالترتیب ہوتی تھی جس کی وجہ سے مشکل سے مشکل مضامین بھی طالب علموں کے لیے بالکل پانی ہو جاتے تھے اور بآسانی ذہن نشین ہو جاتے تھے گو مجھ کو تو سہل کر کے تقریر کرنے میں بہت تعب ہوتا تھا لیکن طلبہ کو کسی مقام کے سمجھنے میں ذرا الجھن نہ ہوتی تھی چنانچہ صدرا میں ایک مشہور مقام ہے مثناۃ بالتکریر جو بہت ہی مشکل سمجھا جاتا ہے جب کتاب میں وہ مقام آیا تو میں نے قبل اس کے کہ طالب علم کو اس مقام کی اطلاع دوں اس کے مضمون کی ایک سلیس تقریر کر دی لیکن یہ نہیں معلوم ہونے دیا کہ یہ تقریر کسی مشکل مقام کے متعلق ہے بلکہ یوں ہی سرسری طور پر اس مضمون کی تقریر کر دی چونکہ میں نے بہت ہی سہل کر کے تقریر کی تھی طالب علم کی سمجھ میں خوب اچھی طرح آ گئی۔ ان طالب علم کا نام مولوی فضل حق تھا وہی مدرسہ جامع العلوم سے سب سے پہلے فارغ التحصیل ہوئے اور بعد فراغ عرصہ تک قنوج میں مدرس بھی رہے جب انہوں نے اقرار کر لیا کہ میں خوب سمجھ گیا تب میں نے کہا کہ یہ وہی تو مقام تھا جس کو مثناۃ بالتکریر کہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ چونکتے ہوئے تو میں نے کہا بس بس اب نہ ڈرو اب تو پار ہو گئے۔ پھر میں نے پوچھا کہ اب بتاؤ یہ بھی مشکل مقام تھا۔ انہوں نے کہا اجی ہم کو تو طلبہ نے اس سے بہت ہی ڈرا رکھا تھا لیکن یہ تو کچھ بھی مشکل نہ نکلا۔ اس پر میں نے یہ شعر پڑھا۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

مقام تو واقعی مشکل تھا لیکن میں نے اس کی تقریر ایسی بے فکری اور سلاست سے کی کہ نہایت سہولت کے ساتھ ان کی سمجھ میں آ گئی۔ البتہ خود مجھ کو سہل کر کے بیان کرنے میں بہت تعب اٹھانا پڑا۔ دوسرے کا بوجھ میں نے اپنے اوپر لے لیا اور میں پڑھانے میں ہمیشہ یہی کرتا تھا اور آج کل اساتذہ اپنے اوپر ذرا مشقت نہیں ڈالنا چاہتے۔ بات یہ ہے کہ شفقت نہیں رہی محض ضابطہ پڑی رہ گئی ہے۔ اتفاق سے مولوی فضل حق کے سالانہ تحریری امتحان میں مثناۃ بالتکریر ہی کے متعلق سوال کیا گیا۔ ممتحن مولانا عبدالغفار صاحب تھے جو کانپور کے ایک مشہور ذکی اور جامع عالم تھے چونکہ مولوی فضل حق نے اس مقام کو مجھ سے اچھی طرح سمجھ لیا تھا اس لیے انہوں نے اس کی اس قدر اچھی تقریر لکھی کہ مولانا کو بہت پسند آئی اور اس کی بڑی تحسین فرمائی نیز حضرات مدرسہ نے بھی اس کو طالب علموں کے لیے اس قدر مفید سمجھا کہ اس کو مدرسہ میں محفوظ رکھ لیا گیا اور واقعی وہ اسی قابل تھی چنانچہ حال ہی میں میں نے اس کو بذریعہ مولانا سعید احمد صاحب لکھنوی جو کچھ دن ہوئے جامع العلوم کے مدرس اول تھے کاغذات میں تلاش بھی کرایا لیکن افسوس ہے وہ ملی ہی نہیں ورنہ وہ طالب علموں کے لیے بڑے کام کی چیز ہوتی۔ احقر مؤلف نے اپنی اس موجودہ رخصت طویلہ میں حسب ایماء حضرت والا سے کچھ عربی پڑھنا شروع کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ مجھ کو فرصت نہیں ہے نہ قوت ورنہ میں خود آپ کو پڑھاتا اور بہت جلد چل نکلتے بالخصوص منطق کی اگر ایک کتاب بھی مجھ سے پڑھ لی جاتی تو پھر کسی دوسری کتاب کی چنداں ضرورت باقی نہ رہتی اور منطق سے پوری مناسبت پیدا ہو جاتی۔ اھ۔

سبق کی تقریر کا طریقہ

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے پڑھاتے وقت ضرورت سے زائد کبھی تقریر نہیں کی صرف حل کتاب پر اکتفا کیا۔ زوائد سے طالب علموں کا کبھی وقت ضائع نہیں کیا اور میں اسی کی تاکید اپنے ماتحت مدرسین پر بھی رکھتا تھا بلکہ کبھی کبھی جا کر ان کے پڑھانے کی جانچ بھی کیا کرتا تھا۔ اساتذہ زیادہ تر اپنی قابلیت کے اظہار کے لیے نکات و دقائق کی تقریریں کیا کرتے ہیں جن سے کتاب کے اصل مطلب میں بھی خلط ہو جاتا

ہے۔ بعض یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ جب تک اس قسم کی تقریریں نہ کی جائیں استاد کی مہارت کے متعلق طلبہ کی تسلی نہیں ہوتی لیکن طلبہ کی یہ تسلی دیکھنی چاہیے یا ان کا نفع۔ ان کا نفع تو اسی میں ہے کہ اصل کتاب کو اچھی طرح حل کر دیا جائے کیونکہ استعداد اسی سے پیدا ہوتی ہے اور جب استعداد پیدا ہو جائے گی تو پھر نکات ودقائق خود ہی سمجھ میں آنے لگیں گے۔ لہذا استاد کا اصل مطمح نظر یہی ہونا چاہیے۔

ہفتہ وار تقریری مقابلوں کے بارے میں رائے گرامی

اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ یہ جو نئے نئے طریقے ہفتہ وار مشق تقریر ومناظرہ کے لیے نکلے ہیں ان کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہ مضر ہیں۔ اس لیے کہ ہفتہ بھر تک بجائے اسباق کی طرف متوجہ رہنے کے اس کی تیاری میں رہتے ہیں۔ اول تو اس قسم کی مشق کرانے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ جب کتابیں خوب اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لی جائیں گی تقریر، تحریر اور مناظرہ سب کی استعداد خود بخود ہی پیدا ہو جائے گی اور اگر ایسا ہی شوق ہے تو جو طالب علم جو کتاب پڑھ رہا ہو اسی کے متعلق اس سے تقریر کرالی جایا کرے۔ اس سے تقریر کی بھی مشق ہو جائے گی اور حرج بھی نہ ہوگا بلکہ کتابیں اور پختہ ہو جائیں گی۔ اھ۔

علمی استعداد کے لئے تین ضروری کام

حضرت والا نے اپنے تجربہ کی بناء پر طالب علموں کو بھی یہ ہدایت فرمایا کرتے ہیں کہ بس تم تین باتوں کا التزام کرلو پھر میں ٹھیکہ لیتا ہوں اور ذمہ دار ہوتا ہوں کہ تمہیں استعداد علمی حاصل ہو جائے گی اول یہ کہ جو سبق پڑھنا ہو اس کا مطالعہ ضرور کرلیا جائے اور مطالعہ کوئی مشکل کام نہیں کیونکہ مطالعہ کا مقصود صرف یہ ہے کہ معلومات اور مجہولات متمیز ہو جائیں۔ بس اس سے زیادہ کاوش نہ کرے۔ پھر سبق کو استاد سے اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لے بلا سمجھے آگے نہ چلے اگر اس وقت استاد کی طبیعت حاضر نہ ہو تو کسی دوسرے وقت سمجھ لے اس کے بعد ایک بار خود بھی مطلب کی تقریر کرے بس ان تینوں التزامات کے بعد پھر بے فکر رہے چاہے یاد رہے یا نہ رہے انشاء اللہ تعالیٰ استعداد ضرور پیدا ہو جائے گی۔ یہ

تینوں باتیں تو درجہ وجوب میں ہیں اور ایک بات درجہ استحباب میں ہے وہ یہ کہ کچھ آموختہ بھی روزانہ دوہرالیا کرے۔ اھ۔

افادہ علوم کا چشمۂ صافی

غرض حضرت والافن درس وتدریس میں بھی یدطولیٰ رکھتے تھے بلکہ اب بھی مجلس شریف میں اکثر مضامین طلبہ کے کام کے بیان فرماتے رہتے ہیں اور ایسے ایسے نکات و دقائق علمیہ بیان ہوتے رہتے ہیں کہ بڑے بڑے اساتذہ ان سے مستفید ہوکر جاتے ہیں چنانچہ ایک بار جناب مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی مدت فیوضہم سے ان کے بعض احباب مدرسین نے کہا کہ تم تعطیلات میں تھانہ بھون کیوں جایا کرتے ہو یہیں رہ کر مطالعہ کتب کیوں نہیں کیا کرتے جس سے تمہاری معلومات علمیہ بڑھیں۔ مولانا محمد شفیع صاحب نے اس قول کو حضرت والا سے نقل کیا تو حضرت والا نے ان سے دریافت فرمایا کہ منافع باطنیہ کو تو خیر رہنے دیجئے یہ بتایئے کہ یہاں کے تعلق کے بعد کتابوں کے پڑھانے میں بھی آپ کو بہ نسبت پہلے کے کچھ اعانت ہوئی۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت بہت زیادہ اعانت ہوئی اور کھلا فرق محسوس ہوتا ہے فرمایا کہ بس اب اس کا جواب یہی دے دیا کیجئے کہ میں وہاں مطالعہ ہی کے لیے جایا کرتا ہوں۔

طالب علموں سے محبت

واقعات وحالات مذکورہ باب ہذا سے ناظرین نے اندازہ فرمالیا ہوگا کہ حضرت والا کو افاضہ علوم ظاہریہ میں بھی بفضلہ تعالیٰ مہارت نامہ حاصل ہے اور گو اب عرصہ دراز سے زیادہ تر ارشاد وافاضہ باطنی میں مشغول ہیں لیکن علوم ظاہریہ سے اب تک غایت درجہ دلچسپی ہے اور قلب میں اہل علم کی اس قدر عظمت ومحبت ہے کہ اپنے چھوٹوں کا بھی بہت ادب اور احترام فرماتے ہیں اور طالب علموں پر نہایت درجہ شفقت ہے جب وہ دیوبند یا سہارنپور کے مدارس سے تعطیلوں میں کثرت سے آجاتے ہیں تو اپنے قواعد کو بھی کسی قدر نرم فرمادیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایک یہی فرقہ تو اپنی برادری ہے ان سے کیا قواعد

برتے جائیں۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کوئی اپنی اصلاح چاہنے لگے تو اس صورت میں البتہ سیاست ہی کی ضرورت ہوتی ہے جیسے اگر کوئی طبیب سے محض ملنے آئے تو اس کو شربت پلایا جاتا ہے اور اگر علاج کے لیے آئے تو پھر کڑوی کڑوی دوائیں دی جاتی ہیں اور پرہیزی کھانے بتائے جاتے ہیں۔

علماء وفقہا کی عظمت

نیز حضرت والا ہمیشہ اپنے کو طالب علم کہہ کر تحدث بالنعمۃ فرمایا کرتے ہیں اور رسمی درویشی کے طالبوں سے فرمادیا کرتے ہیں کہ مجھے پیر جیون والی درویشی نہیں آتی میں تو ایک طالب علم ہوں مجھ سے تو قرآن وحدیث کی باتیں پوچھی جائیں مجھے تو سیدھا سادھا قرآن وحدیث ہی آتا ہے اور میں تو اسی کو اصل درویشی سمجھتا ہوں۔ نیز علماء کی اشد ضرورت ظاہر فرمایا کرتے ہیں کہ انہی کے وجود پر دین کا دارومدار ہے بلکہ یہاں تک فرمایا کرتے ہیں کہ صوفیہ سے زیادہ علماء کی ضرورت ہے کیونکہ انہی کی بدولت انتظام دین قائم ہے ورنہ کسی کو احکام دین اور ان کے حدود ہی کا پتہ نہ چلے۔ درویشی تو اس کے بعد کی چیز ہے۔ اور بارہا فرمایا کرتے ہیں کہ میرے قلب میں محبت تو درویشوں کی زیادہ ہے مگر عظمت علماء کی۔ اسی طرح حضرات فقہاء کی خدمات دینی کی بے انتہا تعریفیں فرمایا کرتے ہیں اور غایت درجہ عظمت واحترام کا اظہار فرمایا کرتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ میرے دل میں حضرات صوفیہ کا تو ادب بڑے بھائی کا سا ہے اور حضرات فقہا کا ادب باپ کا سا ہے اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی حضرات صوفیہ کے ساتھ چھوٹے بچے کا سا معلوم ہوتا ہے اور حضرات فقہاء کے ساتھ بڑے لڑکے کا سا کہ حرکتیں تو بچہ کی اچھی معلوم ہوتی ہیں اور اس کو بہت سی باتوں میں غیر مکلف ہی سمجھا جاتا ہے لیکن کام بڑے لڑکے ہی سے لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرات فقہا کو جزائے خیر مرحمت فرمائے دین کی بڑی ہی خدمت کی ہے اور امت کے لیے دین کا راستہ بالکل صاف فرما گئے ہیں ورنہ تاریک رہتا۔ قرآن وحدیث سے مستنبط کرکر کے ایسے ایسے اصول مقرر فرما گئے ہیں کہ قیامت تک کے لیے کافی ہو گئے

ہیں اور کوئی کیسی ہی نئی صورت پیش آئے اس کا حکم انہیں اصول پر بہ آسانی معلوم کیا جا سکتا ہے بس دو جماعتیں امت کے لیے اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی رحمت ہیں۔ حضرات فقہاء اور حضرات صوفیہ یہ حضرات حکماء امت ہیں۔ اھ۔

سندُ الفراغ

اب آخر میں سند فراغ کے متعلق بھی کچھ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے تا کہ حضرت والا کا اہتمام خدمت علوم دینیہ بھی واضح ہو جائے اور مشغولین درس و تدریس کے لیے ایک مفید دستور العمل بھی معلوم ہو جائے۔ مدارس میں عموماً فارغین درسیات ہی کو سند فراغ دی جاتی ہے لیکن حضرت والا کو یہ خیال ہوا کہ اگر کوئی طالب علم بوجہ عدم مناسبت یا عدم دلچسپی یا قلت فرصت معقولات نہ پڑھے لیکن دینیات کی سب درسی کتابیں پڑھ لے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو سند فراغ نہ دی جائے۔ لہذا دونوں کو سند دی جاتی تھی لیکن فارغ دینیات کی سند عنوان میں بجائے لفظ درسیات کے لفظ دینیات ہوتا تھا۔ دونوں کی مطبوعہ سند یکساں تھی جس میں الفاظ بالا کی جگہ چھوٹی ہوئی ہوتی تھی تا کہ جس کو جس قسم کی سند دینی ہو اس کے مناسب لفظ درسیات یا دینیات لکھ دیا جائے جیسا کہ منقولہ ذیل نمونہ سند سے واضح ہوگا۔ وھو ھذا۔

سند البلاغ + الی کمال الفراغ + من الدرسیات + او من الدینیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یسبح للّٰہ مافی السمٰوات ومافی الارض الملک القدوس العزیز الحکیم. ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوعلیھم ایاته و یزکیھم و یعلمھم الکتٰب و الحکمة و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین و آخرین منھم لما یلحقو ابھم وھوالعزیز الحکیم ذلک فضل اللّٰہ یوتیه من یشآء واللّٰہ ذوالفضل العظیم و بعد فیقول الفقیرالی اللہ الغنی محمد اشرف علی الحنفی التھانوی عفی عنه ماصغر و ماکبر ان اللہ سبحانه و تعالیٰ سمی فی ھذہ الایة بعث النبی صلی اللہ علیه وسلم معلما للکتاب و السنة + فضلا عظیما + و کفی بھذا تشریفا لمعلم و تعظیما + و ان اصل العلوم ھو الکتاب والسنة و احتیج فی تفصیل بعض ما اجمل فیھا الی القیاس و

اجماع الامة و لكونهم باللغة العربيه + افتقرالى الفنون الادبيه + ولجمع شتات الفصول + مست الحاجة الى الاصول + ولاقامة الحجة و البرهان + على اهل الزيغ و الطغيان + اضطرالى قدرمن قواعد الميزان + فهذه العلوم التى قد اشيرالىٰ اقسامها + و ارتباط مابينهما و نظامها + لا بدمنها فى احياء الدين + و اقامة مراسم الحق و اليقين + وما عدا ذلک من الفنون الفلسفية + و الخرافات السفتية + فهوفى نفسه جهل و شين + وكذب و مين + و انما يقصد بالتحصيل لغرضين + احدهما وهولا يتجاوز الطالب البحث عن الشر + ليجتنب الضر كما قال حذيفةؓ كان الناس يسئلون رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الخير و كنت اسئل عن الشر مخافة ان يدركنى الخ فكا نما عناه القائل بقوله شعر عرفت الشرلا للشر لكن لتوفيه + و من لا يعرف الشرمن الخير يقع فيه + و ثانيهما هو المتعدى الى غيره دفع مكائد الفلاسفة و غوائلهم + و القلب عليهم بكفتهم وحبائلهم + و رميهم بقسيمهم و شجهم بعصيهم كما قيل شعر سلوا سيوف فلاسف بفلاسف + رضخوابها ها مات ال فلاسفا + فالا خذمنها وان كان احكم و اشد (بالعجمة) لكن فيه خطر + والترقى عنها اسلم واسد (بالمهملة) وهو طريق الحذل+ وان اخى فى الله ......(طالب علم کا نام)...... قدر كب الطريق[۱] الاشد (ان كان فارغاً من الدرسيات) اوالاسد (ان كان فارغاً من الدينيات) و سلكها بجهد وجد[۲] + حتى بلغ مقاطع الحد + من جميع العلوم النافعه + و التى هى للريب[۱] (بالتحتيه) رافعه بمعنى المزيلة (ان كان فارغاً من الدرسيات) اوللرتب (بالفوقية) رافعه + (بمعنى المعلية ان كان فارغاً من الدينيات) التى كتبها بين الطلاب مشهورة + وفى اخرهذه الوريقة مذكورة + مدة اقامة فى هذا المدرسة + التى هى بحمدالله تعالىٰ مغنمة للفضائل و مكسبه + وهى من سنة (كذا) ھ الى السنة (كذا)ھ ولم يزل فى اوان تحصيل العلوم يقيم وظائف المدرسة و

---

[۱] وسند مطبوع میں ان دونوں لفظوں میں یہ رعایت کی گئی کہ اس میں اسد غیر منقوط اور اسی طرح الرب بلا نقاط فوقانی وتحتانی چھاپا گیا پھر اگر وہ فارغ عن الدرسیات ہوا تو قلم سے اسد میں اوپر اور الووب میں نیچے نقطے لگا دیئے اور اگر فارغ عن الدینیات ہوا تو اسد کو غیر منقوط رہنے دیا اور الرتب میں اوپر نقطے لگا دیئے ۱۲۔

[۲] المراد مطلق علم الباطن تسميةً للكل باسم الجزء ۱۲ منہ

الرسوم + من التدريس و الامتحان + و الافتاء والوعظ بالسنة و القرآن + فهو بحمدالله تعالىٰ شاب صالح ذو فضائل جليله + و اخلاق جميله + حرى بان عمم بعمامة الفضيلة + بحضرة العلماء الكرام + و المشائخ العظام + اتباعاً لسنة خير الانام + عليه افضل التحية و السلام وهى مانقل فے درالمعارف عن الطبرانى قال (الراوى) كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يولى و الياحتىٰ يعمم و يرخى سدلها من جانب الايمن نحوالاذن اه و اودعه بقلب كئيب واوصيه وصية المحب الى الحبيب + ان يجعل الشريعة شعاره + والادب رثاره + و ان يكون من علماء الاخره + ولايبيع الدين بالدنيا فيرجع بصفقة خاسره + ولايتقاعد عن خدمة العلم و ذويه + و يترفق بالمرتحلين اليه و طالبيه + و ان يجتهد ان وفق لعلوم المكاشفه + فان العلم مافى القلب لا مافى الشفه + واسأله ان لا ينسانى من الدعاء ولوبعض حين + ان يتوفانى الله مسلما و يلحقنى بالصالحين + و يجمعنا فى جنة الفردوس بخدمة نبينا و حبيبنا و حبيب رب العالمين + سيد الانبياء والمرسلين و صلى الله عليه وسلم ابد الآبدين و دهرالداهرين + و كان هذا فى شهر كذا تاريخ كذا يوم كذا سنة كذا مقام كذاعدد كذا. وهاقدحان انجازالوعد فى عدالزبر + و بختمها نختم الاسطر (اسماء الكتب)

فارغین حدیث کوبھی سند دی جاتی تھی جوبصورت رسالہ مسمی بہ سبع سیارہ طبع کرالی گئی تھی۔ اس میں صحاح ستہ اور مؤطا امام مالک کی سندیں مذکور تھیں چونکہ وہ سند طویل ہے اس لیے اس کو یہاں نقل نہیں کیا جاتا۔ ہر قسم کے فارغین کو علاوہ سند کے دستار بھی دی جاتی تھی جس پر طالب علم کا نام مع مدرسہ و سن فراغ ریشم سے لکھا ہوا ہوتا تھا۔ پہلے حافظوں اور ناظرہ خوانوں کو دستار نہ دی جاتی تھی لیکن حضرت والا کو خیال ہوا کہ جب فارغین حدیث کو دستار دی جاتی ہے تو فارغین قرآن کو کیوں نہ دی جایا کرے چنانچہ پھر ان دونوں کو بھی دستار دی جانے لگی۔

معقولات کے بارے میں رائے گرامی

معقولات کے اہم اہم مسائل میں حضرت والا کی خاص رائے تھی جس کی بڑے بڑے اہل علم حضرات بھی بہت تحسین اور تصویب فرماتے تھے۔ ترک مدرسی کے بعد بھی

قیام تھانہ بھون میں حضرت والا کا ایک عرصہ تک یہ معمول رہا کہ اپنے خاص تعلق والوں کو منطق کی کم از کم ابتدائی کتاب خود پڑھا دیتے تھے جس سے ان کو منطق سے پوری مناسبت پیدا ہو جاتی تھی پھر دوسری کتابوں میں کہیں نہ رکتے تھے۔

مختصر نصاب

حضرت والا نے کم فرصت طلبہ کے لیے ایک خاص مختصر نصاب بھی تجویز فرمادیا ہے جس کا نام ''**ضمان التکمیل فی زمان التعجیل**'' ہے اس کے لیے دس نئی کتابیں بھی تصنیف کرنا پڑیں جن کے مجموعہ کا نام ''تلخیصات عشر'' ہے اور اپنے بعض اعزہ کو اس کے مطابق خود تعلیم دے کر اس کے کافی ہونے کا تجربہ بھی فرمالیا ہے۔ ان سب واقعات وحالات سے بخوبی ظاہر ہے کہ حضرت والا کو ترک تعلیم وتعلم اور اختیار درویشی کے بعد بھی علوم ظاہرہ سے کس قدر دلچسپی رہی اور اب تک ہے۔ اور دین کے لیے ان کو کس قدر ضروری قرار دیتے ہیں۔

باب نہم

''تلامذہ''

باب سابق کے مطالعہ سے ناظرین کو یہ اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہوگا کہ صرف حضرت والا نے پورے چودہ برس تک کانپور میں قیام فرما کر حسن وخوبی کے ساتھ درس وتدریس کے فیض کو جاری رکھا۔ اس دوران میں نزدیک و دور کے صدہا طلبہ نے حضرت والا سے علوم فاضلہ حاصل کیے۔ جن میں سے کثیر التعداد حضرات باقاعدہ فارغ التحصیل ہو کر جامع معقولات ومنقولات ہوئے اور ان سے زیادہ تعداد میں اہل علم حضرات نے سند حدیث حاصل کی۔ تلامذہ کی کل تعداد تو معلوم ہو نہ سکی اور بوجہ کثرت کے معلوم بھی نہیں ہو سکتی لیکن مدرسہ جامع العلوم کانپور کے دفتر سے حضرت والا کی صدر مدرسی کے زمانہ کے فارغین کے اسماء گرامی معلوم کر کے ان کی ایک فہرست[1] سوانح ہذا کے آخر میں ملحق کر دی گئی ہے اور بعد والوں کی تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ان فارغین میں سے بھی بعض مخصوص حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کا ذیل میں بقدر ضرورت تعارف کرایا جاتا ہے۔

ا۔ جناب مولانا مولوی محمد اسحٰق صاحب بردوانی مدت فیوضہم العالیہ

آپ بڑے جید عالم ہیں۔ حضرت والا نے بوقت ترک مدرسی مدرسہ جامع العلوم کانپور میں آپ ہی کو اپنا جانشین اور مدرس اول بنایا تھا۔ آپ مدرسہ کو ایک عرصہ تک حضرت والا ہی کے انداز خاص پر چلاتے رہے پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں مدرس دینیات ہو کر تشریف لے گئے وہاں سے مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں خدمات منتقل ہو گئیں اور کم وبیش پانچ سو روپیہ مشاہرہ پر پہنچ کر وہیں سے پنشن یاب ہوئے۔

اب طالبان علوم دینیہ کو بوجہ اللہ درس دینے میں مشغول ہیں۔ حافظہ ماشاء اللہ ایسا قوی ہے کہ دوران قیام کانپور میں باوجود مشاغل درس وتدریس صرف چھ مہینہ کے اندر پورا

---

[1] چونکہ سوانح ہذا کا دو حصوں میں متفرق طور پر شائع ہونا تجویز ہوا ہے اس لئے یہ فہرست حصہ دوم کے آخر میں ملے گی۔ ۱۲ منہ

کلام مجید حفظ فرمالیا اور جب کتب درسیہ پڑھاتے تو جو تقریر جو حکایت جو شعر جو لطیفہ جس سبق میں جس موقع پر جس انداز سے حضرت والا کی زبان مبارک سے سنے ہوئے تھے وہی خود بھی بہت ذوق وشوق سے لطف لے لے کر اور حضرت والا کا حوالہ دے دے کر بعینہ نقل فرماتے۔ طالب علمی کے زمانہ میں نحو کی مشہور کتاب کافیہ پوری کی پوری حفظ کر لی تھی اور اس کو بعد فراغ بھی دہراتے رہتے تھے تاکہ محفوظ رہے۔ حضرت والا نے طریق باطن میں بھی ان کو اپنا خلیفہ مجاز بنا دیا ہے۔ اللھم ادم فیضہ و عمم و تمم۔

۲۔ جناب مولانا مولوی محمد رشید صاحب کانپوری رحمہ اللہ

آپ بڑے ذہین وذکی اور نہایت خوش فہم اور خوش اخلاق ومتواضع تھے۔ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں حضرت والا کے سامنے ہی مدرس ہو گئے تھے اور بعد کو جب حضرت والا نے مولانا محمد اسحٰق صاحب کو مدرس اول بنایا تو ان کو مدرس دوم کر دیا اور پھر مدت تک مدرس دوم رہے اور افتاء کا کام بھی نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے کیونکہ علم فقہ سے ان کو خاص مناسبت تھی جب جناب مولانا مولوی محمد اسحاق صاحب مدرسہ عالیہ کلکتہ تشریف لے گئے تو کچھ دن بعد ان کو وہیں بڑے بڑے مشاہرہ پر بلا لیا۔ زیادہ عمر نہ پائی مرض فالج میں انتقال فرما گئے۔ اعلیٰ اللہ تعالےٰ درجاتہ فی الجنۃ.

۳۔ جناب مولانا مولوی احمد علی صاحب رحمہ اللہ (ساکن فتح پور ضلع بارہ بنکی)

آپ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔ جامع علوم ظاہری وباطنی تھے۔ حضرت والا کے سب سے پہلے خلیفہ مجاز تھے۔ فقہ سے بہت ہی زیادہ مناسبت رکھتے تھے یہاں تک کہ بعض سوالات فقیہ دریافت کرنے پر حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز نے بھی تعریف فرمائی کہ ان کو فقہ سے اچھی مناسبت ہے ان کی مہارت فقہیہ اسی سے ظاہر ہے کہ بہشتی زیور کے اول کے پانچ حصے بامر حضرت والا انہی کے تحریر فرمائے ہوئے ہیں جن سے ہزارہا مسلمان مرد اور عورتیں فیضیاب ہوئے اور ہو رہے ہیں اور امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت ہوتے رہیں گے قبل تکمیل بہشتی زیور انتقال فرما گئے بہت کم عمر پائی ورنہ ان سے بڑا فیض پہنچتا۔ اعلیٰ اللہ تعالےٰ درجاتہ فی الجنۃ.

۴۔ جناب مولانا مولوی صادق الیقین صاحب کرسوی رحمہ اللہ

آپ بڑے عالم باعمل اور نہایت لطیف الطبع اور ذہین وذکی الحس تھے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز کے خلیفہ مجاز تھے اور تقویٰ کا بہت زیادہ اہتمام تھا یہاں تک کہ ایک بار حضرت والا سے عرض کیا کہ مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کہیں اس پر مواخذہ نہ فرمائیں کہ تو اتنا زیادہ متقی کیوں تھا۔ گو پیرزادے تھے لیکن بدعات ورسوم سے بہت نفور تھے یہاں تک کہ مولود شریف کے مسئلہ میں اپنے والد ماجد سے سخت اختلاف اور باہم کشیدگی ہوگئی۔ حضرت والا نے ان کے والد ماجد کو ایک نہایت ہی مؤثر خط لکھا جس میں اس مسئلہ کی حقیقت نہایت نرم عنوان اور بہت مفصل اور مدلل کر کے تحریر فرمائی اور سب اختلاف دور ہوگیا۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ بھی اس صلح سے بہت مسرور ہوئے اور حضرت والا کو اس خط کی داد دی۔ وہ خط ''مکتوب محبوب القلوب'' کے نام شائع بھی ہو چکا ہے۔ مجاہدات بالخصوص قلت طعام وقلت منام کا بہت اہتمام تھا۔ اسی وجہ سے بہت نحیف الجثہ ہوگئے تھے۔ حضرت والا اکثر منع فرمایا کرتے کہ آج کل کے قویٰ ان مجاہدات کے متحمل نہیں اس لیے ہرگز مناسب نہیں لیکن چونکہ ان کو شوق غالب تھا اس لیے باز نہ آئے۔ آخر میں جب ضعف بڑھ گیا اور امراض گوناگوں لاحق ہوگئے جن سے بعض اعمال مستحبہ میں بھی خلل واقع ہونے لگا تو پھر بہت پچھتاتے تھے اور حضرت والا سے عرض کرتے تھے کہ اگر اب کی بار صحت ہوگئی تو انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ بہت آرام سے رہا کروں گا اور خوب کھایا پیا کروں گا لیکن افسوس ہے کہ جانبر نہ ہوئے اور جوانی میں انتقال فرما گئے۔ اعلیٰ اللہ تعالیٰ درجاتہ فی الجنۃ.

۵۔ جناب مولانا مولوی فضل حق صاحب رحمہ اللہ (ساکن بارہ ضلع الٰہ آباد)

آپ حضرت والا کے تلامذہ میں سب سے پہلے فارغ التحصیل تھے۔ نہایت قابل عالم تھے۔ سالانہ امتحان میں ''مثناۃ بالتکریر'' کی ایسی اچھی تقریر لکھی تھی کہ ممتحن اور حضرات مدرسہ نے بہت پسند فرمائی یہاں تک کہ مدرسہ میں محفوظ رکھ لی گئی۔ ایک عرصہ تک قنوج میں مدرس رہ کر انتقال فرما گئے۔ اعلیٰ اللہ تعالیٰ درجاتہ فی الجنۃ.

۶۔ جناب مولانا مولوی شاہ لطف رسول صاحب رحمہ اللہ (ساکن فتح پور ضلع بارہ بنکی)

شاہ صاحب نہایت ذہین و ذکی اور فہیم و عاقل اور ذی استعداد عالم اور نہایت قوی الحال ذاکر و شاغل درویش تھے۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز سے بذریعہ خط بیعت ہوئے تھے لیکن تعلیم حضرت والا ہی کے سپرد فرمائی گئی تھی حضرت والا ہی کے خلیفہ مجاز بھی ہوئے۔ ان پر خشیت کا اس قدر غلبہ تھا کہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے ایسے زبردست آثار خشیت کسی میں نہیں دیکھے۔ وجد و حال میں ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ جاتے اور چیخنے چلانے لگتے جب حضرت والا نے اپنے ابتدائی جوش و خروش کے زمانہ میں حلقہ توجہ قائم فرمایا تھا تو شاہ صاحب بھی جو اس وقت حضرت والا سے درسی کتابیں پڑھتے تھے شریک حلقہ ہوا کرتے اور ان پر بڑے بڑے احوال و مواجید طاری ہوتے اور کشف بھی ہونے لگا تھا۔ عوام کے فائدہ کے لیے حضرت والا کے مشہور رسالہ ''قصد السبیل الی مولی الجلیل'' کی تسہیل آپ ہی نے کی ہے۔ باوجود تیز مزاج ہونے کے ایسے متواضع تھے کہ بارہا ایسا ہوا کہ کسی سے کچھ تیز گفتگو ہو گئی تھوڑی دیر بعد ان کی خدمت میں پہنچے اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی۔ آخر میں حضرت والا ہی کی خدمت میں آ پڑے تھے اور شعبان ۱۳۲۴ھ میں خانقاہ تھانہ بھون ہی میں انتقال فرمایا۔ زیادہ عمر نہیں ہوئی۔ حضرت والا کے وقف کردہ قبرستان میں سب سے پہلے شاہ صاحب ہی دفن ہوئے۔ اعلیٰ اللہ تعالیٰ درجاتہ فی الجنۃ.

(۷)۔ جناب مولانا مولوی حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری مدت فیوضہم العالیہ

آپ کے والد ماجد بڑے عہدے دار اور خطاب یافتہ کارگزار اور اس کے ساتھ ہی نہایت دیندار بھی تھے اپنے سب صاحبزادوں کو بجائے انگریزی کے عربی کی تعلیم دلوائی۔ جناب حکیم صاحب کی استعداد علمی بہت اعلیٰ پایہ کی ہے۔ حضرت والا کے مواعظ کو تقریر کی روانی کے وقت بھی بلا تکلف قلم برداشتہ عربی عبارت میں ضبط کرتے چلے جاتے ہیں کیونکہ عربی الفاظ بہت جامع اور مختصر ہوتے ہیں پھر بعد کو اس کی اردو کر لیتے ہیں۔ آپ نے

مناجات مقبول کے عربی حصہ کا اردو ترجمہ ایسا نفیس اور معنی خیز کیا ہے کہ حضرت والا اس کی اکثر تعریف فرمایا کرتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا کہ اول خود اپنے ذہن میں اس کے کسی فقرہ کا ترجمہ سوچا پھر حکیم صاحب کے ترجمہ سے ملایا تو ہمیشہ حکیم صاحب ہی کے ترجمہ کو بڑھا ہوا پایا۔

سب سے پہلے حضرت والا کے مواعظ کو قلمبند کرنا آپ ہی نے شروع فرمایا تھا۔ جو امت مرحومہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ثابت ہوا۔ اور پھر صدہا مواعظ قلمبند ہو کر شائع ہوئے جس سے مسلمانوں کو اتنا نفع ہوا کہ بیان میں نہیں آ سکتا۔ آپ کے قلمبند کیے ہوئے مواعظ بھی کثیر تعداد میں ہیں۔ آپ نے حضرت والا کی مشہور تصنیف ''الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ'' کی جو نو تعلیم یافتوں کے شبہات کے رد میں لاجواب کتاب ہے ایک نہایت نفیس شرح بھی تحریر فرمائی ہے جس سے آپ کی قابلیت اور علوم عقلیہ میں مہارت بخوبی واضح ہے۔ آپ نے حضرت والا کے رسالہ شوق وطن کی بھی تسہیل فرمائی ہے۔ آپ فن طب کے بھی ماہر ہیں اور میرٹھ کے ایک مشہور اور حاذق طبیب ہیں اور بہت سے نافع اور عجیب وغریب مرکبات کے موجد ہیں۔ آپ نہایت لطیف الطبع اور ذکی الحس ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات کسی کی کشش تحریر ہی سے اخلاق اور مزاج کی کیفیت معلوم فرما لیتے ہیں اور فاسق ومتقی کے قاروروں میں فرق محسوس فرما لیتے ہیں۔ بہشتی زیور کے حصہ نہم اور بہشتی گوہر میں سب اصناف کے امراض کے متعلق اپنے خاص خاص مجربات بے دریغ تحریر فرما کر اور نہایت مفید مفید معالجات وتدبیرات طبیہ درج فرما کر آپ نے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے کیونکہ ان سے صدہا مریض صحت یاب ہوئے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ فی الدارین خیر الجزاء۔ طبی جوہر میں بمشورہ حضرت والا ادویہ مختلفہ کی حلت و حرمت کے متعلق احکام شرعیہ لکھ کر ایک بہت بڑی کمی کو پورا فرما دیا ہے آپ اور بھی بہت سی کتب مفیدہ کے مصنف ہیں مثلاً معمولات اشرفیہ، مجالس الحکمت، امثال عبرت وغیرہ۔ آپ اعلیٰ درجہ کے طبیب روحانی بھی ہیں اور حضرت والا کے ارشد خلفاء میں سے ہیں۔ آپ کو تقویٰ کا بہت ہی اہتمام ہے اور دقیق دقیق شوائب نفس پر نظر ہے۔ صدق وخلوص آپ کا شعار اور عبدیت وانکسار آپ کا حال ہے۔ سفر حج میں موٹر چلانے والے نے نماز کے وقت

جب کسی طرح موٹر نہ روکا تو حکیم صاحب چلتی موٹر سے کودنے کے لیے تیار ہو گئے لیکن خدا کی شان موٹر میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی اور خود بخود رک گیا اور اس طرح بفضلہٖ تعالیٰ حکیم صاحب کی برکت سے سب سواریوں کو اطمینان سے نماز پڑھنے کا موقع مل گیا۔ آپ کارہائے خیر کے بہت حریص ہیں۔ طلبہ اور مساکین کا نہایت توجہ کے ساتھ مفت علاج کرتے ہیں نیز اپنے شناسا عازمان حج کو سفر میں کام آنے والی دوائیں اور بعض دیگر کارآمد اشیاء مثلاً سمت کعبہ معلوم کرنے کا نقشہ وغیرہ اکثر ہدیۃً عطا فرماتے رہتے ہیں اور حقوق جوار واحباب کا بہت لحاظ فرماتے ہیں۔ بڑی عمر میں کلام مجید حفظ فرمایا اور حافظوں کو لقمہ دینے میں خاص طور سے ماہر ہیں۔ غرض آپ کی ذات والا صفات مجموعہ کمالات جلیلہ اور مخزن اوصاف جمیلہ ہے۔ اللھم ادم فیضہ و عمم و تمم۔

۸۔ جناب مولانا مولوی سید اسحٰق علی صاحب کانپوری مدت فیوضہم العالیہ

آپ نہایت قابل اور ذی استعداد مدرسین میں سے ہیں اور الہ آباد یونیورسٹی میں بڑے مشاہرہ پر عربی کے پروفیسر ہیں۔ آپ نہایت سلیم الفطرت اور متواضع صاحب نسبت بزرگ اور حضرت والا کے خلیفہ مجاز ہیں۔ حج بیت اللہ جاتے وقت حضرت والا کو ایک ایسا عریضہ لکھا تھا جس کے لفظ لفظ سے اشتیاق اور اس کے ساتھ ہی عبدیت و انکسار مترشح ہوتا تھا اور یہ شعر بھی نہایت خجلت وندامت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا۔

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم نہ دادند   تو بروں در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

(میں کعبہ کے طواف کیلئے گیا تو مجھے انہوں نے حرم میں نہ جانے دیا، اور کہا کہ تو نے حرم سے باہر کیا کر دکھایا ہے جو حرم میں آتا ہے)

اور لکھا تھا کہ اس حالت میں حاضری بیت اللہ کی ہمت تو نہیں پڑتی لیکن فریضہ حج کی ادائیگی بھی لازمی ہے لہذا سرنگوں جا رہا ہوں۔ اللھم ادم فیضہ و عمم و تمم۔

۹۔ جناب مولانا مولوی مظہر الحق صاحب رحمہ اللہ (ساکن راموضلع چاٹگام)

آپ بڑے ادیب اور نظم ونثر عربی وفارسی پر قادر تھے بنگال میں آپ کی لیاقت کا شہرہ تھا۔ اعلیٰ اللہ تعالےٰ درجاتہ فی الجنۃ۔

۱۰۔ جناب مولانا مولوی سعید احمد صاحب اٹاوی رحمہ اللہ

آپ ریاست گوالیار میں بعہدہ جج ممتاز تھے اور آپ گھر کے بھی بڑے رئیس تھے۔ آپ نے گو مدرسی نہیں کی لیکن دینی کاموں میں حصہ لے لے کر دین کی بڑی خدمت کی۔ اعلیٰ اللہ تعالےٰ درجاتہ فی الجنۃ۔

نوٹ یہ دسوں حضرات کاملین گویا۔ تلک عشرۃ کاملہ کے مصداق ہیں۔

مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا سعید احمد اور مولوی مظہر علی خان رحمہم اللہ

اب آخر میں جناب مولانا مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی مدت فیوضہم العالیہ کی ایک تحریر درج کی جاتی ہے جو حضرت ممدوح نے احقر کی درخواست پر اس امر کے متعلق لکھی ہے کہ انہوں نے اور ان کے بڑے بھائی جناب مولانا سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اور حضرت والا کے چھوٹے علاتی بھائی جناب خان صاحب مولوی محمد مظہر علی صاحب نے حضرت والا سے کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں وہ تحریر یہ ہے۔

الحمدللہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ مابعد منجملہ ان نعمائے عظام کے جو حق جل وعلا شانہ نے اس ناچیز پر فائز فرمائی ہیں ایک نعمت عظمیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بچپن کے زمانہ میں جبکہ میری عمر ۱۲۔۱۳ سال کے درمیان تھی حضرت حکیم الامت مجدد الملت دامت برکاتہم سے شرف تلمذ عطا فرمایا۔ اس زمانہ میں حضرت والا بعد نماز مغرب اور گاہے بعد نماز فجر چند طلبہ کو جن میں برادرم مرحوم مولانا سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیادہ مقصود تھے تجوید قرآن کی مشق کرایا کرتے تھے۔ یہ کمترین بھی مشق تجوید میں شریک ہوتا تھا اور رسالہ تنشیط الطبع سبقاً سبقاً حضرت والا سے بھائی صاحب مرحوم کے ساتھ پڑھا اور کچھ حصہ المکررہ کا بھی پڑھا ہے۔ اسی زمانہ میں مولانا استاذ نا مولوی عبداللہ صاحب مرحوم گنگوہی اور بھائی صاحب مرحوم بعد نماز عصر کے مثنوی شریف حضرت سے پڑھتے تھے یہ ناچیز بھی بالالتزام اس درس میں شریک ہوتا تھا پھر جب مولانا محمد عبداللہ صاحب مرحوم کچھ عرصہ کیلئے مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون سے رخصت لے کر حضرت قطب عالم مولانا گنگوہی کی خدمت میں رہنے کے لیے گنگوہ چلے گئے تو بندہ کے اسباق عربی میں سے التلخیصات العشر کا

سبق حضرت حکیم الامت دام مجدہم کے پاس ہونے لگا بقیہ اسباق بھائی صاحب مرحوم کے پاس ہوتے تھے۔ التلخیصات العشر میں سے تلخیص المنار مع المدار اور تلخیص المفتاح و تلخیص ہدایۃ الحکمت مع درایۃ العصمۃ و تلخیص المرقاۃ، و تلخیص البدایۃ للغزالی و عشرہ طروس تلخیص مأۃ دروس کا حضرت سے پڑھنا بخوبی یاد ہے بقیہ حصہ بھی خیال ہے کہ حضرت ہی سے احقر نے پڑھا ہے۔

برادرم مرحوم مولانا سعید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نصاب ضمان التکمیل کی تکمیل حضرت ہی کی خدمت میں کی ہے۔ یتسیر الوصول اور توضیح و تلویح اور شرح عقائد نسفی و جلالین شریف وغیرہ اس نصاب کی بڑی کتابیں اور کچھ کتابیں درس نظام کی میرے سامنے حضرت سے انہوں نے پڑھی ہیں اور مثنوی شریف کی چند جلدیں بھی سبقاً سبقاً پڑھی تھیں یہ یاد نہیں کہ ۶ دفتر پورے ہوگئے تھے یا نہیں۔

محترمی و مکرمی جناب ماموں مظہر علی صاحب مظہر تھانوی حال اسسٹنٹ ڈائریکٹر محکمہ سی آئی ڈی نے بھی حضرت سے نصاب ضمان التکمیل پڑھا ہے اور بہت اچھی طرح پورا پڑھا ہے کہ سفر و حضر میں حضرت کے ساتھ رہتے اور ان کی خداداد ذہانت سے درس کے وقت حضرت بعض وقت بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ خدا کرے کہ یہ زمانہ پھر اپنا رنگ دکھلائے اور ممدوح موصوف پھر علوم اسلامیہ عربیہ واحادیث نبویہ کے مشتاق ہو کر اپنے اصلی مرکز کی طرف واپس آجائیں تا کہ حضرت والا نے جو تخم لگایا ہے وہ بار آور ہو اور اس کے ثمرات دنیا اور آخرت میں ظاہر و نمایاں ہوں۔ آمین والسلام۔ ظفر احمد عفا عنہ۔ ۷ صفر ۱۳۵۴ھ۔

تلامذہ سے محبت وشفقت

غرض حضرت والا کے تلامذہ میں بڑے بڑے ذی استعداد اور بڑے بڑے تنخواہ دار جامع ظاہر و باطن اہل کمال ہوئے ہیں اور ہیں۔ حضرت والا کو اپنے شاگردوں سے اس درجہ محبت وشفقت کا تعلق ہے کہ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ اتنا تعلق مجھ کو اپنے معتقدین سے نہیں کیونکہ معتقدین سے اتنی طبیعت کھلی ہوئی نہیں جتنی شاگردوں سے طبیعت کھلی ہوئی ہے اور بے تکلف ہے۔ اسی طرح حضرت والا کے شاگردوں کو بھی حضرت والا کے ساتھ اپنے طالب علمی ہی کے زمانہ سے محبت بدرجہ عشق ہے۔ غرض بڑے خوش قسمت ہیں وہ حضرات جن کو حضرت والا سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ فطوبیٰ لھم و ھنیئا لھم۔

باب دہم۔

''مواعظ حسنہ''

خداداد ملکہ

یہ ظاہر ہے کہ وعظ گوئی یا بالفاظ دیگر تبلیغ احکام الٰہیہ کا کام انبیاء علیہم السلام کی اہم ترین سنت جلیلہ ہے۔ لہذا جن حضرات علماء کرام کو ورثۃ الانبیاء بنا کر دنیا میں بھیجا جاتا ہے ان کے اندر بھی حق تعالیٰ کی طرف سے یہ صفت خاص بدو فطرت ہی سے ودیعت فرمادی جاتی ہے بالخصوص ایک حکیم امت اور مجدد ملت میں تو اس صفت کا بدرجہ اتم ہونا بہت ہی ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت والا میں بفضلہٖ تعالیٰ وعظ گوئی کا خداداد ملکہ ابتدا ہی سے موجود ہے جس کے آثار بچپن ہی سے شروع ہو گئے تھے چنانچہ حضرت والا کا یہ ایک بچپن کا کھیل تھا کہ تنہائی میں مسجد کے منبر پر چڑھ جاتے اور خطبہ کے طور پر کچھ پڑھ پڑھا کر اتر آتے۔ جیسا کہ باب طفولیت میں مذکور ہو چکا ہے اور اب تو حضرت والا کا راس الواعظین ہونا ایسا ظاہر و باہر ہے کہ اس امر مشاہد پر دلائل قائم کرنے کی بھی قطعاً ضرورت نہیں رہی۔ بمصداق ع آفتاب آمد دلیل آفتاب کیونکہ ایک دنیا اس کا مشاہدہ کر رہی ہے اور اس کی تصدیق کر چکی ہے۔

چنانچہ صدہا مواعظ آج حضرت والا کے مطبوعہ صورت میں موجود ہیں جن کو دیکھ کر ہر شخص جب چاہے اس کی بہ آسانی تصدیق کر سکتا ہے حالانکہ ان میں حضرت والا کے پورے الفاظ بھی نہیں ہیں کیونکہ حضرت والا کی تقریر میں اس درجہ روانی ہوتی کہ کوئی کتنا ہی زودنویس کیوں نہ ہو اس کو لفظ بہ لفظ قلم بند کر ہی نہیں سکتا اور جو اثر خاص حضرت والا کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے نہایت ہی برجستہ پر معنی فصیح و بلیغ اور جامع مانع الفاظ میں ہوتا ہے اس کا لطف کچھ وہی سب جانتے ہیں جنھوں نے حضرت والا کا کوئی وعظ سنا ہے۔ بلا مبالغہ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زبردست محقق اور جید عالم نے نہایت فرصت میں اور نہایت غور وخوض کے

ساتھ کسی ایک خالص اور دقیق ومفید علمی وعملی مضمون پر نہایت مبسوط اور مربوط جامع مانع رسالہ تصنیف کیا ہے وہ پڑھ کر سنایا جارہا ہے عام واعظوں کی طرح نہیں کہ بلالحاظ اصل مضمون جو کچھ ذہن آتا چلا گیا اس کو بلاترتیب بیان کرتے چلے گئے اور جہاں چاہا ختم کر دیا۔

حضرت والا کے مواعظ کے قابل قدر اور عام پسند ہونے کی یہی ایک دلیل کافی ہے کہ امت محمدیہ میں بہت ہی کم بلکہ شاذ ونادر ہی ایسے افراد گزرے ہیں جن کے مواعظ بدوں اس کے کہ ان کی طرف سے یا ان کے مخصوصین کی طرف سے کوئی سعی کی گئی ہو منجانب عامہ مشتاقین اس اہتمام واشتیاق کے ساتھ قلمبند کیے گئے ہوں اور اس کثرت کے ساتھ طبع ہو کر واعظ کی حیات ہی میں مطبوع ومقبول خواص وعوام ہو گئے ہوں۔

زمانۂ طالب علمی میں وعظ کی مشق

حضرت والا کو طالب علمی ہی کے زمانہ سے بلکہ جیسا ابھی بیان کیا گیا بچپن ہی سے وعظ کہنے کا شوق تھا۔ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت والا نے اپنے ہم سبق کی ایک جماعت قائم کر کے ہر شب جمعہ کو نوبت بہ نوبت وعظ گوئی کی مشق کا انتظام فرمایا تھا گو اس انجمن کا کوئی نام نہ تھا لیکن کام باقاعدہ ہوتا تھا۔ آج کل کی انجمنوں کی طرح نہیں کہ نام تو لمبا اور کام دیکھو تو برائے نام اور بہت تھوڑا۔ اس سلسلہ میں حضرت والا کے بہت سے وعظ مدرسہ دیوبند میں ہوتے رہے۔

پہلا عمومی وعظ

حضرت والا کا نکاح طالب علمی ہی کے زمانہ میں ہو گیا تھا۔ ایک تقریب میں جب تھانہ بھون تشریف لانا ہوا تو حضرت والا کے والد ماجد نے حضرت کے ماموں جناب منشی واجد علی صاحب سے جمعہ کے روز جامع مسجد میں جانے کے وقت فرمایا کہ میں تو مشغولی کے سبب حوض والی مسجد میں جمعہ پڑھوں گا۔ تم آج جامع مسجد میں اس سے بعد نماز جمعہ وعظ کہلوانا۔ انہوں نے حضرت والا سے کہا کہ حضرت والا نے مارے شرم کے انکار کر دیا لیکن انہوں نے نہ مانا اور خود بخود وعظ کا اعلان کر دیا۔ پھر تو مجبوراً حضرت والا کو وعظ کہنا ہی پڑا

لیکن فرماتے ہیں کہ مجھے اتنی شرم آئی کہ منبر پر بھی نہیں بیٹھا بلکہ نیچے بیٹھ کر اور نظریں نیچی کیے ہوئے سورہ بقرہ کی شروع آیات کا وعظ بیان کیا۔

حضرت مولانا شیخ محمدؒ کی توجہ

حضرت والا نے اس کے بعد ہی قریب زمانہ میں خواب دیکھا کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جن کو انتقال فرمائے تقریباً دو سال گزر گئے تھے ایک موضع ہے۔ دوبیٹرو جو مظفر نگر اور چرتھاول کے درمیان واقع ہے اور جہاں حضرت مولانا ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد مریدین تھے وہاں مسجد کے سامنے برگد کے نیچے جواب تک موجود ہے ایک پلنگ کے اوپر تشریف فرما ہیں۔ حضرت والا بہت اشتیاق کے ساتھ حاضر ہوئے اور پاس جا بیٹھے اور عرض کیا کہ حضرت مجھ کو آپ کے انتقال کا بہت صدمہ ہے اور واقعی ایسا ہی تھا۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ مجھ کو تو جو توجہ تمہارے ساتھ حالت حیات میں تھی وہی اب بھی ہے۔ پھر مولانا نے خواب ہی میں فرمایا کہ ہم نے سنا ہے تمہاری شادی ہوگئی ہے؟ حضرت والا نے عرض کیا جی ہاں فرمایا مبارک ہو۔ اھ۔ چونکہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بڑے مشہور و معروف علامہ اور شیخ کامل تھے اور تھانہ بھون میں اکثر وعظ فرمایا کرتے تھے اس لیے حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ بظن غالب میرے وعظ کہنے ہی کی وجہ سے مجھ کو خواب میں مولانا کی زیارت ہوئی۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے عرس پر وعظ

علاوہ طالب علمی کے خاص مشقی وعظوں کے حضرت والا کا سب سے پہلے عام وعظ غالباً یہی تھا جو بہ فرمائش والد ماجد جامع مسجد تھانہ بھون میں بہ عمر تخمیناً اٹھارہ سال فرمایا گیا۔ پھر تو ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ جب خسرال میں بمقام گنگوہ پہنچے اور اتفاق سے وہ زمانہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کا تھا تو وہاں بھی لوگوں نے بہ اصرار وعظ کہلوایا جس میں بڑے بڑے پیرزادے بھی شریک تھے۔ حضرت والا نے اول خوب جوش و خروش کے ساتھ حضرات اولیاء اللہ کے فضائل بیان فرمائے۔ پھر بدعات کا رد فرمایا اور سماع مروج کی مضرت بیان فرمائی چونکہ حضرت والا کو اس زمانہ نوعمری میں بھی سب لوگ بہت وقعت کی نگاہ

سے دیکھتے تھے یہاں تک کہ باوجود اختلاف مشرب نماز بھی حضرت والا ہی سے پڑھواتے تھے اس لیے کسی نے برا نہ مانا اور برابر بیٹھے سنتے رہے۔ جب حضرت والا مغرب کی نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے اس وقت البتہ ایک پیر جی نے صف سے جدا ہو کر اپنی نماز الگ پڑھی بعد نماز ایک صاحب نے ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ یہ بزرگوں کو برا کہتے ہیں۔ اس لیے ہم نے ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ پوچھا گیا کون سے بزرگ کو برا کہا۔ بزرگوں کے تو فضائل ہی بیان کیے گئے تھے۔ کہاں کہ ڈھولکی کو برا کہا ہے۔ پوچھا گیا کہ کیا ڈھولکی تمہاری بزرگ ہے۔ کہا ہاں ڈھولکی ہماری بزرگ ہے۔ اس پر بڑا قہقہہ ہوا۔ انہوں نے جوش میں آ کر یہاں تک کہہ ڈالا کہ اگر جبرئیل علیہ السلام بھی آ کر اس کے خلاف کہیں گے تب بھی میں نہ مانوں گا۔ اس پر سب لوگوں نے خود پیرزادوں نے بھی ان کو بہت برا بھلا کہا اور کہا کہ یہ حضرات علماء ہیں ان کو حق ہے کہ شریعت کے احکام ہم کو بتائیں۔ صوفیوں نے ہمیشہ شریعت کا ادب کیا ہے اور احکام شریعت کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کیا ہے اور کبھی مزاحمت نہیں کی۔ اھ۔ غرض پیرزادوں نے بھی حضرت ہی کی حمایت کی۔ پھر ان معترض صاحب نے بعد کو لوگوں سے پوچھا کہ جُبّہ شریف کی بھی زیارت کی تھی؟ معلوم ہوا کی تھی۔ تو تھانہ بھون آ کر حضرت والا نے معافی چاہی۔ حضرت والا اس واقعہ کو نقل فرمایا کرتے ہیں کہ پہلے زمانہ کے پیرزادے بھی بہت غنیمت تھے کیونکہ وہ اللہ اللہ کرنے والے تھے گو غلطیوں میں مبتلا تھے مگر اللہ کے نام لینے کی برکت تھی اور آج کل تو اکثر محض دوکاندار ہی ہیں۔

وعظ کے معاوضہ سے پرہیز

حضرت والا نے وعظ کہنے کا کبھی کسی قسم کا معاوضہ نہیں لیا۔ حتیٰ کہ جس ہدیہ میں صورت معاوضہ پیدا ہوئی۔ اس سے بھی اعراض فرمایا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کانپور میں نواب صدیق حسن خاں صاحب کی صاحبزادی صفیہ بیگم نے حضرت والا سے وعظ کہلوایا اور بعد ختم وعظ ایک معتد بہ رقم پیش کی۔ حضرت والا نے صاف انکار فرما دیا انہوں نے عرض کیا کہ یہ معاوضہ نہیں ہے فرمایا کہ صورت تو معاوضہ ہی کی سی ہے۔ دیکھنے والوں کو تو یہی شبہ ہوگا پھر کسی کو بلا ہدیہ دیئے وعظ کہلوانے کی ہمت نہ ہوگی۔ پھر عرض کیا کہ کھانا نوش فرما لیجئے اس پر ارشاد فرمایا کہ گھر

بھیج دیجئے تا کہ اس میں بھی معاوضہ کی سی صورت نہ پیدا ہو کیونکہ میں مہمان دوسری جگہ ہوں۔ اور یہ بھی ان کی خاطر تھی کیونکہ ان کا مخلص ہونا ان کے قدیم برتاؤ سے معلوم تھا۔

حضرت کے مواعظ کے موضوعات

حضرت والا جہاں سفر فرماتے وعظ فرماتے اور فرمایا کرتے کہ بلا وعظ کہے کسی جگہ جا کر روٹیاں کھانے میں شرم آتی ہے۔ حضرت والا نے کبھی کسی خاص شخص کا فرمائشی مضمون وعظ میں نہیں اختیار فرمایا بلکہ منجاب اللہ عین وقت پر جو مضمون قلب میں وارد ہوا اسی کو بیان فرما دیا۔ البتہ اگر دوران وعظ فرمائشی مضمون ہی کے بیان کی ضرورت محسوس ہوئی یا اتفاقاً وہی مضمون معرض بیان میں آ گیا تو اور بات ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے یہ فرمائش کی کہ وعظ میں ذرا ڈھولکی والوں کی بھی خبر لیجئے گا۔ فرمایا کہ میں کسی کی خبر نہیں لیتا یہ میری عادت کے خلاف ہے جو میری سمجھ میں آئے گا بیان کروں گا۔ بعض جگہ دو مدرسہ والوں میں باہم کشاکشی تھی۔ وہاں بھی رفع اختلاف کے لیے وعظ کہلوانا چاہا لیکن حضرت والا نے اس مضمون پر کچھ بیان نہ فرمایا کیونکہ اختلافیات کے متعلق بیان کرنے میں یہ خرابی ہے کہ جس فریق کے خلاف روئے سخن ہوگا وہ سمجھے گا کہ یہ دوسرے فریق کی طرف داری کر رہے ہیں اور یہ خیال ہوگا کہ ان لوگوں نے اپنی طرف کر لیا ہے لہذا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ فرمایا کرتے ہیں کہ وعظ میں سوائے مصلحت عامہ کے اور کوئی غرض نہ ہونی چاہیے۔ اور فرمائشی مضامین اکثر اعراض خاصہ پر مبنی ہوتے ہیں لہذا ان کا برا اثر ہوتا ہے۔

عجیب وغریب واقعہ

حضرت والا نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جیسا ہو سکتا ہے برا بھلا بیان کر لیتا ہوں پہلے سے سوچنے یا کتاب دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوتا جو کچھ بیان ہوتا ہے وہ وقتی واردات ہوتے ہیں اس فی البدیہہ آمد سے ایک دفعہ مجھے خیال پیدا ہو گیا کہ مجھ میں کچھ قوت بیانیہ زبان دانوں کی سی نہ سہی مگر کچھ تو کہہ ہی لیتا ہوں اس کے بعد ایک دن گڑھی خام میں وعظ کہنے بیٹھا تو مطلق نہ چل سکا۔ بہتیرا سوچ ساچ کر پھیر پھار کر بیان کرنا چاہا مگر کچھ بیان نہ ہو سکا اور بالکل تقریر نہ چل سکی۔ کوئی مضمون ہی ذہن میں نہ آیا آیت پڑھ کر اس کا ترجمہ کیا

بس پھر طبیعت بند مرادفات بڑھا کر مکرر ترجمہ کیا کہ شاید اسی سے کچھ طبیعت کھلے اور آگے کو سلسلہ چلے لیکن اس سے بھی کچھ نہ ہوا مجبور ہو کر میں نے چاہا کہ لاؤ کوئی مضمون پہلے کا بیان کیا ہوا ہی بیان کر دوں کیونکہ آخر بہت سے مضامین پہلے کے بیان کیے ہوئے بھی اور پڑھے ہوئے بھی تھے ہی لیکن اس وقت کوئی ایسا مضمون بھی یاد نہیں آتا تھا اور ذہن کچھ کام ہی نہیں دیتا تھا۔ اب مجھے معلوم ہو گیا کہ اس وقت مجھ کو دراصل بیان پر قدرت ہی نہیں رہی لہذا مجبور ہو کر میں نے مجمع سے کہہ دیا کہ صاحبو! اس وقت کوئی مضمون ہی ذہن میں نہیں آتا کیا بیان کروں بس آپ دعا کیجئے۔ چنانچہ دعا کر کے بیان ختم کر دیا۔ شروع کرنے سے پہلے ہی ختم کر دیا۔ شرم بھی آئی کہ وعظ کا سامان فرش چوکی وغیرہ سب کچھ ہوا لوگ بھی وعظ سننے کے لیے بہت اشتیاق کے ساتھ جمع ہوئے لیکن مجھ سے کچھ بیان ہی نہ ہو سکا سب کو تعجب تھا کیونکہ ایسا کبھی ہوا ہی نہ تھا لیکن مجھے کچھ بھی تعجب نہ تھا کیونکہ مجھ کو معلوم تھا یہ اللہ تعالیٰ نے میرے ناز کا علاج کیا ہے اور میرے اس خطرہ کا جواب دیا ہے جو مجھ کو اس واقع سے قبل کبھی کبھی گزرتا تھا کہ مجھے بیان پر قدرت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ یہ سب ہماری توفیق ہے ورنہ تمہیں کچھ بھی قدرت حاصل نہیں چنانچہ میں نے اس خیال سے توبہ کی بس پھر کبھی ایسا نہیں ہوا۔ عمر بھر میں ایک ہی مرتبہ یہ صورت واقع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے عمر بھر کے لیے سبق دے دیا تاکہ کبھی وسوسہ بھی نہ آئے کہ ہم جب چاہیں بیان کر سکتے ہیں۔ اور یہ دکھلا دیا کہ جو بیان ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہوئے ہیں۔ اھ

وعظ کا انداز

حضرت والا نے ہمیشہ خطبہ ماثورہ پڑھ کر کسی آیت یا حدیث سے وعظ شروع فرمایا ہے لیکن بیشتر آیات سے اور گاہ گاہ احادیث سے نیز حضرت والا نے گا گا کر اشعار پڑھنے یا مقفی مسجع عبارت آرائی میں مثل عام واعظین کے محض وقت گزاری تو کبھی نہیں فرمائی ہمیشہ نہایت فصیح و بلیغ اور پر مغز و متین الفاظ میں وعظ بیان فرمایا۔ پھر بھی تاثیر کی یہ کیفیت ہوتی کہ سامعین محو ہو کر رہ جاتے۔ یہاں تک کہ بعض مخالفین کہتے کہ وہاں نہ جاؤ وہ تو وعظ میں کچھ عمل کر دیتے ہیں حالانکہ جو کچھ اثر ہوتا تھا وہ محض حقانیت اور خلوص کی وجہ سے ہوتا تھا جو

حضرت والا کے بہت نمایاں اوصاف میں سے ہیں۔ حضرت والا دوران وعظ میں عربی فارسی اور اردو کے اشعار ایسے برمحل پڑھتے کہ مضمون میں جان پڑ جاتی اور سامعین بیساختہ پھڑک اٹھتے۔ اور یہ معلوم ہوتا کہ گویا یہ شعر اسی موقع کے لیے تصنیف کیا گیا تھا۔ گو حضرت والا نے اشعار یاد کرنے کی طرف کبھی توجہ نہیں فرمائی مگر پھر بھی اس قدر اشعار زبان پر ہیں کہ ایک ذی علم نے تصانیف اور مواعظ سے جمع کیے تو تقریباً ایک ہزار ہوئے۔

اشعار کا استعمال

حضرت والا نے اشعار کو کبھی موسیقی کے طرز پر نہیں پڑھا۔ جب کوئی شعر برمحل یاد آ گیا تو بیساختگی کے ساتھ اپنے خاص دلکش طرز پر پڑھ دیا جس سے سامعین پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو ہوگئی ایک عامی شخص کا قول یاد آیا کہتا تھا کہ جب شعر پڑھتے ہیں تو دل اچک لیتے ہیں۔ ایک دفعہ الہ آباد میں وعظ فرمایا چونکہ حضرت والا کو زکام تھا اس لیے آواز بھاری ہوگئی تھی کسی نے وعظ کے بعد کہا کہ وعظ تو بہت اچھا ہے مگر آواز اچھی نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت والا نے دوسرے موقع پر فرمایا کہ میں ڈوم نہیں ڈوم کی اولاد نہیں ڈوم کا شاگرد نہیں۔ تمثیلات و حکایات کے باموقع لانے میں تو وہ کمال حاصل ہے جو حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھا۔ لطیفوں بلکہ بیہودہ بیہودہ اور فحش فحش حکایتوں سے بھی وہ نتائج اور نصائح مستنبط فرما لیتے ہیں کہ سبحان اللہ اور یہ لطائف وحکایات وتمثیلات کبھی مجمع کو رلا دیتی ہیں اور کبھی ہنسا دیتی ہیں۔ حضرت والا کا وعظ جملہ علوم عالیہ مقصودہ کو حاوی ہوتا ہے مگر تصوف کا رنگ سب پر غالب رہتا ہے۔ اور ہر وعظ اسی پر ختم ہوتا ہے۔

تاثیر اور مقبولیت عامہ

حضرت والا جہاں تشریف لے جاتے دور دراز سے لوگ آ آ کر زیارت کرتے اور پے در پے درخواستیں کر کے اپنے یہاں حضرت والا کو وعظ کہلوانے کے لیے لے جاتے۔ قبل وعظ سامعین کا مجمع حضرت والا کے اشتیاق وانتظار میں بیٹھا ہوا گویا یوں مترنم ہوا کرتا تھا۔

بنمائے رخ کہ خلقے والہ شوند وحیراں　　بکشائے لب کہ فریاد از مرد وزن برآید

(رُخ دکھاؤ کہ مخلوق دیوانی و پریشان ہورہی ہے، لب کھولئے کہ مرد و عورت سب فریاد کررہے ہیں)

اور دورانِ وعظ میں سارے مجمع پر ایک محویت کا عالم طاری رہتا۔ **کان علیٰ رؤسھم الطیر**۔ بعض بڑے بڑے امراء اور اہلِ تنعم کو بھی دیکھا گیا کہ ان پر دھوپ آ گئی ہے مگر پھر بھی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ اکثر وعظوں میں سامعین پر گریہ اور بعض پر وجد تک طاری ہو ہو گیا ہے۔ چنانچہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے بڑے جلسہ دستار بندی میں تو حضرت والا کے وعظ میں ایک صاحب پر اس قدر شدید کیفیت وجدیہ طاری ہوئی کہ وہ کسی طرح فرو ہی نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ وعظ کا مجمع ہی بالکل درہم برہم ہوگیا اور وعظ ناتمام ہی رہا۔ کیونکہ وہ وجد میں لوگوں پر کودنے پھاندنے لگے تھے جس سے لوگوں کے چوٹیں لگنے لگیں اس لیے سب گھبرا کر منتشر ہوگئے۔ ایک صاحب جلسہ موتمر الانصار مراد آباد کے وعظ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ جب وعظ کہہ کر حضرت والا تخت سے نیچے اترے تو قدموں پر گر کر لوٹنے لگے اور یہ بھی ہوش نہ رہا کہ اژدحام میں کچل جاؤں گا اور اس قدر گرویدہ ہوئے کہ غالباً حضرت والا ہی کے ساتھ یا دو ایک دن بعد ترکِ تعلقات کی نیت کر کے تھانہ بھون ہی آ پہنچے لیکن حضرت والا نے بوجہ عدم مناسبت ان کو بیعت میں قبول نہ فرمایا اور ایسے حضرات تو صدہا ہیں جو وعظوں سے متاثر ہو کر ہمیشہ کے لئے طالب مولیٰ اور تائب و تارک معاصی ہوگئے۔

تاثیراتِ قلبیہ کی ترجمانی

یہ سب اثر اس کا ہے کہ حضرت والا کا ہر وعظ از دل خیزد بر دل ریزد کا صحیح مصداق ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ جب میں کسی کو کچھ نصیحت کرتا ہوں تو میں دل و جان سے چاہا کرتا ہوں کہ یہ ایسا ہی ہو جائے۔ نیز اکثر مضامین خود حضرت والا ہی کے تاثرات قلبیہ اور احوال عالیہ کی حکایات ہوتے ہیں اس لیے حضرت والا کا ہر وعظ حضرت مولانا رومیؒ کے اس شعر کا مصداق ہوتا ہے۔

بشنوید اے دوستاں ایں استاں　　　فی الحقیقت نقد حالِ ماست آں

(اے دوستو! یہ داستان سنو، کہ درحقیقت یہ ہمارے ہی حال کی ترجمان ہے)

چنانچہ خود حضرت والا نے فرمایا کہ جب میں اپنے اندر کوئی امر قابل اصلاح محسوس کرتا ہوں تو اس کے متعلق وعظ کہہ دیتا ہوں اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے کیونکہ بیان کے وقت جوش بھی ہوتا ہے جس سے قلب پر اثر پڑتا ہے نیز شرم بھی آتی ہے کہ جس بات کی نصیحت اوروں کو کر رہے ہیں خود بھی تو اس پر کاربند ہونا چاہیے۔ ''وعظ الغضب'' اسی مصلحت سے کہا گیا تھا۔ اھ۔ غرض حضرت والا کی ہر تقریر پر تاثیر خود حضرت والا ہی کے تاثرات قلبیہ کی ترجمان ہوتی ہے۔ بمصداق ؂

بیان شوق چہ حاجت کہ حال آتش دل　　　　تواں شناخت ز سوز یکہ در سخن باشد

(شوق کے بیان کی کیا ضرورت ہے کیونکہ دل کی آگ کا حال باتوں میں جو سوز ہے اس سے پہچانا جا سکتا ہے)

جدید تعلیم یافتہ اور دوسرے مذاہب والوں کا متاثر ہونا

بڑے بڑے معزز عہدہ داروں اور انگریزی دانوں کو خود احقر نے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہم نہیں سمجھتے تھے کہ مولویوں میں بھی ایسے واعظ ہیں جو ہر بات کو دلائل منطقی و عقلی سے ثابت کر دیں اور اس کے تجربہ کا بھی احقر کو بارہا اتفاق ہوا ہے کہ حضرت والا کے مطبوعہ مواعظ سن کر نہ صرف مسلمانوں پر بلکہ بڑے بڑے طبقہ کے نو تعلیم یافتہ ہندوؤں' عیسائیوں اور شیعوں پر بھی بے حد اثر ہوا ہے۔ یہاں تک کہ ایک پہاڑی قوم کا ہندو ماسٹر جو عموماً اپنے مذہب میں بہت سخت ہوتے ہیں۔ حضرت والا کے مطبوعہ مواعظ لے لے کر پڑھتا تھا اور شیعوں کے بعض مجتہدین تک احقر سے ایک صاحب کے ذریعہ منگوا منگوا کر پڑھتے تھے اور اپنی مجلسوں کو ان کے مضامین سے رونق دیتے اور گرم کرتے تھے۔ ایک پانی پتی واعظ حضرت والا کو غائبانہ بہت دعائیں دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اللہ بھلا کرے میری تو روزی کا سامان ہو گیا۔ میں نے دو تین وعظ زبانی یاد کر لیے ہیں بس انہی کو جگہ جگہ جا کر سنا آتا ہوں۔ خوب نذرانے ملتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ بڑا بھاری عالم ہے۔ احقر ایک بار ریل میں وعظ راحت القلوب اپنے احباب کو پڑھ کر سنا رہا تھا۔ ہندو سن کر بے اختیار کہنے لگے کہ یہ کتاب کسی بڑے قابل کی لکھی ہوئی ہے اسی طرح سفر رنگون میں وعظ طریق القلندر کو سن کر

جہاز والا احقر کو مصنف سمجھ کر کہنے لگا کہ اگر یہ شخص انگریزی پڑھتا تو جج ہو جاتا۔

بھوپال میں ولایت کا ایک اعلیٰ سند یافتہ مرہٹہ ماسٹر جو وعظ میں موجود تھا کہتا تھا کہ میں نے بڑے بڑے لیکچر دینے والوں کے لیکچر ہندوستان میں بھی اور ولایت میں بھی سنے ہیں لیکن کسی میں میں نے وہ بات نہیں دیکھی جو آج ان کے بیان میں دیکھی۔ بدوں پہلے سے نوٹ لکھے ہوئے اتنا طول طویل بیان اور ایسا مدلل و مربوط اور پھر اس قدر روانی کے ساتھ اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں سنا۔ ڈیک ریاست بھرت پور میں ایک بڑا عہدہ دار نو تعلیم یافتہ آریہ حضرت والا کے وعظ کو سن کر کہنے لگا کہ مجھے حیرت تھی کہ ایک خالص مذہبی مسئلہ پر یعنی روزہ پر تو وعظ تھا لیکن ایسا مضامین تھے کہ ان کو ہر مذہب والا اپنے مذہبی اصول پر منطبق کر سکتا تھا۔ کانپور میں ایک وعظ کے بعد ایک معزز وکیل صاحب نے حضرت والا کو مخاطب کر کے بہت ہی جوش کے ساتھ یہ شعر پڑھا۔

تو مکمل از کمال کیستی تو منور از جمال کیستی

(تو کس کے کمال سے مکمل ہے تو کس کے جمال سے مُنوّر ہے)

حضرت والا نے اس کو نقل فرما کر فرمایا کہ میرے بھی جی میں تو آیا تھا کہ اس کے جواب میں یہ کہہ دوں۔

من مکمل از کمال حاجیم من منور از جمال حاجیم

(میں حضرت حاجی صاحبؒ کے کمال سے مکمل ہوں، میں حضرت حاجی صاحبؒ کے حُسن سے منوّر ہوں)

لیکن شرم آئی کہ کیوں خواہ مخواہ کمال اور جمال کا دعویٰ کروں۔ ایک بے تکلف وکیل صاحب نے ایک وعظ کے بعد کہا کہ آپ بھی کہاں مولویوں میں جا پھنسے۔ آپ تو اگر وکالت پاس کر لیتے تو وکیلوں میں آپ کا کوئی نظیر نہ ہوتا۔

اکابرؒ کی تائیدات

ایک بار حضرت والا گنگوہ میں وعظ فرما رہے تھے اس وقت حضرت مولانا گنگوہیؒ کی

خدمت میں جو کوئی حاضر ہوتا فرماتے یہاں کیوں آئے ہو۔ جاؤ حقانی وعظ ہو رہا ہے۔ اسی طرح راس المناظرین حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ وعظ تو ایسا ہوتا ہے کہ کہیں کسی کو انگلی رکھنے کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔

اصلاحِ عوام وخواص کا کامیاب ذریعہ

غرض اس امر کی سینکڑوں شہادتیں موجود ہیں کہ آج وعظ گوئی میں حضرت والا کا کوئی نظیر نہیں جس کو وعظ سننے کا موقع نہ ملا۔ وہ حضرت والا کے مطبوعہ مواعظ ہی کا مطالعہ کر کے اس امر کی بخوبی تصدیق کر سکتا ہے۔ حضرت والا کی خدمت میں آئے دن کثرت سے لوگ بذریعہ خطوط اطلاع دیتے رہتے ہیں کہ مطبوعہ مواعظ کے مطالعہ سے بے حد نفع ہوا اور بالکل کایا پلٹ ہی ہوگئی۔ سینکڑوں انگریزی داں جو دین سے بالکل آزاد اور فیشن کے بے حد دلدادہ تھے مطالعہ مواعظ کی برکت سے پکے دیندار اور پورے ملا بن گئے نہ کوٹ پتلون رہا نہ تصویردار کمرہ رہا نہ کرزن فیشن رہا۔ ایسے بہت سے حضرات کو خود احقر بھی جانتا ہے۔ جو کسی زمانہ میں سرتاپا انگریزی فیشن میں رہتے تھے اور ملحدانہ عقائد رکھتے تھے لیکن اتفاق سے حضرت والا کا کوئی وعظ نظر سے گزر گیا تو پھر ایسا چسکا لگا کہ سینکڑوں کی تعداد میں دیکھ ڈالے اور حالت کی بالکل ہی کایا پلٹ ہی ہوگئی۔ یہاں تک کہ حضرت والا کے مجاز طریقت ہوگئے۔ وعظ الارواح کو دیکھ کر بعض درویش جو شریعت اور طریقت کو جدا جدا سمجھتے تھے یہاں تک کہ نماز بھی نہ پڑھتے تھے وہ اپنے اس عقیدہ سے تائب ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ مولود شریف کے متعلق جو مواعظ ہیں اور جو ثلج الصدور اور بدرالبدور ہیں ایک جگہ بھی طبع ہوگئے ہیں ان کو دیکھ کر بعض متشددین کی بھی غلط فہمیاں دور ہوگئیں اور عقائد درست ہوگئے یہاں تک کہ وہ اب دوسروں کی اصلاح عقائد کرنے لگے۔ گو نہ حضرت والا کی کبھی زیارت کی نہ رجوع کیا وعظ راحت القلوب سے بہت سے پریشانوں کی جن کی بوجہ مصائب زندگی تلخ ہو رہی تھی ڈھارس بندھ گئی اور متوجہ بحق ہوگئے۔ جو وعظ کسی کی موت پر بغرض تسلی فرمائے گئے تھے ان کا مطالعہ ایسے مواقع کے لیے بے حد تسلی بخش ثابت ہوتا ہے۔
غرض حضرت والا کے مواعظ سے ہزارہا بندگان خدا کو دینی و دنیوی علمی و عملی منافع

پہنچے ہیں اور پہنچ رہے ہیں۔ اللھم زد فزد اللھم عمم وتمم۔

ایک ریاستی عہدیدار کا واقعہ

جب شملہ جانا ہوا اور حضرت والا وعظ فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے تو حسب معمول کپڑے بالکل سادہ تھے لیکن صاف ستھرے۔ ایک نو تعلیم یافتہ نے منتظم جلسہ سے جو ایک ریاست میں کرنیل تھے اور ان کے دوست تھے چپکے سے بطور طعن کے کہا کہ تمہارے علماء کا لباس کیسا ہے جیسے ابھی پائخانہ سے نکل کر آئے ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ابھی تو میں اس کا کچھ جواب نہیں دیتا ہاں وعظ کے بعد کہنا جو کچھ کہنا ہو اس وقت جواب دوں گا۔ جب وعظ ختم ہوا تو کرنیل صاحب نے ان سے پوچھا کہ ہاں اب کہیے آپ کیا کہتے تھے اب وہ چپ کہا جی میری حماقت تھی میں تو یہ سمجھتا تھا کہ جیسا لباس ہے ویسا ہی وعظ بھی ہوگا مگر یہاں تو معاملہ بالکل برعکس ہی نکلا۔ سبحان اللہ کیا بیان تھا لباس سے ہرگز نہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ اتنا بڑا شخص ہے۔

کسی شریک جلسہ نے یہ واقعہ حضرت والا سے بیان کر دیا۔ حضرت والا نے دوسرے وعظ میں اول صاحب کے اچھی طرح کان کھولے مگر نہایت تہذیب اور لطافت کے ساتھ۔ جب وعظ فرمانے کھڑے ہوئے تو سب سے پہلے یہ فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض صاحبوں کو ہم لوگوں کا لباس پسند نہیں آیا۔ خیر میں اس وقت اسمیں کلام نہیں کرتا کہ وعظ کہنے کے لیے لباس کا اچھا ہونا بھی ضروری ہے یا نہیں اپنا اپنا مذاق ہے۔ خیر میں ان صاحبوں کی خاطر سے یہ مانے لیتا ہوں کہ واعظ کو اچھا ہی لباس پہن کر وعظ کہنا چاہیے اور اس کو ایک مصلحت پر محمول کرتا ہوں کہ اچھے لباس سے وقعت ہوتی ہے اور متکلم کی وقعت سے کلام کی وقعت ہوتی ہے جس سے اس کا اثر بڑھتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ وہ لباس آخر آئے کہاں سے۔ ظاہر ہے کہ اچھے لباس کے لیے کافی رقم کی ضرورت ہوگی جس کے لیے مولویوں کی موجودہ آمدنی تو کافی ہو نہیں سکتی اس لیے اس کی سہل صورت یہ ہے کہ جہاں وعظ ہو وہاں کے حضرات واعظوں کے لیے اپنی پسند کا لباس تیار رکھا کریں اور جب کوئی واعظ آئے بس وہی لباس پہنا کر اس سے وعظ کہلوالیا جائے اور جب وہ وہاں سے چلنے لگے تو اس لباس کو اتروالیا جائے تا کہ اسی قسم کے دوسرے موقعوں پر پھر کام دے۔ چنانچہ

اب میں اسی کا منتظر ہوں کہ مجوز صاحب ہم لوگوں کے لیے اس کا کیا انتظام فرماتے ہیں اور اگر انتظام نہ کیا تو پھر ان کو ڈوب مرنا چاہیے۔ (کل تقریر میں بس صرف یہ ایک کلمہ تیز تھا) وہ صاحب اس وقت وعظ میں موجود تھے بہت شرمندہ ہوئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے خطاب پر اعتراض کا جواب

شملہ ہی کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔ جناب مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی مع چند دیگر حضرات علماء دیوبند کے حضرت والا کے ہمراہ تھے۔ شاہ صاحب سے بھی اعجاز قرآن کے متعلق وعظ کی فرمائش ہوئی۔ ادھر علمی مضمون ادھر شاہ صاحب کا تبحر ایسے دقیق مضامین بیان فرمائے کہ سامعین کی سمجھ ہی میں نہ آئے جن میں سے اکثر نو تعلیم یافتہ تھے۔ بعد وعظ انہوں نے بطور اعتراض کے آپس میں کہا کہ مولانا کو یہاں تشریف لانے ہی کی کیا ضرورت تھی۔ مدرسہ دیوبند ہی میں بیٹھ کر علماء کے سامنے کیوں نہ وعظ کہہ لیا۔ حضرت والا کو جب اس اعتراض کی اطلاع ملی تو دوسرے وقت اپنے وعظ میں اس اعتراض کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ اعتراض ہی لغو ہے آپ لوگ خود اس کے ذمہ دار ہیں کیونکہ مضمون ہی آپ نے ایسا دیا تھا جو علمی تھا اور جس کو اتنا سہل نہیں کیا جاسکتا تھا کہ سب سمجھ سکیں۔ جتنا سہل کیا جاسکتا تھا اتنا بھی قصداً نہیں کیا گیا کیونکہ اس میں ایک بڑی مصلحت تھی ہمیں یہ بھی دکھلانا تھا کہ جب آپ علماء کے اردو کلام کو بھی نہیں سمجھ سکتے تو قرآن وحدیث کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ اور ان سے مسائل مستنبط کرنا تو بہت بڑی بات ہے۔ اب تو آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ امور دینیہ میں رائے زنی کرنے کے آپ صاحبان ہرگز اہل نہیں۔ اھ۔ اس پر بھی معترضین بہت شرمندہ ہوئے۔

ایک پیرزادے کی اصلاح

ایک جگہ مارواڑ میں ایک پیرزادے کسی عالم کو اپنے ساتھ اس غرض سے وعظ میں لائے تھے کہ اگر ہمارے خلاف کوئی بات کہیں گے تو حضرت والا کے ساتھ مناظرہ کرائیں گے کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ وعظ سن کر ان کے معتقدین کہیں برگشتہ نہ ہو جائیں۔ حضرت والا کو اس کا علم بھی نہ تھا لیکن منجانب اللہ مناسب حال مضمون ہی معرض بیان میں آ گیا لہذا

دوران وعظ میں فرمایا کہ بزرگوں کی اولاد کا بھی حق ہے ان کی مالی خدمت ضرور کی جائے لیکن ان سے دین کی خدمت ہرگز نہ لی جائے اور مسئلہ مسائل پوچھنے کی ان کو ہرگز زحمت نہ دی جائے۔ یہ کام علماء سے لیا جائے کیونکہ وہ واقف ہیں لیکن علماء کی مالی خدمت نہ کی جائے کیونکہ ان کو اس کی ضرورت ہی نہیں سب بقدر حاجت تحصیل معاش کر رہے ہیں اور ان بزرگ زادوں کا اور کوئی ذریعہ معاش نہیں لہذا مالی خدمت تو ان کی کی جائے اور کام علماء سے لیا جائے۔ اھ۔ یہ سن کر وہ پیر صاحب خوش ہو گئے اور بعد وعظ بجائے مناظرہ کرانے کے حضرت والا کے ہاتھ چومے حضرت والا نے اس واقعہ کو بیان فرما کر فرمایا کہ وہ اس سے فضول خوش ہوئے یہ نہ سمجھے کہ میں نے تو ان کی جڑ ہی کاٹ دی کیونکہ جس سے لوگ دین کی خدمت لیں گے اور فائدہ حاصل کریں گے اس کی مالی خدمت کریں گے یا ان کی۔

مخالفین کے مجمع میں خطاب

حضرت والا کا معمول تھا کہ کسی کی فرمائش سے وعظ کے لیے مضمون متعین نہ فرماتے بلکہ جس جگہ جس مضمون کی واقعی ضرورت ہوتی اور عین وقت پر جو مضمون منجاب اللہ قلب پر وارد ہوتا اسی کو اختیار فرماتے۔ اور بالخصوص مسائل اختلافیہ کے بیان سے تو بالقصد بہت ہی محترز رہتے لیکن جہاں اضطراراً ذکر آ جاتا تو پھر صاف صاف مگر نرم اور خوشگوار عنوان سے فرماتے۔ حضرت والا کو اکثر مخالفین اہل حق اور بدعتی خیال کے لوگوں میں بھی وعظ کہنے کا اتفاق ہوا لیکن بمصداق **الحق یعلو ولا یعلیٰ** بعون اللہ تعالیٰ ہمیشہ غالب اور محبوب ہی رہے اور مخالفین مرعوب و مغلوب۔

چنانچہ جونپور میں قبل وعظ ڈاک سے ایک بیہودہ خط پہنچا جس میں چار مضمون تھے ایک تو یہ کہ تم جولا ہے ہو دوسرے یہ کہ جاہل ہو تیسرے یہ کہ کافر ہو چوتھے یہ کہ سنبھل کر بیان کرنا۔

حضرت والا نے قبل وعظ مجمع کو مخاطب بنا کر فرمایا کہ میں آپ صاحبوں سے ایک امر میں مشورہ چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس قسم کا ایک خط میرے پاس آیا ہے پھر وہ خط سب کے سامنے پڑھ کر سنایا اور فرمایا کہ یہ جو لکھا ہے کہ تم جولا ہے ہو تو اگر میں جولاہا ہوں بھی تو اس میں حرج ہی کیا ہے، میں یہاں کوئی رشتے ناتے کرنے تو آیا نہیں۔ احکام الٰہی سنانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ سو اس کو قومیت سے کیا علاقہ دوسرے یہ چیز اختیاری بھی نہیں۔ اللہ

تعالیٰ نے جس کو جس قوم میں چاہا پیدا فرما دیا سب قومیں اللہ تعالیٰ ہی کی بنائی ہوئی ہیں اور سب اچھی ہیں اگر اعمال واخلاق اچھے ہوں یہ تو مسئلہ کی تحقیق تھی۔ رہی واقعہ کی تحقیق سو مسئلہ کی تحقیق کے بعد واقعہ کے تحقیق کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی لیکن پھر بھی اگر کسی کو تحقیق واقعہ کا شوق ہی ہو تو میں آپ کو اپنے وطن کے عمائد کے نام اور پتے لکھوائے دیتا ہوں ان سے تحقیق کر لیجئے معلوم ہو جائے گا کہ میں جولاہا ہوں یا کس قوم کا اور اگر مجھ پر اطمینان ہو تو میں مطلع کرتا ہوں کہ میں جولاہا نہیں ہوں۔ رہا جاہل ہونا اس کا البتہ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں جاہل بلکہ اجہل ہوں لیکن جو کچھ اپنے بزرگوں سے سنا ہے اور کتابوں میں دیکھا ہے اس کو نقل کر دیتا ہوں۔ اگر کسی کو کسی بات کے غلط ہونے کا شبہ ہو اس پر عمل نہ کرے اور کافر ہونے کو جو لکھا ہے تو اس میں زیادہ قیل وقال کی حاجت نہیں میں آپ صاحبوں کے سامنے پڑھتا ہوں۔ **اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد ارسول الله صلى الله عليه واله وسلم** اگر میں نعوذ باللہ کافر تھا بھی تو لیجئے اب نہیں رہا۔

آخر میں سنبھل کر بیان کرنے کی دھمکی دی گئی ہے اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ وعظ گوئی کوئی میرا پیشہ نہیں ہے جب کوئی بہت اصرار کرتا ہے تو جیسا کچھ مجھے بیان کرنا آتا ہے بیان کر دیتا ہوں۔ اگر آپ صاحبان نہ چاہیں گے تو میں ہرگز بیان نہ کروں گا۔ رہا سنبھل کر بیان کرنا تو اس کے متعلق صاف صاف عرض کیے دیتا ہوں کہ میری عادت خود ہی چھیڑ چھاڑ کی نہیں ہے قصداً کبھی کوئی ایسی بات نہیں بیان کرتا جس میں کسی گروہ کی دل آزاری ہو یا فساد پیدا ہو لیکن اگر اصول شرعیہ کی تحقیق کے ضمن میں کسی ایسے مسئلہ کے ذکر کی ضرورت ہی پیش آجاتی ہے جس کا رسوم بدعیہ سے تعلق ہے تو پھر میں رکتا بھی نہیں اس لیے کہ یہ صریح دین میں خیانت ہے۔ یہ سب باتیں سننے کے بعد اب بیان کے متعلق جو آپ صاحبوں کی رائے ہو اس سے مطلع کر دیا جائے اگر اس وقت کوئی ادنیٰ شخص بھی مجھ سے کہہ دے گا کہ بیان نہ کیا جائے تو میں ہرگز بیان نہ کروں گا لیکن اس کے متعلق میرا یہ مشورہ ہے کہ ابھی تو مجھ کو بیان کرنے دیا جائے اور جب کوئی بات کسی کے خلاف طبع بیان کرنے لگوں تو فوراً مجھ کو روک دیا جائے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی ادنیٰ شخص بھی مجھے روک دے گا میں اپنے

بیان کو فوراً منقطع کردوں گا اور بیٹھ جاؤں گا۔ بہتر تو یہ ہے کہ وہی صاحب روک دیں جنہوں نے یہ خط بھیجا ہے یا اگر خود کہتے ہوئے انہیں شرم آئے یا ہمت نہ ہو تو چپکے سے کسی اور ہی کو سکھلا پڑھا دیں ان کی طرف سے وہ مجھے روک دیں۔

یہ سن کر ایک پٹھان معقولی مولوی صاحب جو بدعتی خیال کے تھے اور جن کا وہاں بہت اثر تھا کڑک کر بولے کہ یہ خط لکھنے والا کوئی حرامزادہ ہے۔ آپ وعظ کہئے آپ کیسے فاروقی ہیں؟ حضرت والا نے فرمایا کہ میں ایسی جگہ کا فاروقی ہوں جہاں کے فاروقیوں کو یہاں کے لوگ جولاہے سمجھتے ہیں۔ جب سارا مجمع خط لکھنے والے کو برا بھلا کہنے لگا خصوص وہ مولوی صاحب فحش فحش گالیاں دینے لگے تو حضرت والا نے روکا کہ گالیاں نہ دیجئے مسجد کا تو احترام کیجئے۔ پھر حضرت والا کا وعظ ہوا اور بہت زور وشور کا وعظ ہوا۔ اتفاق سے دوران وعظ میں بلا قصد بضمن کسی تحقیق علمی کے کچھ رسوم وبدعات کا بھی ذکر چھڑ گیا پھر تو حضرت والا نے بلا خوف لومۃ لائم خوب ہی رد کیا مگر حسب معمول نہایت تہذیب کے ساتھ اور غیر دل آزارانہ طریق پر۔ گو حضرت والا روک دینے کا عام اختیار دے چکے تھے لیکن کسی کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ بقول ؎

ہیبت حق است این از خلق نیست	ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

(یہ حق کی ہیبت ہے مخلوق کی نہیں ہے، یہ اس گدڑی والے مرد کی ہیبت نہیں ہے)

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید	ترسد از وے جن وانس و ہر کہ دید

(جو اللہ سے ڈرا اور پرہیزگار بنا اس سے جن وانسان اور ہر دیکھنے والا ڈرتا ہے)

وہ معقولی مولوی صاحب شروع شروع میں تو بہت تحسین کرتے رہے اور بار بار سبحان اللہ سبحان اللہ کے نعرے بلند کرتے رہے کیونکہ اس وقت تصوف کے رنگ پر بیان ہو رہا تھا لیکن جب رد بدعات ہونے لگا تو پھر چپ ہو گئے مگر بیٹھے سنتے رہے۔ یہ بھی خدا کا بڑا فضل تھا کیونکہ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ ایسے کٹر اور سخت ہیں کہ جہاں کسی واعظ نے کوئی بات خلاف طبع کہی اور انہوں نے وہیں ہاتھ پکڑ کر منبر پر سے اتار دیا لیکن اس وقت دم نہیں مارا چپکے بیٹھے سنتے رہے۔ کچھ تو حضرت والا کا خداداد رعب کچھ اپنے کہے کی بیچ۔ لیکن جب وعظ ختم ہوا اور مجمع رخصت ہونے کے لیے کھڑا ہو گیا تو اس وقت ان مولوی صاحب نے حضرت والا

سے کہا کہ ان مسائل کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس پر ایک دوسرے ذی اثر مولوی صاحب اور وہ بھی بدعتی ہی خیال کے تھے بڑے اور جواب دینا چاہا لیکن حضرت والا نے انہیں روک دیا کہ خطاب مجھ سے ہے آپ جواب نہ دیں مجھے عرض کرنے دیں پھر حضرت والا نے ان معقولی مولوی صاحب سے فرمایا کہ آپ نے یہ بات پہلے مجھ سے نہ فرمائی ورنہ میں احتیاط کرتا اور میں نے تو جو کچھ بیان کیا ضروری ہی سمجھ کر بیان کیا مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب تو بیان ہو چکا لیکن ہاں ایک صورت اب بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ ابھی تو مجمع موجود ہے آپ پکار کر کہہ دیجئے کہ صاحبو اس بیان کی کوئی ضرورت نہ تھی پھر میں آپ کی تکذیب نہ کروں گا اور آپ ہی کی بات اخیر رہے گی۔ اس پر سب لوگ ہنس پڑے۔ مولوی صاحب کو مجمع کے انداز سے اپنی اہانت کا اندیشہ ہوا اور وہ فوراً یہ کہہ کر رخصت ہوئے تسلیمات عرض ہے۔

ان کے چلے جانے کے بعد سب لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے جب بہت شور وغل ہوا تو حضرت والا نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ صاحبو ایک پردیسی کی وجہ سے آپ مقامی علماء کو ہرگز نہ چھوڑیں۔ میں آج مچھلی شہر جا رہا ہوں اب آپ صاحبان یہ کریں اور میں ان صاحب کو بالخصوص خطاب کرتا ہوں جنہوں نے خط بھیجا ہے کہ وہ میرے بیان کا رد کرا دیں پھر دونوں راہیں سب کے سامنے ہوں گی جو جس کو چاہے اختیار کرے فساد کی ہرگز ضرورت نہیں پھر ان دوسرے مولوی صاحب نے جو باوجود بدعتی خیال ہونے کے حمایت کے لیے بڑھے تھے کھڑے ہو کر فرمایا کہ صاحبو آپ جانتے ہیں کہ میں مولود یہ بھی ہوں قیامیہ بھی ہوں مگر انصاف اور حق یہ ہے کہ جو تحقیق آج مولوی صاحب نے بیان فرمائی ہے صحیح وہی ہے۔ غرض اس طرح وہ جلسہ ختم ہوا اور حضرت والا مچھلی شہر تشریف لے گئے پھر دوسرے روز حضرت والا کے بیان کا رد کرایا گیا مگر کسی پر اثر نہ ہوا سننے والے کہتے تھے کہ کل کے بیان کے درمیانہ یہ بیان ایسا ہے جیسے کوئی منہ چڑا رہا ہو۔

جودھ پور اور بمبئی کی شورش

ان واقعات کو بیان فرما کر حضرت والا نے فرمایا کہ الحمد للہ بڑے بڑے مخالفین میں وعظ کہنے کا اتفاق ہوا لیکن کبھی کوئی ناگوار واقعہ پیش نہیں آیا نہ کہیں کوئی بے آبروئی ہوئی یعنی ایسی جس کو عادۃً بے آبروئی سمجھا جاتا ہے مختلف مقامات پر جانا ہوا اور مختلف الخیال لوگوں

سے سابقہ رہا اور کہیں اپنے مشرب اور مسلک کو چھپایا نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے سب جگہ عزت اور آرام ہی کے ساتھ عمر بھر رکھا البتہ صرف دوبار قدرے خلجان پیش آیا جو حد کلفت تک نہ پہنچا تھا۔ ایک بار جودھپور میں ایک بار بمبئی میں (جس کا ذکر آگے آتا ہے مؤلف) اور وہ بھی غلط فہمیوں کی بناء پر ورنہ میں تو ایسے مقامات پر جہاں مخالفین کا غلبہ ہے اکثر مخالفین ہی کا مہمان ہوتا تھا اور وہ بہت خوشی کے ساتھ خود اصرار کر کر کے مہمان رکھتے تھے اور میری طرف سے بھی کبھی کوئی بات ایسی نہ ہوتی تھی جو ان کی دل آزاری کی باعث ہو۔

بمبئی میں بہت مخالفین ہیں مگر وہاں بھی لوگوں نے اصرار کیا کہ بیان کیجئے میں نے وہاں بھی خوب کھل کر بیان کیا اور میں ہر جگہ کھلے بندوں آزادی کے ساتھ ادھر ادھر آتا جاتا تھا۔ تنہا بھی مجمع کے ساتھ بھی۔ بعض احباب نے بریلی میں منع بھی کیا کہ یہاں معاندین اور مخالفین کی بہت کثرت ہے حفاظت کا کچھ انتظام کر کے کہیں آنا جانا چاہیے۔ اس طرح ادھر ادھر نہ پھرنا چاہیے لیکن میں نے کہہ دیا کہ یہ سب فضول اوہام ہیں۔ لن یصبنا الا ماکتب اللہ لنا ھو مولانا و علی اللہ فلیتوکل المتوکلون۔ بلا حکم خدا کچھ نہیں ہوسکتا اور اگر خدا ہی کو منظور ہو تو پھر لاکھ حفاظت کیجئے کیا ہوسکتا ہے۔ اھ۔

جودھ پور کا واقعہ

اب جودھ پور اور بمبئی میں جو خلجان پیش آیا تھا اس کا حال لکھا جاتا ہے۔ اول جودھپور کا واقعہ خود حضرت والا کی عبارت میں ''خوان خلیل'' (یعنی تذکرہ بعض حالات حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ) مصنفہ حضرت والا مطبوعہ النور ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ سے نقل کیا جاتا ہے۔

ایک سفر میں مولانا (خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ) کی معیت میں ایک ہم وطن دوست کی طلب پر جودھپور جانا ہوا اور لوگوں کی درخواست پر احقر کے متعدد بیانات ہوئے جن سے بفضلہ تعالیٰ بہت نفع ہوا اور اہل بدعت کے خیالات میں بھی ایک درجہ میں نرمی اور حسن ظن پیدا ہوگیا۔ ہر بیان کے ختم پر آئندہ بیان کے لیے لوگوں کی درخواست پر وقت اور موقع کا اعلان کر دیا جاتا تھا اور ایک شب میں ختم وعظ پر ان دوست احباب نے ایسے موقع

کے لیے اعلان کر دیا جہاں وعظ کی درخواست نہ تھی اور وہ محلہ تمام تر اہل فساد واہل عناد کا تھا اپنے نزدیک انہوں نے یہ مصلحت سمجھی کہ صبح کو جمعہ تھا اور اس محلّہ کی مسجد میں جمعہ بھی ہوتا تھا تو ان کو خیال یہ ہوا کہ اس طرح سے اہل محلّہ کے کان میں حق پہنچ جاوے گا مگر اس میں خرابی یہ ہوگئی کہ اول تو محلّہ کے اکثر لوگ سخت مبتدع اور متعصب تھے پھر خصوصیت کے ساتھ ان کو ان دوست صاحب سے پہلے سے کچھ رنج بھی تھا۔ جس کا سبب جس طرح اہل محلّہ کی کج فہمی تھی کسی قدر ان دوست صاحب کی تیز زبانی بھی تھی ان لوگوں کو یہ اعلان نہایت ناگوار ہوا اور وہ یوں سمجھے کہ انہوں نے ہم کو زک دینے کے لیے یہ کارروائی کی ہے اور تہیہ کر لیا کہ وعظ نہ ہونے دیں گے۔ ان دوست صاحب کو بھی قرائن سے اس کا خطرہ ضرور تھا۔ انہوں نے یہ انتظام کیا کہ مجسٹریٹ صاحب کو جو گلاؤٹھی کے رہنے والے اور خوش عقیدہ شخص تھے ایک درخواست دے دی کہ عین وقت پر پولیس کا انتظام کر دیا جاوے تا کہ کوئی فتنہ وفساد نہ ہو چنانچہ درخواست منظور ہو کر ایک سب انسپکٹر مع چند جوانوں کے حاضر رہنے کے لیے مامور ہو گئے ہم لوگوں کو اس کی اطلاع عین وقت پر ہوئی جبکہ جمعہ میں جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ میں نے اپنی طبیعت اور مذاق کے موافق یہ رائے قائم کی کہ ایسی تشویش کی جگہ جانا نہ چاہیے اور تہیہ وعظ کا دل سے نکال دیا اور اس رائے کو مجمع میں ظاہر کر دیا۔ ان دوست صاحب نے تو یہ جواب دیا کہ سب لغو روایتیں ہیں اور یہ راوی جنہوں نے یہ حکایت کی تھی بزدل اور کم ہمت ہیں یہ ہر جگہ یونہی ڈر جاتے ہیں ضرور چلنا چاہیے اور مولانا نے فرمایا اگر ایسا ہو بھی تب بھی تبلیغ حق میں ایسے امور کی پروا نہ کرنا چاہیے ان دوست کی رائے کی تو مجھ کو کچھ وقعت نہیں ہوئی کیونکہ اس کا منشاء میرے خیال میں دنیا تھی مگر مولانا کے ارشاد پر میں خاموش ہو گیا گو میری رائے اب بھی وہی تھی کہ جانا مناسب نہیں۔ مگر دو وجہ سے موافقت کر لی ایک اس وجہ سے کہ منشاء اس رائے کا دین ہے گو وہ امر اجتہادی ہے جس میں موافقت واجب نہیں مگر ناجائز بھی نہیں' دوسرے اس وجہ سے کہ جب مولانا جانے کو تیار ہیں تو میں کیا چیز ہوں کہ اپنی جان بچاؤں۔

غرض سارا مجمع وہاں پہنچا مگر رنگ بدلا ہوا پایا۔ نہ کسی نے سلام کیا نہ کلام اور امامت کے لیے تو کیا پوچھتے نماز سے فراغت ہوئی ان دوست احباب نے اعلان کیا کہ وعظ ہوگا

فوراً محلّہ کے ایک شخص نے نہایت تند آواز سے کہا کہ وعظ نہ ہوگا پھر کیا تھا دونوں طرف سے آویزش ہوگئی اور اس قدر شوروغل ہوا کہ خدا کی پناہ جمعہ کی سنتیں بھی بھول گئے اور اس فرض میں مشغول ہوگئے میں اور مولانا ایک کنارہ پر سنتیں پڑھنے لگے مگر مولانا تو مطمئن اور میں متفکر کہ دیکھئے اس کا کیا انجام ہوتا ہے اور پولیس کا کہیں نام ونشان نہیں یہاں تک اختلاف کی نوبت پہنچی کہ ایک شخص جاکر منبر پر بیٹھ گیا یہ سمجھا کہ جب منبر پر میرا قبضہ ہوجاوے گا پھر وعظ کیسے ہوگا۔ اسی سے جہل کا اندازہ کرلیا جاوے۔

ایک خاں صاحب ہمارے محبین میں اسی مزاج کے تھے وہ خنجر لے کر اس ممبر پر نشین پر حملہ آور ہوئے ایک خاں صاحب ٹونک کے جو سنجیدہ مزاج تھے اس وقت موجود تھے انہوں نے حملہ آور صاحب کا پیچھے سے ہاتھ پکڑ لیا کہ یہ کیا کرتے ہو ابھی سب پھنس جاویں گے وہ خفا ہوکر اس مجمع سے چلے گئے اور یہاں شوروغل کی وہی حالت۔

جب میں سنتیں پڑھ چکا اور معلوم کرلیا کہ یہ سارا غیظ اس احتمال پر ہے کہ کہیں وعظ نہ ہونے لگے تو میں نے اس فتنہ کے سرغنہ کو اپنے پاس بلایا۔ غنیمت ہے کہ وہ آبیٹھے اور نہایت غصہ سے کہا کہ کہئے۔ میں نے کہا کیا تم کو یہ شبہ ہے کہ وعظ ہوگا۔ سو سن لو وہ واعظ میں ہوں اور میرا وعظ ایسا ارزاں نہیں کہ کسی کے سر ہوکر کہوں۔ میں تو بہت خوشامد کرا کر وعظ کہتا ہوں اور اس حالت میں تو میں کسی طرح کہہ ہی نہیں سکتا تم اطمینان رکھو میں ہرگز وعظ نہ کہوں گا بلکہ اب تو اگر تمام اہل محلّہ بھی درخواست کریں تب بھی نہ کہوں۔ اس پر احقر مؤلف کو حضرت حافظؒ کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

ہمائے گو مفگن سایہ شرف ہرگز　　　دراں دیار کہ طوطی کم از زغن باشد

(ہُما سے کہو کہ اس ملک میں عزت کا سایہ نہ ڈال، جس میں بلبلیں چیلوں سے کم ہیں)

تم لڑو مت اور یہ اعلان میرے مشورہ سے نہیں ہوا بلکہ خلاف مزاج ہوا۔ یہ سنتے ہی وہ شخص ٹھنڈا ہوگیا اور اس کے ٹھنڈے ہونے سے سب خاموش ہوگئے۔ میں نے بواسطہ دوسرے شخص کے اس کے بعد یہ قول سنا کہ وہ کہتا تھا کہ ان لوگوں کی کیا بات ہے ان کی تو جوتیاں ہم اپنے سر پر رکھ لیں یہ سارا فساد فلاں شخص کا ہے جس نے اپنی رائے سے اعلان کردیا اور یہ بھی مسموع ہوا کہ وہ

لوگ کہتے تھے کہ ہم کو وعظ ہونا نا گوار نہ تھا بلکہ یہ متغلبانہ تصرف نا گوار رہا۔ ہم کو خاص طور پر اطلاع کی جاتی تو ہم خود حاضر ہو کر وعظ کی درخواست کرتے پھر آنے والوں کے لیے خاص طور پر فرش کا برف کا شربت کا انتظام کرتے اس طرح سے ہماری سخت اہانت تھی جو ہم کو گوارا نہیں ہوا۔

جب فضا میں سکون ہوا ہم لوگ مسجد سے واپس آ رہے تھے کہ سب انسپکٹر صاحب مع گارڈ کے راستہ میں ملے کہنے لگے چلئے وعظ کہیے۔ میں نے کہا سبحان اللہ کیا موقع پر پہنچے ہیں یہاں تو خون ہو جاتا آپ کا آنا کس مصرف کا ہوا اور اب وعظ نہیں ہو سکتا۔ وعظ کیا ہوا کھیل ہوا۔ یہ وہی بات ہوئی۔ ع

پس ازاں کہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

(میرے نہ رہنے کے بعد تیرا آنا کس کام ہے)

اور وہ بات ہوئی۔ ع

ہماری جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

اس وقت مولانا مدظلہ فرما رہے تھے کہ راہ حق میں ایسی کلفت بھی کیسی لذت بخش ہے۔

بمبئی کا واقعہ

یہ تو جودھپور کا واقعہ ہوا اور بمبئی کا واقعہ بھی حضرت والا نے احقر کی درخواست پر اپنے قلم مبارک سے تحریر فرما کر احقر کو دیا اس کو بلفظہٖ نقل کرتا ہوں۔

بمبئی کا واقعہ اس طرح ہے کہ جب چھوٹے گھر میں سے حج کر کے واپس ہوئیں اور مجھ کو تار سے بمبئی آنے کی تاریخ کی اطلاع ہوئی تو میں اور میرے ہمراہ ایک رئیس کہ ان کے گھر میں سے بھی حج سے آ رہی تھیں لینے کے لیے بمبئی گئے۔ بمبئی میں میرا قیام حکیم محمد سعید صاحب کے مکان پر ہوا تھا مگر وہ اس وقت موجود نہ تھے۔ بمبئی کے ایک رہنے والے صاحب نے محبت سے اپنے مکان پر قیام کی درخواست کی جس کو میں نے منظور کر لیا۔ ساحل پر پہنچ کر دیکھا کہ وہ جہاز تو آ گیا مگر شام ہونے کے سبب مسافروں کو اترنے کی اجازت نہیں ہوئی واپس آ کر اسی مکان میں شب گزارنے کے لیے آ گئے۔ مغرب کی نماز

محلہ کی مسجد میں پڑھی۔ اس زمانہ میں وہاں کوئی مناظرہ ہونے والا تھا جس کے اشتہارات جا بجا چسپاں تھے اور اسی سلسلہ میں کچھ لوگ باہر سے آنے والے تھے۔ بعض مفسدوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھا کہ اسی سلسلہ میں، میں بھی آیا ہوں مفسدوں کا مذہب ہمیشہ سے یہ ہے۔

چو حجت نماند جفا جوئے را به پرخاش درہم کشد روئے را

(جب ظالم کے پاس دلیل نہیں رہتی، تو وہ لڑائی کے لئے تیار ہو جاتا ہے)

اسی قانون سے ایک مسلح جماعت بعد عشاء اس مکان میں آ گئی اور آتے ہی لالٹین توڑ دی اور قاتلانہ حملہ کر دیا جس کو ان ہمراہی رئیس کے ملازم نے آگے بڑھ کر روکا اور میں اسی تاریکی میں سڑک کی طرف ایک برآمدہ تھا اس میں ہو گیا اور صاحب مکان نے اسی برآمدہ میں آ کر پولیس کو پکارا جس کے ساتھ فوراً مفسدین فرار ہو گئے اور حق تعالیٰ نے سب کو محفوظ رکھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو شرکت مناظرہ کا دھوکہ ہوا۔ صبح کو محبین نے کمشنر پولیس کو اطلاع کی اس نے کہا کہ صاحب معاملہ کو ٹھہرنا پڑے گا اگر یہ گوارا ہو تو میں ان مفسدوں کا پورا انتظام کر دوں مجھ کو یہ دو وجہ سے منظور نہ ہوا۔ ایک تو اس لیے کہ میں حجاج کو جلد گھر پہنچانا چاہتا تھا۔ دوسرے یہ کہ ان لوگوں کا یہ فعل عمداً نہ تھا۔ قتل خطا کی طرح قابل قصاص نہ تھا پھر ایسے مواخذات اپنے بزرگوں کی وضع کے بھی خلاف تھے۔ البتہ میں نے صبح کو مکان بدل دیا یعنی حکیم محمد سعید صاحب ہی کے مکان پر ہم لوگ اٹھ آئے نیز وہاں حجاج کو بھی ہر طرح کا آرام آسانی سے مل سکتا تھا۔ پھر حجاج کو جہاز سے اتار کر حکیم صاحب کے مکان میں ٹھہرا دیا اور ایک دو روز جتنا بھی وہاں قیام ہوا آزادانہ منظر عام پر پھرتا رہا اور اس لیے بھی کوئی خاص اندیشہ نہ تھا کیونکہ ان کو دھوکہ ہونا محقق ہو گیا تھا۔ پھر امن و امان کے ساتھ اپنے وطن واپسی ہو گئی۔ یہ قصہ اتنا غلط مشہور ہوا کہ قتل تک کی روایتیں پھیل گئیں۔ تحقیق کے لیے دوستوں کے خطوط آئے واقعیت معلوم کر کے سب مطمئن ہو گئے۔ غرض بفضلہ تعالیٰ کسی سفر میں میرے کسی فعل سے کسی کو کوئی ناگواری یا برہمی نہیں ہوئی اور ان دو مقام (یعنی بمبئی اور جودھپور) میں جو ہوا غیروں کے سبب ہوا اور ان کے اثر سے بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت رہی۔

اخلاص اور ضرورت پر مبنی وعظ

حضرت والا کا ہر وعظ اخلاص اور ضرورت پر مبنی ہوتا تھا۔ چنانچہ جودھپور میں چونکہ دیوبندیوں کو لوگ عموماً وہابی کہتے تھے اس لیے اپنے موافقین میں سے ایک خیرخواہ نے کہا کہ مصلحت یہ ہے کہ یہاں وعظ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل بیان کیے جائیں۔ حضرت والا نے صاف انکار فرمادیا کہ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ میں اپنی مصلحت کے لیے وعظ کہوں کہ لوگ مجھے حنفی سمجھیں حالانکہ وعظ ہونا چاہیے سامعین کی مصلحت کے لیے۔ اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے بڑے جلسہ دستار بندی میں بعض حضرات اکابر نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جماعت کی مصلحت کے لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کیے جائیں تاکہ اپنے مجمع پر جو وہابیت کا شبہ ہے وہ دور ہو یہ موقع بھی اچھا ہے کیونکہ اس وقت مختلف طبقات کے لوگ موجود ہیں۔ حضرت والا نے بہ ادب عرض کیا کہ اس کے لیے روایات کی ضرورت ہے اور وہ روایات مجھ کو مستحضر نہیں۔ اس پر حضرت والا سے فرمائش ہوئی کہ اگر وقت پر کچھ روایات یاد آجائیں تو ان کے متعلق کچھ بیان کر دیا جائے ورنہ خیر چونکہ اکابر کی طرف سے اختیار مل گیا اس لیے حضرت والا نے حُبّ دنیا کے متعلق وعظ بیان فرمایا جس کی بوجہ ابتلاء عام سخت ضرورت تھی۔ اور عام مصلحت اسی کے بیان کو مقتضی تھی اور خاص بیان میں اپنے مجمع کی مصلحت تھی یعنی ان کو بدنامی سے بچانا اور ظاہر ہے کہ مصلحت عام مقدم ہوتی ہے مصلحت خاص پر۔ نیز اس مضمون کے اختیار کرنے کا ایک اور بھی محرک تھا وہ یہ کہ اس جلسہ کے قریب ہی زمانہ میں حضرت والا سخت بیمار ہوگئے تھے یہاں تک کہ شرکت جلسہ سے مایوسی ہوگئی تھی اور بظاہر کوئی صورت نہ تھی اسی حالت میں حضرت والا نے خواب دیکھا کہ میں جلسہ میں اس حدیث کا وعظ کہہ رہا ہوں حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ چنانچہ بالکل خلاف توقع عین وقت پر صحت بھی ہوگئی اور قوت بھی بقدر ضرورت آگئی اور اسی حدیث کا وعظ بیان فرمایا۔ غرض حضرت والا کا ہر وعظ اخلاص اور ضرورت واقعیہ پر مبنی ہوتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ غیب سے اعانت ہوتی تھی اور سامعین بے حد متاثر و مستفید ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ امر تواتر کی حد تک پہنچ چکا ہے کہ حضرت والا کے مواعظ

وملفوظات سامعین کے اس قدر حسب حال ہوتے ہیں کہ گویا اس شعر کے مصداق ہیں۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال　　　مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

(اے وہ کہ آپ کی زیارت ہر سوال کا جواب ہے، آپ کے ملنے سے مشکل بغیر کسی بحث کے حل ہو جاتی ہے)

یہاں تک کہ اکثر طالبین کو حضرت والا پر کشف کا گمان ہوتا ہے جس کی حضرت والا بقسم نفی فرما کر اس کی وجہ یہ بیان فرمایا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تو سب کے قلوب کا حال معلوم ہے۔ جو جس کے دل میں ہوتا ہے اسی کے مناسب مضامین میرے قلب میں ڈال دیتے ہیں اور میری زبان سے ادا کرا دیتے ہیں جس سے ان کی تشفی ہو جاتی ہے۔

مؤلف کا اپنا واقعہ

احقر کو خود اپنا واقعہ یاد آیا۔ الہ آباد کے وعظ میں وساوس کا ذکر تھا۔ یہ فرما رہے تھے کہ شیطان وساوس کو قلب میں اوپر سے ڈالتا ہے۔ قلب کے اندر سے وساوس پیدا نہیں ہوتے جیسے غلہ کسی کوٹھڑی میں لا کر بھر دیا جائے تو وہ غلہ کوٹھڑی کے اندر نہیں پیدا ہوا۔ پیدا تو کھیت میں ہوا ہے لیکن وہاں سے لا کر اس کو کوٹھڑی میں بھر دیا گیا ہے۔ اس مقام پر احقر کے دل میں یہ خیال آیا کہ معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ وساوس قلب کے اندر ہی سے پیدا ہو رہے ہیں بس فوراً فرمایا کہ گو بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ وساوس قلب کے اندر گھسے ہوئے ہیں لیکن یہ بات نہیں ہوتی بلکہ قلب کے اندر جو کچھ محسوس ہوتا ہے وہ محض انعکاس ہوتا ہے جیسے کسی آئینہ پر مکھی بیٹھی ہو تو دیکھنے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئینہ کے اندر ہے۔ حالانکہ اندر محض اس کا عکس ہوتا ہے۔ دراصل وہ آئینہ کے اوپر ہی اوپر رہتی ہے۔ یہ سن کر احقر کی پوری تسلی ہوگئی۔

انوکھا واقعہ

حضرت والا کے وعظ کے مبنی بر اخلاص ہونے پر یاد آیا۔ ایک بار حضرت والا کے وعظ کا الہ آباد میں اشتہار ہوا اشتیاق میں بہت مجمع جمع ہو گیا لیکن مولوی سلیمان صاحب پھلواری نے حضرت والا سے اجازت لے کر قبل حضرت والا کے وعظ کے کچھ بیان کرنا شروع کیا اور

ان کی تقریر بہت مفصل ومطول ہوگئی۔ اس کے بعد حضرت والا نے باوجود سامعین کے بے حد اصرار کے بیان فرمانے سے اس بناء پر انکار فرما دیا کہ مولانا نے ضروری باتیں تو سب بیان فرما دی ہیں۔ اب میرے بیان کی کیا ضرورت ہے۔ اب جو مجھ سے اصرار ہے اس کے تو یہ معنی ہیں کہ میں ڈھونڈھ کر ایسے مضامین بیان کروں جو مولانا کے بیان سے رہ گئے ہوں اور ان سے اچھے ہوں یہ تو ایک معارضہ اور مقابلہ کی سی صورت ہے لہذا اب میں بیان نہ کروں گا۔ اھ۔ سبحان اللہ کیا اخلاص ہے اور دوسرے علماء کی کس قدر رعایت ہے۔ یہ واقعہ جناب شیخ محمد عمر صاحب الہ آبادی نے جو مولانا محمد حسین صاحبؒ الہ آبادی کے خادم خاص ہیں۔ احقر سے بیان فرمایا ہے۔

مخالفین کے لئے دلکش ودلنشیں مواعظ

حضرت والا نے ضرورت کے موقعوں پر بڑے بڑے معرکتہ الآراء مباحث اور مختلف فیہ مسائل پر بھی وعظ فرمائے لیکن اس خوبی کے ساتھ کہ نہ اظہار واحقاق حق میں کچھ تامل فرمایا نہ تردید وابطال باطل میں کوئی کسر رکھی نہ کسی کی ذرا دل آزاری کی نہ تہذیب کو کبھی اپنے ہاتھ سے جانے دیا۔ خود فرمایا کرتے ہیں کہ میں کریلہ تو کھلاتا ہوں لیکن چٹپٹے مسالوں سے مزیدار بنا کر اور کونین کی گولی دیتا ہوں لیکن شکر میں لپیٹ کرتا کہ بجائے ناگواری کے خوشگواری کے ساتھ بہ سہولت حلق سے اتر جائے اکثر دیکھا گیا کہ حضرت والا نے نو تعلیم یافتوں کو خوب کھری کھری سنائیں لیکن ایسے دل آویز عنوان سے کہ وہ لوگ ہنس ہنس کر سنتے رہے اور اثر نیک لیتے رہے۔

مؤتمر الانصار کے جلسہ میں وعظ

مؤتمر الانصار کے جلسہ میں جو بمقام میرٹھ ہوا تھا ایک واعظ صاحب نے جو بہت متشدد تھے انگریزی دانوں کو بہت برا بھلا کہا اور ان کو ملعون تک کہہ ڈالا جوان لوگوں کو بہت ناگوار ہوا۔ اگلے روز حضرت والا کا بیان تھا۔ حضرت والا نے اس تمہید کے بعد کہ مولانا نے بوجہ وقت کی کمی کے جو کچھ فرمایا تھا مجمل فرمایا تھا چونکہ وہ مضمون ضروری ہے اس لیے میں آج اس کی تفصیل عرض کرتا ہوں۔ پھر نو تعلیم یافتوں کے عقائد ملحدانہ اور کفریہ کو بہ تفصیل و

تشریح بیان فرما کر فرمایا کہ اب میں خود آپ صاحبوں ہی پر اس کا فیصلہ چھوڑتا ہوں کہ جس کے ایسے ایسے عقائد اور اعمال ہوں اس کے بارہ میں شریعت مقدسہ کو سامنے رکھ کر آپ کیا حکم دیتے ہیں۔ غرض حضرت والا نے بھی ان لوگوں کو وہی کہا بلکہ اس سے بڑھ کر جو ان واعظ صاحب نے کہا تھا لیکن اس لطافت کے ساتھ کہ ذرا ناگوار نہ ہوا بلکہ انہوں نے بزبان حال خود تسلیم کر لیا کہ واقعی ہم لوگ ایسے ہی ہیں۔ کہا سب کچھ لیکن کوئی موحش لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ پھر ان صاحبوں کو دفع شبہات و درستی عقائد و اعمال کا نہایت سہل اور معقول طریق عمل بھی بتلایا اور فرمایا کہ اگر آپ واقعی اپنی اصلاح چاہتے ہیں تو آپ جس کو محقق سمجھتے ہوں اس کے پاس جا کر کم از کم چالیس روز اس کے مہمان رہیں لیکن خاموشی کے ساتھ۔ ہاں ایک بار تو آپ اپنے کل شبہات کی تقریر لکھ کر دے دیں پھر وقتاً فوقتاً جو باتیں مجلس میں ہوتی رہیں ان کو بلا ردوکد سنتے رہیں۔ اور بعد کو تنہائی میں غور کرتے رہیں۔ میں اللہ کے بھروسے سے وعدہ بلکہ دعویٰ کرتا ہوں کہ اس مدت میں بایں تدبیر انشاء اللہ تعالیٰ شبہات دور ہو کر کم از کم عقائد تو بالکل درست ہو جائیں گے۔ پھر جب عقائد درست ہو گئے تو ان کی برکت سے رفتہ رفتہ اعمال بھی انشاء اللہ تعالیٰ درست ہو جائیں گے۔

یہ سن کر ان لوگوں نے آپس میں کہا کہ یہ شخص تو مشاہدہ کرا دینے کا دعویٰ کر رہا ہے اس کی تردید کی تو کوئی صورت ہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے کہنے کے مطابق تجربہ نہ کر لیا جائے۔ اور سچ یہ ہے کہ ان کا قول جی کو تو لگتا ہے کہ ضرور ایسا ہی ہو جائے گا جیسا یہ دعویٰ کر رہے ہیں۔ بلا تجربہ کیے ہمارے پاس ابھی کوئی دلیل بھی تو تردید کی نہیں۔

شانِ تحقیق

لاہور میں کوئی خاص جلسہ تھا جس میں بڑے بڑے علماء مدعو کیے گئے تھے۔ وہاں جواز و عدم جواز سود کی بحث چھڑ گئی جب حضرت والا پہنچے تو مولانا سلیمان صاحب پھلواری نے علماء کی مجلس میں بے ساختہ فرمایا کہ بس اب جو بات حق ہو گی وہ معلوم ہو جائے گی اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔ اھ۔ واقعی بالکل ٹھیک فرمایا حضرت والا کی شان تحقیق بالکل ایسی ہی ہے۔

کانپور کے قیام کے زمانہ میں جب حضرت والا نے یہ دیکھا کہ اہل سنت والجماعت بھی

اہل تشیع کی مجالس عزا میں جاجا کر شہادت کے واقعات سننے کے عادی ہو رہے ہیں تو حضرت والا نے محرم کے عشرہ اول میں روزانہ بالترتیب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے واقعات وفات بیان فرمانا شروع کر دیئے تا کہ اس ہیئت میں اہل عزا کے ساتھ تشبہ نہ رہے۔ پھر تو ایسی دلچسپی بڑھی کہ شیعوں کی مجلسیں بھی پھیکی پڑ گئیں اور لوگ بجائے وہاں جانے کے یہاں آنے لگے اور نہ صرف سنی بلکہ شیعہ بھی کثرت سے آتے اور بہت متاثر ہوتے یہاں تک کہ اول تینوں خلفاء کے واقعات وفات سن کر بھی خوب روئے لیکن جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ شہادت بیان فرمایا تو قصداً ایسے سیدھے سادے اور متین الفاظ استعمال فرمائے کہ باوجود نہایت درد انگیز واقعہ ہونے کے ایک آنسو بھی کسی کی آنکھ سے نہ نکلا۔ لوگ حیرت کرتے تھے۔ حضرت والا اپنے ان بیانات کے اندر لطیف پیرایہ میں اہل تشیع کے عقائد کا رد بھی فرماتے تھے لیکن ان کو ناگوار نہ ہوتا تھا بلکہ آآ کر نہایت شوق سے سنتے تھے۔ البتہ بعد بیان کے یہ کہتے کہ مولانا چٹکیاں لیتے ہیں۔

چنانچہ ایک بار خلافت کی ذمہ داریوں اور دشواریوں کا بیان کر کے فرمایا کہ شیعہ صاحبوں کو حضرات خلفائے ثلثہ کا ممنون ہونا چاہیے کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ۲۴ سال تک راحت میں رکھا ورنہ بجائے ۶ سال کے ۳۰ سال تک مصیبت بھگتنی پڑتی کیونکہ شروع خلافت سے تیس سال تک حضرت علی رضی اللہ عنہ زندہ رہے۔ جس میں صرف چھ سال خود خلیفہ رہے حضرت والا کے اس قسم کے بیانات کو سن سن کر کئی شیعہ تو قریب قریب سنی ہو گئے۔

نماز کے متعلق وعظ

کانپور کے قیام کے زمانہ میں بھی حضرت والا نے بڑے بڑے معرکۃ الآراء اور چھ چھ، سات سات گھنٹہ کے وعظ کھڑے ہو کر فرمائے اور ایک بار مسلسل دو ماہ تک محلہ محلہ صرف نماز ہی کے متعلق بیانات ہوتے رہے جن کا یہ اثر ہوا کہ مسجدوں میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جگہ باقی نہ رہی اور نماز کا اتنا شوق بڑھا کہ یکہ والے اپنی سواریوں سے پوچھ پوچھ کر نماز یاد کیا کرتے تھے۔ اس زمانہ کے وعظوں میں بہت دقیق دقیق مسائل علمیہ کی نہایت بلیغ بلیغ تقریریں بھی ہوتی تھیں جن کا سمجھنا بھی مشکل ہوتا تھا۔

مضامین اور الفاظ و تراکیب

آمد مضامین کی یہ کیفیت تھی کہ جناب مولانا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب فرماتے ہیں کہ احقر نے خود ایک حدیث کا بیان کم از کم پچاس دفعہ سنا ہوگا لیکن کبھی مضامین مکرر نہیں ہوئے۔ افسوس ہے کہ اس وقت تک مواعظ کے قلمبند کیے جانے کا سلسلہ شروع نہ ہوا تھا ورنہ وہ بھی بہت نایاب ذخیرہ ہوتا۔

حضرت والا کے بعض وعظ تو سلیس ہوتے ہیں اور بعض دقیق اور دونوں اپنی اپنی شان میں بے نظیر اور دلپذیر اور کیا بلحاظ الفاظ اور کیا بلحاظ معانی لاجواب اور اس شعر کے پورے پورے مصداق۔

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ می دارد ۔۔۔ برنگ اصحاب صورت را بہ بو ارباب معنی را

(اس کے حُسن کی بہار دل و جان کو تازہ رکھتی ہے، صورت پرستوں کو رنگ سے اور معنی کے متلاشیوں کو خوشبو کے ذریعے)

ہمیشہ دیکھا گیا ہے کہ حضرت والا کے وعظ میں ہر مذاق کے لوگ شریک ہوتے اور نہایت دلچسپی کے ساتھ گھنٹوں بیٹھے سنتے رہتے۔ بڑے بڑے زباندانوں کو بھی جن میں ایک بڑے شاعر اور غالب کے شاگرد بھی تھے۔ یہ حیرت کہتے ہوئے سنا ہے کہ یہ الفاظ مولانا کو نہ جانے کہاں سے مل جاتے ہیں اور ایک پرانے بزرگ شاعر نے حضرت والا کے مطبوعہ مواعظ کے لطیف مضامین کو سن کر خود احقر سے فرمایا کہ مولانا تو نثر میں نظم کا لطف پیدا کر دیتے ہیں اور گویا نثر میں شعر فرماتے ہیں۔ الفاظ کی جامعیت برجستگی و شستگی اور حسن کو دیکھ کر ایک صاحب کو فن مختصر نویسی کی تعلیم بھی دلائی گئی تا کہ مواعظ بالفاظہا ضبط کیے جا سکیں لیکن افسوس ہے کہ ان کو اس میں کامیابی نہ ہوئی۔

حلقۂ مشائخ

ایک صاحب دل عاقل نے حضرت والا کے وعظ کا خوب ہی نقشہ کھینچا۔ فرمایا کہ حضرت کا وعظ کیا ہوتا ہے۔ حلقہ مشائخ ہوتا ہے۔

غرض حضرت والا کا وعظ بالکل اس ارشاد خداوندی کے مطابق ہوتا ہے۔ اُدْعُ اِلٰی

سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحسنۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ
چنانچہ سلسلہ مواعظ ملقب بہ دعوات عبدیت اسی آیت کے تین اجزاء پر مشتمل ہے یعنی
خطبات موعظت ومقالات حکمت ومجادلات معدلت کہ یہی تین طریق ہیں وعظ بالمعنی الاعم
یعنی تبلیغ کے ایک وعظ بالمعنی الاخص بطریق متعارف دوسرا طریق خطابات خاصہ یعنی
ملفوظات تیسرا حل اشکالات ودفع شبہات۔

آخر عمر کے مواعظ

اب حضرت والا نے وعظ قریب قریب ترک ہی فرما دیا ہے اور اگر کبھی اتفاق ہوتا ہے
تو ہاتھ میں کوئی کتاب لے کر بیان فرماتے ہیں اور کبھی کبھی اس کو دیکھتے جاتے ہیں اور فرمایا
کرتے ہیں کہ اب وہ امنگ ہی نہیں رہی جس کا سبب یہ ہے کہ بفضلہ تعالیٰ ساری ضروری
باتیں بیان کی جا چکی ہیں اور بوجہ زیادت سن ضعف بھی عارض ہوگیا ہے۔اھ۔یہ بھی فرمایا
کرتے ہیں کہ اب لمبی تقریر سے جی الجھتا ہے۔بس اب تو ضرورت کے موافق خطاب
خاص ہی پر اکتفاء کرنا پسند کرتا ہوں اور درحقیقت خطاب خاص ہی زیادہ نافع ہوتا ہے کیونکہ
اس میں سب ضرورت ہی کی باتیں ہوتی ہیں۔اھ۔

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ آخر عمر میں اکثر بزرگوں کا یہی حال ہو جاتا ہے۔بفحوائے
من عرف ربه كل لسانه اعلىٰ الله تعالىٰ درجات عرفانه۔اس کی بہت سی نظیریں
بزرگوں کے تذکروں میں پائی جاتی ہیں۔چنانچہ حضرت والا نے اپنے رسالہ "اماثل الاقوال
والاحوال لافاضل الرجال" طبقات کبریٰ للشعرانیؒ سے تحت عنوان مطلوبية السكوت
اذالم يبق حاجة الى الكلام۔حضرت ابی حمزہ بغدادیؒ کے تذکرہ میں نقل فرمایا ہے۔روی
انه كان حسن الكلام فهتف به هاتف تكلمت فاحسنت بقى عليك ان
تسكت فتحسن فما تكلم بعد ذلك حتىٰ مات۔اھ۔

وعظ تو ہزاروں کی تعداد میں فرمائے لیکن افسوس سب قلمبند نہ ہوئے اور جو قلمبند ہوئے
ان میں سے بھی جواب تک طبع ہو چکے ہیں صرف ۳۱۱ ہیں اور بہت سے ابھی مسودات ہی کی
صورت میں ہیں چونکہ وعظ کہنا اب تقریباً بند ہی فرما دیا ہے اس لیے سخت ضرورت ہے کہ ان کو
بھی جلد صاف کرلیا جائے۔ان شاء اللہ تعالیٰ لکھنے والوں کو توفیق دے۔

باب یازدہم

"سفر"

سفر کے اسباب

حضرت والا کی طبع مبارک فطری طور پر خلوت پسند واقع ہوئی ہے۔ لہذا ہجوم سے بہت گھبراتے ہیں اور سفر میں علاوہ خلل معمولات ہر جگہ ہجوم مشتاقان زیارت مخل یکسوئی ہوتا تھا۔ اس لیے طبع والا ہمیشہ حضر کی طرف مائل اور سفر سے نفور رہی۔ لیکن شرعی ضروریات مثلاً حج بیت اللہ' تبلیغ احکام دین' اصلاح امت' عیادت مرضیٰ وغیرہ کی غرض سے اپنے اوپر تعب جسمانی اور روحانی برداشت فرما کر اور ہر قسم کی زحمتیں اٹھا کر نزدیک و دور کے بہت سے سفر فرمائے جس سے بفضلہ تعالیٰ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو نفع عظیم پہنچا۔ اور مختلف ممالک کے مسلمان جو بوجہ دوری ومعذوری آستانہ مبارک تک نہ پہنچ سکتے تھے وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ایک سچے وارث اور سلف صالحین کے ایک صحیح نمونے کی زیارت سے مشرف' ملفوظات ومواعظ نافعہ سے مستفیض، فیض صحبت سے مستفید اور اسوۂ حسنہ سے بہرہ اندوز ہوئے۔

حضرت کے اسفار کی خصوصیت

علاوہ بریں حضرت والا کا ہر سفر ہمراہیوں کے لیے (جو ہر مقام پر کثرت سے ساتھ ہو لیتے تھے) خصوصاً اور دیگر اشخاص کے لیے عموماً سبق آموز احکام وآداب سفر ہوتا تھا۔ کیونکہ حضرت والا نے خالی الذہن ہو کر کبھی سفر نہیں فرمایا۔ جیسا کہ عام دستور ہے بلکہ ہر موقع پر شریعت مقدسہ کے احکام اور حسن معاشرت کے اصول پر نہ صرف خود نہایت سختی کے ساتھ کاربند رہے بلکہ اپنے سب ہمراہیوں اور ملاقات کرنے والوں کو بھی بڑے اہتمام سے پابند رکھا اور یہ ایک حکیم امت اور مجدد ملت ہی کی امتیازی شان ہو سکتی تھی ورنہ اس دور آزادی اور ابتلاء میں ایسے امور اور ایسے دقائق تقویٰ کی طرف کون توجہ کرتا ہے۔ بالخصوص

جبکہ ان سے سفر کی صعوبتوں میں بھی اضافہ ہو جائے۔ سفر کے صدہا سبق آموز واقعات اور ان کے متعلق اصلاحات کی تفصیل لکھنے کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ اس غرض کے لیے حضرت والا کے مطبوعہ سفرنامہ جات اور ملفوظات حسن العزیز وغیرہ ملاحظہ ہوں جو ایسے مضامین سے لبریز ہیں۔ ان سب کے ملنے کا پتہ اور ضروری تفصیل مضامین ''تالیفات اشرفیہ'' میں مذکور ہے جو سوانح ہذا کے حصہ دوئم کے آخر میں ملحق ہے۔

مشتاقین کی درخواستیں

اطراف و جوانب سے شائقین و طالبین اس کثرت کے ساتھ حضرت والا کی طلبی کی درخواستیں پیش کیا کرتے تھے کہ اگر ان میں سے فیصدی دس بھی منظور فرمالی جایا کرتیں تو سال کے ۳۶۰ دنوں میں سے ایک دن بھی وطن مالوف میں قیام فرمانے کا موقع نہ ملا کرتا۔ بہت ہی اصرار کے بعد اور بہت سے ضروری قیود و شرائط کے ساتھ صرف خاص ہی خاص ضرورت کے موقعوں پر حضرت والا سفر کے لیے آمادہ ہوتے تھے۔

درخواست کی قبولیت کی شرائط

مثلاً نواب صاحب ڈھاکہ جناب معلیٰ القاب سلیم اللہ خاں صاحب مرحوم و مغفور کے بے حد اشتیاق اور اصرار پر بشرائط ذیل سفر ڈھاکہ منظور فرمایا تھا۔

۱۔ کسی قسم کا نقد یا غیر نقد ہدیہ نہ دیا جائے۔

۲۔ قیام کا انتظام ایوان خاص سے جدا ایسی جگہ ہو جہاں عام مسلمان بے تکلف آ جا سکیں۔

۳۔ خود اپنی ملاقات کے لیے کوئی خاص وقت متعین کر لیں جس میں کوئی اور شخص شریک نہ ہوتا کہ جانبین سے بے تکلف افادہ و استفادہ ہو سکے۔

۴۔ کسی خاص مضمون پر وعظ کہنے کی فرمائش نہ کی جائے۔

چونکہ اشتیاق غالب تھا اور فطرت نہایت سلیم تھی۔ اسم بامسمیٰ تھے اس لیے انہوں نے ان سب شرائط کو منظور فرمالیا۔

نواب صاحب نے حضرت والا کا نہایت شاندار استقبال اس پیمانہ پر کرنا چاہا تھا جس

پیمانہ پر وہ ویسرائے کا کیا کرتے تھے۔ مثلاً پلیٹ فارم پر مخملی فرش، راستہ میں جھنڈیاں اور جلوس وغیرہ۔ جب حضرت والا کو نواب صاحب کے چچا صاحب سے یہ معلوم ہوا تو حضرت والا نے یہ جواب دے کر روک دیا کہ یہ خلاف شریعت ہے۔ پھر نواب صاحب نے اس کی اجازت چاہی کہ ایک جم غفیر کے ساتھ استقبال کیا جائے جس میں ان کی ریاست کے عمال اور روساء شہر شامل ہوں اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ ''یہ خلاف طبیعت ہے'' پھر بھی بلا اہتمام اسٹیشن پر بڑا مجمع ہو گیا۔ نواب صاحب نے حضرت والا کو اپنی خاص گاڑی پر سوار کیا اور خود دوسری گاڑی میں سوار ہوئے۔ جب حضرت والا نے ساتھ بیٹھنے کے لیے ارشاد فرمایا تو عذر کر دیا اور لوگوں سے کہا کہ ساتھ بیٹھنا خلاف ادب تھا۔ غایت ادب سے کبھی دسترخوان پر ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی نہیں کھایا اپنی بیگمات سے نئے نئے قسم کے کھانے پکواتے اور خود اپنے ہاتھوں پر پلیٹیں رکھ رکھ کر لاتے اور چونکہ حضرت والا سے بوجہ مناسبت باہمی طبیعت کھل گئی تھی لطف کے ساتھ فرماتے کہ دیکھیے یہ میری چھوٹی بیگم نے آپ کے لیے پکایا ہے۔ پہچانئے کیا چیز ہے؟ مثلاً۔ حضرت والا بھی بے تکلف ہو کر فرماتے کہ کیا کھانے کے لیے پہچاننا بھی شرط ہے؟ جو اس کا مزہ ہے وہ تو پہچاننے پر موقوف نہیں کھانے سے خود حاصل ہو جائے گا اور یہی مقصود ہے لیکن اگر آپ کے نزدیک پہچاننا بھی کھانے کی شرط ہے تو مجھے اس کھانے کی بھی ضرورت نہیں۔ اور ہم تو قصباتی ہیں ہم کیا جانیں آپ کے نوابی کھانے۔ پھر وہ ہر چیز خود ہی بتاتے کہ یہ فلاں چیز ہے اس طرح پکائی جاتی ہے۔

حضرت والا نواب صاحب مرحوم کی تہذیب اور فہم سلیم کی اکثر تعریف فرمایا کرتے ہیں اور ان کی دانشمندی تواضع اور دینداری کے بہت سے دلچسپ واقعات بیان فرمایا کرتے ہیں۔ انہوں نے بیعت کی بھی درخواست کی لیکن حضرت والا نے انکار فرما دیا کیونکہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ایسوں کو مرید کرنے سے کچھ فائدہ نہیں جن کا لحاظ کرنا پڑے۔ مرید ایسے کو کرے جن کو بضرورت اصلاح اگر یہ نہ کہہ سکے کہ تم نالائق ہو تو کم از کم اتنا تو کہہ سکے کہ یہ تمہاری حرکت بڑی نالائق ہے۔ باوجود انکار کے بھی نواب صاحب خطوط میں مدت تک یہ لکھتے رہے۔ ''آپ کا مرید سلیم اللہ'' حضرت والا کے بعد ہی معتقد ہو گئے تھے۔ اللہ

تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت کے سفر کی نوعیت

گو حضرت والا کو سفر سے طبعی اعراض رہتا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو حجۃ اللہ فی الارض بنا کر دنیا میں بھیجا تھا جس کا خود حضرت والا کو بھی علم ضروری کے درجہ میں احساس تھا اس لیے جب مشتاقان وعظ و زیارت کے تقاضے حد سے گزر جاتے تو مجبور ہو کر منظور فرما لیتے اور لمبے لمبے سفر اختیار فرماتے اور جب ایک مرتبہ سفر میں نکلنا ہوتا تو پھر مسلسل درخواستوں کی وجہ سے جگہ جگہ جانا ہوتا اور مہینوں سفر ہی میں گزر جاتے۔ غرض مشیت خداوندی یہی تھی کہ حضرت والا سے دور دراز کے سفر کرائے جائیں اور تبلیغ احکام دینیہ کرا کر اپنے بندوں پر اتمام حجت کیا جائے چنانچہ ایک بار دوران سفر میں حضرت والا نے سفر کے متعلق احقر کے کسی استفسار کے جواب میں عجب کیف کے ساتھ یہ شعر پڑھا۔

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست — می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

(میرا دوست میری گردن میں دھاگہ ڈال کر، جہاں اس کا دل چاہتا ہے مجھے لے جاتا ہے)

پہلا اور آخری سفر

بعد فراغ درسیات حضرت والا کا سب سے پہلا سفر صفر ۱۳۰۱ھ میں ہوا جب آپ مدرس ہو کر کانپور تشریف لے گئے تھے اور سب سے آخری سفر بروایت جناب مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلوی غالباً شوال ۱۳۶۴ھ میں گنگوہ کا ہوا اس درمیان میں بفضلہ تعالیٰ وبعونہ ہندوستان کا کوئی ایسا خطہ باقی نہیں رہا جو حضرت والا کے اقدام میمنت التزام سے مشرف نہ ہو گیا ہو اور جہاں حضرت والا بہ حیثیت حجۃ اللہ فی الارض ہونے کے تبلیغ احکام الٰہیہ فرما کر اتمام حجت نہ فرما چکے ہوں۔ کیا کراچی کیا بمبئی، کیا کلکتہ، کیا رنگون، کیا ڈھاکہ، کیا شملہ، کیا گجرات، کیا ماڑواڑ، کیا لاہور، کیا بہاولپور کیا حیدرآباد دکن، کیا سندھ، کیا گورکھپور کیا اعظم گڑھ، کیا غازی پور، کیا بنارس وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔

ترکِ سفر

اس کے بعد حضرت والا کا اصل رنگ طبیعت جس کو بربناء ضرورت بہ جبر دبا رکھا تھا ظہور پذیر ہوا اور حضرت والا نے سفر بالکلیہ ترک فرما دیا۔ عرصہ سے اس کی تمنا اور فکر تھی کہ سفر منقطع کر دیا جائے چنانچہ اپنے سات عذر بھی ایک ورق پر چھپوا کر شائع کر دیئے تھے لیکن پھر بھی مشتاقوں پر اس کا بھی معتد بہ اثر نہ ہوا کیونکہ وہ ایسے مسکت نہ تھے کہ مشتاقوں کے اشتیاق پر غالب آ سکیں۔ یہ تو ضرور ہوا کہ سفر کم ہو گئے لیکن بالکل منقطع نہ کیے جا سکے اور حضرت والا برابر اس فکر میں رہے کہ کوئی عذر ایسا سمجھ میں آ جائے جو سب کے لیے مسکت ہو مگر کوئی ایسا عذر سمجھ میں نہ آتا تھا جو ان پر حجت ہو سکے۔

بالآخر جب حق تعالیٰ ہی کو حضرت والا کا ایک مدت تک ایک جگہ بٹھانا منظور ہوا جیسا کہ اکثر بزرگوں کے ساتھ اخیر میں یہی معاملہ ہوتا ہے بالخصوص اقطاب وقت کے ساتھ تو غیب سے حضرت والا کو ایک ایسا عذر لاحق ہو گیا جس میں بفضلہ تعالیٰ کوئی تکلیف بھی نہیں اور دوسروں پر حجت قائم کرنے کے درجہ میں نہایت معقول اور قابل قبول ہو۔ وہ یہ کہ حضرت والا کی اتری ہوئی آنت میں جو سالہا سال سے بلا کسی قسم کی تکلیف کے اتری ہوئی حالت میں رہتی تھی یکا یک سخت تکلیف پیدا ہوئی جب کسی تدبیر سے تکلیف رفع نہ ہوئی تو خود بخود حضرت والا کے دل میں یہ آیا کہ اس کو چڑھانا چاہیے چنانچہ اس کو چڑھایا تو وہ باوجود اتنے عرصہ تک اتری ہوئی حالت میں رہنے کے بسہولت چڑھ گئی اور تکلیف فوراً رفع ہو گئی۔ بس اس کے بعد سے ہمیشہ چڑھی ہوئی حالت میں رکھنے سے تو راحت رہتی اور اتر جانے کی حالت میں وہی تکلیف پھر عود کر آتی لہذا کمانی کا استعمال ضروری ہوا۔ لیکن چھینک لینے یا کھانسنے سے یا سخت حرکت سے کمانی بھی ہٹ جاتی اور اس کی فوری ضرورت واقع ہوتی کہ لیٹ کر اس کو چڑھایا جائے۔ بس یہ عذر خوب حضرت والا کے ہاتھ آ گیا فرما دیا کرتے کہ اب میں سفر کیسے کر سکتا ہوں کیونکہ اگر سفر میں ایسا اتفاق پیش آیا تو اسی وقت مجمع کے سامنے لیٹ کر درست کرنا پڑا کرے گا جس کو حیا ہرگز گوارہ نہیں کرتی۔ حضرت والا نے یہ عذر بھی چھپوا کر شائع فرما دیا جس کی نقل آگے کی جاتی ہے۔

عذر سفر

جو مصرع ذیل کا مصداق ہے

از ضعف بہر جا کہ نشستیم وطن شد

(کمزوری کے سبب جس جگہ بیٹھ جائیں وہی وطن ہے)

اکثر احباب کو معلوم ہے کہ آنت اترنے کا عارضہ مجھ کو تیس برس سے زائد عرصہ کا ہے مگر جب تک بدن میں کافی قوت رہی تکلیف کم تھی اب قوت کم ہو جانے سے تیس برس سے زیادہ زمانہ ہوا کہ یہ حالت ہوگئی ہے کہ باوجود یہ کہ ایک سخت کمانی (جس کی سختی بعض اوقات بہت ناگوار ہوتی ہے اور جس کے نتیجے ہوا نہ لگنے سے یا پسینہ آ جانے سے کھال میں دانے بھی پیدا ہو جاتے ہیں جن میں سوزش ہونے لگتی ہے تو ایسی سخت کمانی) ہر وقت لگی رہتی ہے مگر پھر بھی بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ (نمبر۱) کھانسے سے (نمبر۲) دھسک اٹھنے سے (نمبر۳) چھینکنے سے (نمبر۴) پکار کر بولنے سے (نمبر۵) مسلسل بولنے سے (نمبر۶) دیر تک کھڑے رہنے سے (نمبر۷) دور تک چلنے سے آنت اتر آتی ہے۔ بعض دفعہ تو ایک ایک گھنٹہ میں دو دو' تین تین بار اترنے کی نوبت آ جاتی ہے جس کو اگر فوراً ٹھیک نہ کیا جائے تو تکلیف اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ سہار نہیں ہو سکتی اور بعض دفعہ اترتے ہی پیٹ اور سینہ کی رگیں کھنچنے لگتی ہیں جن سے سخت تکلیف ہوتی ہے اور ٹھیک کرنے کے لیے اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ پردہ کے مکان میں لیٹ کر کپڑا ہٹا کر کمانی اتار کر ہاتھ سے دباؤ سے آنت کو چڑھا کر پھر کمانی لگائی جاوے اور ظاہر بات ہے کہ اس مجموعی حالت میں کسی طرح بھی سفر ممکن نہیں اسی بناء پر اطباء اور ڈاکٹروں نے زیادہ چلنے پھرنے کو بلکہ زیادہ دیر کھڑے رہنے کو بھی مضر بتلا رکھا ہے اور خود مجھ کو بھی مضر ہونے کا شب و روز مشاہدہ و تجربہ ہو رہا ہے اس لیے تین سال سے زائد زمانہ ہوا کہ میں نے کوئی چھوٹا یا بڑا سفر نہیں کیا بلکہ اگر کوئی عزیز دوسرے محلّہ میں مر گیا تو بذریعہ رقعہ اس کا پرسہ دے دیا خود نہیں جا سکا اور چونکہ سبب اس کا جھلی کا پھٹ جانا ہے اور قاعدہ کی روح سے اب اس کا جڑنا عادتاً غیر ممکن ہے اس لیے اس عارضہ کے جانے کی آئندہ بھی کوئی امید نہیں۔ چنانچہ متعدد ہندوستانی و بنگالی و یورپین ڈاکٹروں کا اس پر اتفاق ہے کہ بجز آپریشن کے اس کا کوئی علاج نہیں اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ آپریشن اس عمر میں خطرناک ہے۔ یہ سب مجموعی واقعات سفر سے میری دائمی معذوری کو صاف ثابت کر رہے ہیں۔ چونکہ بعض بعض احباب

جنہوں نے اس حالت کا مشاہدہ نہیں کیا اب بھی اپنی تقریبات وغیرہا میں میرے بلانے کی تحریک کیا کرتے ہیں۔ان کی اطلاع کے لیے یہ اعلان شائع کرتا ہوں تا کہ میرے اس قوی عذر پر نظر فرما کر ایسی تحریک نہ فرمائیں ۔ والسلام کتبہ۔ اشرف علی تھانہ بھون فی الیوم العاشر من الشھر الخامس من السنة السابعة من العشرة الخامسة من المائة الثالثة من الالف الثانی من ھجرة من خصه الله تعالیٰ بنزول الثانی. (یعنی ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ)

گو شائقین نے پھر بھی بڑے بڑے زور لگائے لیکن چونکہ حضرت والا قطع سفر کا تہیہ فرما چکے تھے اس لیے ایک پیش نہ گئی اور اب تقریباً دس سال سے سفر بالکل بند ہے اور اب حضرت والا بفضلہ تعالیٰ قطب وقت ہو کر اپنے مرکز ہی پر بیٹھے خلق خدا کو اپنے فیوض و برکات سے بہرہ اندوز کرنے میں پیشتر سے بھی زیادہ مشغول ہیں۔متعنا الله تعالیٰ بطول بقائه.

سفر کی تیاری

حضرت والا جب سفر کا قصد فرماتے تو اول سفر کی مقدار۔اور غرض اور مدت سب میں غور کر کے تہیہ فرماتے اور تمام سفر میں ان کی پابندی فرماتے اور کئی دن پہلے سے دن رات مشغول رہ کر مناسب معاملات کو اتنی مدت کے لیے طے فرما کر روانہ ہوتے تا کہ عین وقت پر عجلت میں کوئی کام نہ رہ جائے یا کوئی ضروری چیز چھوٹ نہ جائے۔

دوران سفر سامان وغیرہ کا خیال

اسی طرح سامان کا بڑا انتظام رکھتے اسٹیشن پر اترتے ہی مصافحہ وغیرہ چھوڑ کر سب سے پہلے سامان کو گنواتے اور جب تک ایک معین شخص کے سپرد نہ کر دیتے بے فکر نہ ہوتے۔ یہ نہیں کہ کوئی چیز کسی نے اٹھالی کوئی چیز کسی نے لے لی۔ ذمہ دار صرف ایک یا دو شخص کو کیا جاتا تھا جائے قیام پر پہنچ کر بھی سب سے پہلے اپنے اسباب کا جائزہ لیتے اور اس کو ٹھکانے لگوا دیتے اور بیت الخلاء بھی پہلے سے معلوم فرما لیتے تا کہ عین وقت پر بالخصوص شب میں دقت واقع نہ ہو۔سواری وغیرہ کا وقت روانگی سے بہت پہلے انتظام فرماتے اور اگر سواری میں توقف ہوتا تو پاپیادہ چل کھڑے ہوتے اس پر لوگ عجلت کر کے سواری لاتے اور راستہ سے حضرت والا کو بٹھا لیتے۔یہی مصلحت چل کھڑے ہونے میں ہوتی تھی۔

گھر سے رابطہ

جتنے دن سفر کے لیے تجویز فرماتے اتنے دن کے لیے ڈاک کا انتظام پہلے فرما لیتے۔ ہر جگہ سے مکان کو برابر خطوط روانہ فرماتے رہتے تاکہ گھر پر کسی کو تشویش نہ ہو۔ نیز ان مہمانوں کو اطلاع ہوتی رہے جو حضرت والا کی عدم موجودگی میں تشریف لائے ہوں۔ خطوط کے جوابات اور تصنیف کا کام بھی سفر میں برابر جاری رہتا حتیٰ کہ چلتی ریل میں بھی تصنیف کا کام جاری رکھتے۔ اگر ضرورت ہوتی تو ایک خادم اور کاتب وعظ بھی ساتھ لے لیتے۔

سفر میں سادگی

سادگی اس قدر کہ جس درجہ میں ریل کے بیٹھ گئے بیٹھ گئے کچھ پرواہ نہیں کی بلکہ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ تیسرے درجہ میں جو لطف اور آرام ہے وہ بڑے درجوں میں نہیں کیونکہ تیسرے درجہ والے تو خود ہمارا لحاظ کرتے ہیں اور بڑے درجہ والے اپنی اینٹھ مروڑھی میں رہتے ہیں وہ تو کیا لحاظ کرتے الٹا ہمیں ان کا لحاظ کرنا پڑتا ہے کہ بے تکلف ہنس بول بھی نہیں سکتے۔

ایک مرتبہ سہارنپور سے ریاست رامپور تشریف لئے جارہے تھے۔ وہاں قادیانیوں سے علماء اہل حق کا مناظرہ تھا محض اپنے مجمع کی رعایت سے اور صرف شرکت کے لیے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کی معیت میں تھے۔ ٹکٹ درمیانہ درجہ کا تھا لیکن ریل میں ایک خالی درجہ پر نظر پڑی تو سب اسی میں بیٹھ گئے کسی نے کہا کہ یہ تو تیسرا درجہ ہے تو حضرت والا نے فرمایا اجی مقصود تو آسائش ہے اور یہ درجہ خالی مل گیا ہے ڈیوڑھے میں اس سے زیادہ کیا آسائش ہوگی چنانچہ اسی میں سفر فرمایا۔ نواب صاحب ڈھاکہ نے کرایہ کافی بھیجا تھا جس سے بڑے درجہ میں سفر ممکن تھا لیکن تیسرے درجہ میں سفر فرما کر بقیہ رقم وطن واپس پہنچ کر حسب معمول واپس فرمادی۔ مگر واپسی کی صورت میں نواب صاحب کے احترام کا لحاظ کرکے یہ تغیر کی کہ اس بقیہ رقم سے ٹین کی چادریں خرید کر مسجد میں وضوخانہ کا سائبان بنوا کر نواب صاحب کو اطلاع کردی کیونکہ روپیہ واپس کرنا ان کے احترام کے خلاف تھا اور واپس نہ کرنا اپنی وضع کے خلاف تھا۔

نظامِ اوقات کی پابندی

سفر کے متعلق جو نظام اوقات قرار پاجاتا اس کی پوری پابندی فرماتے۔ ایک مرتبہ کانپور سے

تھانہ بھون تشریف لا رہے تھے راستہ میں ایک خادم نے بالحاح عرض کیا کہ ایک دن کے واسطے خورجہ میں اتر لیں۔ فرمایا کہ مظفر نگر سواری کو لکھ چکا ہوں اگر وقت پر نہ پہنچوں گا تو وہاں بے حد تشویش ہوگی کیونکہ بفضلہٖ کبھی آج تک ایسا نہیں ہوا کہ میں حسب اطلاع وعدہ پر نہ پہنچا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تار دیدوں فرمایا نہیں۔ بدنظمی پھر بھی باقی رہے گی کیونکہ گاڑی کرایہ کی آئی ہوگی نہ معلوم وہ ٹھہرے یا نہ ٹھہرے پھر دوسری گاڑی مل سکے یا نہ مل سکے غرض بڑا خلل واقع ہوگا پھر اطلاع کے بعد وقت پر نہ پہنچنے میں کچھ نہ کچھ مایوسی اور حسرت تو ضرور ہی رہتی ہے ہاں اگر خط لکھنے سے پہلے کہتے تو ممکن تھا۔

سفر کا سامان

حضرت والا اپنے ساتھ صرف ضروری سامان لیتے تھے اور ایک دن پہلے سب سامان درست فرما لیتے تھے تاکہ عین وقت پر دقت نہ ہو یا کوئی چیز ضرورت کی بھول نہ جائیں۔ قلیوں سے اجرت طے کرا کے پھر اسباب اٹھواتے کیونکہ ریلوے کی مقرر کردہ اجرت پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ اگر سامان کے وزن کی زیادتی کا احتمال ہوتا تو فوراً تلواتے اور زیادتی کا محصول ادا کرتے۔

سامان کے کرایہ میں احتیاط

ایک مرتبہ سہارنپور سے کانپور تشریف لے جا رہے تھے۔ کچھ گنّے ساتھ تھے بغرض ادائیگی محصول ان کو اسٹیشن پر تلوانا چاہا تو کسی نے تولے نہیں بلکہ ازراہ عقیدت غیر مسلم ملازمین ریلوے نے بھی یہ کہہ دیا کہ آپ یوں ہی لے جایئے تلوانے کی ضرورت نہیں ہم گارڈ سے کہہ دیں گے حضرت والا نے فرمایا یہ گارڈ کہاں تک جائے گا کہا گیا کہ غازی آباد تک فرمایا غازی آباد سے آگے کیا ہوگا؟ کہا گیا یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہہ دے گا۔ حضرت والا نے فرمایا پھر آگے کیا ہوگا بس وہ کانپور تک پہنچا دے گا اور وہاں آپ کا سفر ختم ہو جائے گا۔ حضرت والا نے اس پر فرمایا کہ نہیں وہاں سفر ختم نہ ہوگا بلکہ آگے ایک اور سفر آخرت کا بھی ہے وہاں کا انتظام کیا ہوگا؟ یہ سن کر سب دنگ رہ گئے اور بے حد متاثر ہوئے۔ بہت سے اور بھی تعلیم یافتہ ہندو بابو وغیرہ کھڑے تھے سب آپس میں کہنے لگے کہ ایسے بھی خدا کے ایمان دار بندے موجود ہیں جو اس قدر احتیاط کرتے ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں۔

حضرت والا کے منتسبین پر قریب کے ریل والوں کو اتنا اعتماد ہو گیا ہے کہ جب کوئی صاحب ثقہ صورت تھانہ بھون آتے ہوئے ملتے ہیں تو ان کے اسباب کو تلوانے کے لیے روکتے ٹوکتے نہیں اور جزم کے ساتھ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تھانہ بھون والے مولانا صاحب کے

پاس جارہے ہیں وہاں جانے والے بلا اسباب تلوائے سفر نہیں کیا کرتے۔

کرایہ کے متعلق ایک طالب علم کی اصلاح

ایک مرتبہ ایک طالب علم حضرت والا کی زیارت کے لیے تھانہ بھون آئے تھے مگر حضرت والا سفر میں تشریف لئے جارہے تھے۔ لہذا اسٹیشن پر ملاقات ہوئی۔ چونکہ وقت بہت تنگ تھا اس لیے وہ طالب علم گارڈ سے کہہ کر بلا ٹکٹ سوار ہوئے دوسرے اسٹیشن یعنی نانوتہ پر ٹکٹ لیا گیا جب وہ نانوتہ تک کا کرایہ گارڈ کو دینے لگے تو اس نے کہا کہ تم غریب آدمی ہو یہاں تک کے ٹکٹ کی ضرورت نہیں جاؤ۔ جب حضرت والا سے آکر انہوں نے یہ واقعہ نقل کیا تو فرمایا کہ گارڈ ریلوے کمپنی کا ملازم ہے ریل کا مالک نہیں۔ اس لیے یہاں تک کا کرایہ بہر حال تمہارے ذمہ واجب الادا ہے اب یہ کرنا کہ اتنے داموں کا کوئی ٹکٹ اسی لین کا خرید کر پھاڑ دینا اس طرح دام کمپنی کو پہنچ جائیں گے اور تم حق العباد سے بری الذمہ ہوجاؤ گے۔

ایک آریہ مبلغ سے گفتگو

ایک آریہ مبلغ انگریزی داں بھی اسی ڈبہ میں بیٹھا ہوا تھا وہ بولا کہ صاحب میں اب آپ سے اپنے دل کی ایک چوری ظاہر کرتا ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ جب انہوں نے آکر یہ بیان کیا کہ گارڈ نے ان کو یہاں تک کا کرایہ معاف کردیا تو مجھے خوشی ہوئی کہ اچھا ہے ایک غریب آدمی کا بھلا ہوگیا لیکن اب آپ کی تقریر سن کر مجھے یہ معلوم ہوا کہ میری وہ خوشی بے ایمانی کی خوشی تھی۔

اس آریہ کے اور بھی کچھ ہندو ساتھی تھے ان میں سے ایک بولا کہ ان لوگوں کی باتوں کی طرف دل کوکشش ہوتی ہے۔ دوسرا بولا کہ یہ حق پر ہونے کی دلیل ہے۔ یہ سچے لوگ ہیں اسی لیے ان کی باتوں میں بھی اثر ہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس آریہ مبلغ نے حضرت والا سے عرض کیا کہ کیا میں ایک بات دریافت کرسکتا ہوں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ جی ہاں فرمایئے۔ اس نے کہا کہ دو شخص ہیں ان میں ایک مسلم ہے اور ایک غیر مسلم دونوں نے کوئی نیک عمل کیا اور دونوں نے اچھی ہی نیت سے کیا اس عمل کا اجر دونوں کو یکساں ملے گا یا کچھ تفاوت ہوگا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ سوال آپ کی دانشمندی اور تہذیب سے نہایت بعید ہے کیونکہ یہ آپ نے ایسا سوال کیا ہے کہ جس کا جواب آپ کے ذہن میں پہلے سے موجود ہے اس نے کہا یہ آپ کو کیسے

معلوم ہوا کہ اس کا جواب میرے ذہن میں موجود ہے۔ فرمایا کہ جب اس جواب کے سب مقدمات آپ کے ذہن میں موجود ہیں تو وہ جواب بھی موجود ہے کیونکہ جب ملزوم موجود ہے تو لازم کا وجود بھی ضروری ہے۔ اس نے کہا کہ یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ مقدمات میرے ذہن میں موجود ہیں۔ فرمایا کہ لیجئے میں آپ ہی کے منہ سے ان مقدمات کے موجود فی الذہن ہونے کا اقرار کرائے لیتا ہوں کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ مختلف مذاہب میں حق مذہب تو ایک ہی ہوسکتا ہے اور اس وقت اس کی بحث نہیں کہ حق مذہب کونسا ہے اس نے کہا کہ بے شک حق تو ایک ہی مذہب ہوسکتا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ایک مقدمہ تو یہ ہوا جو آپ کے ذہن میں پہلے سے موجود ہے۔ دوسری بات میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا مذہب حق والے کی مثال مطیع سلطنت کی سی ہے اور باطل والے کی مثال باغی سلطنت کی سی نہیں۔ اس کا بھی اس آریہ نے اقرار کیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ دوسرا مقدمہ ہوا جس کو آپ نے تسلیم کرلیا۔ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ کیا باغی کے سارے کمالات محض اس وجہ سے کہ وہ باغی ہے نظرانداز نہیں کردیئے جاتے اور کیا باوجود صاحب کمالات ہونے کے اس کو عدالت سے سزا نہیں دے دی جاتی اور کیا وہ سزا عقل وانصاف کے خلاف ہوتی ہے؟ اس نے ان سب باتوں کا بھی اقرار کیا۔ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ بس جب یہ تینوں مقدمات آپ کے ذہن میں پہلے سے موجود ہیں تو ان کا نتیجہ بھی ضرور آپ کے ذہن میں ہے اور وہی جواب ہے آپ کے سوال کا۔ تو ایسی حالت میں آپ کے سوال کا صاف یہ مطلب ہوا کہ میں اپنے منہ سے آپ کو کافر کہوں؟ سو ہمیں ہماری شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ بلاضرورت ہم کسی کو کافر کہیں۔ اس آریہ نے خوش ہوکر کہا کہ واقعی مجھے اسی کا شوق تھا کہ میں اپنے بارہ میں آپ کے منہ سے یہ لفظ سنوں۔ ایسے منہ سے اپنے بارہ میں کافر کا لفظ سننے میں بھی مزہ ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ خیر یہ آپ کے لیے تو خوبی ہے لیکن میرے لیے سخت بدنما بات ہے۔ اھ۔

غرض وہ حضرت والا کی اس مہذب اور معقول گفتگو سے بہت ہی مسرور ہوا اور نام اور وطن پوچھا اور معلوم ہونے کے بعد کہا کہ میں تو تھانہ بھون کے آریہ سماج میں لیکچر دینے کے لیے اکثر آیا کرتا ہوں اب کی مرتبہ آؤں گا تو آپ سے ضرور ملوں گا۔

چونکہ حضرت والا کو سفر میں ہر خیال کے لوگوں سے سابقہ پڑتا تھا اس لیے اس قسم کے چھوٹے چھوٹے مناظرے اکثر ہوتے رہتے تھے اور حضرت والا ہمیشہ دو چار باتوں میں ہی بند فرمادیتے تھے۔

پروفیسر صاحب کی خاموشی

مولوی ذکاء اللہ صاحب مرحوم سے جو ریاضی کے پروفیسر تھے اور مشہور اہل قلم تھے دہلی میں ملاقات ہوئی۔ انہوں نے حضرت والا سے پوچھا کہ آپ کے مدرسہ میں طلبہ کو کچھ لیاقت بھی پیدا ہوتی ہے؟ حضرت والا نے پوچھا کہ پہلے مجھے لیاقت کا مفہوم معلوم ہو جائے تو جواب دوں۔ بس یہ سن کر وہ چپ ہو گئے کیونکہ سمجھے کہ اگر جواب دوں گا تو لیاقت کے مفہوم کا مدعی بن کر ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا۔ بولوں گا تو جھگڑا ہو گا اور پھر جان چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔

ہندو مسافروں کے تاثرات

ایک بار ریل کے سفر میں ایک ہندو نے جو بڑا آدمی معلوم ہوتا تھا اور حضرت والا کے ڈبہ میں بیٹھا تھا بہت محبت سے پوچھا کہ تمہاری آنکھوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کچھ کام کرتے ہو (یعنی ذکر و شغل) ایک بار حضرت والا رفقاء کے کہنے سے ریل کے اس ڈبہ سے جس میں بیٹھے ہوئے تھے کسی اور ڈبہ میں تشریف لے جانے لگے جہاں غالباً جگہ زیادہ فراخ تھی تو اس ڈبہ میں جو ہندو بیٹھے ہوئے تھے افسوس کے ساتھ کہنے لگے کہ اجی آپ کی وجہ سے تو یہاں نور ہی نور تھا آپ اپنے ساتھ نور کو بھی لے چلے۔

نواب رامپور کا تاثر

قادیانیوں کے مناظرہ میں جس کو نواب صاحب رامپور نے منعقد کیا تھا بہت سے اکابر علماء تشریف لے گئے تھے۔ اپنے حضرات کے اصرار سے حضرت والا نے بھی بادل ناخواستہ شرکت فرمائی۔ روزانہ ایک بار نواب صاحب کے پاس بھی سب علماء کو جانا پڑتا۔ حضرت والا بھی تشریف لے جاتے لیکن بہت فاصلہ پر نظریں نیچی کئے ہوئے خاموش بیٹھے رہتے۔ نواب صاحب نے بعد کو اپنے ایک مصاحب سے پوچھا کہ یہ کون صاحب تھے جو گردن جھکائے خاموش بیٹھے رہتے تھے یہ کوئی صاحب اثر شخص معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان کی طرف خواہ مخواہ قلب کو کشش ہوتی تھی۔ نواب صاحب کا یہ قول خود ان مصاحب نے حضرت والا سے نقل کیا تھا کیونکہ وہ حضرت والا کے بھی ملنے والے تھے۔

اسی سفر رامپور میں جب بوقت واپسی نواب صاحب نے کرایہ میں کچھ زیادہ رقم دینی

چاہی تو حضرت والا نے بواسطہ پیام کے یہ کہہ کر واپس فرما دی کہ ریاست کو بیت المال میں سے زائد از ضرورت صرف کرنے کا شرعاً اختیار حاصل نہیں ہے۔

شاندار و پرکشش سراپا

دیوبند کے بڑے جلسہ میں وعظ میں بیٹھا ایک شخص جو غالباً سرحدی تھا اور خود احقر کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا بڑے مزے لے لے کر یہ کہہ رہا تھا کہ ارے مولوی تجھے اللہ سلامت رکھے ہم تو بس اتنی دور سے یہ تیری صورت ہی دیکھنے آئے تھے۔ اس قسم کے صدہا واقعات حضرت والا کی محبوبیت عامہ کے ہیں کہاں تک بیان کیے جائیں۔ حضرت والا سفر میں جس طرف نکل جاتے تھے سب کی نظریں بے اختیار اٹھ جاتی تھیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو انگریز ہوں یا پارسی متقی ہوں یا فساق وفجار۔

حضرت والا کا شاندار سراپا دیکھ کر بعض کابلیوں نے اپنی ولایتی اردو میں کہا کہ مولانا صاحب آپ تو کابلی معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میں خود تو کابلی نہیں مگر ہاں میرے اجداد ضرور کابلی تھے۔ اھ۔ اور یہ ایک ناقابل انکار مشاہدہ ہے کہ حضرت والا کا شاہانہ چہرہ مبارک اور نورانی صورت مقدس ہزاروں کے مجمع میں بھی حضرت والا ہی کو ممتاز بنا کر رکھتی ہے۔ میرے ایک خواجہ تاش دوست نے حضرت والا کی شان میں بحالت خواب ایک شعر تصنیف کیا تھا اور وہ ان کو بعد بیداری بھی یاد رہا۔ میں تو اس شعر کو الہامی شعر سمجھتا ہوں کیونکہ حضرت والا پر حرف بحرف صادق آتا ہے۔ وہ شعر یہ ہے۔

کب کوئی ثانی ہے تیرا لاجواب ایسا تو ہو
چن لیا لاکھوں میں تجھ کو انتخاب ایسا تو ہو

ایک مشہور صاحب فضل وکمال نو تعلیم یافتہ فلسفی نے بھی ایک بار حضرت والا کی شان میں حالی مرحوم کا یہ مصرع لکھا۔ ع

عالم میں تم سے لاکھ سہی تم مگر کہاں

اب اس داستان جمال وکمال کو حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر پر ختم کر کے اصل مقصود کی طرف عود کرتا ہوں۔

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام   بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

(میں جہان کے سارے ملکوں میں گھوما ہوں، میں نے بہت حسین دیکھے ہیں مگر تم کوئی اور چیز ہو)

میزبان کی راحت کا خیال کرنا

حضرت والا جہاں قیام فرماتے۔ میزبان پر کسی قسم کا بار ڈالنا پسند نہ فرماتے۔ نہ کبھی کوئی فرمائش کرتے۔ بلکہ پر تکلف دعوت سے اس قدر خوش نہ ہوتے جس قدر سادہ اور معمولی کھانوں سے خوش ہوتے۔ اعظم گڑھ میں یہ دستور تھا کہ حضرت والا کے ساتھ ایک جم غفیر کی دعوت کرتے جس سے میزبان پر بہت بار پڑتا اس کا انسداد اس طرح فرمایا کہ جو شخص دعوت کرتا یہ قید لگا دیتے کہ میں تنہا کھاؤں گا اور محض خشکہ اور ارہر کی دال کھاؤں گا کیونکہ یہاں بیلن کی روٹیوں کا دستور ہے جو زراسخت ہوتی ہیں اور مجھے موافق نہیں آتیں۔

غیر شرعی رسوم کی اصلاح

اسی طرح سفر بنگال میں وہاں کے اس دستور کو کہ لوگ آآ کر پاؤں چھوتے تھے اس ترکیب سے بند کیا کہ اول منع فرما دیتے جو اس کے بعد بھی حضرت والا کے پاؤں پکڑتا حضرت والا بھی فوراً اس کے پاؤں پکڑ لیتے اور جب وہ شرمندہ ہو کر روکتا تو فرماتے کہ اگر یہ کوئی اچھی بات ہے تو مجھے اس سے کیوں روکتے ہو اور اگر بری بات ہے تو تم ایسی حرکت کیوں کرتے ہو۔ جہاں دو چار مرتبہ ایسا کیا بس اس کی شہرت ہوگئی اور لوگوں نے اس بیہودہ رسم کو ترک کر دیا۔ ضلع اعظم گڑھ میں دستور تھا کہ چند لوگ آگے آگے ہٹو' بچو کہتے ہوئے چلتے جو کوئی آگے آتا ہوا ہوتا اس کو سامنے سے ہٹا دیتے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ راستہ کسی کی ملک نہیں سب کو چلنے کا برابر حق حاصل ہے۔ یہ حرکت خلاف شرع ہے اس کو چھوڑنا چاہیے۔ ایسا ہرگز نہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ رسم بھی موقوف ہوگئی۔ ایک انگریزی اسکول کے پاس سے ہو کر گزرے تو سب ہندو طلباء اور مدرسین تعظیماً کھڑے ہوگئے۔ یہ دیکھ کر حضرت والا اسکول کے اندر تشریف لے گئے اور نہایت سادگی اور ملاطفت کے ساتھ سب سے ملے اور باتیں کرتے رہے وہ لوگ بہت مسرور ہوئے اور تعجب کرنے لگے کیونکہ وہاں کا یہ دستور تھا کہ علماء ہندوؤں سے بات بھی نہ کرتے تھے اور اگر کوئی علماء کی تعظیم کے لیے نہ اٹھتا تو اس کی اہانت کرتے۔ یہ بھی دستور تھا کہ لوگ پالکی کے ساتھ ساتھ

دائیں بائیں دوڑتے ہوئے چلتے حضرت والا نے منع فرمایا کہ مجھ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ عرض کیا کہ ہم تو محبت سے ایسا کرتے ہیں فرمایا تو پھر مجھے دکھاتے کیوں ہو۔ دائیں بائیں نہ چلو پالکی کے پیچھے چلو جہاں سے مجھ کو نظر نہ آؤ۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد جو حضرت والا نے مڑ کر دیکھا تو کوئی بھی نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ محض دکھلانا ہی مقصود تھا مگر وہ بیچارے کیا کرتے کسی مقتدا نے کبھی ٹوکا ہی نہ تھا بلکہ اس سے اور خوش ہوتے تھے۔

ہدیہ نذرانہ کے بارے میں اصلاح

ایک مقام پر رخصت کے وقت گاؤں کے چودھری نے دو سو روپیہ چندہ جمع کر کے حضرت والا کو نذرانہ دیا لیکن یہ ظاہر نہ کیا کہ رقم سب گاؤں والوں سے جمع کی گئی ہے۔ حضرت والا کو شبہ ہوا کہ اکیلے چودھری صاحب تو اتنی بڑی رقم دینے کی حیثیت نہیں رکھتے ضرور لوگوں سے چندہ جمع کیا گیا ہے لہذا حضرت والا نے سوال کیا کہ یہ اکیلے آپ ہی کی طرف سے ہے یا اس میں اور بھی شریک ہیں جواب ملا کہ اوروں سے بھی لیا گیا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ہدیہ تو محبت کے لیے ہوتا ہے جب دینے والے کو میں نہیں جانتا تو مجھ کو ان کی محبت کیسے ہوگی اس لیے ہر ایک کی رقم اس کو واپس کر دو پھر جس کو دینا ہو ہر ایک خود آ کر الگ الگ اپنے ہاتھ سے مجھے دے تا کہ مجھے بھی تو معلوم ہو کہ یہ میرا محسن ہے اور مجھے اس سے محبت ہو۔ چودھری جی نے عذر کیا کہ آپ تو اب جا رہے ہیں۔ فرمایا کہ میں بہت قریب مقام پر جا رہا ہوں جہاں پہنچنا سب کو آسان ہے جس کو شوق ہو وہاں آ کر ہدیہ دے مگر کسی نے آ کر ایک روپیہ بھی تو نہ دیا۔ محض رسم تھی اور کچھ نہیں پھر معلوم ہوا کہ بعضے علماء جو یہاں آتے ہیں اگر ان کی خدمت نہیں کی جاتی یا نذرانہ کم دیا جاتا ہے تو وہ برا مانتے ہیں۔

حضرت والا اعظم گڑھ کے ان واقعات کو بیان فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے وہاں کی اور رسموں کو تو مٹایا لیکن ایک رسم کے مٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا وہ یہ کہ جب کوئی عالم آتا ہے تو موضع کے اکثر لوگ یہاں تک کہ چھوٹے لڑکے بھی استقبال کے لیے دور تک آتے ہیں اور یہی صورت رخصت کے وقت ہوتی ہے یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اس ضلع

کے لوگوں میں بہت ہی صلاحیت اور دینداری ہے۔ وہاں کے انگریزی خوان بھی خوش عقیدہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیچارے ضرورت معاش ہی کے لیے انگریزی پڑھتے ہیں۔

شفقت و ہمدردی

حضرت والا بہت ہی اصرار کے بعد کہیں کا سفر اختیار فرماتے تھے اور بہت کم درخواستیں شرف قبولیت حاصل کرتی تھیں۔ لیکن اگر کوئی مریض درخواست کرتا تو اس کی درخواست بجز کسی خاص مجبوری کے کبھی مسترد نہ ہوتی۔ ایسے مواقع پر حضرت والا کا قلب مبارک بالکل پگھل جاتا اور یہ شعر پڑھتے ؎

خستگاں را چو طلب باشد و قوت نبود　　　گر تو بیداد کنی شرط مروت نبود

(کمزوروں کو جب طلب ہے اور طاقت نہیں ہے، اب اگر تو ظلم کرے تو یہ مروت کا تقاضا نہیں ہے)

بہت سے مریضوں کی تو یہ آرزو پوری ہوئی کہ حضرت والا کی موجودگی میں ہی دم نکلے بعض مرتبہ بعذر تاخیر سے جانا ہوتا اس میں یہی مصلحت خداوندی ظاہر ہوتی کہ حضرت والا کی موجودگی ہی میں قبل واپسی مریض کا انتقال ہو جاتا اور اس کی یہ دلی آرزو پوری ہو جاتی۔

بریلی میں ایک معزز ذی علم رئیس کی درخواست پر جن کو مرض الموت میں اس درجہ وساوس کا ہجوم تھا کہ انہیں سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہونے لگا تھا۔ حضرت والا فوراً تھانہ بھون سے تکالیف سفر گوارا فرما کر تشریف لے گئے اور ایسی تسلی بخش تقریر فرمائی کہ سب وساوس کافور ہو گئے اور نہایت ہشاش بشاش دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس واقعہ کا مفصل حال باب ''شرف بیعت واستفاضۂ باطنی'' میں بعد تنبیہ متعلق مضمون مسمّٰی بہ الغیبہ فی الہیبہ آئندہ آئے گا۔

غرض جس نے حضرت والا کو بنظر انصاف دیکھا ہے اس پر یہ امروز روشن کی طرح واضح ہے کہ جتنا حضرت والا کے اندر شفقت اور دلسوزی کا مادہ ہے شاید ہی کسی کے اندر ہو لیکن جہاں واقعی اس کی ضرورت اور حاجت ہو وہاں اس کا ظہور ہوتا ہے اور جہاں بغرض اصلاح سیاست کی ضرورت ہو وہاں سیاست ہی شفقت ہے۔ اگر وہاں بھی ظاہر شفقت کا برتاؤ کیا جائے تو وہ صورۃً شفقت ہو گی لیکن معناً عداوت ہے۔

درشتی و نرمی بہم در بہ است   چورگ زن کہ جراح و مرہم نہ است

(سختی و نرمی ملی ہوئی اچھی ہے، جیسے رگ کاٹنے والا چیرتا بھی ہے اور مرہم بھی کرتا ہے)

بعض مواقع پر مریض کی تمنائے زیارت کا اس کے انتقال کے بعد علم ہوتا تو حضرت والا کو نہایت قلق ہوتا اور فرماتے کہ اگر مجھ کو اطلاع ہو جاتی تو ضرور جا کر ان کی اس تمنا کو پوری کرتا۔

حضرت والا کی دلسوزی اور شفقت پر خود حضرت والا کا ارشاد یاد آیا۔ فرمایا کہ میں ویسے تو بہت آزاد و مزاج ہوں لیکن تکلیف کسی دشمن کی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ جہاں کسی کو ذرا سی بھی تکلیف میں دیکھتا ہوں بس یہ جی چاہتا ہے کہ اپنا دل نکال کر اس کے سامنے رکھ دوں۔

سفر کا کوئی مخصوص لباس نہ ہونا

حضرت والا کا سفر میں کوئی خاص لباس نہ ہوتا تھا بلکہ وہی معمولی سادہ لباس جو حضر میں استعمال فرماتے وہی پہنے ہوئے سفر میں تشریف لے جاتے۔ یعنی نہ عبا نہ قبا نہ عمامہ صرف کرتا پائجامہ ٹوپی۔ چنانچہ ایک بار حضرت والا معمولی لباس پہنے ہوئے سفر میں تشریف لے جانے لگے جو اس وقت زیر استعمال تھا۔ جناب بڑی پیرانی صاحبہ مدظلہا نے مشورہ دیا کہ نیا جوڑہ پہن لیا جائے۔ حضرت والا نے فرمایا کیوں کیا کسی کو دکھلانا ہے؟۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ میرا مطلب نہیں۔ بلکہ مصلحت یہی ہے کہ آپ ہمیشہ ایسے لباس میں سفر کیا کریں کہ معتقدین آپ کو دیکھ کر مطمئن ہو جائیں کہ ماشاء اللہ فراخی ہے تنگدستی نہیں ورنہ اگر شکستہ حال دیکھیں گے تو سمجھیں گے کہ آج کل ناداری معلوم ہوتی ہے۔ لہذا خواہ مخواہ ہدایا دینے کا خیال پیدا ہوگا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ نیت تو واقعی بہت اچھی ہے اور ان کے اس قول کو اکثر نہایت تحسین کے ساتھ نقل بھی فرمایا کرتے ہیں لیکن پھر بھی اس مصلحت پر ہمیشہ مذاق فطری ہی غالب رہا اور سفر میں بھی حضر کی طرح اپنا وہی سادہ طرز رکھا۔ چنانچہ ایک بار تھانہ بھون آتے ہوئے سہارنپور کے اسٹیشن پر حضرت والا ریل گاڑی کے انتظار میں پلیٹ فارم پر بیٹھے ہوئے تھے اور سامنے ایک ڈلیا رکھی ہوئی تھی جس میں کھیرے تھے۔ سہارنپور کے کھیرے مشہور ہیں کسی نے ہدیۃً دیئے تھے۔ ایک دیہاتی ادھر سے گزرا تو کیا پوچھتا ہے کہ یہ کھیرے کس بھاؤ دیئے۔ حضرت والا نے نہایت سادگی کے ساتھ جواب دے دیا کہ یہ بکری کے نہیں ہیں۔

کیا آپ مولانا اشرف علی ہیں

اسی طرح ایک بار جب پانی پت سے واپس ہو رہے تھے تو چھوٹی لین پر سوار ہونے کے لیے دہلی سے شاہدرہ جانے والی ریل گاڑی میں سوار ہوئے چونکہ دہلی اطلاع نہیں دی گئی تھی اس لیے کوئی دہلی کا ملنے والا بھی موجود نہ تھا۔ صرف ایک شخص تھے جو پانی پت سے پہنچانے آئے تھے۔ ایک پنجابی صاحب بھی اسی ڈبہ میں بیٹھے ہوئے تھے جس میں حضرت والا سوار ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت والا سے پوچھا کہ آپ کہاں تشریف رکھتے ہیں حضرت والا نے فرمایا تھانہ بھون۔ یہ سن کر انہوں نے بہت اشتیاق سے پوچھا کہ آپ حضرت مولانا اشرف علی صاحب کو بھی جانتے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میرا ہی نام اشرف علی ہے۔ انہوں نے استعجاب کے ساتھ حضرت والا کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور مکرر پوچھا کہ کیا آپ ہی مولانا اشرف علی صاحب ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا اس کا کوئی خاص حلیہ ہے جس کو آپ مجھ پر منطبق نہیں پاتے اس پر وہ خاموش تو ہو گئے لیکن پھر بھی انہیں تسلی نہ ہوئی تردد ہی رہا۔ کیونکہ حضرت والا کی شہرت عامہ سن کر اور تصانیف عالیہ دیکھ کر انہوں نے اپنے ذہن میں یہ خیال جما رکھا ہوگا کہ جب اتنے بڑے عالم ہیں تو بڑی شان سے اور مولویانہ لباس عبا و قبا وجُبّہ و دستار میں رہتے ہوں گے۔ بالخصوص سفر کی حالت کے متعلق تو ان کا یہ خیال ہوگا کہ اگر مولانا ہوتے تو ان کے ساتھ بڑا مجمع ہوتا اور بہت سے خادم ہوتے لیکن ان کے ساتھ تو ایک بھی خادم نہیں۔ گو عموماً سفر میں حضرت والا کے ہمراہ بطور خود بہت سے خدام مختلف مقامات سے ساتھ ہو لیتے تھے اور واقعی بہت حشم و خدم ہوتا تھا لیکن اتفاقاً اس روز بوجہ عدم اطلاع کوئی ساتھ نہ تھا اور لباس بھی معمول بالکل سادہ تھا۔ غرضیکہ حضرت والا کو اس حال میں دیکھ کر ان پنجابی صاحب کو یقین نہ آیا کہ یہ حضرت مولانا ہی ہیں۔ لہذا انہوں نے امتحاناً ایک علمی سوال کیا جس کا حضرت والا نے نہایت معقول اور مدلل مفصل جواب دیا۔ جب انہوں نے حضرت والا کی جامع مانع اور فصیح و بلیغ علمی تقریر سنی تب انہیں یقین آیا کہ ہاں یہی حضرت مولانا اشرف علی صاحب ہیں۔ پھر تو بہت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آئے اور حضرت والا کی زیارت سے بہت مسرور و محظوظ ہوئے۔ جب حضرت

والا شاہدرہ کے اسٹیشن پر اترے تو حضرت والا کا اسباب انہی نے اتارا اور بہت عقیدت مندی کے ساتھ مصافحہ کر کے رخصت کیا۔

میزبان کو تکلیف سے اور ساتھیوں کے ذلت سے بچانا

حضرت والا کا یہ بھی دستور تھا کہ بلا میزبان کی اجازت کے کبھی کسی دوسرے کی دعوت منظور نہ فرماتے نیز یہ معمول بھی تھا کہ اگر حضرت والا کے ساتھ کوئی شخص خواہ اپنا عزیز ہی کیوں نہ ہو جانے کو تیار ہوتا تو فرماتے کہ اپنے کرایہ اور کھانے کا انتظام کر کے چلو بلا درخواست میزبان اس پر کرایہ کا بار ڈالنا یا اس کا کھانا کھانا جائز نہیں بلکہ کچھ رقم اپنے پاس محض اس غرض کے لیے رکھتے کہ اگر کسی مقام سے کوئی نادار معتقد غایت اشتیاق سے حضرت والا کے ہمراہ سفر کرنا چاہے تو اس کی اعانت فرما کر اس کی اس خواہش کو پورا کر سکیں چنانچہ احقر کو اچھی طرح یاد ہے کہ چند شائقین رنگون تک کے لمبے سفر میں حضرت والا کے ذاتی کرایہ سے گئے تھے۔

سب ہمراہیوں سے اپنے کھانے کا خود انتظام کرنے کے لیے فرماتے اور اگر میزبان ان کی بھی دعوت کرنا چاہتا تو میزبان سے فرما دیتے کہ ان سے خود درخواست کیجئے اگر وہ مجھ سے اجازت لیں گے میں دے دوں گا غرض ہر طرح حضرت والا اپنے ہمراہیوں کو ذلت سے بچاتے مگر کسی ساتھی کو بطور خود بلا حضرت والا سے پوچھے میزبان کی درخواست پر بھی دعوت قبول کرنے کی اجازت نہ تھی۔ باقی بے تکلف موقعوں پر حضرت والا بھی تنگی نہ فرماتے بلکہ اجازت دے دیتے ورنہ نہیں۔

اگر کوئی صاحب بلا میزبان کی درخواست کے محض ہمراہی ہونے کی حیثیت سے بے حیا بن کر کھانے بیٹھ جاتے تو سخت زجر و توبیخ کے ساتھ دستر خوان پر سے اٹھا دیئے جاتے۔ جہاں زیادہ تنبیہ کی ضرورت ہوتی سفر میں ساتھ رہنے سے بھی روک دیئے جاتے۔ اگر کوئی میزبان حضرت والا کے ساتھ ہمراہیوں کو بھی ہدیہ دینا چاہتا تو ہرگز اس کی جازت نہ دیتے تا کہ عادت خراب نہ ہو اور طفیلی ہونے کی ذلت سے بچیں اور ایسے مال سے بچیں جو طیب خاطر سے نہ دیا گیا ہو بلکہ محض شرعاً حضوری دیا گیا ہو اور بطور خود تو ہمراہی کو کسی چیز کے قبول کر لینے کی مجال نہ تھی۔

ایک ہمراہی نے ایک اور رفیق سفر بزرگ کے ہمراہیوں کی دیکھا دیکھی ایک عمامہ ہدیۃً لے لیا تھا۔ حضرت والا نے معلوم ہونے پر بذریعہ ڈاک واپس کرایا تا کہ آئندہ کو سبق

ہولیکن چونکہ وہ ان کی ملک ہو چکا تھا اس لیے بعد کو خود اپنا عمامہ جو وہیں سے ہدیۃً ملا تھا ان کو اپنی طرف سے دے دیا تا کہ اس کا بدل ہو جائے۔

ریل میں بھی نماز باجماعت کا اہتمام

حضرت والا کا ساتھ بہت لمبے لمبے سفروں میں بھی ہوا لیکن نماز کی ادائیگی میں کبھی دقت واقع نہیں ہوئی۔ تقریباً ہمیشہ ریل کے ڈبہ کے اندر بھی لمبی لمبی جماعتوں کے ساتھ نمازیں برابر ادا ہوتی رہیں اور اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل شامل حال دیکھا کہ مسافروں کے بڑے بڑے ہجوموں میں بھی حضرت والا کے ڈبہ کے اندر اکثر و بیشتر جگہ خوب فراغت ہی سے رہی اور ہر سفر نہایت اطمینان ہی سے طے ہوا۔

سفر میں راحت واطمینان

حضرت والا کو صدہا سفر کرنے پڑے مگر حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمیشہ نہایت راحت اور اطمینان ہی سے سفر طے ہوئے۔ یوں کبھی کوئی خفیف سی تھوڑی دیر کی وقتی کلفت ہوتی تو اس کا جلدی ہی ایسا تدارک ہو گیا کہ پہلے سے بھی زیادہ راحت مل گئی۔ کسی رفیق سفر سے احقر نے سنا ہے کہ جب حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ مدظلہا کو حضرت والا واپسی حج پر بمبئی سے لاہور لا رہے تھے تو حضرت والا کی ربیبہ سلمہا جو اس وقت بچی تھیں شدت تشنگی سے بیتاب تھیں اور پانی کا اسٹیشن بہت دور تھا۔ سخت پریشانی تھی کہ کیا تدبیر کی جائے کہ یکایک ریل راستہ پر ایسی جگہ رک گئی جہاں نیچے دریا تھا۔ وہاں سے بالٹی میں پانی کھینچ کر بچی کو پلا دیا گیا۔ یہ انعام الٰہی تھا۔

ایک بار ایک مقام پر حضرت والا بلائے ہوئے تشریف لے گئے اسٹیشن پر اتفاق سے کوئی شخص لینے کے لیے وقت پر نہ پہنچا۔ حضرت والا اسٹیشن ہی سے واپس تشریف لے آئے اس کے بعد سے بلانے والوں کے ذمہ یہ بھی کر دیا گیا کہ اپنا ایک آدمی معیت کے لیے بھیج دیں جو برابر ساتھ رہے تا کہ کسی مقام پر کوئی دقت نہ ہو مگر وہ آدمی ایسا معزز نہ ہو جس سے بوقت ضرورت کوئی کام لینے میں حجاب معلوم ہو۔ مخدوم نہ ہو بلکہ خادم ہو یا کوئی بے تکلف دوست ہو چنانچہ پھر ہمیشہ یہی معمول رہا۔ جس سے سفر میں ہر طرح کا اطمینان رہتا۔

پریشانی اور تکلیف سے بچاؤ

یہ بھی حضرت والا کا معمول تھا کہ خواہ زائد خرچ برداشت کرنا پڑتا لیکن کسی سے یہ قرارداد نہ کرتے کہ تم فلاں اسٹیشن پر مل جانا وہاں سے ساتھ ہو جائے گا بلکہ یا تو خود اس کو اپنے مقام روانگی پر بلاتے یا خود اس کے مقام پر پہنچ جاتے اور دونوں ایک جگہ سے ساتھ سفر شروع کرتے۔ اور برابر ساتھ رہتے تاکہ دونوں ایک حال میں رہیں ورنہ اگر قرارداد کی صورت میں کسی کو کوئی عذر پیش آ گیا اور وقت مقررہ پر پہنچنا نہ ہوا تو دونوں کو سخت پریشانی لاحق ہوتی ہے۔

ڈیگ ریاست بھرت پور کے سفر میں زنانی سواریاں ساتھ تھیں۔ ریلوے اسٹیشن متھرا سے گھوڑا گاڑیوں میں جانا تھا۔ زیادہ فاصلہ تھا دیر سے روانہ ہونے میں رات ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ حضرت والا نے ظہر کی نماز میں صرف دو رکعت فرض قصر پر اکتفا کیا اور روانہ ہو گئے۔ سنتیں چھوڑ دیں اور فرمایا کہ سفر میں سنت کا درجہ نفل کا ہو جاتا ہے۔ ضرورت کی حالت میں بالکل حذف کر دینا بھی جائز ہے۔ اور ضرورت کے موقع پر بھی شرعی رخصتوں پر عمل نہ کرنا اپنے اوپر بلاضرورت تعب ڈالنا ہے جو ایک درجہ میں حق تعالیٰ کی ناشکری ہے۔

بہر حال اپنے اصول پر قائم رہنا

حضرت والا نے کبھی کوئی سفر کسی کی وجاہت ظاہری سے متاثر ہو کر نہیں کیا۔ نہ اپنے کسی اصول میں فرق آنے دیا۔ چنانچہ ایک نواب صاحب نے جو ایک نہایت ذی وجاہت اور مقتدر خاندانی رئیس ہیں حضرت والا کی خدمت میں دو سو روپیہ مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کے لیے بھیجے جو زیر سرپرستی ونگرانی حضرت والا خاص خانقاہ ہی کے اندر بلا ادنیٰ تحریک چندہ محض توکل پر قائم ہے اس کے ساتھ ہی انہوں نے حضرت والا کی خدمت میں تشریف آوری کی درخواست بھی پیش کی حضرت والا نے وہ روپے واپس فرما دیئے اور لکھ دیا کہ اگر اس رقم کے ساتھ بلانے کا مضمون نہ ہوتا تو مدرسہ کے لیے روپیہ لے لیا جاتا۔ اب اس اقتران سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ شاید مجھ کو متاثر کرنے کے لیے یہ رقم بھیجی گئی ہو اور آپ کی یہ غرض نہ سہی لیکن میرے اوپر تو طبعی طور پر اس کا یہی اثر ہوگا کہ میں

آزادی کے ساتھ اپنے آنے نہ آنے کے متعلق رائے قائم نہ کرسکوں گا کیونکہ انکار کرتے ہوئے شرم آئے گی۔ اس پر نواب صاحب کا معذرت نامہ آیا اور لکھا کہ آپ کے متنبہ کرنے سے اب یہ معلوم ہوا کہ واقعی یہ مجھ سے سخت بدتہذیبی ہوئی میں اب اپنی درخواست تشریف آوری واپس لیتا ہوں اور روپیہ مکرر ارسال خدمت کرتا ہوں براہ کرم مدرسہ کے لیے قبول فرما لیا جائے۔ حضرت والا نے پھر نہایت خوشی سے قبول فرما لیا اور تحریر فرمایا کہ ابھی تک تو آپ میری ملاقات کے مشتاق تھے اور اب آپ کی تہذیب اور شرافت نے خود مجھ کو آپ کی ملاقات کا مشتاق بنا دیا ہے۔ چنانچہ بعد چندے انہوں نے پھر تحریک کی اور حضرت والا تشریف لے گئے لیکن پھر بھی اس شرط پر کہ کسی قسم کا ہدیہ پیش نہ کیا جائے۔ جب حضرت والا وہاں سے واپس تشریف لانے لگے تو ان کی والدہ صاحبہ نے جو حضرت والا کی پیر بہن ہیں تقریباً سو روپیہ خدمت میں پیش کرنا چاہا۔ اس پر حضرت والا نے خلاف شرط ہونے کا عذر پیش کیا۔ نواب صاحب نے عرض کیا کہ یہ تو والدہ صاحبہ کی طرف سے ہے فرمایا والدہ اور ولد میں کیا فرق ہے۔ گھر تو ایک ہی ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر کسی کا جی ہی خدمت کرنے کو چاہے تو آخر وہ کیا کرے۔ فرمایا کہ میں خانہ بدوش شخص تو ہوں نہیں کہ میرا کوئی ٹھکانا نہ ہو۔ میرے ٹھکانے پر بھی تو تشریف لانا ممکن ہے چونکہ نواب صاحب ماشاء اللہ نہایت عاقل اور مہذب و مؤدب ہیں اور رئیسوں کے ایک پرانے دیندار خاندان کے مایۂ ناز فرد ہیں انہوں نے اصرار نہیں فرمایا ان کی اکثر حضرت والا تعریف فرمایا کرتے ہیں پھر ایک معتد بہ مدت گزر جانے کے بعد تھانہ بھون خود حاضر ہو کر تین گنیاں پیش کیں جو حضرت والا نے نہایت مسرت اور احترام کے ساتھ قبول فرما لیں اور نواب صاحب کی یہ کمال دانشمندی تھی کہ پہلی رقم کی مقدار بھی بدل دی تاکہ محض وضعداری نہ سمجھی جائے اور حضرت والا کے قلب پر بار بھی نہ ہو اور ذہن بھی پچھلے واقعات کی طرف منتقل نہ ہو اور یہ ایک مستقل ہدیہ سمجھا جائے پھر تو نواب صاحب کی اہلیت اور عقیدت کی بناء پر حضرت والا سے ان کے خصوصی تعلقات قائم ہو گئے۔

نوابِ ڈھاکہ کی دعوت کا واقعہ

اسی قسم کے دو واقعے اور یاد آئے۔ ڈھاکہ کے پہلے سفر کے بہت بعد جس کا کچھ اجمالی ذکر اوپر آ چکا ہے کانفرنس کے موقع پر حضرات علماء دیوبند کا وفد بھی ڈھاکہ گیا تھا۔ نواب صاحب نے اس موقع پر بھی حضرت والا کو نہایت اشتیاق کے ساتھ دعوت دی تھی لیکن چونکہ حضرت والا اس قسم کے جلسوں کی شرکت سے بالکلیہ محترز رہتے تھے حضرت والا نے عذر فرما دیا تھا مگر حضرات دیوبند کے اصرار پر حضرت والا کو سفر کرنا ہی پڑا لیکن اس احتمال پر کہ اگر کوئی ناگوار واقعہ پیش آیا تو آزادی کے ساتھ واپس آ سکوں اپنے ذاتی کرایہ سے تشریف لے گئے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کلکتہ میں نواب صاحب کی طرف سے سب حضرات کے قیام وطعام کا انتظام تھا کیونکہ وہاں ہو کر ڈھاکہ جانا ہوتا ہے۔ ایک رئیس صاحب جو نواب صاحب کے دوست تھے مہمانداری کے منتظم تھے انہوں نے حضرت والا سے حضرت والا کی تشریف آوری پر اظہار مسرت کیا اور کہا کہ نواب صاحب کو آپ کی تشریف آوری سے بہت مسرت ہوئی کیونکہ انکار کے بعد مایوسی ہو گئی تھی۔ حضرت والا نے ان سے پوچھا کہ نواب صاحب نے میرے انکار کی کوئی وجہ بھی آپ سے ظاہر کی۔ کہا یہ فرماتے تھے کہ ان کی شرطیں بہت سخت ہیں جن کو قبول نہیں کر سکتے۔ حضرت والا نے پوچھا وہ کونسی شرطیں تھیں کہا ایک تو یہی تھی کہ کوئی ہدیہ پیش نہ کیا جائے۔ (حضرت والا فرماتے تھے کہ ان کو غلط ہو گیا یہ شرط پہلے سفر میں لگائی گئی تھی لیکن اس سے قطع نظر کر کے) فرمایا کہ نہ دینے کی شرط کیا مشکل ہے دینا تو دشوار بھی ہو سکتا ہے۔ نہ دینا کیا مشکل ہے۔ اس پر وہ رئیس صاحب بولے کہ صاحب جس سے محبت ہوتی ہے اس کو تو ہدیہ دینے کے لیے جی چاہتا ہی ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنے محبوب کی خدمت نہ کی جائے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ محبوب کو اپنے گھر ہی بلا بلا کر ہدیہ دیا جائے اگر ایسا ہی شوق ہے تو اس کے گھر جا کر یا گھر بھیج کر بھی تو ہدیہ دیا جا سکتا ہے۔ اس پر وہ صاحب بولے کہ جناب معاف فرمایئے پیاسا کنوئیں کے پاس آتا ہے کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا۔ اس بے ہودگی اور بدتمیزی پر حضرت والا کو سخت ناگواری ہوئی۔ فرمایا اچھا آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ لوگ کنواں ہیں اور ہم پیاسے اور ہمارے دماغ میں یہ سمایا ہوا ہے کہ ہم کنواں ہیں اور

آپ لوگ پیاسے اور اس کی ہمارے پاس دلیل بھی ہے وہ یہ کہ دو چیزیں حاجت کی ہیں دین اور دنیا۔ ان میں سے ایک ہماری حاجت کی چیز تو آپ کے پاس ہے اور ایک آپ کی حاجت کی چیز ہمارے پاس۔ لیکن فرق یہ ہے کہ جو چیز ہماری حاجت کی آپ کے پاس ہے یعنی دنیا وہ تو اللہ تعالیٰ نے بقدر ضرورت ہمیں بھی دے رکھی ہے لیکن جو چیز آپ کی حاجت کے ہمارے پاس ہے یعنی دین وہ آپ کے پاس بقدر ضرورت بھی نہیں لہٰذا آپ ہمارے محتاج ہوئے یا ہم آپ کے اور آپ پیاسے اور ہم کنواں ہوئے یا ہم پیاسے اور آپ کنواں۔ اس پر وہ چپ ہو گئے اور بہت شرمندہ ہوئے۔ حضرت والا کو ان کی یہ بیہودگی نہایت ناگوار ہوئی اور اپنے رفقاء سے ایک لطیف عذر کر کے وہاں سے چلے آئے اور ایک مسجد میں تشریف لے جا کر وہاں کے امام کے پاس مقیم ہو گئے۔ جناب حافظ احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند نے مسجد میں تشریف لا کر ڈھاکہ ساتھ چلنے کے لیے بہت اصرار فرمایا لیکن حضرت والا نے عرض کیا کہ میں تو اب واپسی کا قطعی ارادہ کر چکا ہوں اور پہلی ریل گاڑی میں سوار ہو کر الہ آباد پہنچ گئے کیونکہ واپسی پر وہاں ٹھہرنے کا وعدہ تھا۔ اول تو پہلے ہی سے یہ ڈھاکہ کا سفر حضرت والا کے خلاف طبیعت تھا پھر اوپر سے یہ ناگوار واقعہ بھی راستہ میں پیش آ گیا اس لیے واپسی کا عذر اور بھی قوی ہو گیا اور ع می دہد یزداں مراد متقی۔ کا ظہور ہوا اس وقت حضرت والا کا اپنے کرایہ سے سفر کرنا بہت کام آیا ورنہ بڑی تنگی پیش آتی اور ایسی آزادی کے ساتھ واپس نہ آ سکتے۔ یہی وہ فراست ہے جس کی فضیلت حدیث میں آئی ہے اور جس کے مقابلہ میں کشف کا درجہ بہت متاخر ہے۔ جب نواب صاحب کو خبر پہنچی تو ان کا تار پہنچا لیکن چونکہ حضرت والا واپسی کا عزم فرما چکے تھے اس لیے نہ رکے پھر الہ آباد پہنچ کر تار کا مناسب جواب بھیج دیا۔

جناب اکبر حسین صاحب جج مرحوم و مغفور نے جو حضرت والا سے خاص عقیدت رکھتے تھے اس واپسی پر بہت اظہار مسرت فرمایا۔ کیونکہ ان کو حضرت والا کا اس طرح وفد کے ساتھ امراء کے یہاں جانا بہت گراں تھا۔

ایک رئیسہ کی دعوت کا واقعہ

اسی قسم کا دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ جب دار الطلبہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی مسجد جس کو

تمام وکمال ایک دیندار رئیسہ نے اپنی ہی طرف سے تیار کرایا تھا مکمل ہوگئی تو اس رئیسہ نے اس کے افتتاح کا مدرسہ میں ایک جلسہ منعقد کیا اور اپنی آمد کی تاریخ متعین کر کے مہتمم صاحب کو لکھا اپنے مدرسہ کے سرپرستوں اور دیگر اراکین کو اطلاع کر دیں کہ اس تاریخ پر مدرسہ میں آجائیں۔ مہتمم صاحب نے اس اطلاع کے ساتھ شرکت کی دعوت دی۔ حضرت والا نے شرکت سے انکار فرمادیا اور مہتمم صاحب کو لکھ بھیجا کہ ان کو اس حاکمانہ لہجہ میں بلانے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اس طرح حکمنامہ بھیج کر بلانا خلاف تہذیب ہے' یہ بھی کوئی بلانے کا طریقہ ہے میں نہیں آؤں گا۔ کیا وہ کسی رئیس کو ایسے طریقہ سے دعوت دے سکتی تھیں۔ جناب مہتمم صاحب نے مدرسہ کی مصالح کی بناء پر اصرار فرمایا اور لکھا کہ یہ ان رئیسہ صاحبہ کا فعل نہیں ہے بلکہ ان کے میر منشی کا ہے۔ حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ پھر بھی یہ شکایت ہے کہ اس معاملہ کو بالکل میر منشی ہی پر کیوں چھوڑ دیا گیا۔ مسودہ کو خود دیکھ کر منظوری دیتیں۔ جس طرح حکام کے دعوت ناموں میں اہتمام کیا جاتا ہے اس کے بعد لکھا کہ ان کے بلانے پر تو میں اب نہیں آؤں گا۔ البتہ اگر آپ حکم دیں تو جوتیاں چٹخاتا ہوا سر کے بل حاضر ہوں گا۔ چنانچہ اس شرط پر تشریف لے گئے کہ رئیسہ سے نہ ملوں گا۔ نہ ان سے کوئی گفتگو بلاواسطہ یا بواسطہ کروں گا۔ جناب مہتمم صاحب نے اسی کو بسا غنیمت سمجھا اور تشریف لانے کی درخواست کی حضرت والا تشریف لے گئے اور مدرسہ کے مہمان ہوئے اور بہت پر اثر وعظ ہوا جس میں وہ رئیسہ بھی شریک تھیں۔ اس کے بعد فوراً اسٹیشن پر تشریف لے گئے تاکہ مہتمم صاحب کو یا اپنے حضرات میں سے کسی کو کچھ کہنے سننے اور اصرار کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ یہاں تک کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بے ملے ہی تشریف لے آئے۔ پھر ان رئیسہ صاحبہ نے حضرت والا کے لیے مٹھائی کا حصہ جو انہوں نے تقسیم کی تھی اسٹیشن پر بھیجا اور احتیاطاً یہ کہلا بھیجا کہ یہ مٹھائی عام تقسیم کی نہیں ہے بلکہ خود میرے حصہ کی ہے قبول فرمانے میں پس وپیش نہ فرمائیں۔ بوجہ مزاج شناس ہونے کے انہیں اندیشہ ہوا کہ دماغ دار ہیں کہیں عام تقسیم کی مٹھائی لینے میں بھی تامل ہو۔ بہرحال انہیں یہ تو احساس ہوگیا کہ ملانوں میں بھی دماغ دار ہوسکتے ہیں۔

متکبروں کی اصلاح

غرض حضرت والا کو اس کا بڑا اہتمام ہے کہ اہل علم کی ذلت نہ ہو جن کو آج کل لوگ عموماً خصوص امراء نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں حالانکہ اس کا کوئی حق نہیں اور یہ خلاف تہذیب حرکت ان کو ہرگز زیبا نہیں بالخصوص اس حیثیت سے کہ حضرات علماء کو اللہ تعالیٰ نے حاملان دین اور محافظان اسلام اور ورثۃ الانبیاء بنا کر بڑے مرتبے عطا فرمائے ہیں۔ لہٰذا حضرت والا نے نظر بر حال زمانہ اور بمقتضائے ضرورت وقت اپنا یہ نصب العین قرار دے رکھا ہے کہ متکبروں کو اچھی طرح محسوس کرا دیا جائے کہ۔

مبیں حقیر گدایان عشق را کایں قوم ۔۔۔ شہان بے کمر و خسروان بے کُلہ اند

(عشق کے فقیروں کو حقیر نہ سمجھ، یہ کمر بند و تاج کے بغیر بادشاہ ہیں)

گو بعضے کوڑھ مغز اس کو تکبر پر محمول کریں لیکن بقول حضرت والا تکبر کی بدنامی بہ نسبت تملق کی بدنامی کے لذیذ بدنامی ہے اور آج کل تو بفحوائے التکبر مع المتکبرین عبادۃ۔ اس کی سخت ضرورت بھی ہے۔ کیونکہ اس تمرد اور فرعونیت کے زمانہ میں جبکہ اہل دین کو عموماً نہایت تحقیر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کی اصلاح بھی ایک مجدد وقت کے ذمہ ضروری تھی اور بمصداق ہر فرعونے راموسیٰ۔ اس چودھویں صدی کے لیے ایسا ہی مصلح درکار تھا جس نے بڑے بڑے سرکشوں سے حق کے سامنے سر تسلیم خم کروا دیا۔ اور ان کو صحیح معنوں میں مسلم بنا کر سچے دل سے دین اور اہل دین کی عظمت کو ان سے منوا دیا۔ جب اصلاح ہی کا کام اپنے ذمہ لے رکھا ہے تو پھر بدنامی کا خیال کر کے اپنے فرض منصبی میں کوتاہی کرنا خیانت تھا لیکن چونکہ حفظ مراتب بھی مقاصد شرعیہ میں سے تھے لہٰذا حضرت والا اپنی طرف سے کبھی تہذیب کو ذرا ہاتھ سے نہیں جانے دیتے بلکہ دنیوی ذی وجاہت صاحبان کا بھی ان کے مرتبہ کے مطابق بہت لحاظ فرماتے اور نہایت تہذیب سے پیش آتے ہیں بشرطیکہ ان کی طرف سے کوئی بے عنوانی نہ ہو اور جس سے جو معاملہ فرماتے ہیں یا گرفت فرماتے ہیں بالکل اصول صحیحہ کے موافق حتیٰ کہ دوسرے کو اپنی غلطی کے اقرار کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں رہتا۔ چنانچہ حضرت

والا بہ آواز بلند فرمایا کرتے ہیں کہ جس کو اسلامی تہذیب کے مقابلہ میں تہذیب کا دعویٰ ہو کچھ دن میرے پاس رہ کر دیکھ لے۔ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ خود اسی کے منہ سے کہلوا دوں گا کہ واقعی ہم بد تہذیب ہیں اور حقیقی تہذیب وہی ہے جس کی شریعت مقدسہ نے تعلیم فرمائی ہے۔ چنانچہ جناب حفیظ مرحوم جونپوری جو ایک مشہور شاعر اور شروع میں بہت ہی آزاد تھے حضرت والا سے رجوع کرنے کے بعد اپنے رسالہ موسومہ ''مآل'' میں لکھتے ہیں کہ جب تہذیب کو ہم نے مدت العمر امراء اور بڑے بڑے مہذبین کی صحبتوں میں رہ کر حاصل کیا تھا' تھانہ بھون میں آ کر معلوم ہوا کہ وہ سراسر بدتہذیبی تھی۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے مدعیان تہذیب جدید کے منہ سے بدتہذیبی کا اقرار کرانے میں بڑا حظ ہوتا ہے کیونکہ یہ اپنے مقابلہ میں ہم ملانوں کو بالکل وحشی بدتہذیب ہی سمجھتے ہیں۔ تو اس اقرار میں ان کا تکبر اور دعویٰ شکست ہوتا ہے۔

حفظِ مراتب

حضرت والا نے جب بعض اسلامی ریاستوں میں سفر فرمایا تو سب سے اول لطائف الحیل سے اس کی تدبیر فرمائی کہ والیان ریاست سے ملاقات کی نوبت نہ آنے پائے۔ کیونکہ حضرت والا امراء سے از خود تو ملتے نہیں لیکن جب وہ خود ملنے آتے ہیں تو حضرت والا باوجود انتہائی شان استغناء کے بہ تعمیل ارشاد نبویؐ **نزلوا الناس منازلھم** نہایت اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ نیز دیگر معاملات میں بھی ان کے مراتب کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جب مرحوم نواب صاحب ڈھاکہ نے حضرت والا سے اپنی بچیوں کو بسم اللہ پڑھوائی تو چونکہ حضرت والا نے قبل سفر یہ شرط ٹھہرائی تھی کہ کسی قسم کا ہدیہ نقد یا غیر نقد نہ دیا جائے گا اور نواب صاحب کا جی چاہتا تھا کہ کسی بہانہ سے کچھ خدمت کریں اس لیے نواب صاحب نے تقریب بسم اللہ سے پہلے بذریعہ رقعہ عرض کیا کہ ہمارے خاندان میں قدیم سے یہ رسم چلی آتی ہے کہ بسم اللہ پڑھوانے کی کچھ نقد سے خدمت کی جاتی ہے اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو میری سخت سبکی ہو گی۔ امید ہے کہ آپ میری سبکی کو گوارا نہ فرمائیں گے اور کچھ ہدیہ پیش کرنے کی ضرور اجازت مرحمت فرمائیں گے۔ حضرت والا نے جواب دیا کہ سبکی سے بچنے کی تو ایک بہت سہل صورت

ہوسکتی ہے وہ یہ کہ مجمع میں تو میں آپ سے لیلوں اور خلوت میں آپ کو واپس کردوں۔ اس طرح آپ کی وضع بھی قائم رہے گی اور میری مصلحت بھی محفوظ رہے گی اور یہ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس واپسی کی کبھی عمر بھی کسی کو اطلاع نہ کروں گا۔ اس کو نواب صاحب نے ہرگز گوارا نہ فرمایا اور عرض کیا کہ حضرت میں آپ کی مصلحت پر اپنی وضع کو قربان کرتا ہوں۔

ریاست بہاولپور اور ریاست خیر پور کا واقعہ

اسی طرح ریاست بہاولپور کی طرف سے حضرات علماء کو جو وہاں مدعو کیے گئے تھے جن میں حضرت والا بھی تھے۔ ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ بعنوان خلعت اور پچیس پچیس روپیہ بنام دعوت عطا کیے گئے تھے۔ اس وقت تو حضرت والا نے اس رقم کو دے کر حضرات علماء کے ساتھ بخیال احترام رئیس سب کے سامنے قبول فرمالیا لیکن بعد کو خلوت میں وزیر صاحب سے عذر کیا اس کو مجھ سے واپس لے لیا جائے کیونکہ بیت المال میں سے دیا گیا ہے جس کا میں مصرف نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ اب تو کاغذات میں بھی اندراج ہو چکا اب اس کی واپسی کی کوئی صورت نہیں۔ حضرت والا نے فرمایا خیر اگر خزانہ میں واپسی نہیں ہوسکتی تو اس رقم کو مقامی علماء اور طلباء میں صرف کردیا جائے کیونکہ شرعاً بیت المال کے وہی مصرف قریب ہیں غرض جو کچھ ملا تھا وہ سب حضرت والا نے واپس فرمادیا لیکن نہایت سلیقہ اور بہت خوبصورتی کے ساتھ۔ یہی صورت ریاست خیر پور سندھ میں واقع ہوئی تھی وہاں پر یہ عذر پیش کیا گیا تھا کہ نواب صاحب کو واپسی خلعت ناگوار ہوگی۔ اس پر فرمایا گیا کہ اگر یہ اندیشہ ہے تو ان کو معلوم ہی کیوں کرایا جائے بلکہ جو نقد بہ عنوان خلعت ملا ہے اس کو مساکین میں تقسیم کردیا جائے کیونکہ وہ لوگ اس کا مصرف صحیح ہیں۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ چونکہ بفضلہ تعالیٰ نیت نیک ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے موقعوں پر کوئی ایسی معقول بات سوجھا دیتے ہیں کہ دوسرے کو ماننی ہی پڑتی ہے اور الحمدللہ مجھے کہیں خلاف شریعت یا خلاف طبیعت کرنے پر مجبور نہیں ہونا پڑتا۔

سفر حیدرآباد کا ایک واقعہ

اس پر حضرت والا کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔ حیدر آباد کے سفر میں ایک معمر صاحب علم نے اپنی مستورات کو حضرت والا سے مرید کرانا چاہا۔ انہوں نے اس کی کوشش کی کہ بے پردہ سامنے آنے کی اجازت دے دی جائے لیکن حضرت والا نے منظور نہ فرمایا بالآخر انہوں نے یہ ترکیب کی کہ ان کو برقع میں بٹھلا دیا جب مرید کرنے کے لیے حضرت والا اس مجلس میں بیٹھے تو بڑے میاں بولے کہ منہ کھول دو ان سے کیا پردہ۔ اب حضرت والا بہت تنگ ہوئے لیکن بجائے اس کے کہ حضرت والا بڑے میاں سے قیل وقال کرتے جس میں کامیابی بھی نہ ہو سکتی تھی اور اتنے میں وہ اپنا منہ کھول بھی دیتیں حضرت والا نے فوراً برقع والیوں ہی سے للکار کر کہا کہ خبردار جو منہ کھولا۔ اب بڑے میاں تو کہہ رہے ہیں کہ نہیں جی منہ کھول دو ان سے کیا پردہ اور حضرت والا ڈانٹ رہے ہیں کہ خبردار میں حکم دیتا ہوں کہ ہرگز منہ نہ کھولنا۔ چونکہ مرید ہونے کے لیے بیٹھی تھیں ان کو حضرت والا ہی کا حکم ماننا پڑا اور منہ نہ کھولا۔ غرض حضرت والا ہی اپنی تجویز میں کامیاب رہے۔

ایک وزیرزادی کی اصلاح

اسی طرح ایک بڑی ریاست کی وزیرزادی صاحبہ اپنے شوہر کیساتھ خود تھانہ بھون حاضر خدمت ہوئیں۔ انہوں نے بھی بے پردہ سامنے آنا چاہا اور چھوٹی پیرانی صاحبہ کے ذریعہ سے اس کی اجازت چاہی۔ حضرت والا نے صریح انکار کرنا تو مصلحت کے خلاف سمجھا کیونکہ آزاد لوگوں کے سامنے اگر حکم شرعی بتایا جاتا ہے تو وہ اس کی بیقدری کرتے ہیں اور ان کے جی کو نہیں لگتا بلکہ شریعت کا نام سن کر عجب نہیں کہ شریعت کے متعلق کچھ طعن یا استخفاف کا کلمہ کہہ بیٹھیں اس لیے نہایت لطیف تدبیر کی فرمایا کہ اگر ان کو کچھ کہنا سننا نہ ہو تو خیر اجازت ہے کیونکہ حضرت والا کو قرائن سے معلوم تھا کہ کہنا سننا ضرور ہے اس لیے سامنے نہ آئیں گی۔ نیز اس جواب میں یہ سوچا کہ میں خود اپنی آنکھیں نیچی رکھوں گا پھر میرا کیا حرج ہے لیکن انہوں نے کہا نہیں حضرت مجھے تو کچھ عرض بھی کرنا ہے اس پر فرمایا کہ یہ میری طبعی بات ہے کہ میں کسی عورت سے دوبدو گفتگو کرتے ہوئے شرماتا ہوں اگر تم مجھ سے چہرہ کھول کر گفتگو کرو گی تو میں گفتگو کر ہی نہ سکوں گا میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں لہذا اگر گفتگو کرنی

ہے تو پردہ کی آڑ میں کرو چنانچہ مجبوراً انہیں اسی پر راضی ہونا پڑا۔

غیرت مندی اور حیاداری

واقعی حضرت والا غایت غیرت وحیا کی وجہ سے کسی عورت کے ساتھ دوبدو ہو کر بے تکلف گفتگو نہیں فرما سکتے۔ حضرت والا جب سفر میں کسی سواری پر بیٹھے تو حتی الامکان ایسی جگہ جہاں قلب کی جانب کوئی اور بیٹھا ہوا نہ ہوتا کیونکہ اس سے حضرت والا کو طبعاً الجھن ہوتی ہے۔ نیز حضرت والا ریل گاڑی کے گزرتے وقت نظر اٹھا کر مسافروں کی طرف نہیں دیکھتے جیسا کہ عام دستور ہے کہ جب کوئی ریل گاڑی گزرتی ہے تو لوگ تماشا کے طور پر ضرور ایسا کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مجھے اس سے حجاب آتا ہے احقر عرض کرتا ہے کہ علاوہ ایک فضول حرکت ہونے کے یہ بھی تو اس میں احتمال ہے کہ کسی عورت پر نظر پڑ جائے۔

حضرت والا جب سفر میں تشریف لے جاتے تو مشتاقان زیارت کا ہر جگہ ایک انبوہ عظیم ہو جاتا استقبال اور رخصت کے وقت اسٹیشنوں پر اتنا اتنا ہجوم ہوتا کہ مسافروں کو چلنے کے لیے جگہ ملنی دشوار ہو جاتی۔ مصافحہ کرنے والوں کی اتنی کثرت ہوتی کہ اکثر حضرت والا اپنے دونوں ہاتھ جدا جدا دونوں طرف بڑھا دیتے اور لوگ بڑھ بڑھ کر والہانہ انداز سے دوطرفہ ہاتھ چومتے رہتے اور حضرت والا ہر شخص پر نظر توجہ ڈالتے جاتے۔ بوقت رخصت جب تک ریل تیز نہ ہو جاتی۔ مصافحوں کی یہی بھرمار اور یہی کیفیت رہتی۔

محبوبیت عامہ

حضرت والا کو حق تعالیٰ نے ایسی محبوبیت عامہ عطا فرمائی ہے کہ بعض ضعیف الخیال لوگوں کو گمان ہو گیا کہ حضرت والا کو کوئی تسخیر کا عمل آتا ہے یہاں تک کہ حضرت والا کے ایک متوسل سے ایک صاحب نے کہا کہ اگر تم نے حضرت سے عمل تسخیر ہی نہ حاصل کیا تو کچھ بھی حاصل نہ کیا اور کہا کہ حضرت کے پاس اس کا تیر بہدف عمل ہے۔ حضرت والا نے ان کے اس قول کو بہ تبسم نقل فرما کر فرمایا کہ یہی حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ کے بارہ میں بھی بعض لوگوں کا خیال تھا چنانچہ ایک صاحب اسی خیال کو لیے ہوئے مجلس میں بیٹھے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کو کشف ہوا

فرمایا توبہ توبہ نعوذ باللہ استغفر اللہ عملیات کرنے سے تو نسبت سلب ہو جاتی ہے۔اھ۔

قوت وانبساط

بعون اللہ تعالیٰ و بفضلہٖ حضرت والا کو لمبے لمبے سفروں میں بھی ایسا تکان نہیں ہوا کہ ضروری کاموں میں خلل انداز ہو جائے۔ اکثر دیکھا گیا کہ رات رات بھر سفر کیا اور نیند تقریباً آئی ہی نہیں۔لیکن صبح کو گھنٹوں کھڑے ہو کر نہایت جوش کے ساتھ وعظ فرمایا اور پھر جمع شدہ ڈاک کو بھی ختم کیا۔ایک بار شب کو آدھی رات تک وعظ فرما کر ڈاک لکھنے بیٹھ گئے اور برائے نام ہی آرام فرمایا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سفر میں قلت نوم کی وجہ سے میرے حواس مختل ہو جاتے تھے۔لیکن ماشاءاللہ تعالیٰ حضرت والا پر کوئی معتد بہ اثر نہ ہوتا اور برابر وعظ وملفوظات وتحریر خطوط میں مشغول رہتے۔اس پر یاد آیا کہ ایک مولوی صاحب نے خود احقر سے کہا کہ مولانا کو کوئی بوٹی معلوم ہے اس کا استعمال کرتے ہیں۔ ماشاءاللہ صحت بہت اچھی رہتی ہے ان سے وہ بوٹی معلوم کرنی چاہیے۔حضرت والا سے جب اس قول کو نقل کیا گیا تو ہنسے اور فرمایا کہ خبطی ہیں۔ پھر فرمایا لیجئے میں اس بوٹی کو بتلائے ہی دیتا ہوں۔وہ بوٹی ہے تعلق مع اللہ جس سے قلب میں نہایت قوت اور طمانیت اور طبیعت میں ہر وقت فرحت و بشاشت رہتی ہے جو جڑ ہے صحت کی۔ واقعی حضرت والا کی صحت بفضلہٖ تعالیٰ ماشاءاللہ نہایت اچھی رہتی ہے۔ بحمداللہ ہمیشہ تندرست ہشاش بشاش اور آواز میں انتہادرجہ کی قوت اور جہوریت (بلندی) اور کلام میں نہایت شوکت وصولت ہی دیکھی حالانکہ حضرت والا کو بعض رنج دہ حادثات کے بعد بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا۔اللہ تعالیٰ حضرت والا کی صحت وقوت ظاہری و باطنی میں روز افزوں ترقی بخشے اور بایں فیوض و برکات سلامت باکرامت رکھے۔آمین۔

بیماری میں بھی کام جاری رکھنا

الحمدللہ حضرت والا فضلہ تعالیٰ شاذ و نادر ہی کبھی بیمار پڑتے ہیں اور بڑی سے بڑی بیماری بھی جلد سے جلد جاتی رہتی ہے۔جس بیماری سے لوگ مہینوں میں اچھے ہوتے ہیں حضرت والا بفضلہٖ تعالےٰ بس دو تین ہی دن میں صحت یاب ہو جاتے اور کبھی کام میں حرج

واقع نہیں ہوتا۔ بلکہ اکثر بیماری میں بھی کام کرتے ہی رہتے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضرت والا سے دین کا کام لینا ہے اس واسطے حضرت والا کے ساتھ یہ معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایسا ہی معاملے رکھے اور حضرت والا کو غیر معمولی طویل عمر صحت اور عافیت وخیر برکت کے ساتھ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

اور احادیث میں جو امراض کی فضیلت اور اجر وارد ہے وہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح عطا فرمایا کہ دو عارضے مثل لازم کے ہوگئے ہیں ایک آنت اترنا دوسرا دماغ میں تبخیر سے ایسا دھواں سا بھر جانا جس سے نیند اکثر مختل رہتی ہے بعض اوقات کئی کئی روز اسی حالت میں گزر جاتے ہیں پھر سیری سے نیند آجاتی ہے اگر حق تعالیٰ امداد نہ فرماتے تو تحمل دشوار تھا۔ چند روز سے الحمدللہ عارض اول میں خفت ہے گو سفر کے قبل نہیں۔ ثانی کی بھی تدابیر جاری ہیں امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کو بھی سکون ہو جائے گا لیکن اس سے بفضلہٖ تعالیٰ کسی کام میں حرج واقع نہیں ہوتا بلکہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ نیند نہ آنے کی حالت میں دماغ کی حرارت میں انتعاش ہو کر کام کرتے وقت اور بھی تیزی سی محسوس ہونے لگتی ہے اور خوب کام ہوتا ہے۔ بہرحال اس طرح مرض کا اجر بھی عطا ہو جاتا ہے اور حرج بھی واقع نہیں ہوتا۔

خداداد رعب واحترام

چونکہ حضرت والا ابتداء ہی سے بزرگوں کے ساتھ غایت درجہ عقیدت رکھتے ہیں اس لیے چند سفر زیارت بزرگان کی غرض سے بھی فرمائے جن کا ذکر باب ''لقائے بزرگان و دعائے بزرگان'' میں کیا جائے گا۔ چند سفر ہر دو پیرانی صاحبان کے معالجہ کے سلسلہ میں بھی فرمائے اور زنانہ شفاخانوں میں بھی قیام فرمانا پڑا۔ جہاں کی عیسائی ڈاکٹرنیاں بھی حضرت والا کا نہایت ادب واحترام کرتیں اور باوجود بے پردہ اور بیباک ہونے کے حضرت والا کے سامنے سے گزرتے ہوئے جھجکتیں اور اپنے قلبی ادب واحترام کا اظہار اور لوگوں سے کرتیں۔

ایک رئیس کی اصلاح

حسب روایت حافظ صغیر احمد صاحب مظفر نگر کے سفر میں ایک معزز رئیس نے جو بہت

بیباک اور زبان آور اور بڑے بڑے حکام کے سامنے نہ جھکنے والے تھے حضرت والا سے کوئی بے ڈھنگی بات پوچھی حضرت والا نے حسب معمول انہیں ڈانٹا اور یہاں تک ناگواری بڑھی کہ مجلس سے اٹھ جانے کے لیے کہا وہ پھر بھی بیٹھے رہے تو حضرت والا خود اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور فرمایا کہ اگر آپ نہیں اٹھتے تو میں خود اٹھا جاتا ہوں میں ایسے شخص کے ساتھ ہمنشینی بھی گوارا نہیں کرسکتا۔ اس پر انہوں نے دست بستہ عرض کیا کہ حضرت آپ بیٹھے رہیں میں خود ہی جاتا ہوں پھر وہ اٹھے اور چلے گئے بعد کو انہوں نے حافظ صاحب سے کہا کہ میرا تو عمر بھر کے لیے علاج ہوگیا۔ میں علماء اور ملانوں کو بہت ذلیل سمجھا کرتا تھا۔ اب ہر ایک مولوی اور ملانے کا میں ادب اور لحاظ کرتا ہوں۔ کیونکہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں یہ بھی ایسا ہی نہ ہو۔ میں بڑے بڑے حکام سے بھی مرعوب نہیں ہوتا مگر اس روز مولانا سے اتنا مرعوب ہوا کہ ڈانٹ پڑنے کے بعد ایک لفظ بھی میرے منہ سے نہ نکل سکا اور سچ ہے۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست　　　ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

(یہ حق کی ہیبت ہے مخلوق کی نہیں، یہ اس گدڑی والے آدمی کی ہیبت نہیں ہے)

دینی فیوض

بہر حال سفر خواہ علاج کی غرض سے ہوتا یا کسی اور ذاتی ضرورت سے بہر صورت حضرت والا سے مسلمانوں کو دینی فیوض ضرور پہنچتے کیونکہ جہاں تشریف لے جاتے جوق جوق مشتاقین حاضر خدمت ہو کر استماع کلمات طیبات حکمت آیات سے مستفید ہوتے اور اصرار کرنے پر وعظ سے بھی بہرہ اندوز ہوتے۔

اللہ واسطے کا کھانا

حضرت والا دو مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے ان دونوں مبارک سفروں کا مفصل حال انشاءاللہ باب ''شرف بیعت واستفاضۂ باطنی'' میں ملاحظہ سے گزرے گا۔

دوسرے سفر حج سے واپسی پر جب جہاز بمبئی پہنچا تو حسب معمول وہاں کے ایک سیٹھ نے حاجیوں کو کھانا تقسیم کیا اور مسافر خانہ میں ہی بھیجا۔ حضرت والا کے ہمراہیوں نے پوچھا

کہ یہ کیسا ہے تو کہا گیا کہ اللہ واسطے کا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے لینے سے انکار کر دیا کہ ہم محتاج نہیں۔ اللہ واسطے کا نہیں لیتے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ بھائی ادھر لاؤ ہم تو اللہ واسطے کا ضرور لیں گے اور مزاحاً فرمایا کہ یہ لوگ شیطان واسطے کا لیں گے۔ اللہ واسطے کا نہیں لیتے۔ جب حضرت والا نے لے لیا تو پھر ہمراہیوں نے بھی لے لیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اللہ واسطے کا یہاں یہ مطلب نہیں ہے کہ محتاج سمجھ کر دیتے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ بلاعوض اور بلاغرض ہے ورنہ کیا تقسیم کرنے والے یہ نہیں جانتے کہ حجاج میں اکثر غنی بھی ہوتے ہیں۔

فیوض و برکات کا چشمہ

غرض حضرت والا کا ہر سفر سر بسر فیوض و برکات گوناگوں کا ایک دریائے رواں ہوتا تھا جس سے بلاد و امصار سیراب ہوتے چلے جاتے تھے۔ اور اب حضر کی بھی ماشاء اللہ وہ حالت ہے جو سمندر کی ہوتی ہے کہ وہیں سے بارش کی ہوئیں اٹھ اٹھ تمام عالم کو سیراب کرتی رہتی ہیں اور وہ اپنی جگہ بدستور موجزن رہتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت والا نے مدت مدید تک اطراف و جوانب میں سفر ہائے دور و دراز فرما کر تبلیغ احکام الٰہیہ کی خدمت انجام دی اور اب ایک عرصہ سے سفر کو بالکلیہ ترک فرما کر اپنے مرکز یعنی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں قطب ارشاد بن کر بیٹھ گئے ہیں اور خدمت اصلاح خلق میں نہایت جاہ و جلال کے ساتھ مشغول ہیں۔ بمصداق شعر حضرت حافظؒ

روزگارے شد کہ در میخانہ خدمت میکنم　　در لباس فقر کار اہل دولت میکنم

(ایک زمانہ گزر گیا ہے کہ میں میخانہ میں خدمت کر رہا ہوں، فقیری کے لباس میں دولت مندوں والا کام کر رہا ہوں)

اللّٰھم ادم فیوضہ و عمم و نمم

باب دوازدہم

”لقائے بزرگان ودعائے بزرگان“

لڑکپن سے اہل اللہ سے محبت

حضرت والا کو لڑکپن ہی سے اہل اللہ کے ساتھ بے حد عقیدت و محبت ہے اور اتنا شغف ہے کہ بزرگوں کے تذکرے اکثر و بیشتر نہایت لطف لے لے کر دیر دیر تک مجلس شریف میں بیان فرماتے رہتے ہیں اور اس قدر جوش و خروش کے ساتھ کہ بیان کرتے کرتے خود بھی متاثر ہو ہو جاتے ہیں اور سننے والوں کو بھی متاثر کر دیتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر خود فرمایا کرتے ہیں کہ یہ حضرات اہل سکر تھے ان کے تذکروں میں بھی یہ اثر ہے کہ سکر کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ اکثر ایسے تذکروں میں صبح کی مجلس وقت مقررہ سے بہت زیادہ دیر دیر تک منعقد رہی اور حضرت والا نے بہت تاخیر کے ساتھ صبح کا کھانا تناول فرمایا۔ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ ان بزرگوں کے ناموں سے بھی روح میں تازگی اور قلب میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے۔ اس پر احقر کو حضرت حافظؒ کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

نام من رفتہ است روزے بر لب جانان بسہو　اہل دل را بوئے جاں می آید از نامم ہنوز

(ایک دن بھول کر میرا نام محبوب کے لبوں پر آ گیا ہے، اور دل والوں کو اب تک میرے نام سے محبوب کی خوشبو آتی ہے)

بزرگوں کے حالات وواقعات کا مطالعہ اور اشاعت

حضرت والا کو کتب بینی سے عموماً دلچسپی نہیں لیکن طبقات کبریٰ کو جس میں بزرگوں کے اقوال واحوال درج ہیں باوجود ہجوم مشاغل اس عمر میں بھی نہایت دلچسپی سے مطالعہ فرمایا کرتے ہیں چنانچہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بوجہ قلت فرصت قبل مغرب ہی جبکہ حروف بھی مشکل سے نظر آتے ہیں۔ خاص طور پر وقت نکال کر مطالعہ فرماتے رہتے ہیں اور حسب فرصت

خاص خاص اقوال واحوال کا اس میں سے انتخاب بھی فرمارہے ہیں بمصداق قول پیر ہرات" از ہر پیرے نخنے یاد بگیرید و اگر نتوانید نام ایشاں یاد دارید۔ اس انتخاب کا نام یہ رکھا ہے "امثال الاقوال و الاحوال لافاضل الرجال۔" بزرگوں کے تذکروں کو اس قدر نافع سمجھتے ہیں کہ ایک ہزار حکایات کا مجموعہ مرتب کرا کر شائع کرادیا ہے جس کا نام "نزہۃ البساطین" ہے۔

محبت الٰہی پیدا کرنے کا نسخہ

بہت وثوق کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ یہ حضرات عشاق تھے ممکن نہیں کہ ان کے حالات پڑھے جائیں اور قلب میں محبت الٰہی پیدا نہ ہو عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ غرض حضرت والا کو ابتداء ہی سے بزرگان دین اور اکابر صالحین سے بے حد عقیدت و محبت رہی ہے اور ان حضرات کی بھی حضرت والا پر خاص عنایات و توجہات تھیں۔ چنانچہ حضرت والا اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ نہ کبھی طالب علمی میں میں نے محنت کی نہ اس طریق میں کبھی مجاہدات و ریاضات کیے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے سب اپنے حضرات اساتذہ و مشائخ کی دعا و توجہ اور میری طرف سے غایت درجہ ادب و عقیدت کا ثمرہ ہے یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ الحمدللہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کبھی کسی بزرگ کو ایک منٹ کے لیے بھی مکدر نہیں کیا۔

اللہ والوں کی زیارت کے لئے سفر کرنا

بزرگوں کے ساتھ غایت درجہ عقیدت و محبت کا یہ مقتضاء ہوا کہ حضرت والا علاوہ اپنے سلسلہ امدادیہ نوریہ کے بزرگوں کے جن خصوصیت اور قوی تعلق تھا اور بکثرت اختلاط وارتباط رہتا تھا اور جن کی بعض عنایات و توجہات کا ذکر مختصراً بعد کو آئے گا بعض دیگر سلسلوں کے بھی بزرگوں کی زیارت کی اور بعض بزرگوں کی زیارت کے لیے سفر بھی فرمائے۔ جن کی کچھ تفصیل بطور نمونہ کے بہ عنوان واقعات ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ کی خدمت میں حاضری

حضرت والا نے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ العزیز کی زیارت کے لیے دو بار گنج مراد آباد کا سفر فرمایا۔ حضرت والا نے ان دونوں سفروں کی مفصل کیفیت بارہا نہایت

لطف لے لے کر بیان فرمائی ہے جو قلمبند بھی کی جا چکی ہے اور ارواح ثلثہ میں بعنوان ''نیل المراد فی السفر الی گنج مراد آباد'' شائع بھی ہو چکی ہے وہاں ملاحظہ فرما لیا جائے۔ یہاں اس کا خلاصہ لکھا جاتا ہے۔ اول بار غالباً ربیع الثانی یا جمادی الاول ۱۳۰۱ھ میں حاضر ہوئی جبکہ حضرت والا بالکل نوجوان تھے اور مدرسہ دیوبند سے فارغ التحصیل ہوتے ہی مدرسہ فیض عام کانپور میں نئے نئے مدرس ہو کر تشریف لے گئے تھے بعض وجوہ سے (جن کا ذکر ''باب درس وتدریس'' میں گزر چکا ہے۔ مؤلف) دو مہینہ کے بعد ملازمت چھوڑ دی اور تھانہ بھون واپسی کا ارادہ فرمایا گو بعد کو مدرسہ جامع العلوم کی بنیاد پڑ گئی اور حضرت والا وہیں رہے جب حضرت والا نے کان پور چھوڑنے کا قصد فرمایا تو یہ خیال ہوا کہ حضرت مولانا کی زیارت کا شرف بھی حاصل کرتا جاؤں کیونکہ معلوم نہیں پھر اس طرف آنے کا کبھی اتفاق ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ ایک طالب علم کو ہمراہ لے کر نہایت شوق وعقیدت کے ساتھ مولاناؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ راستہ کی ناواقفیت کی وجہ سے بھولتے بھٹکتے بہت دیر میں پہنچے یہاں تک کہ عشاء کی جماعت بھی ہو چکی تھی اور مولانا مسجد سے حجرہ میں بھی تشریف لے جا چکے تھے۔ خادم کے ذریعہ سے اطلاع کرائی گئی۔ مولاناؒ نے فوراً بلا لیا اور اپنے مخصوص لہجہ میں بہت تیزی سے ایک ساتھ تین سوال کیے۔ کون ہو کہاں سے آئے ہو کیوں آئے ہو۔ مولانا کا لہجہ بوجہ غایت سادگی بے ساختگی ذرا تیز ہوتا تھا۔ لطف و عنایت کی گفتگو میں بھی اکثر لہجہ کی یہی کیفیت ہوتی تھی۔ حضرت والا نے مولاناؒ کے ان تینوں سوالوں کے جواب میں اسی اختصار کے ساتھ نہایت ادب سے عرض کیا۔ میں ایک طالب علم ہوں۔ کان پور سے آیا ہوں۔ زیارت کو حاضر ہوا ہوں چونکہ مولانا کو وجہ تاخیر معلوم نہ تھی اور اس وقت کھانے کے انتظام کرنے میں سخت دقت تھی اس لیے اپنے اسی مخصوص لہجہ میں فرمایا یہ زیارت کا وقت ہے آدمی ذرا سویرے آئے تو دوسرا کچھ روٹی وغیرہ کا انتظام کرے۔ اب یہ بتلاؤ کہ تمہارے لیے کھانا کہاں سے لاؤں یہ غصہ بھی شفقت ہی پر مبنی تھا اور گو حضرت والا کے پاس اس تاخیر کا نہایت معقول عذر تھا لیکن چونکہ حضرت والا ابتداء ہی سے سراپا ادب وتہذیب اور بزرگوں کے غایت درجہ معتقد ہیں لہذا اس وقت کچھ عرض کرنا خلاف ادب وعقیدت سمجھے اور اپنے معقول عذر کو بھی لب پر لانا گوارا نہ فرمایا۔ یہ واقعی بہت بڑے ظرف کی بات ہے ورنہ آج

کل کے طالبین تو اپنی تقصیرات کی جھوٹی جھوٹی تاویلیں کر کے اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے اوپر کوئی الزام ہی نہ آنے پائے اور زیادہ تر اسی تاویل فاسد پر حضرت والا کو آج کل کے طالبین پر غصہ آیا کرتا ہے اور ہمیشہ قلت ادب وعقیدت کی شکایت فرمایا کرتے ہیں۔

غرض حضرت والا چپ کھڑے تھے۔ پھر مولانا نے فرمایا تمہارے پاس کچھ پیسے ہیں عرض کیا جی ہاں ہیں فرمایا اچھا جاؤ اور بازار سے کچھ لے کر کھالو اور صبح چلے جاؤ۔ عرض کیا بہت اچھا اس ارشاد کے بعد اپنے خادم سے فرمایا کہ انہیں لے جا کر فلاں مکان میں ٹھہرا دو۔ چنانچہ ٹھہرا دیئے گئے۔ حضرت والا سامان اتارنے لگے اور یہی ارادہ تھا کہ بازار سے لے کر کچھ کھا پی لیں گے اور حسب الحکم صبح کو رخصت ہو جائیں گے لیکن تھوڑی ہی دیر میں ایک خادم آیا اور اطلاع کی کہ مولانا نے یاد فرمایا ہے۔ حضرت والا نے دل میں کہا کہ کچھ اور یاد آیا ہوگا چلو بھائی چلیں سننے کو تو ہم آئے ہی ہیں چنانچہ اس خادم کے ساتھ ہو لیے اور جا کر سامنے کھڑے ہو گئے۔ فرمایا بیٹھ جاؤ لیکن لہجہ اب بھی ویسا ہی تیز تھا حالانکہ اس وقت لطف و شفقت صراحۃً موجود تھی جیسا کہ بعد کے برتاؤ سے معلوم ہوگا۔ مولانا کا لہجہ کچھ طبعی طور پر تھا ہی ایسا۔ جس کی وجہ سے حضرت والا یہ فرمایا کرتے ہیں کہ طبیعت میں سادگی تھی تصنع اور تکلف نہ تھا۔ جب مولانا نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ تو حضرت والا غایت ادب سے بجائے تخت کے جو وہاں موجود تھا چٹائی پر بیٹھ گئے جو نیچے بچھی ہوئی تھی۔ فرمایا اجی یہاں آ جاؤ تخت پر بیٹھو۔ حضرت والا حسب ارشاد اٹھ کر تخت پر آ بیٹھے۔ تکلف کی قیل وقال نہیں کی جیسا کہ آج کل معتقدین میں دستور ہو گیا ہے۔ پھر خادم سے فرمایا کہ ان کے لیے ہماری بیٹی کے یہاں سے کھانا لاؤ۔ چنانچہ خادم اسی وقت جا کر کھانا لایا۔ ایک پیالہ میں سالن تھا غالباً ارہر کی دال تھی اور پیالہ ہی پر روٹیاں رکھی ہوئی تھیں جب خادم نے کھانا سامنے رکھا۔ مولانا نے دیکھ لیا بہت خفا ہوئے کہ ارے بدتمیز کیا مہمان کے لیے یوں کھانا لایا کرتے ہیں۔ روٹی الگ طباق میں لاتا سالن علیحدہ برتن میں لاتا۔ یہ کون سا طریقہ ہے کہ پیالہ پر روٹیاں رکھ کر لے آیا۔ اس نے بات بنائی کہ طباق ڈھونڈھا ملا نہیں' فرمایا ارے جھوٹ بولتا ہے طباق فلاں طاق

میں رکھا نہیں ہے۔ مولانا کو کشف بہت ہوتا تھا یہ بھی غالباً کشف ہی سے فرمایا۔ خادم یہ سن کر دوڑا اور طباق لے آیا۔ جب حضرت والا نے کھانا شروع کر دیا تو پوچھا کیا کھانا ہے۔ عرض کیا حضرت ارہر کی دال ہے اور روٹی ہے۔ فرمایا سبحان اللہ یہ تو بڑی نعمت ہے تو تم لکھے پڑھے آدمی ہو۔ تم نے مولوی محمد یعقوب سے پڑھا ہے۔ اھ۔ مولانا کو اس امر کا کشف ہوا اور اس کے ساتھ ہی حضرت والا کی اہلیت کا بھی۔ کیونکہ عموماً مولانا کی عادت کسی کے ساتھ ایسی خصوصیت کا برتاؤ کرنے کی نہ تھی۔ بالخصوص حضرت والا جیسے نوعمر اور نو وارد کے ساتھ پھر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کہ بہت اچھے آدمی تھے۔ مولانا چونکہ کسی کی تعریف میں مبالغہ نہ فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے اتنا بھی فرمانا کہ بہت اچھے آدمی تھی بہت بڑی تعریف تھی اور اس سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ سے تعلق قلبی بھی ثابت ہوا۔ غرض فرمایا کہ تم تو پڑھے لکھے آدمی ہو تم کو تو معلوم ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کیا حالت تھی ایک ایک چھوارہ کھا کر جہاد کرتے تھے اور دن دن بھر لڑتے تھے جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ بڑھا تو جوش میں آ کر کھڑے ہو گئے عادت شریف یہی تھی کہ بزرگان دین کے تذکرہ کے وقت جوش میں آ جایا کرتے تھے۔ غرض جوش میں آ کر کھڑے ہو گئے اور پاس آ کر حضرت والا کے کندھے پر اپنا دست مبارک رکھ لیا اور دیر تک حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ فرماتے رہے۔ حضرت والا برابر کھانا نوش فرماتے رہے۔ نماز قصر کے متعلق بھی کچھ سوال و جواب ہوئے۔ اس واقعہ سے مولانا کا حضرت والا کے ساتھ خاص قلبی تعلق اور ادراک واعتماد اہلیت القاء ملفوظات علمیہ ظاہر و باہر ہے۔

پھر فرمایا کہ بیر کھاؤ گے حضرت والا نے عرض کیا کہ جی ہاں حضرت کا تبرک ہے فرمایا اجی تبرک و برک کو تو چھوڑو یہ بتاؤ کہ بیر کھانے سے تمہارے پیٹ میں درد تو نہیں ہو جاتا۔ حضرت والا نے عرض کیا کہ حضرت نہیں درد تو نہیں ہوتا' پھر جا کر ایک بدھنا لے آئے جس میں بڑے بڑے پیوندی بیر تھے اور اس کو حضرت والا کے سامنے الٹ دیا اور فرمایا کھاؤ۔ پھر خوش طبعی کے طور پر فرمایا کہ کبھی تم اپنے دل میں کہتے کہ آپ ہی آپ کھالیے مہمان کی بات بھی نہ پوچھی۔

پھر فرمایا کہ کھانا کھا کر عشاء پڑھ کر سو رہنا اب صبح کو ملاقات ہوگی۔ پھر مولانا تشریف لے گئے۔
مولانا جیسے مستغنی اور آزاد مزاج بزرگ کا اس قدر خصوصیات کا برتاؤ شاید ہی کسی اور نووارد مہمان کے ساتھ کبھی ہوا ہو کیونکہ مولانا تو بڑے بڑے امراء تک کو بھی منہ نہ لگاتے تھے۔ چنانچہ ایک ثقہ اور مقتدر رئیس کو حضرت والا ہی کے سامنے بہ جبر نکال دیا اور باوجود اصرار البسیار جمعہ کی نماز تک کے لیے بھی ٹھہرنے کی اجازت نہ مرحمت فرمائی۔ حضرت والا پر تو یہاں تک عنایت بڑھی کہ صبح کو جب حضرت والا رخصت ہو کر واپس تشریف لانے لگے تو خلاف معمول حضرت والا کے ساتھ ساتھ مشایعت کے لیے جائے قیام تک تشریف لائے اور اپنے سامنے ٹٹو پر سامان لدوا کر رخصت فرمایا۔ شروع میں جو غصہ فرمایا تھا وہ بھی غایت شفقت کی بناء پر تھا کہ ایسے ناوقت پہنچنے کی صورت میں کھانے کا کیا انتظام کیا جائے۔ حضرت والا نے رخصت کے وقت دعا کی درخواست کی تو فرمایا ہم نے تمہارے لیے دعا کی ہے۔ پھر حضرت والا نے کچھ پڑھنے کے لیے پوچھا تو فرمایا قل هو الله شریف اور سبحان الله وبحمده روزانہ دو دو سو بار پڑھ لیا کرو۔ جب حضرت والا زیارت سے مشرف ہو کر کانپور واپس تشریف لائے تو کانپور والوں نے وطن نہ جانے دیا اور ایک نیا مدرسہ جامع العلوم کے نام سے قائم کر کے حضرت والا کو وہیں روک لیا جس کا مفصل ذکر باب درس وتدریس میں گزر چکا ہے۔

دوسری حاضری

چند سال کے بعد حضرت والا دوبارہ حاضر خدمت ہوئے۔ اس درمیان میں مولانا کبھی کبھی آنے والوں کے ذریعہ سے سلام کہلا بھیجتے تھے۔ یہ نہایت ہی عجیب ہے کیونکہ مولانا تو ایسے آزاد مزاج تھے کہ کوئی چیز بھی انہیں یاد نہیں رہتی تھی یہاں تک کہ خود احقر مؤلف سوانح ہذا سے مولانا کے ایک ثقہ مرید بیان کرتے تھے کہ ایک صاحب جب مقدمہ کی دعا کراتے تو حضرت اٹھ کر نہایت غصہ کے ساتھ ان کو مسجد سے باہر نکال آتے وہ پھر تھوڑی دیر بعد آ جاتے مولانا بھول جاتے اور پھر لطف کے ساتھ باتیں فرمانے لگتے جب وہ پھر مقدمہ کا ذکر چھیڑتے تو پھر مسجد سے باہر نکال آتے وہ پھر تھوڑی دیر بعد آ جاتے مولانا پھر بھول جاتے اور پھر اسی لطف وعنایت کے ساتھ باتیں فرمانے لگتے۔ غرض اسی طرح کئی بار ہوا اور جہاں تک

مجھے یاد ہے یہ واقعہ خود ان راوی صاحب ہی کے سامنے ہوا تھا تو ایسے صاحب استغراق بزرگ کا حضرت والا کو تھوڑی سی دیر کی ملاقات ہی میں اتنا یاد رکھنا کہ سلام کہلا کہلا کر بھیجتے تھے بہت ہی بڑی خصوصیت اور غایت شفقت کی دلیل ہے حالانکہ وہ حضرت والا کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا چونکہ مولانا بہت بڑے صاحب کشف بزرگ تھے اس لیے غالباً اپنی نظر کشفی سے حضرت والا کی شان عالی حالی و مآلی معلوم فرمالی تھی اور غالباً یہی مبنیٰ تھا اس عنایت خاص کا۔

دوسری بار کئی سال کے بعد جو پھر حضرت والا حاضر ہوئے تو اس بار چند ہمراہی بھی ساتھ تھے نیز چونکہ رمضان شریف کا زمانہ تھا اور مدرسہ کی تعطیل تھی اس لیے کئی دن قیام بھی فرمایا تھا۔ ساتھیوں کو تو معلوم تھا کہ مولانا کو پینے کا تمبا کو اور کپڑے دھونے کا صابن ہدیہ میں لانا زیادہ پسند ہوتا ہے کیونکہ مولانا حقہ بھی نوش فرماتے تھے اور کپڑے بھی اپنے گھر ہی دھلواتے تھے اس لیے وہ لوگ تو تمبا کو کشیدنی اور صابن ہدیہ میں لے گئے تھے لیکن چونکہ حضرت والا کو مولانا کی رغبت کا علم نہ تھا اس لیے خود اپنی رغبت کی چیز ہدیۃً لے گئے یعنی بنگالی پیڑے جو کانپور میں بہت خوبصورت خوش ذائقہ اور خوشبودار بننے شروع ہوئے تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اوروں کے ہدیہ کو تو معمولی طور پر قبول فرمایا کوئی خاص اظہار مسرت نہیں فرمایا لیکن حضرت والا کے پیڑوں کو خلاف توقع بہت مسرت کے ساتھ قبول فرمایا جب پیش کیے گئے تو خوش ہو کر فرمایا تو یہ ہمارے کام کی چیز ہے ہم تو ان کا شربت پیا کرتے ہیں اور خادم سے فرمایا کہ انہیں اٹھا کر حفاظت سے رکھو ہم ان کا شربت پیا کریں گے۔ پھر از خود حضرت والا سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی دوا بھی ہے۔ حضرت والا کے پاس شربت انار کی بوتل تھی۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ افطار کے لیے ساتھ لے لی تھی لیکن چونکہ حضرت والا اس کو دوا ہی نہ سمجھتے تھے اس لیے عرض کیا کہ حضرت دوا تو میرے پاس کوئی نہیں ہے اس پر ساتھیوں نے حضرت والا سے چپکے سے کہا کہ شربت انار ساتھ میں ہے تو حضرت والا نے مکرر عرض کیا کہ حضرت شربت انار تو البتہ ہے فرمایا وہ تو تم اپنے افطار کے لیے لائے ہو۔ عرض کیا حضرت لایا تو میں اس نیت سے تھا لیکن اب جی چاہتا ہے کہ حضرت اس کو بھی قبول فرمالیں۔ فرمایا بہت اچھا چنانچہ حضرت والا نے پیش کیا اور وہ بھی قبول فرمالیا گیا۔

حضرت والا کو بزرگوں کا ادب واحترام اس قدر ملحوظ خاطر تھا اور ان کی خوشنودی مزاج کا اس قدر اہتمام تھا کہ دوسری زیارت کے موقع پر جب گنج مراد آباد کے قریب پہنچے تو سوچا کہ ہم لوگوں کے اعمال اچھے نہیں اور اکثر بزرگوں کو قلب کی تاریکی کا احساس ہو جاتا ہے۔ مولانا بھی شاید اسی سبب سے ڈانٹ ڈپٹ فرمایا کرتے ہیں لہذا اپنے قلب کو پاک وصاف کر کے حاضر خدمت ہونا چاہیے۔ چنانچہ وضو کیا استغفار کی کثرت کی اور ازراہ ادب سواری کو چھوڑ کر پا پیادہ تشریف لے چلے اور اسی حال میں حاضر خدمت ہوئے۔ ایک بوڑھے شخص بھی راستہ میں ملے وہ بھی زیارت کے لیے جا رہے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا گرمی کا زمانہ تھا۔ اور چونکہ رمضان شریف کا مہینہ تھا لہذا وہ روزہ سے تھے اور حضرت والا بھی مع اپنے ہمراہیوں کے روزے سے تھے پہلے وہ بوڑھے شخص پیش ہوئے ان سے مولانا نے پوچھا کہ کیا روزہ سے ہو عرض کیا جی ہاں۔ اس پر بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ کس نے کہا تھا کہ سفر میں اور ایسے سخت موسم میں روزہ رکھو پھر فرمایا کہ ابھی چلے جاؤ۔ حضرت والا کو بھی کھٹکا ہوا کہ ہم سے بھی یہی سوال ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پوچھا کہ کیا روزہ ہے حضرت والا نے باجود قوی اندیشہ خفگی کے جو سچی بات تھی وہی عرض کر دی کہ جی حضرت روزہ تو ہے۔ یہ سنکر بجائے خفگی کے جس کا اندیشہ ہو رہا تھا خوش ہو کر فرمایا کہ ہاں بہت اچھا کیا جوان آدمی ہو تمہیں روزہ ہی رکھنا مناسب تھا۔ اس بار پہلے سے بھی بہت زیادہ شفقت کے ساتھ پیش آئے اور اپنی خاص خاص راز کی باتیں بھی حضرت والا سے فرمادیں۔ مثلاً فرمایا کہ کہنے کی تو بات نہیں لیکن تم سے کہتا ہوں کہ جب سجدہ میں جاتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے پیار کر لیا۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ بھائی جنت کا مزہ برحق حوض کوثر کا مزہ برحق مگر نماز میں جو مزہ ہے کسی چیز میں نہیں یہ بھی فرمایا کہ بھائی ہم تو قبر میں بس نماز پڑھا کریں گے دعا ہے کہ ہمیں تو اللہ میاں قبر میں یہ اجازت دے دیں کہ بس نماز پڑھے جاؤ اسی قسم کی خاص خاص باتیں فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص اندر چلا آیا اس کو بہت ڈانٹا کہ بڑے بے تمیز ہو منہ اٹھائے چلے آ رہے ہو یہ نہیں دیکھتے کہ کوئی خاص بات تو نہیں کر رہا۔ اس سے بھی حضرت والا کے ساتھ غایت خصوصیت کا اثبات ہوتا ہے ٹھہرنے کے لئے بھی دریافت

فرمایا کہ کہاں ٹھہرو گے مسجد میں یا مکان میں کیونکہ مکان بھی موجود ہے۔ حضرت والا نے عرض کیا کہ حضرت جہاں آپ کا قرب رہے وہیں ٹھہرنا چاہتا ہوں فرمایا تو مسجد میں ٹھہر جاؤ۔ چنانچہ حضرت والا مسجد میں ٹھہر گئے۔ افطار کے بعد اور سحری میں روزانہ پر تکلف کھانے کئی کئی قسم کے آتے جیسا کہ معزز مہمانوں کے لیے دستور ہے۔ یہ بہت بڑی عنایت تھی ورنہ مولانا کی وضع اور معاشرت بالکل سادہ اور آزادانہ تھی۔ وہاں تکلفات کی بھلا کہاں گنجائش جب دو ایک دن بعد حضرت والا نے واپسی کی اجازت چاہی تو فرمایا ابھی جلدی ہی کیا ہے۔ مدرسہ کی تو تعطیل ہی ہے اور ٹھہرو۔ حضرت والا نے اس ارشاد کو بہت غنیمت سمجھا کیونکہ مولانا عموماً کسی کو ٹھہرنے ہی کب دیتے تھے۔ اس لیے اپنے ارادہ واپسی کو ملتوی فرمادیا اور ٹھہر گئے چونکہ ٹھہرنا ہی ہوگیا تھا لہذا حضرت والا نے حصن حصین پڑھنے کی درخواست کی مولانا نے بہت خوشی سے منظور فرمایا۔ درمیان میں کہیں کہیں کچھ تحقیق بھی فرماتے جاتے چنانچہ ایک جگہ شوقاً الی لقائک آیا تو فرمایا اچھا بتاؤ شوق کا کیا ترجمہ ہے۔ حضرت والا نے بجائے خود ترجمہ کرنے کے غایت ادب سے عرض کیا کہ حضرت ہی ارشاد فرمادیں فرمایا تڑپ' پڑھاتے وقت موقع بموقع ذوق وشوق میں نعرے بھی لگاتے جاتے تھے۔ کھانے برابر پر تکلف اور متعدد اقسام کے آتے رہے جب حصن حصین ختم ہوگئی اور حضرت والا رخصت ہونے لگے تو حضرت والا نے عرض کیا کہ حضرت تبرکاً حدیث شریف کی بھی اجازت عطا فرمادیجیے۔ فرمایا ہاں جی ہاں اجازت ہے یہ بھی فرمایا کہ ابھی کبھی کبھی آیا کرو اور کچھ سنا جایا کرو۔ لیکن پھر حضرت والا کو حاضری کا اتفاق ہی نہ ہوا۔

جب حضرت والا نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں قیام کی غرض سے مکہ معظمہ تشریف لے جانے کا قصد فرمایا تو مولانا کو عریضہ لکھا کہ دعا فرمائیے کہ میں جس مقصود کے لیے جارہا ہوں اللہ تعالیٰ مجھ کو اس میں کامیابی عطا فرمائے۔ مولانا نے اپنے قلم مبارک سے خط کے ایک گوشہ پر یہ تحریر فرمادیا۔ از فضل رحمان ''سلام'' علیکم دعائے خیر نمودم' ان سب واقعات وحالات سے بخوبی واضح ہے کہ حضرت والا پر مولاناؒ کی خاص نظر توجہ وعنایت تھی۔

حضرت محمدی شاہؒ کی زیارت

الہ آباد میں ایک بزرگ تھے حضرت محمدی شاہ صاحب ولایتی۔ ایک بار حضرت والا کے والد ماجد بہ سلسلہ مقدمات الہ آباد تشریف لے گئے چونکہ ان کو بزرگوں سے ملنے کا بہت شوق تھا اس لیے شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اتفاق سے الہ آباد تشریف لاکر بخار میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت والا اطلاع پانے پر کانپور سے الہ آباد بایں خیال تشریف لائے کہ کچھ خدمت و تیمارداری کروں گا۔ چونکہ حضرت والا سے والد ماجد صاحب کو محبت بے غایت تھی لہذا جب حضرت والا پہنچے تو اس قدر مسرور ہوئے کہ یا تو اٹھنا بھی دشوار تھا یا حضرت والا کو مارکیٹ یعنی سبزی منڈی دکھلانے کو لے گئے اور حضرت والا کو کھلانے کے لیے وہاں سے امرود خریدے جو الہ آباد کا ایک مشہور تحفہ ہے۔ پھر حضرت والا کے رہتے رہتے ہی بالکل اچھے ہو گئے اور اچھے ہونے کے بعد حضرت والا کو حضرت محمدی شاہ صاحبؒ کی خدمت میں بھی لے گئے اور عرض کیا کہ یہ میرا بڑا لڑکا ہے اور دیوبند کا فارغ التحصیل ہے۔ اس نے فارسی میں ایک مثنوی لکھی ہے۔ شاہ صاحب نے حضرت والا سے مثنوی زیروبم کے کچھ اشعار سنے جب سن چکے تو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ قال کو حال کرے۔ شاہ صاحب مسائل اختلافیہ میں عملاً کسی قدر تسامح کرتے تھے لیکن چونکہ درویش تھے اس لیے احتیاط کرنے والوں سے بھی منازعت نہ کرتے تھے ان کا مسلک صلح کل تھا جیسا کہ بعض درویشوں کا ہوا کرتا ہے چونکہ ان مسائل میں منازعت کرنے والوں کو اچھا نہ سمجھتے تھے اس لیے حضرت والا سے اعتراضاً پوچھا کہ مولوی اس آیت کا ترجمہ کرو ولکل امة جعلنا منسکاھم نا سکوہ فلاینازعنک في الامر۔ حضرت والا نے فوراً فرمایا کہ فلا تنازعھم نہیں فرمایا بلکہ فلاینازعنک فرمایا یعنی اہل باطل کو چاہیے کہ اہل حق سے منازعت نہ کریں اہل حق کو ممانعت نہیں فرمائی کہ وہ بھی اہل باطل سے منازعت نہ کریں۔ اہل حق کو تو چاہیے کہ اہل باطل کی مخالفت کریں۔ یہ سن کر شاہ صاحب بجائے اس کے کہ ناخوش ہوں خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

یہ واقعہ نقل فرما کر حضرت والا نے فرمایا کہ الحمدللہ میں اظہار حق میں کسی کے سامنے کبھی

پڑھا تو ہوں نہیں لیکن کسی کے ساتھ بے ادبی بھی کبھی نہیں کی حضرت والا کو جب کسی سے مسائل مختلف فیہا میں گفتگو کی نوبت آتی تو نہایت تہذیب کے ساتھ گفتگو فرمائی اور ایسے نرم عنوان سے اظہار حق فرمایا کہ مخاطب کی ذرا دل آزاری نہیں ہوئی اور اگر اس میں ذرا بھی انصاف ہوا تو حق کو تسلیم ہی کرنا پڑا جیسا کہ اگلے واقعہ میں بھی یہی ہوا جو آگے آتا ہے۔

حضرت حافظ سراج الیقین ؒ کی زیارت:۔

جناب مولانا صادق الیقین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت والا کے شاگرد اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ ان کے اور ان کے والد صاحب حضرت حافظ سراج الیقین صاحب میں جو کرسی کے ایک بہت خوش اوقات سجادہ نشین بزرگ تھے بوجہ اختلاف مشرب بہت کشیدگی ہوگئی تھی حتیٰ کہ قطع تعلق تک نوبت پہنچ گئی تھی لیکن حضرت والا نے ایسے لطیف اور نرم عنوان سے حافظ صاحب کو ان مسائل کے متعلق تحریر لکھ کر بھیجی (جو بنام مکتوب محبوب القلوب طبع بھی ہو چکی ہے) کہ ان کی رائے بہت نرم ہوگئی اور بیٹے سے صلح ہوگئی۔ جس سے حضرت مولانا گنگوہیؒ بھی بہت خوش ہوئے جیسا کہ ایک موقع پر خود بمواجہہ حضرت والا حضرت مولانا نے ایک صاحب سے فرمایا کہ ان کی بدولت صلح ہوئی اور حافظ صاحب کو باوجود اختلاف مشرب حضرت مولانا سے اس قدر حسن ظن بڑھا کر حضرت والا سے ایک مختصر گفتگو ہونے کے بعد قبر پر چادر چڑھانا ترک کر دیا اور اپنے ایک ہم مشرب اور معتقد فیہ عالم سے ایک مسئلہ پر سختی کے ساتھ اختلاف کیا اور حضرت والا کی جانب اشارہ کر کے فرمایا کہ موجود ہیں ہندوستان بھر میں جس عالم کا جی چاہے ان سے گفتگو کرلے میں ان کے برابر کسی کو عالم نہیں سمجھتا۔ حالانکہ اس گفتگو کو حضرت والا نے پسند نہیں فرمایا مگر وہ جوش محبت میں کہہ گئے اتنی پرانی عادت کا دفعتاً ترک کر دینا بڑی بات ہے اگرچہ کچھ عرصہ کے بعد ایک خواب کی بناء پر انہیں کچھ وہم ہوگیا اور پھر چادر چڑھانے لگے ان حافظ صاحب کی زیارت کے لیے بھی حضرت والا بمعیت مولانا صادق الیقین صاحب کرسی تشریف لے گئے تھے۔

حضرت شاہ عبداللطیف رحمہ اللہ کی زیارت

اسی طرح باوجود اختلاف مشرب حضرت شاہ عبداللطیف صاحبؒ سے ملنے کے لیے (جو ایک تارک الدنیا بزرگ تھے اور جو کانپور کی تشریف آوری میں حضرت والا سے بہت محبت سے ملنے آیا کرتے تھے) ستھن کا سفر فرمایا۔

حضرت شاہ محمد شیر خان رحمہ اللہ کی زیارت

ایک عقد میں پیلی بھیت جانا ہوا تھا تو وہاں کے مشہور بزرگ حضرت شاہ محمد شیر خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی اور یہ دعا چاہی کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اپنے دونوں ہاتھ تو رگڑو حضرت والا نے بلا تامل محض امتثالاً للامر بہ غایت عقیدت دونوں ہاتھ ملے جب مل چکے تو پوچھا کہ کچھ گرمی بھی پیدا ہوئی عرض کی جی ہاں۔ فرمایا بس اسی طرح قلب کو رگڑے جاؤ انشاء اللہ تعالیٰ محبت کی گرمی پیدا ہو جائے گی۔

حضرت حافظ عبدالرحمٰنؒ مراد آبادی

حضرت حافظ عبدالرحمٰن صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ جو سائیں توکل شاہ صاحب کے خلیفہ تھے حضرت والا سے بہت محبت بلکہ اعتقاد رکھتے تھے یہاں تک کہ اپنی اہلیہ محترمہ کو حضرت والا ہی سے بیعت کرایا تھا اور احقر کی موجودگی میں ایک بار تھانہ بھون بھی حضرت والا سے ملنے تشریف لائے تھے۔

حضرت شاہ ابو احمد بھوپالی رحمہ اللہ سے ملاقات

حضرت مولانا شاہ ابو احمد صاحب مجددی بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ سے اول بار کانپور میں ملاقات ہوئی۔ پھر جب دوران سفر میں حضرت والا بھوپال تشریف لے گئے تو خود مکان پر ملنے گئے۔ اتفاق سے اس وقت شاہ صاحب سو رہے تھے۔ حضرت والا انتظار میں بیٹھے رہے جب سو کر اٹھے تو خادموں نے اطلاع کی۔ ان پر بہت خفا ہوئے کہ مجھے جگا کیوں نہیں دیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ کیا ہوا میں آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ فرمایا ان لوگوں کو تو چاہیے تھے کہ

مجھے جگا دیتے غرض بہت لطف ومحبت کے ساتھ ملے۔

حضرت بہادر علی شاہؒ کی زیارت

دیوبند میں ایک بزرگ تھے حضرت بہادر علی شاہ صاحب جو تھے تو بالکل ان پڑھ لیکن اس درجہ کے شخص تھے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کی زیارت کو جایا کرتے اور کثرت سے جایا کرتے حضرت والا بھی ان کی زیارت کے لیے حاضر ہوا کرتے اور وہ بہت محبت سے ملتے اور چائے پلاتے۔

ملا شہاب الدین مجذوب رحمہ اللہ

بزمانہ طالب علمی دیوبند میں دو مشہور مجذوب تھے ایک حضرت ملا شہاب الدین صاحب ولایتی اور دوسرے حضرت گھیسن شاہ صاحب۔ ملا صاحب بحیثیت صاحب خدمت ہونے کے ایک امر تکوینی کے متعلق ایک اہل باطل جماعت کے طرفدار تھے لیکن جب حضرت مولانا مع دیگر طلباء کے ان سے اس جماعت کے لیے بددعا کراتے تو بجائے غصہ ہونے کے لطف کے ساتھ فرماتے۔ خدا خیر کند خدا خیر کند۔ ملا صاحب سے تو اکثر ملاقات ہوتی رہتی تھی کیونکہ وہ بہ اجازت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ چھتہ کی مسجد میں مقیم تھے جہاں مولانا خود بھی قیام فرماتے تھے اور وہاں حضرت والا کی کثرت سے آمدورفت رہتی تھی۔

حضرت گھیسن شاہ مجذوبؒ

گھیسن شاہ صاحب جو بہت بوڑھے تھے یہاں تک کہ پلکیں اور بھویں بھی سفید ہوگئی تھیں اور نہایت شاندار سفید داڑھی تھی۔ اکثر اس مکان کے کوٹھے پر رہتے تھے جہاں طوائفیں رہتی تھیں اور کبھی کبھی ایک باغ میں بھی آجایا کرتے تھے۔ حضرت والا نے ایک بار سنا کہ اس وقت باغ میں ہیں تو اور طالب علموں کو لے کر پہنچے لیکن وہ واپس جا چکے تھے چونکہ اور طالب علم بھی ہمراہ تھے اس لیے حضرت والا کو جرأت ہوئی کہ یہاں نہیں ملے تو آؤ طوائفوں والے مکان ہی پر چل کر مل آئیں کیونکہ بہت دن سے اس فکر میں تھے کہ ان سے

ملیں۔ وہاں بالاخانہ پر پہنچ کر ملے اور مٹھائی پیش کر کے دعا کی درخواست کی۔ شاہ صاحب نے ایک بہت طویل عبارت زبان سے کہنی شروع کی جو کچھ سمجھ میں نہ آئی۔ البتہ صرف ہم قافیہ الفاظ قلم علم وغیرہ سمجھ میں آتے تھے حضرت والا مع اور طلباء کے کھڑے سنتے رہے جب وہ بہت دیر کے بعد خاموش ہوئے تو واپس چلے آئے ان سے صرف ایک ہی بار ملاقات ہو سکی کیونکہ جہاں ان کا زیادہ قیام رہتا تھا وہ ایسا مکان تھا جہاں آمد و رفت نامناسب تھی۔

حضرت پیر احمدؒ

حضرت حافظ غلام مرتضٰی صاحب مجذوب پانی پتی جن کی دعا سے حضرت والا پیدا ہوئے تھے اور جن کا حال عنوان ولادت میں مذکور ہو چکا ہے۔ ایک بڑے مستند مجذوب تھے جو اس زمانہ کے مشائخ کے نزدیک بھی مسلم تھے اور حضرت حاجی صاحبؒ بھی ان کی مدح فرمایا کرتے تھے۔ ان کے ایک صاحبزادے تھے حضرت پیر احمد صاحبؒ وہ بڑے صاحب کشف اور صاحب حال وقال بزرگ تھے اور تھانہ بھون میں اپنے معتقدین کے یہاں اکثر تشریف لاتے رہتے تھے۔ حضرت والا سے بہت محبت فرماتے اور جب تھانہ بھون تشریف لے تو حضرت والا سے اہتمام کر کے ملتے اور اگر اطلاع مل جاتی تو حضرت والا بھی اہتمام کر کے ملتے چنانچہ ایک بار ادھر تو حضرت والا ملنے چلے اور ادھر وہ بھی چلے تھوڑی دور چل کر انہیں کشف ہو گیا اور یہ فرما کر واپس لوٹ گئے کہ اب تو وہ خود ہی آ رہے ہیں۔

حضرت خلیل پاشاؒ کی زیارت

مکہ معظمہ میں ایک مشہور بزرگ تھے حضرت خلیل پاشا ان کی خدمت میں اکثر علماء جو حج کو آتے تھے حاضر ہوتے تھے لیکن حضرت والا حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز کی موجودگی میں کسی دوسرے شیخ کے پاس جانے کو خلاف وحدت مطلب سمجھتے تھے لہذا حاضر نہ ہوئے۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی صاحب فرما رہے تھے کہ تم خلیل پاشا سے نہیں ملے۔ حضرت والا نے جواب دیا کہ اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے لوگ حج کو آتے ہیں۔ تو مقصود خانہ کعبہ ہوتا ہے جس کے مختلف طرق ہیں کوئی بمبئی ہو کر آتا ہے کوئی کراچی ہو کر۔ اسی

طرح اس طریق میں مقصود حق تعالیٰ ہیں اور شیوخ طرق ہیں۔ جب ہم نے حضرت حاجی صاحب کو اپنا شیخ طریقت تجویز کرلیا تو پھر دوسرے شیخ کے پاس جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مقصود کے حصول کے لیے وہی کافی ہیں اس جواب کو سن کر وہ خاموش ہوگئے۔ اس خواب کو حضرت والا نے حضرت حاجی صاحبؒ سے عرض کیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کیا مضائقہ ہے زیارت کرآؤ۔ بزرگ آدمی ہیں۔ چنانچہ حضرت والا حاضر ہوئے۔ فرمایا کہ میں اردو نہیں جانتا عربی' فارسی اور ترکی جانتا ہوں ان میں سے جس زبان میں چاہو گفتگو کروں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ترکی تو میں بالکل نہیں جانتا البتہ عربی و فارسی جانتا ہوں۔ اور عربی سمجھ تو لیتا ہوں لیکن اس میں بے تکلف گفتگو نہیں کرسکتا۔ فارسی میں گفتگو بھی کرلیتا ہوں اور سمجھ بھی لیتا ہوں چنانچہ فارسی میں گفتگو کرتے رہے۔ دوران گفتگو میں ہندی علماء کی بہت تعریف فرمائی کہ ان میں طمع دنیا نہیں ہوتی اور متقی ہوتے ہیں۔ حضرت والا نے پوچھا کہ کن کن ہندی علماء سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ فرمایا مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب سے۔ حضرت والا نے دل میں کہا کہ پھر بھلا کیوں نہ تعریف کریں گے۔

احقر مؤلف عرض کرتا ہوں کہ قرینہ مقام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بزرگ خود حضرت والا کی ملاقات سے بھی متاثر ہوئے تھے جبھی ہندی علماء کی تعریف کی طرف ذہن منتقل ہوا۔

حضرت صوفی شاہ سلیمان لاجپوری رحمہ اللہ

سفر راندیر میں حضرت صوفی شاہ سلیمان صاحب لاجپوریؒ نے کئی بار حضرت والا سے مختلف مقامات پر بھی تشریف لاکر کبھی اتفاقاً ملاقات کی۔ وہ ان اطراف میں ایک مشہور صاحب سلسلہ بزرگ تھے اور بہت زیادہ عمر تھی۔ ایک سورتی صاحب کے قول کے مطابق سو برس کے قریب عمر تھی۔ حضرت والا کے ساتھ بہت محبت سے پیش آئے بلکہ ایک مقام پر غالباً سورت میں حضرت والا کو دور تک سواری میں پہنچانے بھی تشریف لائے۔

ایک سورتی صاحب اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت والا راندیر سے

سورت تشریف لیجارہے تھے اور صوفی صاحب سورت سے راندیر تشریف لارہے تھے راستہ میں ایک پل پر اپنی گاڑی سے اتر کر حضرت والا سے ملے۔ حضرت والا موٹر میں تھے۔ ملنے کے بعد صوفی صاحب راندیر پہنچ کر ایک مسجد میں بیٹھے بہت دیر تک روتے رہے۔ ایک صاحب نے سبب پوچھا تو حضرت والا کا نام لیکر فرمایا کہ نہ جانے آنکھوں سے کیا کر گئے۔ حضرت والا نے یہ واقعہ سن کر فرمایا کہ یہ ان کی غایت محبت وتواضع تھی کہ اتنے بڑے اور ذی وجاہت بزرگ ہو کر بھی اپنے معتقدین میں ایسی بات بے تامل فرمائی۔

حضرت قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ

جب حضرت والا کانپور میں قیام پذیر تھے تو حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتیؒ ادھر سے گزرے۔ حضرت والا خبر آمد سن کر اسٹیشن پر تشریف لے گئے اور قاری صاحب کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی چہل حدیث سنا کر سند حاصل کی اور اس طرح علاوہ زیارت کے فخر تلمذ بھی حاصل کیا۔

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم ندوہ کو حضرت والا سے بہت محبت اور خصوصیت کا تعلق تھا۔ جس زمانہ میں حضرت والا کا کانپور میں قیام تھا مولانا بھی وہیں مقیم تھے۔ پہلے مولاناؒ نے ایک مدت دراز تک کانپور قیام فرمایا بعد کو مونگیر میں جا کر مستقل طور پر قیام پذیر ہو گئے اور وہاں ایک خانقاہ رحمانی بھی قائم فرمائی۔

مولانا نذیر حسین دہلویؒ

حضرت والا غایت بے تعصبی کی بناء پر محدث سمجھ کر جناب مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی جو اہل حدیث کے بہت سر برآوردہ علماء میں سے تھے دو بار ملے۔ ایک بار تو طالب علمی کے زمانہ میں بمقام دہلی ملے، بوقت ملاقات حضرت والا سے پوچھا کہ

آپ کس غرض سے تشریف لائے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ آپ سے ملنے کی غرض سے آیا ہوں۔ مدرسہ دیوبند میں پڑھتا ہوں۔ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ کہاں ٹھہرے ہیں حضرت والا نے فرمایا کہ اپنے ایک عزیز کے یہاں ٹھہر گیا ہوں۔ غایت عنایت سے فرمایا کہ مجھے آپ سے شکایت ہے آپ ملنے تو آئے مجھ سے اور ٹھہرے دوسری جگہ۔

اس زمانہ میں ایک غیر مقلد طالب علم مدرسہ دیوبند میں پڑھتا تھا۔ اس نے حضرت امام محمدؒ کی شان میں کچھ گستاخانہ کلمات استعمال کیے تھے اس پر اور طالب علموں نے اسے پیٹ دیا تھا اس واقعہ کی شکایت بھی کی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ آپ نے واقعہ تو سنا لیکن اس کا سبب بھی آپ کو معلوم ہے۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اس نے حضرت امام محمدؒ کی شان میں گستاخانہ کلمات استعمال کیے تھے۔ اس پر طلباء کو غصہ آ گیا۔ یہ سن کر مولوی صاحب نے فرمایا کہ واقعی یہ اس کی بڑی بیجا حرکت تھی۔

پھر ایک بار حضرت والا سفر میں بمقام آرہ مقیم تھے کہ اتفاق سے مولوی نذیر حسین صاحب بھی وہاں تشریف لے آئے حضرت والا ان کے قیام گاہ پر ملنے تشریف لے گئے اس وقت ایک غالی غیر مقلد مولوی صاحب نے جو ان کے پاس بیٹھے تھے دوران گفتگو میں حضرت ابن ہمامؒ کی کچھ تنقیص کی۔ مولوی صاحب نے ان کو ڈانٹا کہ یہ بڑے لوگ تھے ہمارا منہ نہیں کہ ہم ان کی شان میں کچھ کہہ سکیں۔ حضرت والا نے یہ واقعات نقل کر کے فرمایا کہ مولوی صاحب کے ان اقوال سے غیر مقلدین کو سبق حاصل کرنا چاہیے۔

اس جگہ حضرت والا کا ایک طالب علمی کے زمانہ کا خواب یاد آ گیا۔ یہ دیکھا کہ مولوی نذیر حسین صاحب کی دہلیز میں کچھ طلباء جمع ہیں اور چھاچھ تقسیم ہو رہی ہے گو حضرت والا کو چھاچھ سے طبعاً بے حد رغبت ہے لیکن خواب میں اس چھاچھ کے لینے سے انکار کر دیا جو وہاں تقسیم ہو رہی تھی۔ حضرت والا کے ذہن میں اس خواب کی تعبیر فوراً یہ آئی کہ اس جماعت کا طریق دین کی محض صورت ہے جس میں معنی نہیں جیسے چھاچھ گو صورۃً دودھ کے مشابہ ہوتی ہے لیکن اس میں روغن نہیں ہوتا۔ دین کی اور علم دین کی صورت مثال دودھ ہے جس کی تائید

حدیث سے بھی ہوتی ہے اور یہاں دودھ کے بجائے چھاچھ تقسیم ہوتی دیکھی گئی جو دودھ کے مشابہ تو ہوتی ہے لیکن دودھ میں جو اصل چیز ہے یعنی روغن وہ اس میں نہیں ہوتا۔ اہل حدیث کے متعلق حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اگر بدگمانی اور بدزبانی نہ کریں تو خیر یہ بھی سلف کا ایک طریق ہے گو خلف کا قیاس سلف پر اس باب میں مع الفارق ہے یہ بھی فرمایا کہ مجھ سے متعدد غیر مقلد بیعت بھی ہیں۔ میں اس میں سخت نہیں ہوں انہیں بھی بیعت کر لیتا ہوں بشرطیکہ تقلید کو جائز سمجھتے ہوں گو واجب نہ سمجھتے ہوں مگر معصیت بھی نہ سمجھتے ہوں۔ لیکن جس کو دل ملنا کہتے ہیں وہ باوجود قلب کو متوجہ کرنے کے بھی نہیں ہوتا۔ ان کی نیکی میں شک نہیں لیکن نیکی بدرجہ محبوبیت نہیں کیونکہ ان حضرات میں عموماً ادب کی کمی ہوتی ہے۔ بیباک ہوتے ہیں اور تقویٰ کا اہتمام بھی بہت کم کرتے ہیں جس سے ایک گونہ انقباض ہوتا ہے۔

حضرت حافظ تفضّل حسینؒ

حضرت حافظ تفضّل حسین صاحبؒ ساکن بگھر، ضلع مظفر نگر سے جو راس الاتقیاء، حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ سے بیعت تھے اور اس نواح میں بہت مشہور تھے حضرت والا کو کئی بار ملنے کا اتفاق ہوا فرماتے ہیں کہ بہت اچھے بزرگ تھے اور بہت سیدھی سچی اور اچھی باتیں فرمایا کرتے تھے اور مجھ سے بہت محبت فرماتے تھے۔

حضرت حافظ احمد حسینؒ شاہجہاں پوری

حضرت حافظ احمد حسین صاحب شاہجہاں پوریؒ جو باوجود شاہجہاں پور کے بڑے رئیس ہونے کے صاحب سلسلہ بزرگ بھی تھے۔ حضرت والا سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ایک بار کسی کے لیے بددعا کی تو وہ شخص دفعتہً مر گیا، بجائے اس کے کہ اپنی اس کرامت سے خوش ہوتے ڈرے اور بذریعہ تحریر حضرت والا سے مسئلہ پوچھا کہ مجھے قتل کا گناہ تو نہیں ہوا حضرت والا نے نہایت مفصل جواب دیا جس سے ان کی پوری تشفی ہو گئی۔

خلاصہ جواب کا یہ تھا کہ اگر آپ میں قوت تصرف ہے اور بددعا کرنے کے وقت

آپ نے اس قوت سے کام لیا تھا یعنی یہ خیال قصد اور قوت کے ساتھ کیا تھا کہ یہ شخص مر جائے تب تو قتل کا گناہ ہوا اور چونکہ یہ قتل شبہ عمد ہے اس لیے دیت اور کفارہ واجب ہوگا اور اگر ایسا نہیں تو قتل کا گناہ تو نہیں ہوا لیکن اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ کس بات پر بددعا کی تھی اور کیا بددعا کی تھی۔ اور آیا وہ بات اس درجہ کی تھی کہ اس قسم کی بددعا کا آپ کو شرعاً حق حاصل تھا اگر وہ دعا بحق تھی تو بددعا کا بھی گناہ نہیں ہوا اور نہ بددعا کا گناہ ہوا۔ غرض نہایت مفصل جواب تحریر فرمایا تھا جس میں تمام جزئیات سے تعرض کیا گیا تھا اور ہر جزئی کا جدا حکم لکھا تھا۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اس قسم کا سوال بس عمر بھر میں ایک انہی نے کیا تھا جس سے ان کا غایت درجہ کا اہتمام تقویٰ ثابت ہوتا ہے۔ یہ بزرگ بعض فرعی اجتہادی مسائل سماع وغیرہ میں مختلف المشرب تھے۔

حضرت والا چونکہ بفضلہٖ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کے محقق ہیں اس لیے فرعی اختلافات کو شرعی حدود کے اندر رکھتے ہیں۔ فرمایا کرتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے میرے قلب میں کسی بزرگ کی طرف سے محض فرعی اختلافات کی بناء پر بدعقیدگی نہیں پیدا ہوتی۔ بشرطیکہ ان میں بزرگی کے آثار غالب ہوں۔ اللہ اللہ کرنے والوں سے حسن ظن ہی رکھتا ہوں گو وہ حضرات بعض غلطیوں میں بھی مبتلا ہوں لیکن یہ ضرور نہیں کہ ان کے اقوال و افعال کو شریعت پر منطبق کیا جائے بلکہ مغلوب الحال بزرگوں کے اقوال و افعال کی یہ تاویل کر لیتا ہوں کہ بوجہ مغلوبیت معذور ہیں یا جو اجتہادی امور ہیں ان میں اجتہادی اختلاف کی گنجائش سوء ظن سے مانع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ بھی باوجود نقشبندی ہونے کے بہ غایت رعایت مسلک دیگر ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں ”علاوہ آنکہ انچہ بدعت در بعضے اعمال آنہا (یعنی صوفیہ ۱۲) راہ یافتہ بنا بر خطائے اجتہادی است و مجتہد مخطی معذور ست و یک درجہ ثواب دارد و مجتہد مصیب دو درجہ ثواب دارد و اگر چنیں نباشد عافیت بر فقہاء بلکہ بر تمام عالم تنگ مے شود“

اس موقع پر حضرت والا کا ایک قول یاد آیا۔ فرمایا کرتے ہیں کہ محقق اپنے عمل کے لیے تو سخت ہوتا ہے لیکن دوسروں کے لیے نرم' بس بالکل یہی شان حضرت والا کی ہے جو رات دن مشاہد ہے۔

حضرت شاہ احسان الحقؒ

کانپور میں ایک بہت مشہور اور مستند بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت شاہ غلام رسول صاحبؒ جن کا لقب رسول نما تھا کیونکہ وہ اپنے تصرف سے حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت کرادیا کرتے تھے ان کے صاحبزادے حضرت شاہ احسان الحق صاحبؒ اس زمانہ میں بمقام کانپور مقیم تھے جس زمانہ میں حضرت والا وہاں تشریف فرما تھے وہ بھی ایک بابرکت صاحب سلسلہ بزرگ تھے۔ چنانچہ حضرت والا نے حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا کہ ان سے ایک بار ان کے پیرو مرشد حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ نے فرمایا کہ شاہ احسان الحق کے قلب میں برکت ہے ان سے کبھی کبھی ملتے رہنا۔ حضرت والا بھی کبھی کبھی ان کی خدمت میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور وہ بہت لطف وعنایت کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔

حضرت عبدالوہاب بغدادیؒ

علاوہ حضرت خلیل پاشا صاحب مہاجر مکی کے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے مکہ معظمہ میں حضرت والا نے ایک اور بزرگ کی بھی زیارت کی ہے جن کا اسم شریف عبدالوہاب بغدادی تھا۔ وہ بہ تصدیق حضرت حاجی صاحب قدس سرہ' العزیز بڑے صاحب کشف تھے۔ ایک بار اپنا ایک کشف حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز کی مجلس شریف میں بیان فرمایا کہ میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ اس وقت مالکی مصلیٰ پر حضرت امام مہدی علیہ اسلام نماز تہجد پڑھ رہے ہیں چنانچہ میں نے وہاں جاکر دیکھا تو واقعی حضرت امام وہاں نماز پڑھ رہے تھے پھر میں نے ان سے بیعت کی اھ۔

جب بغدادی صاحب یہ بیان کر کے مجلس سے چلے گئے تو حضرت حاجی صاحبؒ نے حاضرین سے فرمایا کہ یہ بڑے صاحب کشف ہیں۔ یہ سن کر حضرت والا اٹھے اور جا کر راستہ میں ان سے مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت آپ نے مجھے حضرت امام کی طرف سے بیعت فرمالیں کیونکہ نہ معلوم ظہور کے وقت میں زندہ رہوں یا نہ رہوں اور اس دولت سے محروم رہوں چنانچہ انہوں نے بیعت کرلیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یا تو ان کو کشف میں غلطی ہوئی یا جن بزرگ کو وہ امام سمجھ کر بیعت ہوئے تھے خود ان بزرگ نے اپنے کو غلطی سے امام سمجھ لیا ہو چنانچہ بعض بزرگوں کو یہ دھوکا ہوگیا ہے۔ میں نے خود ایسے لوگ دیکھے ہیں جو بہت نیک اور دیندار تھے لیکن اس دھوکہ میں تھے کہ ہم مہدی ہیں۔ میرٹھ میں ایک نیک شخص تھے ان کو بھی یہی خبط تھا کہتے تھے کہ تمام چڑیاں مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ تم مہدی ہو میں کیونکر یقین نہ کروں۔

حضرت مولانا شاہ ابوالحسن صاحبؒ (سابق مہتمم جامع مسجد سہارنپور)

آپ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ کے مطابق پیر کے تعلق سے شاہ صاحب کے پیر بھائی تھے۔ یعنی آپ کو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سرساوی رحمۃ اللہ علیہ سے جو حضرت شاہ آخون صاحب ولایتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے شرف بیعت واجازت حاصل تھا۔ آپ بہت ہی خلوت پسند اور یکسور ہنے والے مقدس بزرگ تھے صرف تھوڑی دیر کے لیے گھر سے مسجد میں روزانہ تشریف لاتے تھے اور اہتمام مسجد کے متعلق کچھ حساب کتاب دیکھ بھال کر پھر مکان تشریف لے جاتے تھے۔ آپ علاوہ درویش کامل ہونے کے عالم بھی تھے اور علاوہ جامع مسجد کی خدمت اہتمام کے وہیں جمعہ کے دن گاہ گاہ وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں جبکہ حضرت والا کے چھوٹے بھائی منشی اکبر علی صاحب مرحوم ومغفور سہارنپور میں ملازم تھے جب کبھی حضرت والا سہارنپور تشریف لے جاتے تو

شاہ صاحب ممدوح کی خدمت میں بھی خاص طور پر ملنے جاتے اور شاہ صاحب نہایت توجہ ولطف وعنایت اور محبت وخصوصیت واکرام سے حضرت والا کے ساتھ پیش آتے اور دیر دیر تک باتیں فرماتے رہتے اور دینوی باتیں نہیں بلکہ برابر بزرگوں کے تذکرے اور طریق کے مسائل ہی بہت ذوق وشوق سے بیان فرماتے رہے۔

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے سابق پیر جو آخون صاحب ولایتی کے خلیفہ اور حضرت شاہ صاحب کے ہمنام تھے۔ حضرت والا سے بہت محبت کرتے تھے جب حضرت والا نے سہارنپور میں زیارت کی اور دعا کے لیے عرض کیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بدن کو امیر رکھے اور دل کو فقیر چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ایسا ہی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ حضرت والا کو اسی طرح بدن کا امیر اور دل کا فقیر ہی رکھے۔ آمین ثم آمین۔

سائیں توکل شاہؒ

سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا بھی دوران سفر میں بمعیت حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اتفاق ہوا اور دعائیں حاصل کیں۔ بعض خاص خاص باتیں بھی شاہ صاحب سے سنی تھیں جن کو حضرت والا نقل فرمایا کرتے ہیں مثلاً شاہ صاحب نے قسم کھا کر فرمایا کہ ذکر کرتے وقت میرا منہ بس بالکل ایسا ہی میٹھا ہو جاتا ہے جیسے مٹھائی کھانے سے ہو جایا کرتا ہے۔

حضرت مولانا غلام محمد، حضرت مولانا تاج محمود اور حضرت پیر جھنڈا

حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری جو بقید حیات ہیں اور حضرت مولانا

تاج محمود صاحب امروٹی اور حضرت پیر جھنڈا صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ جو سندھ کے مشہور مشائخ ہیں ان سب حضرات سے بھی حضرت والا کو ایک سندھی مولوی صاحب نے بہ سلسلہ سفر ملایا تھا۔ سب حضرات نے حضرت والا کی بہت تعظیم و تکریم فرمائی۔ مولانا غلام محمد صاحب اور بالخصوص مولانا تاج محمود صاحبؒ سفر میں ہمراہ بھی رہے۔ پیر جھنڈا صاحب نے ایک قیمتی خرقہ بھی عطا فرمایا تھا اور اپنے مریدین کو وصیت فرما گئے ہیں کہ جس بات کے پوچھنے کی ضرورت ہو یا تم لوگوں کے درمیان کسی امر میں اختلاف ہو تو مولانا سے (یعنی حضرت والا) سے رجوع کرنا۔ مولانا تاج محمود صاحبؒ کی رائے مولانا کے ایک مرید کے خط موصولہ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ حضرت والا کو لکھتے ہیں کہ چونکہ احقر کی بیعت حضرت مولانا تاج محمود صاحب امروٹی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ ان بزرگ کے یہ الفاظ کہ ''حضرت مولانا اشرف علی صاحب چونکہ اہل حق ہیں ان کی محبت حق تعالیٰ جل شانہ کی محبت ہے۔'' احقر کے گوش میں اب تک اسی طرح ہیں جس طرح سننے کے وقت تھے اور چونکہ حضور والا حکیم الامت ہیں اس لیے وسیلہ جان کر مستدعی ہوں کہ الخ راقم غلام حسین ہیڈ ماسٹر اسکول چاکیان شہزاد کوٹ ضلع لاڑکانہ ملک سندھ۔

مولانا محمد عادل کانپوریؒ

جناب مولانا محمد عادل صاحب کانپوریؒ بھی باوجود بعض فرعی اجتہادی مسائل میں قدرے اختلاف رکھنے کے حضرت والا کے ساتھ بہت لحاظ اور محبت فرماتے تھے۔

لکھنؤ کے مشہور بزرگ

لکھنؤ کے مشہور بزرگوں کی بھی حضرت والا نے زیارت کی مثلاً حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی و حضرت مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی و حضرت مولانا عین القضاۃ صاحب

رحمہم اللہ اوران سب حضرات نے حضرت والا کے ساتھ بہت خصوصیت کا برتاؤ فرمایا۔
آخرالذکر بزرگ کی رائے بعض فرعی اجتہادی مسائل میں بعد کو کچھ مختلف ہوگئی تھی۔

اختلافیات میں حضرت کا ذوق

ان سب واقعات سے حضرت والا کی کمال بے تعصبی اور بزرگان دین کے ساتھ کمال عقیدت ظاہر ہے۔ اختلافیات میں تو حضرت والا کا مذاق باوجود احتیاط فی المسلک کے اس قدر وسیع اور حسن ظن کو لئے ہوئے ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی بھی جن کی سخت ترین مخالفت اہل حق سے عموماً اور حضرت والا سے خصوصاً شہرہ آفاق ہے ان کے بھی برا بھلا کہنے والوں کے جواب میں دیر دیر تک حمایت فرمایا کرتے ہیں اور شدومد کے ساتھ رد فرمایا کرتے ہیں کہ ممکن ہے ان کی مخالفت کا سبب واقعی حب رسولؐ ہی ہو اور وہ غلط فہمی سے ہم لوگوں کو نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخ ہی سمجھتے ہوں۔ کیا ٹھکانا ہے اس رواداری اور حسن ظن اور اہتمام حفظ حدود کا۔ بالخصوص ایک شخص کے انتقال کے بعد کیونکہ خاتمہ کی کس کو خبر ہے کہ کیسا ہوا ہو

سرسید خان کے متعلق رائے

حضرت والا سرسید احمد خان مرحوم کے متعلق بھی فرمایا کرتے ہیں کہ ع عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو۔ سرسید کو مسلمانوں کے دنیوی فلاح کی بہت ہی دھن تھی اور اس معاملہ میں بڑی دلسوزی تھی کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی صفت پر فضل فرمادیں۔ اور اکثر مرحوم کی اس صفت کے متعلق نیز بعض اکابر کے ساتھ مرحوم کے حسن عقیدت کے واقعات نقل فرمایا کرتے ہیں۔ اور فرمایا کرتے ہیں کہ سرسید کا عقیدہ توحید اور رسالت کے متعلق جس درجہ کا بھی تھا وہ نہایت پختہ اور بلا وسوسہ تھا جیسا کہ ان کی تصانیف سے مجھ کو اندازہ ہوا۔ اور قرآن وحدیث میں انہوں نے جو جو تاویلات وتوجیہات کی ہیں ان کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کا اسلام پر کوئی اعتراض وارد نہ ہوسکے گو اس کا جو طرز انہوں نے اختیار کیا وہ غلط تھا۔

اسی لیے میں ان کو نادان دوست کہا کرتا ہوں اھ۔

حسنِ ظن کا غلبہ

حضرت والا بڑے بڑے فاسقوں اور فاجروں کے بھی ایسے ایسے واقعات جن سے ان کا عاشق دین ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بیان فرما فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ بھلا ایسی حالت میں کس کو برا سمجھا جائے اور اسی سلسلہ میں فرمایا کرتے ہیں کہ بعضے فاسقوں میں کوئی ایسی بات ہوتی ہے کہ بڑے بڑے مشائخ میں نہیں ہوتی لہذا کسی کو حقیر نہ سمجھا جائے۔ حضرت والا میں عبدیت اور فنا اور اپنے ہیچ ہونے کا ہر وقت استحضار اس درجہ ہے کہ بات بات سے یہی صفات مترشح ہوتی ہیں اور نظر غور سے دیکھنے والے حضرت والا میں ان صفات کا ہر وقت مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ سارے حسن ظن کے واقعات بھی جو اوپر مذکور ہوئے انہیں صفات سے ناشی ہیں۔ نیز احکام شرعیہ بھی ایسے ہی حسن ظن کو مقتضی ہیں چونکہ حضرت والا بعون اللہ تعالیٰ ہر حکم شرعی کی حقیقت اور حدود کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اس لیے تنگ نظر نہیں اور محقق کی یہی شان ہوتی ہے۔ وہ ہر شے کو اس کے مرتبہ پر رکھتا ہے اور یہی اعتدال صراط مستقیم ہے جس کو اس زمانہ افراط و تفریط میں جبکہ عموماً لوگوں کا مسلک تجاوز عن الحدود ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ نے بواسطہ حضرت والا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ پر روز روشن کی طرح واضح فرما کر اپنی حجت تمام فرما دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق استفاضہ عطا فرمائے۔ و ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ خود بارہا فرمایا کرتے ہیں کہ میری ہر وقت یہ کوشش رہتی ہے کہ لوگوں کو امر دین کی حقیقت معلوم ہو بس اسی کو لوگ سختی سمجھتے ہیں۔

سلسلۂ امدادیہ کے بزرگوں کی توجہات

یہاں تک تو دیگر سلسلوں کے بزرگوں کی زیارات اور ان حضرات کی توجہات و عنایات کا ذکر تھا اب اپنے سلسلہ امدادیہ نوریہ کے بعض اکابر کی بعض عنایات وتوجہات وبشارات ودعوات اور مدحیہ کلمات نقل کر کے اس مضمون کوانشاء اللہ تعالیٰ ختم کر دیا جائے گا۔

شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

اپنے سلسلے کے بزرگوں میں سب سے زیادہ اس بزرگ ترین ذات گرامی کی توجہات وعنایات بے غایات کا ذکر مستحق تقدیم ہے جس کی بدولت آج حضرت والا بفضلہٖ تعالیٰ اس مرتبہ عالیہ پر متمکن ہیں اور اسی ذات قدسی آیات کے ازسرتاپا گویا ساختہ و پرداختہ اور اس شعر کے بیساختہ مصداق ہیں۔

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم　　　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

(سر کی چوٹی سے لے کر قدموں تک جہاں بھی دیکھتا ہوں، حُسن دل کے دامن کو کھینچ کر کہتا ہے کہ یہی جگہ زیادہ حسین ہے)

اور وہی مقتدر ہستی سرچشمہ ہے حضرت والا کے جمیع انہار فیوض و برکات کا جن سے آج امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ بہ عنایت الٰہیہ شرقاً وغرباً متمتع ومنتفع ہو رہی ہے۔ اور جن کے ماء طاہر ومطہر سے دنیائے اسلام کا ایک بہت بڑا حصہ سیراب وشاداب ہو رہا ہے۔

اس مقتدر ہستی کا نام نامی واسم گرامی حضرت شیخ العرب والعجم شیخ العلماء والمشائخ امام الطریق حاجی شاہ امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی قدس سرہٗ العزیز ہے جن سے حضرت والا کو شرف بیعت حاصل ہے۔ اللہ اللہ حضرت حاجی صاحب کی بھی کیا بابرکت ہستی تھی کہ جس کے محض تصور اور ادنیٰ ذکر سے بھی قلب میں ایک انشراح اور روح میں ایک کیف پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے ادنیٰ تذکرہ سے بھی میرے

اندر ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ میں اس وقت اپنے حواس میں نہیں رہتا۔ گو دیکھنے والوں کو پتہ نہ چلے لیکن مجھ پر تو وہ حالت طاری ہوتی ہے۔ مجھے تو اچھی طرح اس کا اندازہ ہے۔

اس وقت بمصداق ارشاد حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ

ایں نفس جاں دامنم برتافتہ است　　　بوئے پیراہان یوسف یافتہ است

(روح کے اس سانس نے میرا دامن سمیٹ دیا ہے، کہ اس نے حضرت یوسفؑ کے کرتہ کی خوشبو پالی ہے)

واجب آمد چونکہ بردم نام او　　　شرح کردن رمزے از انعام او

(چونکہ میں نے اس کا نام لیا ہے اس لئے اس کے انعام کے راز کو بیان کرنا لازم ہے)

احقر کا بے اختیار جی چاہتا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی جو توجہات وعنایات خاصہ حضرت والا پر تھیں ان کو اسی موقع پر بیان کر دیا جائے لیکن چونکہ اس کا زیادہ مناسب موقع باب ''شرف بیعت و استفاضہ باطنی'' ہے جو آگے آتا ہے اس لیے اس وقت بہ جبر اپنے جذبات شوق کو دبا کر قلم کو روکتا ہوں اور اس مضمون کو باب مذکور پر محول کرتا ہوں اور اس جگہ علاوہ حضرت حاجی صاحبؒ کے دیگر حضرات سلسلہ کی عنایات و توجہات کو بطور نمونہ بیان کرتا ہوں۔

حضرت مولانا شیخ محمد رحمہ اللہ

حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو ایک مشہور اور متبحر عالم اور بڑے پایہ کے شیخ طریقت اور حضرت حاجی صاحب قدس سرہ' العزیز کے پیر بھائی تھے حضرت والا پر بچپن ہی سے خاص شفقت فرماتے تھے۔ جن کے بعض واقعات باب ''طفولیت'' میں مذکور بھی ہو چکے ہیں ان کا یہاں بھی مختصراً اعادہ کیا جاتا ہے۔

بچپن ہی سے شفقت

حضرت والا ابھی بالکل نو عمر ہی تھے کہ مولانا نے اپنی بصیرت باطنی سے فرما دیا تھا کہ میرے بعد یہ لڑکا ہوگا۔ اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت والا کی خاطر اس قدر عزیز تھی کہ ایک بار حضرت والا کے والد ماجد نے جن سے مولانا کو اس زمانہ میں کسی معاملہ زمینداری کے

متعلق برادرانہ رنجش ہوگئی تھی۔ حضرت والا کے ہاتھ کچھ پان اس مصلحت سے ان کی خدمت میں تحفۃً بھیجے کہ باوجود رنجش کے یہ توقع تھی کہ حضرت والا کی خاطر سے مولانا قبول فرمالیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس سے بخوبی واضح ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت والا پر بربنا کشف استعداد فطری کس قدر شفقت تھی۔ یہاں تک کہ بعد انتقال بھی حضرت والا سے خواب میں فرمایا کہ ہم کو تمہارے اوپر اب بھی ویسی ہی توجہ ہے جیسی کہ حیات میں تھی۔

اقطابِ ثلثہ

جب مولانا نے انتقال فرمایا تو حضرت والا کی عمر صرف تقریباً سولہ سال کی تھی کیونکہ مولاناؒ کا سال وفات ۱۲۹۶ھ تھا اور حضرت کا سال پیدائش ۱۲۸۰ھ ہے۔ مولاناؒ اپنے زمانہ کے اعظم مشائخ و علماء میں سے تھے اور ان تین بزرگ ہستیوں میں سے ایک تھے جو اپنے زمانہ میں اقطاب ثلاثہ کہے جاتے تھے۔ بقیہ دو حضرات حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ تھے۔ اور یہ تینوں حضرات پیر بھائی تھے اور خانقاہ امدادیہ میں مشغول ذکر و فکر رہا کرتے تھے۔ جن کی وجہ سے اس خانقاہ کا لقب مشائخ میں دکان معرفت ہوگیا تھا۔

کھلی بشارت

غرض حضرت والا پر حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم الشان اور جامع ظاہر و باطن بزرگ کی لڑکپن ہی سے اس درجہ شفقت و توجہ حضرت والا کی اہلیت کی کھلی بشارت تھی جو بفضلہ تعالیٰ بالکل صحیح ثابت ہوئی اور اس کی مصداق ہوئی۔ ع قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز جس پایہ کے محقق عالم اور کامل و مکمل درویش تھے عالم آشکارا ہے۔ اہل حق کے نزدیک آپ کا قطب الارشاد ہونا مجمع علیہ تھا۔ آپ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے خلیفہ اعظم تھے۔ حضرت والا نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں اول آپ ہی سے مدرسہ دیوبند میں بیعت کی درخواست کی تھی لیکن مولاناؒ نے طالب علمی کے زمانہ میں بیعت کرنے کو خلاف مصلحت اور حارج تحصیل علوم دینیہ خیال فرما

کر عذر فرما دیا۔ پھر حضرت والا نے جہاں تک حضرت والا کو یاد ہے کیونکہ بہت پرانی بات ہے غالباً مولاناؒ ہی کے ہاتھ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں عریضہ بھیجا کہ آپ مولانا سے فرما دیں کہ مجھے بیعت کر لیں۔ لیکن حضرت حاجی صاحبؒ نے خود ہی حضرت والا کو بیعت فرما لیا۔ اس کا مفصل حال انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ باب شرف بیعت واستفاضۂ باطنی میں آئے گا۔

غایت شفقت واحترام

یہاں صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی حضرت والا پر بہت ہی خاص عنایت تھی اور باوجود ہر طرح بڑے ہونے کے حضرت والا کا بہت ہی لحاظ فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ جب حضرت والا قیام تھانہ بھون کے ابتدائی زمانہ میں حاضر خدمت ہوئے تو حضرت مولاناؒ چارپائی سے اتر کر فرش پر تشریف لا کر بیٹھ گئے جہاں سب حاضرین بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت والا کو نہایت خجلت ہوئی اور عرض کیا کہ حضرت اب تو اکثر حاضری کا اتفاق ہوا کرے گا اور میں تو خادمانہ طور پر حاضر ہوتا ہوں خادموں ہی کا سا برتاؤ فرمایا کریں۔ مولاناؒ نے یہ فرما کر حضرت والا کی خجلت کو دور فرمایا کہ نہیں میں دیر سے لیٹا ہوا تھا اس لیے آ بیٹھا ہوں اھ۔ اس کے بعد سے خیال رکھا اور پھر حضرت والا کی تشریف آوری پر اپنی نشست کو نہ بدلتے تھے۔ لیکن پھر بھی مجموعی طور پر لحاظ ہی کا برتاؤ بلاقصد صادر ہوتا۔

میں تو اندھا نہیں

اس پر ایک بار کسی خادم نے عرض کیا کہ حضرت وہ تو اپنے کو حضرت کا ادنیٰ خادم سمجھتے ہیں اور پیر کا سا ادب کرتے ہیں آپ کیوں اتنا لحاظ فرماتے ہیں فرمایا کہ تم تو اندھے ہو میں تو اندھا نہیں اھ۔ حضرت مولانا کا یہ قول خود صاحب واقعہ نے حضرت والا سے نقل کیا۔

میں زندہ ہو جاتا ہوں

جب حضرت والا حاضر خدمت ہوئے تو حضرت مولاناؒ حضرت حاجی صاحبؒ کا تذکرہ بہت ذوق وشوق سے فرماتے اور فرماتے کہ بھائی جب تم آجاتے ہو تو زندہ ہو جاتا ہوں۔ ایک بار کچھ لوگوں نے بعض اختلافیات کے متعلق حضرت والا کی کچھ شکایت کرنا

چاہی تو حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ میں ان کی کوئی شکایت نہیں سننا چاہتا کیونکہ وہ جو کام کرتے ہیں حق سمجھ کر کرتے ہیں۔ نفسانیت سے نہیں کرتے۔

پکے پھل

ایک بار غایت تواضع سے فرمایا کہ بھائی انہوں نے حضرت حاجی صاحبؒ کے پکے پھل کھائے ہیں (یعنی حضرت حاجی صاحبؒ کے اخیر زمانہ کے فیوض و برکات حاصل کیے ہیں) اور ہم نے کچے پھل کھائے ہیں (یعنی ہم حضرت حاجی صاحبؒ کے شروع زمانہ کے مستفیدین میں سے ہیں) یہ واقعہ ارواح ثلاثہ کی حکایت نمبر ۴۵۰ میں بھی بہ اختلاف الفاظ مع توجیہ منقول ہے۔ اس توجیہ کا یہاں بھی نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے۔ یہ تواضع ہے اس کو تفاضل پر محمول نہ کیا جائے۔ حالات کے تفاضل سے ملابس حالات کا تفاضل لازم نہیں آتا کیونکہ حالت فاضلہ کے ملابس کی استعداد کا فاضل ہونا لازم نہیں اھ۔

عالم حقانی

ایک بار حضرت والا کا گنگوہ میں وعظ ہو رہا تھا تو جو کوئی حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا اس سے فرماتے کہ ایک عالم حقانی کا وعظ ہو رہا ہے وہاں جاؤ میرے پاس کیوں آئے ہو۔

مسئلہ ربوا فی دار الحرب

مسئلہ ربوا فی دار الحراب میں حضرت مولانا گنگوہیؒ کا حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مشہور قول پر جواز کا فتویٰ ہے اور حضرت والا اس میں حضرت امام یوسفؒ کے قول پر احتیاط کا فتویٰ دیا کرتے ہیں۔ ایک بار جمعہ کے دن مولاناؒ کی مجلس میں جس میں حضرت والا بھی موجود تھے اسی مسئلہ کا ذکر تھا۔ مولانا محمد یحیٰی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت مولاناؒ کے خادم خاص تھے اور جن کو حضرت والا کی اس مسئلہ کے متعلق رائے کا علم نہ تھا۔ حضرت والا کے متعلق عرض کیا کہ حضرت ان کو (یعنی حضرت والا کو) ان کے والد صاحب کے متروکہ روپیہ کے جو بینک میں تھے لینے کی کیوں اجازت نہیں دے دیتے۔ حضرت مولاناؒ نے باوجود اختلاف رائے کے فرمایا کہ سبحان اللہ اگر کوئی تقویٰ اختیار کرے تو کیا میں اس کو روکوں۔ جب حضرت والا کے والد ماجد کا

۱۳۰۵ھ میں انتقال ہوا تو حضرت والا نے ترکہ کے متعلق کچھ سوالات حجام کے ہاتھ حضرت مولاناؒ کی خدمت میں بھیجے گو سوالات بہت سے تھے اور حضرت مولاناؒ کو اس وقت آشوب چشم کی تکلیف تھی لیکن اس حال میں بھی سب سوالوں کے جواب تحریر فرما دیئے اور جوابوں کے اختصار کی یہ وجہ لکھی کہ آشوب چشم میں مبتلا ہوں اور چشم بند کردہ جواب لکھ رہا ہوں اھ۔

تم روزی سے پریشان نہ ہوگے

اسی ترکہ کے متعلق حضرت والا نے یہ رائے بھی لی تھی کہ اگر جائیداد نہ رکھوں تو کیسا ہے۔ حضرت مولاناؒ نے ارشاد فرمایا کہ اگر رکھو رخصت ہے اور نہ رکھو جب بھی حق تعالیٰ روزی سے تم کو کبھی پریشان نہ کرے گا۔ اھ۔ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ ایسا ہی ہوا۔

دعا کی درخواست

جب حضرت والا دوسری بار اس غرض سے عازم سفر حجاز ہوئے کہ اپنے پیرو مرشد حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں چھ ماہ قیام فرمائیں تو عین وقت پر حضرت مولانا قدس سرہٗ العزیز کو اپنی تیاری سفر کی اطلاع کی۔ حضرت مولاناؒ کا جو جواب آیا اس میں غایت تواضع سے تحریر فرمایا کہ وہاں حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں پہنچ کر مجھ کو بھی یاد رکھنا اور یہ شعر تحریر فرمایا۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی ۔۔۔ بیاد آر حریفاں بادہ پیما را

(جب تو محبوب کے ساتھ بیٹھ کر شراب پیئے تو شراب کے عادی اپنے حریفوں کو بھی یاد کر لینا)

خانقاہ کے لئے دعا

حضرت والا کے قیام تھانہ بھون کے بعد حضرت والا کے مواعظ اور مدرسہ امداد العلوم کے حالات سن سن کر حضرت مولاناؒ بہت مسرور ہوا کرتے اور فرماتے کہ یہ سب کچھ ہے مگر مجھے تو پوری خوشی جب ہوگی جب کچھ اللہ اللہ کرنے والے بھی وہاں جمع ہونے لگیں گے۔ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ ایسا ہی ہوا۔ حضرت مولاناؒ کو حضرت والا کے پاس اجتماع ذاکرین و طالبین کا اس قدر شوق تھا کہ اپنے پاس آنے والے بعض طالبین کو بھی حضرت والا کے پاس بغرض تربیت بھیج دیا کرتے۔ اھ۔

اور بہت سے واقعات عنایت ہیں جن کو حضرت والا بہت لطف لے کر بیان فرمایا کرتے۔ چونکہ یہاں اختصار مدنظر ہے اس لئے مذکورہ بالا واقعات ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ بعض کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ باب شرف بیعت واستفاضۂ باطنی میں آئے گا۔

حضرتِ والا کی عقیدت واحترام

حضرت والا کو بھی حضرت مولاناؒ سے اس درجہ عقیدت تھی کہ سوائے حضرت حاجی صاحبؒ کے اور کسی سے اتنی نہ تھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے ایسا جامع ظاہر و باطن بزرگ کوئی نہیں دیکھا۔ یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اور لوگوں کے ساتھ تو میری عقیدت استدلالی ہے اور مولاناؒ کے ساتھ غیر استدلالی' دلائل سوچنے سے بھی ذہن اِبا کرتا ہے کہ مولانا تو بزرگ ہیں ہی دلائل قائم کرنے کی کیا حاجت ہے ع۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب بلکہ دلائل کا سوچنا بھی خلاف ادب سا معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے حضرت مولانا سے یہ بھی اجازت لے رکھی تھی کہ اگر کوئی اشکال ظاہری یا باطنی پیش آئے تو پوچھ لیا کروں لیکن عمر بھر میں صرف تین چار ہی بار استفسار کی نوبت آئی پھر مولاناؒ کے جوابات کی ایسی برکت ہوئی کہ انہی سے سارے اشکالات حل ہوتے رہے۔ مزید استفسارات کی ضرورت ہی نہ واقع ہوئی۔ اھ۔ ایک بار حضرت والا نے توسل کی حقیقت دریافت کی چونکہ مولاناؒ کی ظاہری بینائی اس زمانہ میں آنکھوں میں پانی اتر آنے کی وجہ سے جاتی رہی تھی فرمایا کہ پوچھنے والے کون صاحب ہیں۔ حضرت والا نے اپنا نام بتا دیا۔ فرمایا کہ تمہارا یہ پوچھنا عجیب ہے۔ یہ فرما کر خاموش ہوگئے اور کوئی جواب ارشاد نہیں فرمایا۔ حضرت والا نے پھر پوچھنا خلاف ادب سمجھا۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ ایک مدت دراز کے بعد توسل کی پوری حقیقت خود بخود اللہ تعالیٰ نے میرے قلب میں القاء فرما دی۔ چنانچہ اس کی نہایت عجیب غریب اور جامع مانع تحقیق رسالہ الادراک و التوسل میں لکھ دی گئی ہے۔ اھ۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ العزیز کا بھی شرف زیارت حضرت والا

کو بزمانہ طالب علمی مدرسہ دیوبند میں اکثر حاصل ہوتا رہتا تھا لیکن چونکہ حضرت والا اس زمانہ میں بالکل نوعمر تھے نیز حضرت والا کے دیوبند پہنچنے کے تقریباً سال بھر بعد ہی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال بھی ہو گیا تھا۔ اس لیے خاص خصوصیت پیدا ہونے کا کوئی موقع ہی نہ تھا تاہم احقر نے حضرت والا سے بعض ایسے واقعات سنے ہیں جن سے مولانا کی عنایت خاص مترشح ہوتی ہے۔ کیونکہ عادۃً ایسا معاملہ اسی کے ساتھ کیا جاتا ہے جس سے کچھ خصوصیت ہو۔

پڑھنا اور گننا

مثلاً ایک بار از راہ شفقت دریافت فرمایا کہ کون سی کتابیں پڑھتے ہو۔ حضرت والا پر اس قدر رعب و ادب غالب ہوا کہ کتابوں کے نام ہی بھول گئے۔ پھر مولانا نے دوسری باتیں شروع کر دیں تاکہ ہیبت کا اثر کم ہو جائے اور حضرت والا کی طبیعت کھل جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر فرمایا کہ دیکھو ایک تو پڑھنا ہوتا ہے اور ایک گننا محض پڑھنا کافی نہیں گننے کی ضرورت ہے۔ پھر تمثیلاً فرمایا کہ ایک عالم تھے جنہوں نے ہدایہ کو حفظ کر لیا تھا ان سے ایک دوسرے عالم نے جو حافظِ ہدایہ تو نہ تھے لیکن ہدایہ کو خوب سمجھ کر پڑھا تھا ایک مسئلہ کا ذکر کیا۔ حافظ ہدایہ نے پوچھا کہ یہ مسئلہ کس کتاب میں لکھا ہے انہوں نے کہا ہدایہ میں۔ انہوں نے کہا نہیں ہدایہ تو مجھے حفظ یاد ہے اس میں تو کہیں بھی نہیں۔ اس پر غیر حافظ ہدایہ نے کہا کہ یہ مسئلہ ہدایہ ہی کا ہے اگر کتاب ہو تو میں اس میں دکھا سکتا ہوں۔ چنانچہ کتاب منگوائی گئی اور انہوں نے اس کے اندر ایک عبارت نکال کر دکھائی جس میں وہ مسئلہ بعینہٖ تو مذکور نہ تھا لیکن اس سے بہ استنباط قریب مستنبط ہوتا تھا۔ جس کی تقریر کے بعد حافظ ہدایہ کو یہ ماننا پڑا کہ واقعی یہ ہدایہ ہی کا مسئلہ ہے۔ اور بہت افسوس کے ساتھ کہنے لگے کہ بس جی حقیقت میں ہدایہ کو تمہی نے پڑھا ہے ہم نے گویا پڑھا ہی نہیں محض حفظ کر لینے سے کیا ہوتا ہے۔ اھ۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکایت نقل فرما کر حضرت والا سے فرمایا کہ بس یہ فرق ہے پڑھنے اور گننے میں۔ اھ۔

قرآن کریم سننا

ایک بار ایک سیاح دیوبند آئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کا لڑکا بھی تھا جو قاری تھا۔

چھتہ کی مسجد میں انہوں نے اس لڑکے سے قرآن سنوایا سامعین میں حضرت مولاناؒ بھی تھے اور وہیں حضرت والا بھی موجود تھے جب وہ لڑکا پڑھ چکا تو غالباً مولاناؒ ہی نے حضرت والا سے فرمائش کی کہ تم بھی سناؤ چنانچہ حضرت والا نے تعمیل ارشاد کی۔

حضرت ملا محمودؒ کا واقعہ

ایک بار جناب ملا محمود صاحب دیوبندیؒ جو حضرت والا کے اساتذۂ کرام میں سے تھے اور بہت ہی حلیم الطبع تھے۔ ایک مرتبہ خلاف معمول ایک طالب علم پر بہت خفا ہوئے اور جوش غضب میں تان کر اس کے ایک گھونسہ مارا لیکن وہ طالب علم اس جگہ سے فوراً ہٹ گیا اور ملا صاحب کا ہاتھ زور سے زمین پر جا کر پڑا جس سے الٹی ملا صاحب ہی کے ہاتھ میں چوٹ آ گئی اور وہ طالب علم بچ گیا۔ اس پر ملا صاحب کو اور غصہ آیا۔ جب انہوں نے پھر مارنا چاہا تو وہ طالب علم اٹھ کر بھاگا۔ اس پر ملا صاحب نے اپنا جوتہ پھینک کر مارا لیکن وہ بھی نہ لگا۔ اتفاق سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بھی سامنے ہی قریب تشریف رکھتے تھے شور وغل سن کر تشریف لے آئے اور حضرت والا کو بلا کر پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔ حضرت والا نے واقعہ سنایا تو بہت ہنسے اور فرمایا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ ملا صاحب میں صرف تین ہی عنصر ہیں۔ عنصر آب عنصر باد عنصر خاک چوتھا عنصر نار ہے ہی نہیں لیکن آج معلوم ہوا کہ نہیں چاروں عنصر موجود ہیں۔

درسِ جلالین میں شرکت

حضرت والا مولاناؒ کے درس جلالین میں بھی ازراہ عقیدت وشوق تحصیل علوم گاہ گاہ شرکت فرمایا کرتے۔ حالانکہ حضرت فرمایا کرتے ہیں کہ مولاناؒ کی تقریر اس قدر ادق ہوتی تھی کہ میری سمجھ میں کچھ نہ آتی تھی اور اس وقت تو کیا سمجھ میں آتی اب بھی مولاناؒ کی تحریریں میری سمجھ میں نہیں آتیں بس تھوڑی دور تک تو سمجھ میں آتی ہیں پھر جو تائیدات وتفریعات و جمل معترضہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور زیادہ غور وخوض کی مشقت مجھ سے برداشت ہوتی نہیں اس لیے مستفید ہونے سے محروم رہتا ہوں اور اپنے دل کو یوں سمجھا لیتا ہوں کہ ضروریات کا علم حاصل کرنے کے لیے اور سہل سہل

کتابیں موجود ہیں پھر کیوں مشقت اٹھائی جائے۔ میری عادت ہے کہ میں کسی مضمون کے سمجھنے میں زیادہ تعب نہیں اٹھاتا۔ بس جو سرسری توجہ سے سمجھ میں آ گیا آ گیا ورنہ چھوڑ دیتا ہوں کاوش نہیں کرتا۔ بس اس پر عمل ہے اذالم تستطع شیئاً فدعه نیز دشوار طریق کو چھوڑ کر سہل طریق کو اختیار کرنے میں اس حدیث پر عمل ہے ماخیر صلی اللہ علیہ و سلم فی امرین الا اختار ایسر ھما۔

حضرت مولانا محمد یعقوبؒ

خاص الخاص استاذ

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مدرس اول مدرسہ عالیہ دیوبند نہ صرف فن درس وتدریس اور علوم ظاہرہ میں یگانہ روزگار تھے بلکہ بڑے صاحب باطن اور صاحب کشف وکرامت اولیاء کاملین میں سے تھے اور حضرت شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز کے خلفائے عظام میں سے تھے۔ حضرت والا کے خاص الخاص اور سب اساتذہ سے زیادہ محبوب اور محترم استاد تھے حضرت والا پر بہت ہی خاص نظر عنایت وتوجہ تھی۔

وفادار شاگرد

حضرت والا کو بھی ایسی عقیدت اور گرویدگی تھی کہ جب حضرت والا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز نے گنگوہ میں درس حدیث شروع فرمایا تو بہت سے طالب علم وہاں پڑھنے چلے گئے اور انہوں نے حضرت والا کو بھی ترغیب دی کیونکہ مولاناؒ کے یہاں ناغے بہت ہوتے تھے گو جب پڑھاتے تھے تو بقول حضرت والا سیراب فرما دیتے تھے لیکن حضرت والا نے فرما دیا کہ گو میں سمجھتا ہوں کہ وہاں درس حدیث بہتر ہوگا لیکن مجھے تو اپنے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو چھوڑنا بیوفائی معلوم ہوتا ہے جب تک کہ مولانا خود یہ نہ فرما دیں کہ بس اب میرا ذخیرہ علمی ختم ہوگیا اب مجھ سے تمہاری تعلیم نہیں ہوسکتی۔ حضرت والا کے اندر یہ وفاداری کی صفت بچپن ہی سے ہے چنانچہ جب کلام مجید حفظ فرما رہے تھے تو والد ماجد نے کسی وجہ سے حضرت والا کے استاد کو بدلنا چاہا لیکن حضرت والا کسی طرح راضی نہ ہوئے اور مچل گئے کہ نہیں میں تو انہی سے پڑھوں گا۔ یہاں تک کہ والد ماجد صاحب مجبور ہوگئے اور انہیں استاد کو رکھنا پڑا۔

غرض حضرت والا کو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے بے حد عقیدت و محبت تھی اور حضرت مولانا بھی حضرت والا پر بے حد شفقت فرماتے تھے

حقائق و دقائق کا بیان فرمانا

چونکہ حضرت مولاناؒ کو حضرت والا کے فہم خداداد اور استعداد و دلچسپی کا اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا اس لیے حضرت والا کی موجودگی میں خاص طور سے حقائق و معارف اور نکات و دقائق علمیہ بیان فرماتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت والا کو مولاناؒ کی نہایت عجیب و غریب ملفوظات اب تک بہت کثرت سے یاد ہے۔

خصوصی خدمات لینا

جن کو نہایت لطف لے لے کر بیان فرمایا کرتے ہیں۔ غایت خصوصیت کی بناء پر مولاناؒ حضرت والا سے بوقت ضرورت کچھ قرض بھی لے لیا کرتے تھے اور تنخواہ ملنے پر ادا فرما دیتے تھے۔ اعتماد کی بناء پر طالب علمی ہی کے زمانہ میں افتاء کا کام بھی حضرت والا سے لیتے تھے۔ اور صلاحیت کی بنا پر کبھی کبھی اپنی جگہ نماز کا امام بھی بنا دیتے تھے۔ چنانچہ امامت کے متعلق حضرت والا کو ایک واقعہ اب تک یاد ہے کہ ایک بار حضرت والا سے ظہر کی نماز پڑھانے کے لیے فرمایا تو حضرت والا نے عذر کیا کہ حضرت میں نے تو ابھی سنتیں نہیں پڑھیں فرمایا کہ ہم تو فرض میں تمہاری اقتداء کریں گے سنتوں میں تھوڑا ہی اقتدا کریں گے۔

پیشین گوئی

خدمت افتاء کے متعلق بھی حضرت والا بعض واقعات نقل فرمایا کرتے ہیں جن میں سے ایک کا اس جگہ ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک بار کسی کا بہت طویل استفتاء آیا اس کا حضرت والا نے ویسا ہی طویل اور مدلل جواب لکھ کر مولاناؒ کی خدمت میں بغرض دستخط پیش کیا۔ مولاناؒ نے سب کو پڑھ کر دستخط فرما دیے لیکن بعد کو فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تمہیں فرصت بہت ہے ہم تو جب جانیں جب کہ خطوں کا ایک ڈھیر کا ڈھیر تمہارے سامنے ہوگا اور اس وقت بھی تم ایسے ہی طویل طویل جواب لکھا کرو گے۔ اھ۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی بالکل صحیح ثابت ہوئی

اور اب حضرت والا کی کثرت ڈاک کا یہی عالم ہے کہ ڈھیر کے ڈھیر خطوط روزمرہ آتے ہیں اور حضرت والا نہایت مختصر مختصر مگر جامع مانع جوابات ارقام فرما کر ہمروزہ ساری ڈاک ختم فرما دیتے ہیں۔ اسی طرح مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والا کے ایک خواب کی تعبیر میں یہ بشارت دی تھی کہ انشاء اللہ تعالیٰ دنیا تمہارے قدموں سے لگی پھرے گی اور تم اس کی طرف رخ بھی نہ کرو گے اور ایک اور خواب کی یہ تعبیر دی تھی کہ انشاء اللہ تعالیٰ تم کو دین اور دنیا دونوں کی عزت حاصل ہوگی۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ یہ دونوں بشارتیں ہو بہو صادق ہوئیں۔

تم ہی تم ہو گے

مولاناؒ نے ایک مختصر جماعت کی معیت میں نہایت وثوق کے ساتھ ایک اور بھی بشارت دی تھی کہ خدا کی قسم جہاں تم جاؤ گے بس تم ہی تم ہو گے باقی سارا میدان صاف ہے۔ اھ۔ اس کا واقعہ باب تحصیل علوم میں بہ تفصیل مذکور ہو چکا ہے۔ الحمدللہ یہ بشارت بھی بالکل صحیح نکلی اور حضرت والا جہاں رہے بفضلہ تعالیٰ اشرف العلماء والفضلاء ہی بن کر رہے۔ سچ ہے۔ ع

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

حضرت مولانا رفیع الدینؒ

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ دہلوی مہاجر مدنی کے خلیفہ تھے اور شاہ صاحب ہمارے حضرات حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا نانوتوی رحمہما اللہ تعالیٰ کے اساتذہ میں سے تھے۔ مولانا ممدوح مدرسہ دیوبند کے مہتمم تھے اور غالباً حضرت شیخ العرب والعجم سے بھی مستفیض تھے۔

آپ باوجود ظاہری تحصیل علم نہ فرمانے کے اس درجہ کے بزرگ تھے کہ ایک موقع پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا رفیع الدین صاحبؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ میں سوائے اس کے کوئی فرق نہیں کہ مولانا گنگوہی عالم ہیں اور وہ عالم نہیں ورنہ نسبت باطنی کے لحاظ سے دونوں ایک درجہ کے ہیں۔ اھ۔ نیز شان انتظامی ایسی تھی کہ ایک بہت بڑے جلسہ دستار بندی کے موقع پر حضرت والا نے عرض کیا کہ اتنا بڑا تو جلسہ ہے لیکن

میں دیکھتا ہوں کہ آپ کو ذرا گھبراہٹ نہیں نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ انتظامات فرما رہے ہیں اور سب کام نہایت خوبی سے ساتھ ہو رہے ہیں۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ یہ تو خیر جلسہ ہی ہے ہم تو اگر سلطنت بھی سپرد کر دی جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کا بھی ایسی ہی سہولت اور اطمینان اور حسن وخوبی کے ساتھ انتظام کر کے دکھلا دیں۔

احترام کی جگہ بٹھانا

حضرت والا مولاناؒ کی بھی خاص نظر عنایت تھی۔ ایک بار مولانا چار پائی پر اس طرح تشریف فرما تھے کہ پائتی کی طرف جگہ کم رہ گئی تھی جب حضرت والا ازراہ ادب پائتی کی طرف بیٹھنے لگے تو مولاناؒ نے ہاتھ پکڑ کر سرہانے بٹھانا چاہا۔ حضرت والا عذر کرنے لگے تو فرمایا کہ اپنے بڑوں کا کہنا ماننا چاہیے۔ جہاں وہ بٹھائیں وہیں بیٹھنا ادب ہے۔ حضرت والا حکم بجالائے اور باوجود سخت گھٹن کے سرہانے بیٹھے رہے۔

دارا شکوہ اور عالمگیر کا واقعہ

پھر مولانا نے غالباً اسی موقع پر دارا شکوہ اور عالمگیرؒ کی حکایت نقل فرمائی وہ حکایت یہ ہے کہ یہ دونوں باری باری سے ایک بزرگ کی خدمت میں حصول تخت وتاج کی دعا کرانے کے لیے حاضر ہوئے پہلے دارا شکوہ پہنچے ان کو بزرگوں کے ساتھ اعتقاد میں بہت غلو تھا۔ ان بزرگ نے دارا شکوہ کو اپنی مسند پر بٹھانا چاہا تو غایت ادب سے اصرار کرنے پر بھی نہیں بیٹھے۔ نیچے جو فرش بچھا ہوا تھا اس پر بیٹھے۔ جب انہوں نے تخت سلطنت حاصل ہونے کے لیے دعا کی درخواست کی تو فرمایا کہ میں نے تو تم کو تخت پر بٹھانا چاہا تھا لیکن تم بیٹھے ہی نہیں انکار کر دیا دارا شکوہ بصد افسوس واپس چلے آئے لیکن اس واقعہ کو چھپایا تا کہ عالمگیرؒ کو اس کا علم نہ ہونے پائے پھر عالمگیرؒ حاضر خدمت ہوئے۔ ان سے بھی ان بزرگ نے مسند پر بیٹھنے کے لیے فرمایا تو وہ بے تامل بیٹھ گئے۔ جب تخت وتاج ملنے کی دعا چاہی تو ان بزرگ نے فرمایا کہ تخت پر تو تم بیٹھے ہی ہو رہا تاج وہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اس کا اختیار تمہارے فلاں خادم کو ہے۔ اگر وہ اپنے ہاتھ سے تمہارے سر پر عمامہ یا ٹوپی رکھ دے گا تو تمہیں تاج بھی نصیب ہو جائے

گا۔ عالمگیرؒ نے یہ سن کر کہا کہ اللہ اکبر کیا وہ اس درجہ کا شخص ہے مگر خیر پھر بھی آخر وہ ہے تو میرا خادم ہی اس سے عمامہ سر پر رکھوا لینا کیا مشکل ہے جب اس کو حکم دوں گا فوراً تعمیل کرے گا مجال ہے کہ انکار کر سکے۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اس بھروسے نہ رہنا وہ تمہارا خادم نہیں ہے بادشاہ ہے۔ پھر جب عالمگیر اپنے محل میں واپس آئے تو آتے ہی خادم کو بلا کر حکم دیا کہ پانی لاؤ اور ہمیں وضو کراؤ جب وضو ختم ہوا تو اس کو حکم دیا کہ ہمارے ہاتھ تو گیلے ہیں تم یہ ہمارا عمامہ اٹھا کر ہمارے سر پر رکھ دو۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ حضور میری کیا مجال ہے کہ میں حضور کے عمامہ کو ہاتھ لگاؤں۔ عالمگیر نے باوجود اعتقاد عظمت کے بہ تکلف غصہ کے لہجہ میں پھر کہا کہ نہیں ہم حکم دیتے ہیں تم کو یہ ضرور کرنا ہوگا۔ اس نے پھر عذر کیا۔ بالآخر جب عالمگیرؒ نے بار بار اصرار کیا تو مجبوراً عمامہ اٹھا کر ان کے سر پر رکھ دیا اور ان بزرگ کو کوسنے لگا کہ خدا تیرا ناس کرے کہ تو نے مجھے فضیحت کیا لیکن عمامہ سر پر رکھنے کے بعد ہی اس نے عالمگیرؒ سے کہا کہ بس حضور اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ یہ میری آخری خدمت تھی اب میں ملازمت نہیں کر سکتا۔ عالمگیرؒ نے کہا کہ اب کیا ہے اب تو میرا کام بن ہی گیا اور اب میں آپ سے خدمت لے بھی نہیں سکتا شوق سے تشریف لے جایئے۔

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ عجب نہیں مولاناؒ کا حضرت والا کو اپنے سرہانے بٹھانا اور پھر اس حکایت کو نقل فرمانا حضرت والا کو اعزاز دینی کی بشارت دینا ہو۔

حلقۂ توجہ میں شرکت

حضرت والا مولاناؒ کے حلقہ میں توجہ میں بھی شرکت فرمایا کرتے تھے اور اس قدر اثر محسوس فرماتے تھے کہ جیسے بالکل پاک وصاف مثل فرشتوں کے ہوگئے ہوں۔ ایک بار جناب حافظ عبدالکریم صاحب رئیس لال کرتی میرٹھ جو مولاناؒ کے پیر بھائی تھے (اور بوجہ اس کے کہ حافظ صاحب کے بھائی یعنی جناب شیخ الٰہی صاحب رئیس میرٹھ کے یہاں حضرت والا کے والد ماجد مختار ریاست تھے حضرت والا سے خوب واقف تھے اور بڑی شفقت فرماتے تھے) مدرسہ دیوبند میں مولاناؒ کی زیارت کے لیے تشریف لائے۔ حضرت والا کی زولیدہ

حالت اور وضع قطع دیکھ کر عرض کیا کہ حضرت آپ نے تو لڑکے کو بالکل فانی فی الشیخ ہی کر دیا۔

اپنے ہمراہ سرہند لے جانا

ایک بار مولاناؒ حضرت والا کو اپنے ہمراہ سرہند تشریف بھی لے گئے تھے اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مزار شریف کی زیارت کرائی تھی۔ اسی سفر میں موضع براس ریاست پٹیالہ میں اس موقع کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے جہاں بنا بر کشف بعض اکابر چند حضرات انبیاء علیہم السلام کی قبور ہیں۔

آپ کو امام بنانا

مولاناؒ نے اپنی مسجد میں مدت دراز تک حضرت والا سے امامت بھی کرائی۔ پھر حضرت والا نے خود ہی بایں خیال کہ مولاناؒ جیسے بزرگ مقتدی کا امام بننا کہیں سوء ادب نہ ہو عذر کر دیا اور اصرار سے بچنے کے لیے بجائے اس مسجد کے چھتہ کی مسجد میں نماز پڑھنی شروع کر دی۔ وہاں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اور مولانا کی غیبت میں حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ۔ لیکن جب حضرت والا نے وہاں نماز پڑھنی شروع کی تو حاجی صاحب مولانا کی غیبت میں بجائے خود امامت کرنے کے حضرت والا سے بکثرت امامت کراتے اور کبھی کبھی خود مولانا بھی اپنی موجودگی میں حضرت والا سے نماز پڑھانے کے لیے ارشاد فرما دیتے۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت اکابر حضرت والا کو طالب علمی کے زمانہ میں بھی کتنا صالح سمجھتے تھے۔ اور حضرت والا کو بھی اپنے اکابر کا کس درجہ ادب ملحوظ تھا۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ
سراپا فضل و کمال معدنِ حسنات وخیرات

حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ شاگرد و رشید حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ و خلیفہ خاص حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ حضرت والا کے اساتذہ خاص میں سے تھے جن سے حضرت والا نے بزمانہ طالب علمی مدرسہ عربی دیوبند میں بہت سی کتابیں پڑھی تھیں جہاں مولاناؒ اس زمانہ میں مدرس رابع تھے پھر ترقی فرما کر وہیں کے

مدرس اول ہو گئے۔ آپ کے کمالات علمیہ وعملیہ مسلم ومشہور ہیں۔ جن میں سے بعض کا ذکر حضرت والا نے اپنے رسالہ ذکر محمود میں کیا ہے جو مولاناؒ کے حالات میں تصنیف فرمایا گیا ہے۔ حضرت مولاناؒ باوجود اتنے بڑے اور حضرت والا کے استاد محترم ہونے کے حضرت والا کو اپنے ان دو والا ناموں میں جن کو حضرت والا نے اپنے مذکورہ بالا رسالہ میں نقل فرمایا ہے اور جن کو یہاں بھی عنقریب نقل کیا جائے گا۔ ان الفاظ سے خطاب فرمایا ہے۔

نمبر۱۔ سراپا فضل وکمال شرفکم اللہ تعالیٰ وجعلکم فوق کثیر من الناس

نمبر۲۔ معدن حسنات وخیرات دام ظلکم۔

مقام ومرتبہ کی پاسداری

جب حضرت والا نے مدرسہ جامع العلوم کانپور کے جلسہ دستار بندی کے موقع پر جہاں حضرت مولاناؒ کو شرکت کی تکلیف دی گئی تھی وعظ فرمانے کی درخواست کی تو بغایت تواضع بایں عنوان عذر فرمایا کہ یہ ہرگز مناسب نہیں اس میں تمہاری ذلت ہوگی کہ ان کے استاد ایسے ہیں اور تمہاری جو شہرت ہے اس میں فرق آنے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا مجھ سے وعظ کہلانا خلاف مصلحت ہے۔ اھ۔ پھر جب حضرت والا نے بے حد اصرار فرمایا تب وعظ فرمانے کے لیے راضی ہوئے۔

اختلاف رائے کے باوجود شفقت واحترام قائم رہا

سیاسی تحریکات کے زمانہ میں باوجود اختلاف رائے حضرت والا سے وہی تعلقات شفقت باقی رکھے بلکہ باوجود حضرت والا کے اس اختلاف کے اور باوجود مخالفین ولائمین کی سخت فتنہ پردازیوں اور شورش انگیزیوں کے اپنی رائے پر نہایت مضبوطی کے ساتھ برابر مردانہ وار جمے رہنے کی بایں عنوان مدح فرمائی کہ ہمیں فخر ہے اور خوشی ہے کہ ان تحریکات حاضرہ سے جو بالکل کنارہ کش ہے وہ بھی ہمیں میں سے ہے۔ اھ۔ بمعناہ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولاناؒ کے نزدیک بھی اس مسئلہ میں گنجائش اجتہاد تھی ورنہ عدم شرکت کی مدح ہرگز جائز نہ رکھتے اور یہی وجہ تھی کہ حضرت مولاناؒ حضرت والا کی عدم شرکت تحریکات پر اعتراض کرنے والوں کا ہمیشہ جواب دیتے رہے اور حضرت والا کے حسن نیت کی تصدیق

اور خدمات دینی کی تعریف فرما کر ان کوتاہ نظروں کو اعتراضات سے روکتے رہے بلکہ ایک بار ایک پانی پتی اہل علم سے یہاں تک فرمایا کہ بھائی اپنی جماعت میں اختلاف تو اچھا نہیں معلوم ہوتا لاؤ پھر میں ہی کسی قدر رائے کیوں نہ بدل دوں اور اس معاملہ میں ان کی (یعنی حضرت والا کی) موافقت کرلوں۔ کیونکہ میرے اوپر کوئی وحی تو نازل ہوئی نہیں کہ میری رائے ٹھیک ہی ہو۔ حضرت والا بھی ہمیشہ حضرت مولاناؒ کا غایت درجہ احترام فرماتے رہے اور موقع بہ موقع نہایت عقیدت کے ساتھ حاضر خدمت ہوتے رہے اور مولاناؒ کے خلوص و ایثار و خدمت اسلام و اہل اسلام نیز دیگر کمالات علمیہ و عملیہ کو اکثر بکمال عقیدت نہایت لطف لے لے کر بیان فرماتے رہے اور اب بھی بیان فرماتے رہتے ہیں۔

اختلافِ رائے کا منشاء

ان حالات سے بخوبی واضح ہے کہ یہ اختلاف محض اجتہادی اختلاف تھا ورنہ جانبین اصل مقصود یعنی خیر خواہی اسلام و اہل اسلام میں بالکل متحد تھے۔ ایسے امور اجتہادیہ میں تو استاد اور شاگرد کا اختلاف ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کی سنت ہے اور کمال دیانت کی دلیل۔

غرض تحریکات کے متعلق حضرت والا اور حضرت مولاناؒ کی رایوں میں جو اختلاف تھا وہ محض اخلاص اور للّٰہیت پر مبنی تھا۔ دیگر جاہ پسند مدعیان قیادت کی طرح اغراض اور نفسانیت پر مبنی نہ تھا۔

رسالہ محمودیہ سے اقتباسات

اب آخر میں زیارت بصیرت کے لیے حضرت مولاناؒ کے بعض واقعات جن کا تعلق خاص حضرت والا کی ذات خاص سے ہے اور جو خود حضرت والا کے ارقام فرمودہ ہیں بطور نمونہ رسالہ ''ذکر محمود'' سے منتخب کر کے نقل کیے جاتے ہیں۔

پہلی زیارت اور شرفِ تلمذ

سب سے پہلے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت وصحبت سے مشرف ہوا وہ زمانہ تھا جس میں تحصیل درسیات کے لیے دیوبند کے مدرسہ عالیہ میں حاضر ہوا اور منجملہ اسباق مجوزہ کے ملا حسن اور مختصر معانی کا سبق مولانا کے متعلق ہوا یہ زمانہ ۱۲۹۵ھ کا اخیر تھا یعنی ذیقعدہ کا مہینہ تھا۔ مولانا

اس وقت مدرس رابع تھے اور مدرس اول حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور مدرس دوم حضرت مولانا سید احمد صاحب اور مدرس سوم حضرت مولانا محمد محمود صاحب تھے رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ۔

مذکورہ اسباق کے سلسلہ میں احقر کے اسباق فراغ درسیات تک مولانا کی خدمت میں رہے معقولات میں حمد اللہ، میر زاہد رسالہ، میر زاہد ملا جلال اور حدیث میں متعدد کتب جن کی تفصیل رسالہ سبع سیارہ میں ہے اور فقہ میں ہدایہ اخیرین تو اس وقت مولانا سے پڑھنا یاد ہے باقی شاید سوچنے سے یاد آ جائے۔

پادری سے گفتگو

احقر کو زمانہ طالب علمی میں ہر فرقہ کے ساتھ مناظرہ کرنے سے ایک خاص دلچسپی تھی جیسی اب اس سے اسی درجہ نفرت و وحشت بھی ہے۔ دیوبند میں ایک بار عیسائی منادیوں کا ایسا سلسلہ لگا کہ مسلسل یکے بعد دیگرے آتے اور بازار میں تقریریں کرتے۔ احقر سنتے ہی پہنچتا اور گفتگو کرتا ایک بار ایک بڑا پادری جو یورپین تھا زیادہ مجمع و سامان کے ساتھ آیا۔ اور ایک باغ متصل اسٹیشن میں خیمے نصب کر کے ٹھہرا۔ احقر مع چند طلباء کے وہاں بھی پہنچا اور اس سے گفتگو شروع کی کسی نے حضرت مولانا کو خبر پہنچا دی اس شفقت کی کچھ حد ہے کہ صرف یہ خیال کر کے کم عمر اور ناتجربہ کار ہے کبھی مرعوب نہ ہو جائے خود اس باغ میں تشریف لائے اور مجھ کو ہٹا کر خود گفتگو شروع فرمائی اس نے نام پوچھا آپ نے فرمایا نتھا وہ معمولی آدمی سمجھ کر گفتگو کے لیے تیار ہو گیا۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ اس گفتگو میں یہ بھی تھا کہ اس نے کہا عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں۔ مولانا نے اس کی تفسیر پوچھی تو وہ نہ بتلا سکا۔ اس میں مزاحاً یہ سوال بھی فرمایا کہ کلمے کے یہ اقسام ہیں پھر ان اقسام کے یہ اقسام ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام ان میں سے کلمہ کی کون قسم تھے تو وہ منہ دیکھ رہا تھا اور جواب میں پریشان تھا آخر اس کی میم نے یہ حالت معلوم کر کے ایک رقعہ بھیج کر اس کو بلا لیا اور اس نے جان چھڑا کر چلے جانے کو غنیمت سمجھا ہم سب لوگ خوش بخوش مدرسہ واپس آئے۔

احترام و اکرام کے القاب سے نوازنا

ایک بار اس احقر کے پاس ایک سرفراز نامہ آیا جس میں القاب میں مخدوم و مکرم کے

الفاظ تھے۔ میں بے حد شرمندہ ہوا اور میں نے عریضہ میں اپنی اس خجلت کو ظاہر کر کے درخواست کی کہ ایسے الفاظ تحریر نہ فرمائے جایا کریں اس کے بعد جو والا نامہ آیا پھر اس میں وہی الفاظ آخر میں ' میں نے عرض کیا کہ میری درخواست منظور نہ ہونے سے معلوم ہوا کہ حضرت کو اسی میں راحت ہے گو مجھ کو کلفت ہے مگر میں حضرت کی راحت کو اپنی راحت پر مقدم سمجھتا ہوں اب جو مرضی ہوا اختیار فرمایا جائیمیں گوارا کروں گا۔

حضرتؒ کے مکاتب مبارکہ

یہ میری کوتاہی ہے یا کم ہمتی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مکاتبت کا بہت ہی کم اتفاق ہوا اور جو بعض اوقات اس کی نوبت بھی آئی اور اس کا جواب بھی بالالتزام عطا ہوا تو ان کی حفاظت کا کچھ التزام نہیں ہوا اس وقت کل تین والا نامے محفوظ یاد آتے ہیں۔ ایک تو تفسیر کے متعلق ایک سوال کے جواب میں ہے جو تتمہ جلد رابع فتاویٰ امدادیہ صفحہ ۳۲۶ میں مطبوع ہو گیا ہے وہاں ملاحظہ فرمالیا جاوے اور دو معمولی مضمون کے ہیں ان کو ذیل میں برکت کے لیے نقل کرتا ہوں حضرت کے مذاق تواضع وشفقت پر دلالت کے لیے یہ بھی دو شاہد عدل سے کم نہیں ہیں۔

سراپا فضل وکمال شرفکم اللہ تعالیٰ وجعلکم فوق کثیر من الناس' السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔
بارہا آپ کی خیریت معلوم ہونے کا داعیہ پیدا ہوا اور ایک دو دفعہ بعض آئندگان کی زبانی آپ کی خیریت معلوم بھی ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو مع جملہ متعلقین خیریت سے رکھے۔ اس وقت ایک صاحب بنگالی مسمی عبدالمجید سے ملاقات ہوئی جو ہندوستان واپس ہو رہے ہیں اور جناب کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد رکھتے ہیں۔ یہ موقع غنیمت معلوم ہوا اس لیے یہ عریضہ روانہ کرتا ہوں۔ بندہ مع رفقاء بحمد اللہ اس وقت تک بالکل خیرت اور اطمینان سے ہے شروع رجب میں مکہ معظمہ حاضر ہو گیا تھا اس وقت تک یہیں حاضر ہوں مجھ کو امید ہے کہ فلاح وحسن خاتمہ کی دعا سے اس دور افتادہ کو فراموش نہ فرمائیں گے۔ آئندہ قیام کی نسبت ابھی کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ مولوی شبیر علی صاحب' مولوی محمد ظفر صاحب' مولوی عبداللہ صاحب وغیرہ حضرات سے سلام مسنون فرما دیجئے۔ مولانا مولوی محمد یحیٰؒ صاحب' مولانا قمر الدین صاحب کی وفات سے افسوس بر افسوس ہے۔ انا اللہ رحمھما اللہ

تعالیٰ والسلام علیکم و علیٰ من لدیکم فقط بندہ محمود عفی عنہ۔ منشی رفیق احمد صاحب کی خدمت میں سلام خدا کرے ان کا رسالہ روبترقی ہو۔ مکہ معظمہ ۱۲ محرم چہار شنبہ

معدن حسنات وخیرات دام ظللکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ نامہ سامی موجب مسرت وامتنان ہوا۔ جو ہوا کرمین و مخلصین کی ادعیہ مقبولہ کا ثمرہ ہے ادام اللہ فیوضہم وبرکاتہم احقر اور رفقاء و متعلقین بحمد اللہ خیریت سے ہیں سب کا سلام مسنون قبول ہو۔ والسلام علیکم و علی من لدیکم فقط بندہ محمود عفی عنہ از دیوبند دویم شوال روز یکشنبہ

اپنے مقابلہ میں ترجیح دینا

حضرت کے انصاف اور حق پرستی اور رعایت دین کا نمونہ ایک قصہ سے واضح ہوتا ہے ایک قصبہ میں ایک رئیس اور عالم کے یہاں جو اپنے ہی مجمع کے ہیں ایک تقریب تھی احقر بھی اس میں مدعو تھا اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی اور دیگر حضرات بھی۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ رسوم بدعت میں سے کوئی رسم وہاں نہیں اور کیونکر ہوتی جبکہ صاحب تقریب خود بدعت سے مانع تھے۔ مگر عام برادری کی دعوت تھی جس کو میں بنا بر تجربہ رسوم تفاخر میں سے سمجھتا ہوں اور جن اکابر پر حسن ظن غالب ہے وہ اس میں توسع فرماتے ہیں۔ چنانچہ اسی تفاوت کا یہ اثر ہوا کہ میں تو بلا شرکت واپس آ گیا اور دیگر حضرات نے شرکت فرمائی۔ خود اپنے ہی مجمع میں اس کا مختلف عنوانوں سے بڑا غوغا ہوا اور مجھ سے تو جب اس اختلاف کے متعلق کسی نے سوال کیا میں نے تو بزرگوں کے ادب کی رعایت ہی مدنظر رکھ کر جواب دیا مگر عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بھی جو بعض نے سوال کیا تو باوجودیکہ حضرت کے ذمہ اس احقر کی رعایت کی کون ضرورت تھی لیکن جو جواب عطا فرمایا اس میں جس درجہ رعایت ہے وہ قابل غور ہے وہ جواب یہ تھا کہ واقعی بات یہ ہے کہ عوام کے مفاسد کی جس قدر فلاں شخص (یعنی احقر) کو اطلاع ہے ہم کو اطلاع نہیں اس لیے اس نے احتیاط کی۔ حقیقت یہ ہے کہ ع بریں نکتہ گر جاں فشانم رواست۔ یہ جواب مجھ سے بعض ثقات نے نقل کیا۔

بے حد رعایت

اسی قصہ مذکورہ متصلہ کی نظیر اسی انصاف اور حق پرستی اور رعایت کا نمونہ یہ قصہ بھی ہے

(اوراس وقت اسی پراس ذکرمحمود کو ختم بھی کردوں گا) کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب مالٹا سے تشریف لائے تو بعض خاص اسباب سے بعض خاص معاملات میں بعض خاص خیالات ظاہر فرمائے اور اعلاناً وعملاً ان میں حصہ لیا جن کا مبنیٰ محض خلوص کے ساتھ اسلام واہل اسلام کی خدمت تھی۔ چونکہ وہ مسائل اجتہادی تھے جن میں شرعاً گنجائش اختلاف کی ہوتی ہے اور ان میں بعضے پہلو دنیوی اور دینی خطرات بھی رکھتے تھے۔ جو شرعاً واجب التحرز تھے بعض اہل علم نے ان خطرات ومضرات پر نظر کر کے ان تحریکات میں رایاً وعملاً شرکت نہیں کی اور احقر کا خیال بھی ان ہی علیحدگی رکھنے والوں کے موافق تھا اور اس علیحدگی کو اکثر اہل محبت مفرطہ نعوذ باللہ حضرت کی مخالفت سمجھتے تھے مگر خود حضرت کی یہ کیفیت تھی کہ جب میں زیارت کے لیے دیوبند حاضر ہوا تو میرے ساتھ میرے ایک دوست بھی تھے جو ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے وہ مجھ سے کہتے تھے کہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ اشرف اس وقت آیا ہوا ہے اگر ان امور میں گفتگو فرما لیجیے تو شاید رائے متفق ہو جائے۔ ارشاد فرمایا کہ نہیں مناسب نہیں جو شخص اپنا لحاظ کرتا ہو اس سے ایسی گفتگو کرنا مناسب نہیں۔ نیز گفتگو سے رائے نہیں بدلا کرتی ہے۔ واقعات سے بدلا کرتی ہے۔ اللہ اکبر اس انصاف ورعایت کی کچھ حد ہے۔

شکایت کرنے والوں کو جواب

نیز ایک صاحب اسی مضمون کے متعلق کہتے تھے کہ وہ دیوبند حاضر تھے بعض لوگ اس احقر کی شکایتیں ان معاملات میں کر رہے تھے۔ حضرت نے سن لیا فرمایا کہ افسوس تم ایسے شخص کی شکایتیں کرتے ہو جس کو میں ایسا ایسا سمجھتا ہوں۔ (یہاں بعض الفاظ میری شان سے بہت ارفع ہیں اس لیے میں نے ان کو نہیں لکھا کہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک) اور یہ بھی فرمایا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں کیا مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے۔ میری ایک رائے ہے سو اس کی (یعنی احقر کی) بھی بے مثال ایک رائے ہے اس میں اعتراض وشکایت کی کیا بات ہے۔

نیز بعضے لوگوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ان ہی تحریکات کی تقویت کے لیے تھانہ بھون لانا چاہا اور درخواست کی تو ایک شخص کہتے تھے کہ حضرت نے یہ جواب دیا کہ وہاں

فلاں شخص (یعنی احقر) موجود ہے میرے جانے سے اس کو تنگی ہوگی کیونکہ موافقت تو اس کی رائے کے خلاف ہوگی اور عدم موافقت سے شرمائے گا اس لیے وہاں نہیں جاتا۔

اسی طرح ایک موقع پر یہ ارشاد فرمایا کہ تم کیوں بار بار اس پر اعتراض کرتے ہو۔ وہ بھی دین کا ایک کام کررہا ہے۔ سبحان اللہ اللہ اکبر میں تو اکثر اوقات اپنے بزرگوں کے ایسے کمالات پیش کر کے دوسری جماعتوں کو خطاب کر کے کہا کرتا ہوں۔۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم　　　اذا جمعتنا یاجریر المجامع

حضرت مولانا فتح محمد تھانویؒ

استاد اول

حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانویؒ ایک بڑے جید عالم اور کامل درویش تھے۔ آپ اول حضرت نواب قطب الدین خان صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ پھر بعد انتقال نواب صاحبؒ تکمیل سلوک شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی قدس سرہ العزیز سے فرمائی اور مشرف بہ خلافت ہوئے۔ ہمارے حضرت والا کے استاد اول آپ ہی تھے۔ حضرت والا نے ابتدائی کتب فارسی و عربی آپ ہی سے پڑھی تھیں۔ اور چونکہ آپ سراپا دین اور بہت ہی بابرکت اور صاحب نسبت بزرگ تھے اور اپنے شاگردوں پر بے حد شفیق تھے۔ اس لیے آپ کی صحبت و تعلیم و تربیت جو اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو بالکل نوعمری اور طالب علمی کے بالکل ابتدائی زمانہ ہی میں جبکہ قلب مبارک تمام آلودگیوں سے پاک وصاف تھا میسر فرمادی تھی۔ مفتاح برکات وسعادات اور کلید خیرات وحسنات ثابت ہوئی اور دل میں دین کی محبت کا نقش اولین آپ ہی کے فیض صحبت سے کالنقش فی الحجر جاگزین ہوا۔ چنانچہ حضرت والا بہزار منت ومسرت فرمایا کرتے ہیں کہ جو اصل سرمایہ ہے جس کو دین کی محبت کہتے ہیں وہ مجھ کو مولاناؒ ہی کے فیض صحبت سے حاصل ہوا۔ کیونکہ مولاناؒ دین کے عاشق تھے۔ مولاناؒ کی برکت سے دین کا یہاں تک شوق بڑھ گیا تھا کہ میں نابالغی ہی کے زمانہ میں تہجد پڑھنے لگا تھا۔ اھ۔

شاگرد کا بے حد احترام

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نہایت منکسر المزاج اور سادہ وضع تھے علاوہ بریں جثہ بھی بہت نحیف اور قد و قامت بھی نہایت مختصر تھا۔ دیکھنے میں گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ یہ اس درجہ کے شخص ہیں۔ ایک بار حضرت والا اپنے ایک عزیز مہمان کو مولاناؒ کی زیارت کرانے لے گئے۔ مولاناؒ نے حضرت والا کی بہت تعظیم و تکریم کی۔ جب حضرت والا قریب مغرب لوٹے تو انہیں مہمان عزیز نے پوچھا کہ آپ اپنے استاد کے پاس لے چلنے کیلئے کہتے تھے وہاں نہ چلئے گا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ وہی تو میرے استاد تھے جن کے پاس سے ہم ابھی آرہے ہیں۔ انہوں نے تعجب سے کہا کہ کیا وہی استاد تھے وہ تو شاگرد سے بھی نہیں معلوم ہوتے تھے۔

شاگرد کے حقوق کا خیال

مولانا رحمہ اللہ کو تقویٰ کا اس درجہ اہتمام تھا کہ ایک بار حضرت والا کے پاس تشریف لا کر فرمانے لگے کہ جب دو آدمی ایک جگہ رہتے ہیں تو ان میں کچھ تعلقات بھی ہو جاتے ہیں اور ان تعلقات کی وجہ سے کچھ حقوق بھی ہو جاتے ہیں جن میں کبھی کچھ کوتاہیاں بھی ہو جاتی ہیں لہٰذا مجھ سے بھی ضرور کچھ کوتاہیاں ہوئی ہوں گی ان کی میں معافی چاہتا ہوں اھ۔

حضرت والا فوراً سمجھ گئے کہ طالب علمی کے زمانہ میں مولانا نے جو مجھ کو شاذ و نادر کبھی پیٹا پاٹا تھا یہ اس کی معافی اس لطیف عنوان سے چاہی جارہی ہے۔ عرض کیا حضرت جس چیز کی معافی چاہی جارہی ہے اس کو میں سمجھ گیا ہوں توبہ توبہ حضرت وہ تو عین شفقت و رحمت تھی اس کی معافی کیسی۔ یہ جو دو حرف آ گئے ہیں یہ اس کی تو برکت ہے۔ فرمایا نہیں معاف ہی کردو۔ حضرت والا نے بہت عذر کیا لیکن نہ مانے بالآخر حضرت والا کو یہ کہنا ہی پڑا کہ میں نے معاف کیا۔ کیا ٹھکانا ہے مولاناؒ کی احتیاط و لحاظ کا۔

شاگرد کیلئے راحت رسانی

مولاناؒ گرد و نواح کے قصبات کا جب سفر فرماتے تو ہمیشہ پیادہ پا تشریف لے جاتے چنانچہ ایک بار اسی طرح گنگوہ پیادہ پا تشریف لیے جارہے تھے۔ حضرت والا بھی بہلی میں سوار

ہو کر گنگوہ ہی کے قصد سے روانہ ہوئے راستہ میں دیکھا کہ مولانا بھی تشریف لیے جا رہے ہیں۔ حضرت والا فوراً بہلی سے اترے اور عرض کیا کہ حضرت بہلی میں جگہ کافی ہے سوار ہو لیں لیکن مولانا راضی نہ ہوئے حضرت والا بجائے اصرار کرنے کے خود بھی پیادہ پا ساتھ ہو لیے اور عرض کیا کہ بہتر ہے جس میں راحت ہو۔ میں اصرار نہیں کرتا۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ تو اصرار سے بھی بڑھ کر ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے تو عادت ہے تم کو پیادہ پا چلنے میں تکلیف ہوگی تم سوار ہو۔ عرض کیا حضرت یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ تو پیدل چلیں اور میں سواری میں بیٹھوں۔ میرا تو سواری میں بیٹھنا آپ کے قبضہ میں ہے۔ غرض مجبور ہو کر مولاناؒ کو بہلی میں بیٹھنا ہی پڑا۔ اور حضرت والا بلا اصرار محض حسن تدبیر سے مولاناؒ کو راحت پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔

انتہائی شفقت و تواضع

مولاناؒ غایت تواضع و شفقت کی بناء پر اکثر خود ہی حضرت والا کی ملاقات کے لیے تشریف لے آتے تھے۔ مولاناؒ کو کتابوں کا بڑا شوق تھا حالانکہ بوجہ بینائی کمزور ہونے کے خود مطالعہ کا موقع کم ملتا تھا۔ ایک بار کوئی نئی کتاب منگوائی تھی جو کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی ان سب کو خود ہی لاد کر حضرت والا کے پاس لائے اور فرمایا کہ میں تو ان کے دیکھنے سے معذور ہوں تم دیکھو۔

خود ہی زیارت کرانا

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جس طرح مولاناؒ اپنی حیات میں زیادہ تر خود ہی تکلیف فرما کر اپنی زیارت کرا جاتے تھے اسی طرح اتفاق سے جس روز انتقال فرمایا بہت زور کی بارش ہو رہی تھی۔ اس لیے بجائے اس کے کہ میں خود جنازہ کی نماز پڑھنے کے لیے حاضر ہوتا جس کی مجھ کو بخوف بیمار پڑ جانے کے کیونکہ زمانہ طاعون شدید کا تھا ہمت نہ پڑی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اعزہ جنازہ ہی کو میرے پاس لے آئے اس وقت مجھ کو مولاناؒ کا معمول ہمیشہ خود ہی تشریف لانے کا یاد آ گیا۔ اھ۔

وفات کے بعد بھی شفقت

اس پر احقر مؤلف کو ایک اور واقعہ یاد آ گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو حضرت

والا کے ساتھ عالم برزخ میں بھی شفقت کا تعلق باقی ہے۔ حضرت والا ایک بار سفر کانپور سے واپس تشریف لائے تو مولانا کے داماد جناب حافظ عصمت اللہ صاحب نے جو حضرت والا کے ہم سبق بھی بچپن میں رہے۔ مولاناؒ کو خواب میں دیکھا کہ حضرت والا کے متعلق یہ فرما رہے ہیں کہ وہ کانپور سے آئے ہیں تم ان کی دعوت کیوں نہیں کرتے۔ دعوت کرو اور یہ جو مرغا گھر میں پلا ہوا ہے اسے ذبح کر کے کھلاؤ۔ اھ۔ چنانچہ انہوں نے حضرت والا کی دعوت کی اور وہی مرغا ذبح کر کے کھلایا۔

وفات کے بعد شاگردوں کو بلالینا

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ مولاناؒ کو اپنے شاگردوں سے بہت ہی محبت تھی اور پڑھانے کا بہت ہی شوق تھا۔ بس یوں چاہتے تھے کہ جو کچھ مجھے آتا ہے اسے اپنے شاگردوں کو کسی طرح گھول کر پلا دوں۔ اسی لیے وقت بے وقت گھیرے بیٹھے رہتے تھے یہاں تک کہ پڑھنے والا بھی تنگ آ جاتا تھا۔ جب طاعون میں انتقال فرمایا تو اس کے بعد کے بعد دیگرے کئی شاگردوں کا طاعون ہی میں اس طرح انتقال ہوا کہ رات کو خواب میں مولانا کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں آؤ سبق پڑھ لو اور صبح کو یا دو چار دن میں انتقال ہو گیا۔ بعضے باہر کے طالب علم تھے ان کا بھی یہاں سے چلنے جانے کے بعد اسی طرح ایک ایک کر کے انتقال ہو گیا۔ کہ مولاناؒ نے خواب میں فرمایا کہ آؤ سبق پڑھ لو اور بس وہ رخصت ہوئے۔ اس طرح مولاناؒ نے گویا اپنے انتقال کے وقت کے سارے شاگردوں کو ایک ایک کر کے اپنے پاس وہاں بھی جمع کر لیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مولاناؒ کو حضرت والا سے بہت ہی تعلق تھا اور باوجود استاد ہونے کے نہایت تعظیم و تکریم فرماتے تھے۔ اور حضرت والا کو بھی مولاناؒ سے بے حد عقیدت تھی اور اب تک مولاناؒ کے حالات مبارکہ بیان فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا زمانہ تھا اور کیسے حضرات تھے۔

حضرت سید محمد عابد دیو بندیؒ

حضرت حاجی سید محمد عابد دیو بندیؒ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے مجازین خاص میں سے تھے اور عملیات میں خصوصیت کے ساتھ شہرہ آفاق تھے۔ کچھ دن

مدرسہ دیوبند کے مہتمم بھی رہے۔ اس درجہ پابند معمولات و اوقات تھے کہ ایک بار حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ جاننے والا ہر وقت یہ بتا سکتا ہے کہ اس وقت حاجی صاحب فلاں کام میں مشغول ہوں گے اور اگر کوئی اس وقت جا کر دیکھے تو ان کو اسی کام میں مشغول پائے کبھی۔ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

نماز میں امام بنانا

حضرت والا کو طالب علمی کے زمانہ میں بکثرت شرف زیارت حاصل ہوتا رہتا تھا کیونکہ اکثر حضرت والا چھتہ والی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے جہاں حاجی صاحب کا زیادہ تر قیام رہتا تھا۔ اسی مسجد میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ بھی نماز پڑھا کرتے تھے اور امامت بھی فرماتے تھے۔ مولاناؒ کی عدم موجودگی میں حاجی صاحب امامت فرماتے تھے اور اوقات کثیرہ میں بجائے خود امامت کرنے کے حضرت والا ہی سے نماز پڑھواتے اس سے حضرت والا کے ساتھ حسن ظن کا اندازہ فرمالیا جائے۔

خصوصی خیال رکھنا

نیز حاجی صاحبؒ کا معمول تھا کہ رمضان شریف میں افطاری کا بڑے پیمانہ پر انتظام فرماتے اور سب کو تقسیم فرماتے اور یہی معمول مکہ معظمہ کے بھی قیام میں رکھا۔ اسی زمانہ میں حضرت والا بھی مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ افطار کے وقت حرم شریف میں جس جگہ حضرت والا ہوتے۔ حاجی صاحبؒ حضرت والا کے افطاری کا حصہ وہیں بھیجتے۔ اس سے خصوصیت کا اندازہ فرمالیا جائے۔

حضرت والا کی وفاداری

حضرت والا بھی اتنا ادب و لحاظ فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں حاجی صاحبؒ سے مدرسہ دیوبند کے بعض دیگر حضرات کو کشیدگی ہو گئی تھی حضرت والا کا اتفاق دیوبند تشریف لے جانے کا ہوا۔ پرانے تعلقات کی بناء پر حضرت والا کے دل نے یہ گوارہ نہ کیا کہ حاجی صاحبؒ سے نہ ملا جائے ادھر اپنے حضرات اساتذہ کا لحاظ بھی ضروری تھا۔ حضرت والا کو سخت کشاکشی پیش آئی۔ بالآخر ہمت کر کے حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ سے بہ ادب عرض کیا کہ حضرت

پرانے تعلقات کی بناء پر میں جب کبھی دیوبند حاضر ہوتا ہوں حضرت حاجی سید محمد عابد صاحب کی خدمت میں بھی ضرور حاضری دیا کرتا ہوں۔ اب کی مرتبہ بڑی کشمکش میں مبتلا ہوں اگر حاضر نہیں ہوتا تو سخت بے مروتی اور بیوفائی سی معلوم ہوتی ہے اور اگر حاضر ہوتا ہوں تو ممکن ہے مدرسہ کی مصالح کے خلاف ہو۔ مولانا نے فرمایا نہیں نہیں ضرور جاؤ۔ مصالح کے خلاف نہیں بلکہ اس میں مدرسہ کی یہ مصلحت ہے کہ ان کی مخالفت کم ہوگی۔

اشکال باطنی کے متعلق مشورہ

چونکہ حاجی صاحبؒ بڑے درجہ کے پیر بھائی تھے اس لیے حضرت والا نے حالت ہیبت کے طریان کے زمانہ میں اپنے اشکال باطنی کے متعلق مشورہ بھی لیا تھا جس کے جواب شافی ملنے پر حضرت والا کو اس کا اعتقاد ہوگیا کہ حاجی صاحب علاوہ عملیات میں ماہر ہونے کے شیخ محقق بھی ہیں اس کا مفصل ذکر انشاء اللہ تعالیٰ باب بیعت واستفاضہ باطنی میں آئے گا۔

حضرت حاجی محمد انور دیوبندیؒ

حضرت حاجی محمد انور صاحب دیوبندیؒ خلیفہ حضرت حاجی سید محمد عابد صاحب دیوبندیؒ بھی بڑے صاحب نسبت بزرگ تھے بلکہ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ اپنے شیخ سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ حج سے واپس آنے کے بعد ان کے اوپر ایک ایسی حالت طاری ہوئی جس سے لوگوں کا یہ گمان ہوا کہ جنون ہوگیا ہے۔ اپنی چیزیں لوگوں کو مفت دے ڈالتے کھانے بکثرت پکوا کر تقسیم عام کراتے اور ہر وقت ایک سکر کی سی کیفیت غالب رہتی۔

خصوصی راز بتانا

اسی زمانہ میں حضرت والا اتفاق سے دیوبند تشریف لائے تو عیادت کے لیے پہنچے حاجی صاحبؒ نے حضرت والا سے خلوت میں فرمایا کہ آپ سے ایک بات کہتا ہوں جو میں نے اب تک کسی سے ظاہر نہیں کی لیکن آپ اس کو میری زندگی میں کسی پر ظاہر نہ کریں وہ بات یہ ہے کہ میں نے حرم شریف میں بعض حضرات انبیاء علیہم السلام کی بیداری میں زیارت کی ہے۔ یہ جو میری حالت ہے یہ انہی حضرات کی نظر کا اثر ہے۔ اھ۔ حضرت والا

سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا تنہائی میں کوئی خاص بات فرمائی ہے۔ حضرت والا نے سچی بات فرمادی کہ ہاں ایک خاص بات تو فرمائی ہے لیکن مجھے ممانعت فرمادی ہے کہ میری زندگی میں کسی پر ظاہر نہ کرنا اس لیے میں اس کو ظاہر نہیں کرسکتا۔

حضرت والا نے حسب وصیت حاجی صاحب کی زندگی میں کسی پر وہ بات ظاہر نہ فرمائی۔ البتہ بعد وفات اخفاء کا اہتمام نہیں فرمایا۔

اس واقعہ سے بخوبی ظاہر ہے کہ حاجی صاحبؒ نے اپنے اس خاص راز باطنی کا اہل صرف حضرت والا کو سمجھا اور کسی پر اس کا اظہار نہ فرمایا بلکہ حضرت والا کو بھی اس کے اظہار سے ممانعت فرمادی۔

للہ فی اللہ محبت

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے خلیفۂ اعظم تھے۔ حضرت والا سے بہت ہی محبت فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک بار اپنے ایک معتقد خاص سے فرمایا کہ مجھے ان سے (یعنی حضرت والا سے) اس وقت سے محبت ہے جس وقت اس محبت کی انہیں خبر بھی نہ تھی۔ یہ ارشاد عنقریب رسالہ خوان خلیل سے بھی انشاء اللہ تعالیٰ نقل کیا جائے گا۔

شفقت

احقر جب حضرت والا کی خدمت میں تھانہ بھون حاضر ہوتا تو راستہ میں سہارنپور بھی پڑتا اور اکثر بلکہ ہمیشہ ایاباً یا ذہاباً حضرت مولاناؒ کی زیارت کا بھی موقع ضرور نصیب ہو جاتا۔ اس پر ایک بار بغایت تواضع وشفقت فرمایا کہ میں بھی رہگزر میں پڑا ہوا ہوں مجھے بھی مولانا کی خدمت میں آنے جانے والے صلحاء کی زیارت ہوتی رہتی ہے۔ اھ۔

خصوصی عنایات وتوجہات

اب حضرت مولاناؒ کی جو عنایات وتوجہات حضرت والا پر تھیں ان کے چند واقعات خوان خلیل تذکرہ حضرت مولاناؒ مصنفہ حضرت والا سے بطور نمونہ ذیل میں ملخصاً نقل کیے جاتے ہیں۔

(۱)۔ یوں تو مولاناؒ سے اس احقر کو مدت دراز سے نیاز حاصل تھا لیکن زیادہ خصوصیت اس زمانہ سے ہوئی جب سے میں کانپور کا تعلق چھوڑ کر وطن میں مقیم ہوا اور

سہارنپور کی آمدورفت میں کثرت ہوئی جس میں مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر تو گویا بالالتزام حاضری ہوتی تھی اور متفرق طور پر بھی بکثرت آنا جانا رہتا تھا اور ہر حاضری میں طویل طویل اوقات مولانا کی صحبت میں مستفید رہتا تھا اور عجیب بات یہ ہے کہ باوجودیکہ میں ہر طرح چھوٹا تھا عمر میں بھی طبقہ میں بھی اور علم وعمل میں تو مجھ کو کوئی نسبت ہی نہ تھی اس میں تو چھوٹے بڑے ہونے کی نسبت کا ذکر بھی ایک درجہ میں ادعاء ہے علم وعمل کا مگر مولانا کا برتاؤ مساویانہ تو یقینی ہی تھا بعض اوقات ایسا برتاؤ فرماتے تھے جیسے چھوٹے کرتے ہیں بڑوں کے ساتھ اس سے زیادہ کیا درجہ ہوگا۔ تواضع کا یہ بنا تو یقینی تھا اور احتمال یہ بھی ہے کہ شاید اس واقعہ کو بھی دخل ہو کہ مولانا بواسطہ حضرت گنگوہی قدس سرہ' کے اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ' سے منتسب تھے اور یہ احقر بلاواسطہ۔ اگر یہ بھی تھا تو اس حفظ مراتب کا جو کہ حکمت عملیہ کا اعلیٰ شعبہ ہے کامل ثبوت ہوتا ہے۔

(۲)۔ مولانا نے اپنے ایک معتقد خاص سے فرمایا تھا کہ مجھ کو اشرف سے اس وقت سے محبت ہے جس وقت اس کو خبر بھی نہ تھی۔

(۳)۔ باوجود میرے کم مرتبہ ہونے کے گاہ گاہ مجھ کو ہدایہ سے بھی مشرف فرمایا ہے۔

(۴)۔ احقر مولانا کے سامنے وعظ کہتا ہوا بے حد شرماتا تھا گو امتثال امر کے سبب عذر نہ کرسکتا تھا لیکن مولانا نہایت شوق ورغبت سے استماع فرماتے تھے۔

(۵)۔ ایک بار احقر کے مواعظ کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ اس کے بیان میں کہیں انگلی رکھنے تک کی گنجائش نہیں۔

(۶)۔ گاہ گاہ غریب خانہ کو بھی اپنے اقدام سے مشرف فرماتے تھے۔ مجھ کو یاد ہے کہ غالباً جب اول بار تشریف آوری ہوئی تو احقر نے جوش محبت میں کھانے میں کسی قدر تکلف بھی کیا اور اہل قصبہ میں سے بھی بعض عمائد کو مدعو کر دیا کہ عرفاً یہ بھی معزز ضیف کا اکرام ہے (ان بعض عمائد نے میری اس خدمت کا یہ حق ادا کیا کہ بعد جلسہ دعوت کے مجھ کو بدنام کیا کہ طالب علم ہو کر اتنا تکلف کیا۔ پانچ چھ کھانے والوں کے سامنے بہتر یا باسٹھ برتن تھے۔ میں عدد بھول گیا کہ کونسا فرمایا تھا اس روایت کے قبل مجھ کو تکلف کی مقدار کی طرف

التفات بھی نہ ہوا تھا) مولانا نے مزاحاً فرمایا کہ یہ تکلف کیوں کیا گیا میں نے عرض کیا کہ اس کا سبب خود حضرت ہی ہیں اگر بکثرت کرم فرماتے تو ہرگز تکلف نہ کرتا۔ یہ تقلیل سبب ہے اس تکثیر کا اس کے بعد آمد کی تکثیر ہوگئی اور تکلف کی تقلیل۔

(۷)۔ میرا ایک دوست سے اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ پشت کی طرف سے فوٹو لینے میں جس میں چہرہ نہ آئے گنجائش ہے یا نہیں جانبین سے مکاتبت کا سلسلہ چلتا رہا آخر میں احقر نے اس دوست کو مولاناؒ کے فیصلہ پر راضی کر کے تحقیق مسئلہ کی درخواست کی مولانا نے خوشی سے قبول فرما کر مسئلہ کا فیصلہ کر دیا چنانچہ ہم دونوں نے قبول کر لیا۔ یہ محاکمہ تتمہ جلد رابع فتاویٰ امدادیہ کے آخر میں شائع ہو چکا ہے۔ اس محاکمہ کی تمہید میں مولانا کی عبارت قابل دید ہے وہی ہذا۔ بندہ ناچیز بہ اعتبار اپنے علم و فہم کے اس قابل نہیں کہ علماء اعلام کے اختلاف کا فیصلہ کر سکے مگر ہاں امتثالاً للامر الشریف اس مسئلہ میں جو کچھ خیال میں آیا عرض کرتا ہے۔ الخ۔

(۸)۔ پیر محمد والی مسجد کی سمت جنوبی میں جو سہ دری مسجد سے ملی ہوئی ہے اس پر سائبان ڈالا گیا تو مولانا نے اس کے متعلق از خود کچھ تحریر فرمایا جس کا یہاں سے جواب عرض کیا گیا چند بار اس میں مکاتبت ہوئی جس میں کوئی اخیر فیصلہ نہیں ہوا اس مکاتبت کا نام ''مسائلۃ اہل الخلہ فی مسئلۃ الظلۃ'' ہے جو ترجیح الراجح کے حصہ دوم کے اخیر کے قریب میں شائع ہوا ہے اس میں مکتوب سوم کے شروع میں ایک عجیب دلربا جملہ ہے وہی ہذا۔ گرامی نامہ موجب برکت ہوا کئی روز تک تو یہ خیال رہا کہ مسئلہ کے متعلق کچھ عرض کروں یا نہ کروں مبادا تکرار موجب بار ہو بالآخر یہ خیال ہوا کہ اپنا خیال ایک دفعہ اور عرض کر دوں۔ الخ۔ ملاحظہ فرمایا جاوے اس جملہ میں رعایت حق و رعایت خاطر دونوں کو کس طرح جمع فرمایا گیا ہے۔ اس کا اثر احقر پر یہ ہوا کہ اس پر جو عرض کیا گیا باوجودیکہ اس کا جواب نہیں آیا۔ مگر مجھ کو ایک تنبیہ میں اس لکھنے کی ضرورت ہوئی کہ اس جواب نہ آنے کو حجت نہ سمجھا جاوے الیٰ قولی اس باب میں اہل علم سے مزید تحقیق کر لی جاوے۔

(۹)۔ ایک بار بعض عنایت فرماؤں نے بعض حکایات کی نسبت میری طرف خلاف واقع کر دی جس کا چرچا اپنے مجمع میں پھیل گیا۔ میں اس وقت میرٹھ میں تھا اور اس چرچے

سے بالکل غافل مجھ کو ایک خیر خواہ دلسوز نے یہ خبر پہنچائی مجھ کو بہت رنج ہوا اور سب سے زیادہ خیال مجھ کو مولاناؒ کے تکدر کا تھا اس لیے میں نے اس واقعہ کی حقیقت مولاناؒ کی خدمت میں لکھ بھیجی۔ وہاں سے حسب ذیل جواب آیا معلوم نہیں لوگوں کو کیا مزہ آتا ہے کہ غلط روایتیں پہنچا کر اہل خیر کے قلوب کو دکھاتے ہیں۔ مجھ ناچیز کو جو تعلق اور محبت پہلے تھا وہی عقیدت بحمداللہ موجود ہے ؎

آں نیست کہ حافظ را مہرت رود از خاطر　　　　آں وعدہ پیشینش تا روز پسیں باشد

(یہ بات نہیں ہے کہ حافظ کے دل سے تمہاری محبت اٹھ گئی ہے (بلکہ) وہی پہلا وعدہ آخر دن تک قائم رہے گا)

جو قلبی محبت اور جس کو ذخیرہ آخرت سمجھ رکھا ہو وہ انشاء اللہ تعالیٰ بدل نہیں سکتی جو روایتیں پہنچی ہیں ان میں مبالغہ سے بہت کام لیا گیا ہے۔ انتہی۔ ملخصاً بقدر الضرورت یہ واقعہ حکایات الشکایات نمبر ۴ کے آخر میں مذکور ہے۔ بعد اختتام قصہ کے مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ اس دلسوز خیر خواہ کے ذریعہ سے بدوں اپنی طرف نسبت کرنے کے میں نے ہی یہ خبر پہنچائی تھی تاکہ تاخیر تدارک سے بات بڑھ نہ جائے۔

(۱۰)۔ ایک تقریب غسل صحت ختنہ میں اتفاق سے یہاں سے احقر اور سہارنپور سے مولاناؒ اور دیوبند سے حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ ایک قصبہ میں مجتمع ہو گئے مگر بعض عوارض کے سبب میں تو بلا شرکت واپس آ گیا اور دیگر حضرات نے ان عوارض کی طرف التفات نہیں فرمایا اور شرکت فرمائی اس کے بعد مولاناؒ سے کسی نے اس کی وجہ پوچھی کیسا تواضع کا جواب ارشاد فرمایا کہ ہم نے فتوے پر عمل کیا اور فلاں شخص (یعنی احقر) نے تقوے پر عمل کیا۔ ف۔ اس جواب سے جس قدر تواضع اور اختلافی امر میں شق مقابل کے اختیار کرنے والے کے عمل کی حسن توجیہ مرعی ہے ظاہر ہے۔

(۱۱)۔ مولاناؒ میں حضرات سلف کی سی تواضع تھی کہ مسائل و اشکالات علمیہ میں اپنے چھوٹوں سے بھی مشورہ فرماتے تھے اور چھوٹوں کے معروضات کو شرح صدر کے بعد قبول فرما لیتے تھے۔ چنانچہ ایک بار سفر بہاولپور میں اس احقر سے ارشاد فرمایا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبول

ہدایا کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پہلے سے اشراف نفس نہ ہو مگر سفر میں اکثر داعی کی عادت ہوتی ہے کہ مدعو کو کچھ ہدیہ دیتے ہیں اس عادت کے سبب اکثر خطور بھی ایسے ہدایا کا ذہن میں ہو جاتا ہے سو کیا خطور بھی اشراف نفس وانتظار میں داخل ہے جس کے بعد ہدیہ لینا خلاف سنت ہے۔

اس احقر میں کیا قابلیت تھی کہ ایسے عظیم الشان عالم اور عارف کے استفسار کا جواب دے سکوں لیکن چونکہ لہجہ استفسار امر بالجواب پر دال تھا اس لیے الامر فوق الادب کی بناء پر جواب عرض کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ میرے خیال میں اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اس احتمال کے بعد دیکھا جائے کہ اگر وہ احتمال واقع نہ ہوتو آیا نفس میں کچھ ناگواری پیدا ہوتی ہے یا نہیں اگر ناگواری ہوتو اس احتمال کا خطور اشراف نفس ہے اور اگر ناگواری نہ ہوتو اشراف نفس نہیں ہے خالی خطرہ ہے جو احکام میں مؤثر نہیں اس جواب کو بہت پسند فرمایا اور دعا دی۔

(۱۲)۔ ایک بار مجھ سے ارشاد فرمایا کہ حدیث میں ہے۔ لن یغلب اثنا عشر الفاعن قلته۔ اور اس میں کوئی قید مذکو نہیں تو کیا یہ مطلق ہے اور ہر صورت کو شامل ہے گو مقابلہ میں لاکھوں کافر ہوں یا یہ کہ کسی اور دلیل سے مقید ہے۔ اطلاق پر یہ اشکال ہے کہ بہت جگہ اس عدد سے زیادہ ہونے کی صورت میں بھی مسلمان مغلوب ہوگئے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ظاہر حدیث کا تو اطلاق یہی ہے اور بدوں دلیل قوی کے تقلید کی کوئی وجہ نہیں اور مسلمانوں کا کہیں مغلوب ہونا کوئی دلیل نہیں کیونکہ جہاں مسلمان مغلوب ہوئے ہیں سبب اس کا کوئی علت ہے نہ کہ قلت اور وہ علت خواہ کوئی امر ظاہر ہو جیسے نااتفاقی خواہ کوئی امر باطن ہو جیسے عجب ونظر الی الاسباب ونحوہما جیسا غزوہ حنین میں مسلمان بارہ ہزار اور کفار چار ہزار تھے۔ (کمافی الجلالین) مگر اول میں مسلمان مغلوب ہوگئے جس کا سبب عجب بالکثرت تھا (کما فی القرآن المجید اذا عجبتکم کثرتکم) پھر آخر میں وہی مغلوب غالب ہوگئے۔ (کما قال اللّٰہ تعالےٰ ثم انزل اللّٰہ سکینته علی رسوله و علی المؤمنین و انزل جنود الم تروها) یہ انزل سکینہ مشروط ہے زوال سبب مغلوبیت کے ساتھ کہ وہ عجب ہے اور یہ زوال توبہ ہے۔ قولی بمعناہ مولانا مسرور ہوئے اور اس کو پسند فرمایا۔ فائدہ۔ اس سے مولانا کی تواضع وعدم استنکاف فی طلب الحق

وسعی زیادت فی العلم ظاہر ہے جس میں امتثال ہے امر حق رب زدنی علما کا۔

(۱۳)۔ ایک سفر میں مولانا کی معیت میں بسواری ریل بہاولپور سے واپسی ہو رہی تھی اتفاق سے اس درجہ میں صرف میں اور مولانا ہی تھے اور رفقاء دوسرے درجہ میں تھے ظہر کا وقت تھا گرمی سخت تھی اور پسینہ کثرت سے نکل رہا تھا۔ مولانا غایت تواضع و بے تکلفی سے پنکھا ہاتھ میں لیکر مجھ کو ہوا کرنے لگے میں اس کا تحمل کب کرسکتا تھا پریشان ہو کر پنکھا پکڑ لیا فرمانے لگے کیا حرج ہے کوئی دیکھتا تھوڑا ہی ہے یہ اس لیے فرمایا کہ اس وقت درجہ میں کوئی تیسرا نہ تھا۔ میں نے عرض کیا کہ دیکھتا تو ہے فرمایا کون دیکھتا ہے میں نے کہا کہ جس کے لیے میں آپ کا ادب کرتا ہوں وہ دیکھتا ہے ہنسنے لگے اور پنکھا چھوڑ دیا۔ ف۔ کیا انتہاء ہے اس بے نفسی کا کہ اپنے چھوٹوں کے ساتھ یہ برتاؤ اور اس سے بڑھ کر یہ کمال ہے کہ جب دیکھا طبیعت پر گرانی ہے تو اپنے ارادہ پر اصرار نہیں فرمایا اور یہ کمال بڑھ کر اس لیے ہے کہ پہلے عمل میں تو اپنے رفیق کے جسم کی رعایت تھی اور دوسرے عمل میں قلب کی رعایت اور ثانی کا اول سے اکمل ہونا ظاہر ہے۔

(۱۴)۔ احقر کو بعض امور اجتہادیہ ذوقیہ متعلقہ معاشرت و انتظام میں رائے کا اختلاف تھا اور اس اختلاف کے ہوتے ہوئے میرا یہ خیال تھا کہ۔ مجھ کو مولانا سے صرف اعتقاد عقلی ہوسکتا ہے۔ انجذاب طبعی نہ ہوگا مگر کیفیت یہ تھی کہ حاضری تو حاضری تصور کرنے سے اس قدر انجذاب ہوتا تھا کہ میری سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اور غالباً اسی کا اثر ہوگا کہ خواب میں بھی اگر کبھی زیارت ہوئی تو اسی شان سے ہوئی یہ کھلی دلیل ہے محبوبیت کی کہ محبّ کو گمان بھی نہیں بلکہ احتمال عدم کا ہے مگر طبیعت ہے کہ کھنچی چلی جاتی ہے اور میں اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت اپنے اوپر سمجھتا ہوں کہ اس اختلاف کے ضرر سے مجھ کو محفوظ رکھا۔

نوٹ: از مؤلف اشرف السوانح الحمدللہ احقر کو بھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی جانب بعینہ اسی قسم کا انجذاب طبعی عالم بیداری اور عالم رویا میں محسوس ہوتا رہا ہے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے

خلفائے عظام میں سے تھے اور بڑے صاحب فیض و بابرکت بزرگ تھے۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ شاہ صاحب کے ساتھ بھی میرا اعتقاد وجدانی اور غیر استدلالی تھا۔ دل یہی گواہی دیتا تھا کہ شاہ صاحب بزرگ ہیں۔ شاہ صاحب کے اکثر خدام میں سادگی اور دینداری اور انکسار کا ایک خاص رنگ نمایاں ہے جو شاہ صاحب کے صاحب برکت ہونے کی کھلی دلیل ہے۔ حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اگرچہ شاہ صاحب بہت ہی متواضع تھے لیکن امر حق کہنے میں کسی کا لحاظ نہ فرماتے تھے۔ نگاہیں نیچی کر کے جو کہنا ہوتا صاف صاف فرما دیتے۔ اھ۔ حضرت شاہ صاحبؒ حضرت والا کے ساتھ بہت محبت و عنایت سے پیش آتے تھے اور وعظوں میں نہایت شوق و رغبت سے شرکت فرماتے تھے۔ ایک بار حضرت والا شاہ صاحبؒ کی عیادت کے لیے رائپور حاضر ہوئے۔ مرض سے صحت ہو چکی تھی صرف کمزوری باقی رہ گئی تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کمرہ کی چھت پر جو خلوت خانہ تھا اس میں قیام فرما تھے اور حضرت والا باغ کے صحن میں حضرت شاہ صاحبؒ کو حضرت والا کے آرام کا اس درجہ خیال تھا کہ نیچے تشریف لا لا کر بار بار پوچھتے تھے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے اور ہر وقت اس کی نگرانی رکھتے تھے کہ کسی قسم کی تکلیف تو نہیں یہاں تک کہ حضرت والا فرماتے ہیں کہ نگرانی کا یہ حال تھا کہ رات کو جس وقت بھی میری آنکھ کھلی دیکھتا ہوں کہ شاہ صاحبؒ موجود ہیں۔ قریب قریب رات بھر یہی مشغلہ رہا۔ کھانے بھی پر تکلف کھلائے اور اپنے ایک خادم کی سفارش فرمائی کہ یہ میرے مخلص دوست ہیں یہ چاول بہت اچھے پکانا جانتے ہیں۔ انہوں نے بڑی محبت سے آپ کے لیے کچھ چاول پکائے ہیں قبول فرمائے جاویں غرض بڑی ہی عنایت و توجہ اور تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔

بعض ثقات سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنی بیماری کے زمانہ میں عیادت کرنے والوں کے وقت بے وقت ہجوم سے پریشان ہو کر فرمانے لگے کہ مولانا تھانوی کے اصول بڑی راحت کے ہیں۔

حضرت مولانا صدیق احمد انبیٹھویؒ

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹوی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت مولانا گنگوہی ہی

قدس سرہٗ العزیز کے خلفاء عظام میں سے تھے اور آپ بھی حضرت والا سے بہت محبت و عنایت کے ساتھ پیش آتے تھے اور باوجود عالم باعمل ہونے کے وعظوں میں شرکت فرماتے تھے۔ آپ کی توجہ و عنایت کا کوئی خاص واقعہ حضرت والا سے نہیں سنا بجز عام عنایت کے تذکرہ کے اور سفر حج کی معیت کے۔ آپ کے ہر دو صاحبزادگان جو اہل علم ہیں اب حضرت والا ہی سے مستفیض ہو رہے ہیں۔

حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ

ادب ولحاظ

حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے بہت محبوب اور ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اور طریق باطن میں غالباً شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز سے مجاز تھے۔ آپ مشاہیر علماء ہند سے تھے اور آپ کی فصیح و بلیغ تقریر و تحریر اور مہارت مناظرہ شہرہ آفاق تھی۔ آپ کا اور حضرت والا کا مختلف جلسوں میں مختلف مقامات پر بارہا ساتھ ہوا اور دونوں کو تقریر کرنے اور ایک دوسرے کے بیان سننے کا اتفاق ہوا۔ جانبین ایک دوسرے کا بہت ادب ولحاظ فرماتے تھے حالانکہ حضرت والا عمر میں بہت چھوٹے تھے۔

تواضع وخدمت

ایک بار حضرت والا امروہہ میں مولاناؒ کے یہاں مہمان ہوئے۔ اتفاق سے بیت الخلاء پوچھنا بھول گئے۔ پچھلی شب جو قضاء حاجت کی ضرورت پیش آئی تو سخت پریشان ہوئے کہ اس وقت کس سے پوچھا جائے اسی شش و پنج میں تھے کہ یکایک حضرت مولاناؒ گھر میں سے باہر تشریف لے آئے۔ اور دریافت فرمایا کہ استنجے کی ضرورت تو نہیں؟ حضرت والا نے ضرورت ظاہر فرمائی تو پردہ کرا کر زنانخانہ میں لے گئے اور بیت الخلاء میں مولاناؒ خود اپنے دست مبارک سے استنجے کے ڈھیلے اور پانی کا لوٹا رکھ آئے۔ حضرت والا کو سخت گراں گزرا اور بہت پس و پیش کی حالت میں فرمایا کہ یہ ڈھیلے تو تبرک ہو گئے اب استنجا کاہے سے کیا جاوے۔ لیکن مولاناؒ نے بغایت تواضع فرمایا کہ کیا ہوا اگر میں نے ہی رکھ دیئے۔

حضرت والا اس واقعہ کو نقل فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ ہماری جماعت میں مولانا بہت ہی نفیس لباس پہنتے تھے جو بظاہر تکلف کی حد تک پہنچا ہوا معلوم ہوتا تھا چنانچہ مجھ کو بھی یہی گمان تھا لیکن اس دن کے واقعہ سے میں مولانا کی تواضع اور بے تکلفی اور سادگی کا بے حد معتقد ہو گیا اور سمجھ گیا کہ مولانا کی خوش لباسی کا منشاء نفاست و لطافت مزاج تھا نہ کہ تکلف۔

حضرت والا حضرت مولانا کے بعض پر لطف مناظرانہ مکالمے جو نو تعلیم یافتوں سے ہوئے تھے نہایت تحسین کے ساتھ نقل فرمایا کرتے ہیں۔

تبارک حاصل کرنا

حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری اور حضرت مولانا شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی رحمہما اللہ تعالیٰ جو حضرت والا کے پیر بھائی اور شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے خلفاء مجازین میں سے تھے حضرت والا سے نہایت محبت فرماتے تھے۔ گو بعض مسائل اجتہادیہ سماع وغیرہ میں عملی اختلاف بھی تھا۔ مولانا کانپوریؒ کو حضرت والا سے ایسا خاص تعلق تھا کہ ایک دعوت میں حضرت والا کے سامنے کا بچا ہوا کھانا بطور تبرک سب کے سامنے نوش فرمایا حالانکہ مولانا کے علم و فضل کی کانپور میں بہت شہرت تھی اور نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور حضرت والا کا ابتدائی زمانہ تھا اور نو عمر تھے۔ مولانا کو اس وجہ سے اور بھی زیادہ تعلق تھا کہ وہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز کے عاشق زار تھے اور وہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز سے حضرت والا کا نہایت خصوصیت و عنایت کے ساتھ تذکرہ خود سن چکے تھے۔

اپنا معمول بدلنا

حضرت مولانا شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادیؒ بھی حضرت والا کا اتنا لحاظ فرماتے تھے کہ ایک شخص نے مولانا کے ساتھ حضرت والا کو بھی کھانے کے لیے مدعو کیا تو چونکہ مولاناؒ صاحب سماع تھے اس لیے اکثر دعوت کو اس شرط پر قبول فرمایا کرتے تھے کہ کھانے کے بعد سماع بھی ہو جس کو وہ اپنی اصطلاح میں غذائے روحانی سے تعبیر فرماتے تھے۔ اس لیے حضرت والا نے قبول دعوت سے عذر فرمایا لیکن داعی نے وعدہ کیا کہ حضرت والا کی موجودگی

میں ہرگز مجلس سماع منعقد نہ کی جائے گی ادھر حضرت والا نے یہ رعایت فرمائی کہ کھانے کے بعد جلد ہی رخصت ہونے لگے۔ لیکن جب حضرت والا اٹھے تو مولاناؒ بھی اٹھے اور سواری تک تشریف لائے۔ حضرت والا سمجھے کہ مشایعت کے لیے تشریف لائے ہیں۔ بعد کو واپس ہوکر مجلس سماع میں شرکت فرمائیں گے لیکن ایسا نہیں کیا بلکہ ادھر حضرت والا اپنی سواری میں بیٹھے ادھر مولاناؒ بھی اپنی سواری میں بیٹھ کر رخصت ہوگئے اور اس کو خلاف مروت سمجھا کہ حضرت والا جس مجلس میں شریک نہ ہوں وہ اس میں شریک ہوں کیونکہ اس وقت ایسا کرنا یہ معنی رکھتا کہ گویا مولاناؒ اسی انتظار میں تھے کہ کب یہ یہاں سے جائیں اور کب ہم اپنی مجلس سماع منعقد کریں۔ مولاناؒ کو حضرت والا کی خاطر اس درجہ عزیز تھی کہ اپنے معمول ہی کو بدل دیا۔ سبحان اللہ کیسے مخلص اور بے تعصب حضرات تھے کہ باوجود اختلاف مشرب ایک دوسرے کی اس قدر رعایت فرماتے تھے اور ہر طرح کی دل آزاری سے بچتے تھے۔ آج کل کی طرح نہیں کہ قصداً محض دل آزاری ہی کی غرض سے ایسے امور کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

بے تکلف مکالمہ

ایک بار مولاناؒ نے ازراہ بے تکلفی حضرت والا سے فرمایا کہ آپ کبھی ردولی شریف تشریف نہیں لاتے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ آپ کبھی لے ہی نہیں چلتے۔ فرمایا میں تو کہہ رہا ہوں چلیے۔ عرض کیا کہ حضرت توجہ فرما کر مجھ میں اہلیت تو سماع کی پہلے پیدا فرما دیں اور اپنا سا بنا دیں تاکہ میں بھی شرکت کا اہل ہو جاؤں۔ درحقیقت لے چلنا تو یہ ہے اس لطیف اور متواضعانہ پیرائے میں یہ بھی ظاہر فرما دیا کہ سماع کے جواز کے کچھ شرائط ہیں جو آپ میں موجود ہوں گے اس لیے آپ سنتے ہیں مجھ میں موجود نہیں اس لیے میں نہیں سنتا۔

حضرت والا کی محبت

حضرت والا جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز کے مزار مقدس پر حاضر ہوئے تو مجاوروں سے خاص طور سے پوچھ کر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر بھی بغرض فاتحہ تشریف لے گئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا کو اپنے پیر بھائیوں سے کس قدر تعلق ہے۔

نسبت کا احترام

اس تعلق پر ایک دوسرا واقعہ یاد آیا کہ جناب مرتضٰی خاں صاحب کا انتقال ہوا جو اصغر علی محمد علی کے کارخانہ عطر واقع لکھنؤ کے مہتمم اور حضرت والا کے پیر بھائی تھے اور حضرت والا سے مثل پیر کے عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور ان کے انتقال کی خبر ان کے صاحبزادہ کے عریضہ سے حضرت والا کو بعد ظہر معلوم ہوئی تو حضرت والا نے بہت اظہار غم و افسوس فرمایا اور بعد نماز عصر یہ کہہ کر کہ مرحوم میرے پیر بھائی تھے اور میرے اوپر ان کے بہت حقوق ہیں۔ سب نمازیوں سے مرحوم کے حق میں دعاء مغفرت کرنے کے لیے فرمایا۔

حُسن ظن بھی اور مسلک صحیح کی ترجمانی بھی

اس موقع پر ایک تقریظ جو حضرت والا نے ۵۔ رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ کو اپنے ایک محترم پیر بھائی حضرت شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ خان صاحب فضیلت جنگ علیہ الرحمۃ استاد حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کی سوانح حیات مسمّی بہ مطلع الانوار مصنفہ علامہ مفتی محمد رکن الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر حسب درخواست جناب ابوالخیر صاحب نظامیہ تحریر فرمائی تھی درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ حضرت والا کو جہاں مسائل اختلافیہ میں دوسرے مسلک والوں کے ساتھ بھی حسن ظن ہے وہیں اپنے مسلک میں بھی بفضلہ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کی پختگی حاصل ہے۔ تقریظ ملاحظہ ہو تحریر فرماتے ہیں۔" از ناکارہ آوارہ اشرف علی عفی عنہ بخدمت جامع الفضائل دامت الطافہم، السلام علیکم و رحمۃ اللہ میرے پاس زیادہ وقت نہیں اس لیے بھجوائے ؎

مرا از زلف تو موئے بسند است   ہوس را رہ مدہ بوئے بسند است

(میرے لئے تیری زلفوں کا ایک بال ہی کافی ہے، ہوس کو چھوڑیئے خوشبو ہی کافی ہے)

جستہ جستہ مطلع الانوار سے منور ہوا۔ حضرت مولانا۔ میرے پیر بھائی تھے اور بڑے بھائی تھے بڑے ہونے کی حیثیت سے مجھ پر ادب لازم ہے اور بھائی ہونے کی حیثیت سے بے تکلفی کی بھی اجازت ہے۔ ان ہی دو حیثیتوں کو پیش نظر رکھ کر یہ رائے ظاہر کرتا ہوں جو کہ جامع ہے

ادب و بے تکلفی کی کہ رسالہ قابل اسوہ حسنہ بنانے کے ہے مگر اعمال و مسائل اختلافیہ کے حصہ کا اس اتخاذ اسوہ سے استثناء رائے کے درجہ میں بعض کے لیے اور عمل کے درجہ میں سب کے لیے اقرب الی الاحتیاط جو عجب نہیں کہ اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی اس معروضہ پر مطلع ہوتے تو اگر مجھ کو ماجور بھی نہ خیال فرماتے تب بھی ماذور بھی نہ سمجھتے بلکہ معذور قرار دیتے۔ باقی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لیے اور حضرت کی تمام جماعت کے لیے دل سے اور خلوص سے دعا کرتا ہوں۔ **اللھم کن لھم و اجعلھم لک**۔ اور اپنے لیے بھی اسی دعا کا طالب ہوں۔

حضرت مولانا محمد روشن خانؒ

اللہ نے آپ کو مجدد بنایا ہے

حضرت مولانا محمد روشن خاں صاحبؒ مراد آبادی نے جو حضرت مولانا گنگوہیؒ کے خاص خلیفہ مجاز اور بڑے صاحب سوز و گداز بزرگ تھے خود احقر کے سامنے اس وقت جبکہ حضرت والا ممدوح الذکر کے مرض وفات میں بغرض عیادت تشریف لے گئے تھے حالات مرض بیان فرما کر فرمایا کہ خیر یہ تو مرض کے حالات ہیں اب آپ میرے لیے دعا کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرا خاتمہ ایمان پر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس صدی کا مجدد بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض و برکات سے عالم کو منور کرے اور آپ کے ذریعہ سے رسوم و بدعات کا قلع قمع کرے۔ احقر کو یہ الفاظ قریب قریب بعینہا یاد ہیں نہایت جوش کے ساتھ اور آبدیدہ ہو کر متغیر لہجہ میں یہ الفاظ فرماتے تھے۔ حضرت والا گردن جھکائے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ سنتے رہے اور پھر ہاتھ اٹھا کر عفو اور عافیت کی دعا فرمائی غالباً یہ دعا تھی۔ **اللھم انا نسئلک العفو والعافیۃ فی الدین و الدنیا و الاخرۃ** اور زبانی فرمایا کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے عافیت ہی طلب کرنی چاہیے۔

اپنے مرید کو حکم

ممدوح الذکر کے ایک ثقہ مرید بھی خود احقر سے فرماتے تھے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت والا کے مجدد ہونے کا پورا وثوق تھا یہاں تک کہ مجھ کو خاص طور سے مولانا تھانوی (یعنی حضرت والا) کی

خدمت میں یہ ارشاد فرما کر بھیجا تھا کہ ان کے پاس ضرور حاضر ہو وہ اس صدی کے مجدد ہیں۔ اھ۔

حضرت مولانا یحییٰؒ

اسی طرح جناب مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت مولانا گنگوہیؒ کے خادم خاص تھے ایک بار احقر سے فرمایا کہ میرا اب تک یہ گمان تھا کہ اس صدی کے مجدد حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز تھے لیکن اب میرا یہ خیال ہے کہ ہمارے مولاناؒ کا فیض تو خاص تھا اور زیادہ تر آپ سے علماء فیضیاب ہوئے لیکن میں اب دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں کو اس وقت عام نفع مولانا تھانوی (یعنی حضرت والا) سے بہت پہنچ رہا ہے اس لیے مجددیت کی شان ان میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ گو ممکن بلکہ مظنون ہے کہ حضرتؒ کا درجہ مجددیت سے بھی عالی ہو۔

الحمدللہ اپنے اور دیگر سلسلوں کے بزرگوں کی جو عنایات و توجہات حضرت والا پر مبذول رہیں ان کے چند واقعات بطور نمونہ ہدیہ ناظرین کیے جا چکے ان کے مطالعہ سے قارئین کرام کو بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے حضرت والا کی جانب اکابر اولیاء کے قلوب کو متوجہ فرما دیا تھا اور اہل نظر حضرات نے حضرت والا کے جوہر ذاتی اور استعداد فطری کا اپنے نور بصیرت سے ابتداہی میں مشاہدہ فرما لیا تھا اور حضرت والا نے بھی جیسا کہ اس باب کے شروع میں عرض کیا جا چکا ہے ہمیشہ اپنے اکابر کا غایت درجہ ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھا یہاں تک کہ حضرت والا اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ الحمدللہ میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کبھی اپنے کسی بزرگ کو ایک منٹ کے لیے بھی مکدر نہیں کیا اور ایک بار یہ بھی فرمایا کہ میرے پاس نہ علم ہے نہ عمل لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی نعمت عطا فرما دی ہے جس سے امید ہے کہ شاید نجات ہو جائے یعنی ادب نیز اپنے حضرات اکابر کا ذکر فرما کر موجودہ زمانہ کی روش پر سخت افسوس کا اظہار فرمایا کرتے ہیں کہ طبائع کا بالکل رنگ ہی بدل گیا ہے اور حقائق سے اس قدر بیگانگی ہو گئی ہے کہ سچ جانئے کسی سے بات بھی کرنے کو جی نہیں چاہتا اور کوئی رسمی بزرگ میری نظروں میں ہی نہیں جچتا۔ چونکہ اس زمانہ میں سب حضرات ایک ہی

رنگ کے دیکھے ہیں یہ سمجھتا تھا کہ سب بزرگ ایسے ہی ہوتے ہوں گے لہذا ان کی صفات کچھ زیادہ عجیب نہ معلوم ہوتی تھیں لیکن اب جو یاد کرتا ہوں تو ان کی ہر بات آج کل کے اعتبار سے خرق عادت معلوم ہوتی ہے۔اھ۔

حضرت والا اپنے حضرات اکابر کو اور اس زمانہ اخیر و برکت کو یاد فرما فرما کر اکثر یہ مصرح پڑھ دیا کرتے ہیں۔اذا لناس ناس و الزمان زمان اور یہ شعر بھی ؎

حریفاں بادہا خوردند ورفتند تہی خمخانہا کردند ورفتند

(حریفوں نے شراب پی اور چلے گئے، شراب خانہ خالی کر کے چلے گئے)

نیز مقابلۃً عربی کا یہ شعر بھی بہت جوش اور مسرت کے ساتھ پڑھ دیا کرتے ہیں۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

احقر اب اس بات کو ختم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان حضرات کی محبت اور توفیق اتباع طلب کرتا ہے جس کا اس زمانہ میں اکمل و اسہل ذریعہ حضرت والا کی تقلید ہے جن کی ذات بابرکات میں ان حضرات اکابر کی ساری صفات بفضلہ تعالیٰ نمایاں طور پر مجتمع ہیں۔

چند خاص خاص معاصرین

الحمدللہ اس باب کا جو اصل موضوع تھا وہ تو ختم ہوا اب حضرت والا کے بعض مخصوص معاصرین کے اسماء گرامی بھی ذیل میں درج کیے جاتے ہیں جن کو حضرت والا کے ساتھ خاص خصوصیت تھی اور جن کا حضرت والا کے ساتھ برتاؤ باوجود معاصر یا ہم سبق اور ہم عمر ہونے کے مساویانہ نہیں بلکہ نہایت عقیدت مندانہ اور مؤدبانہ تھا۔

ہر چند ان حضرات کی عنایات کا ذکر بمقابلہ ذکر عنایات بزرگان مذکورین ایک حیثیت سے وقت استدلال میں کم درجہ رکھتا ہے کیونکہ یہ حضرات بلحاظ شہرت عموماً اس درجہ کے نہیں سمجھے جاتے لیکن دوسری حیثیت سے ان حضرات کی عنایت و اعتقاد زیادہ قابل اعتناء ہے۔ کیونکہ بزرگوں کی عنایات میں تو یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ محض شفقت پر مبنی ہوں مگر معاصرین میں یہ احتمال ہی نہیں کیونکہ معاصرت میں عموماً منافست اور برابری میں عادتاً آزادی ہوا کرتی ہے اور یہی امتیاز اس ضم ضمیمہ کا داعی بھی ہوا ہے لیکن حضرت والا کے ساتھ

ان حضرات کے معتقدانہ اور مؤدبانہ برتاؤ کے واقعات لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی کیونکہ اس برتاؤ کے مشاہدہ کرنے والے اس وقت بکثرت موجود ہیں۔

اس ضروری عرضداشت کے بعد ان حضرات کے اسماء گرامی ذیل میں تحریر کیے جاتے ہیں۔

(۱)۔ جناب حافظ احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم مدرسہ عالیہ دیوبند صاحبزادہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲)۔ جناب حکیم مسعود احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحبزادہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

(۳)۔ جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سابق نائب مہتمم مدرسہ عالیہ دیوبند۔

(۴)۔ جناب مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی سلمہم اللہ تعالیٰ مدرس عالیہ دیوبند۔

(۵)۔ جناب مولانا محمد یٰسین صاحب دیوبندی سلمہم اللہ تعالیٰ سابق مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند

(۶)۔ جناب مولانا حاجی شفیع الدین صاحب مہاجر مکی سلمہم اللہ تعالیٰ۔

خادم خاص وخلیفہ مجاز حضرت شیخ العرب والعجم حاجی شاہ امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز ان سب حضرات معاصرین میں بلحاظ شہرت سب سے بڑے جناب حافظ احمد صاحب اور جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ تھے ورانہی کا برتاؤ حضرت والا کے ساتھ سب سے زیادہ عقیدت اور ادب اور عظمت کا تھا حالانکہ وہ حضرت والا کے ہم سبق تھے بایں وجوہ ان کا حضرت والا کے ساتھ معاملہ قوت استدلال میں سب سے بڑھ کر ہے۔تمت الضمیمہ۔

باب سیزدہم

''شرف بیعت واستفاضۂ باطنی''

ازلی سعادت مندی

اوراق ماسبق میں جو واقعات وحالات بیان کیے جاچکے ہیں ان سے بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والا کو تجدید دین اور اصلاح امت محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام والتحیہ ہی کی مہتم بالشان خدمت سپرد کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے چنانچہ ابتداء تولد ہی سے بلکہ اس سے بھی قبل سے اس کے آثار کالشمس فی نصف النہار نمایاں ہیں۔ یہ بہ تفصیل بیان کیا جا چکا ہے کہ ابھی حضرت والا عالم ارواح ہی میں تھے کہ ایک برگزیدہ بزرگ اور مسلم الثبوت صاحب خدمت مجذوب حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتیؒ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کے عالم وجود میں آنے کے لیے خاص طور سے متوجہ دعا فرما دیا اور قبل استقرار حمل ہی نام نامی بھی انہیں بزرگ کی زبان مبارک سے تجویز کرا دیا۔ حضرت والا کی ولادت باسعادت کی پیشین گوئی اور نام مبارک کے ملہم من اللہ ہونے کی۔ یہ صریح دلیل ہے کہ پیشین گوئی اس حالت میں فرمائی گئی کہ حضرت والا کے والدین شریفین بالکل مایوس الاولاد ہو چکے تھے اور جب حضرت حافظ صاحب نے بحالت حمل حضرت والا کا نام مبارک تجویز فرمایا تو ایک اور بی بی صاحبہ نے بھی جن کی بہو حاملہ تھیں اپنے پوتے کا نام تجویز کر دینے کی درخواست کی مگر حافظ صاحبؒ نے نہایت تُرشروئی کے ساتھ بایں الفاظ انکار فرما دیا کہ کیا میں جاٹ ہوں جو نام رکھتا پھروں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت والا کے متعلق قبل ولادت ہی پیشین گوئی فرمانا اور نام بھی تجویز فرما دینا بہ الہام غیبی اور بر بناء اختصاص تھا۔ غرض حضرت والا کی جانب بزرگوں کو خاص الخاص توجہ شروع ہی سے رہی جس کا مفصل ذکر تحت عنوان ''لقائے بزرگان ودعائے بزرگان'' بھی کیا جا چکا ہے اور حضرت والا کی تربیت ظاہری وباطنی

کا بہتر سے بہتر سامان شروع ہی سے اللہ تعالیٰ نے جمع فرما دیا۔ اس طرح کہ (جیسا ابھی بیان کیا گیا) ایک صاحب خدمت مجذوب بزرگ کی دعا سے معرض وجود میں آئے اور ابتدائے تولد ہی سے ان کی روحانی مجذوبانہ توجہ شامل حال رہی جس کے آثار بصورت انجذاب الی الحق وانقطاع عن الخلق اب تک موجود ہیں اور روز افزوں ہیں۔ پھر صاحب نسبت والدہ مشفقہ کی آغوش میں پرورش پائی اور اعلیٰ درجہ کے عاقل و مدبر والد شفیق کے زیر تربیت رہے۔ نیز غزالی و رازی وقت اساتذہ سے علم ظاہری حاصل فرمایا جن میں سے خاص خاص اساتذہ اعلیٰ درجہ کے صاحب باطن اور کامل و مکمل شیخ بھی تھے اور ہر ہر فرد اپنے قانون خاصہ میں ماہر و یگانہ روزگار تھا۔ ان سب نعمتوں کی بقدر ضرورت تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

نعمت عظمیٰ

اب اس باب میں اس نعمت عظمےٰ کی تفصیل بیان کی جاتی ہے جو گویا میزان الکل ہے۔
سب مذکورہ بالا نعمتوں کی کہ وہ سب نعمتیں اسی نعمت کی طرف راجع اور اسی نعمت کی تمہیدات تھیں۔ وہ نعمت شرف بیعت ہے شیخ العرب والعجم امام طریق نمونہ سلف جنید زمان شبلی دوران شیخ العلماء والمشائخ حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب تھانوی چشتی صابری مہاجر مکی قدس سرہٗ العزیز چونکہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز کی ذات والاصفات شہرہ آفاق ہے اس لیے ہرگز احتیاج تعارف نہیں آپ کی شان عالی (بقول راس الاتقیاء حضرت مولانا شاہ مظفر حسین صاحب کاندھلوی قدس سرہ' العزیز جن کی شہادت بہت ہی بڑے پایہ کی شہادت ہے) بالکل اکابر سلف کی سی تھی گو پیدا اس زمانہ میں ہوئے تھے (نقلہ القاری محمد علی خان الجلال آبادی عفی عنہ) صدہا علماء کبار بلکہ دوسرے سلسلوں کے مشائخ ذوی الاقتدار نے بھی حضرت حاجی صاحبؒ سے شرف بیعت حاصل کرنے کو اپنا فخر سمجھا لہٰذا بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ایسا محقق و جامع شریعت و طریقت اور مرجع العلماء والمشائخ شیخ اس زمانہ میں کوئی نہیں گزرا۔ عرب و عجم کے بالخصوص ہندوستان کے جتنے چیدہ چیدہ اور مشہور و مسلم زمانہ علماء تھے۔ سب قریب قریب حضرت حاجی صاحب قدس سرہ' العزیز کے حلقہ غلامی میں داخل تھے۔ اور خوان امداد اللہی کے ہی زلہ ربا تھے چنانچہ حضرت والا بھی انہیں

اخص الخواص حلقہ بگوشان امدادیہ میں سے ہیں جن کو اخص الخواص حضرات میں بھی بعض حیثیتوں سے خاص الخاص امتیاز حاصل ہے۔

غیبی اشارہ

حضرت والا کے دیگر مراحل دینیہ کی طرح شرف بیعت کی تحصیل اور استفاضۂ باطنی کی تکمیل بھی منجاب اللہ عجیب وغریب طور پر واقع ہوئی اور یہاں بھی امداد الٰہی غیب سے اس طرح شامل حال ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب ممدوحؒ جیسے شیخ المشائخ اور دنیا میں بے نظیر مربی باطن کو خود بخود حضرت والا کی جانب ابتدا ہی سے متوجہ فرما دیا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ابھی حضرت والا کمسن ہی تھے اور مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں طالب علمی ہی فرما رہے تھے کہ اعلیٰ حضرت شیخ العرب والعجم نے حضرت والا کے والد ماجد کو مکہ معظمہ سے کہلا بھیجا کہ تم حج کو آؤ اور جب آؤ تو اپنے بڑے لڑکے کو بھی اپنے ہمراہ لیتے آنا حالانکہ حضرت حاجی صاحبؒ حضرت والا کی ولادت باسعادت سے بھی بہت پہلے ہندوستان سے ہجرت فرما چکے تھے اور حضرت والا سے کسی قسم کا بھی تعارف ظاہر نہ تھا۔ البتہ چونکہ حضرت حاجی صاحبؒ غایت محبت وشفقت سے اپنے وطن اور وطن والوں کے حالات حجاج سے دریافت فرماتے رہتے تھے اس لیے گمان ہوتا ہے کہ کسی سے حضرت والا کے متعلق بھی فی الجملہ کچھ سن لیا ہوگا لیکن ظاہر ہے کہ کم عمری اور طالب علمی کے زمانہ کے حالات ہی ایسے کیا ہوں گے جن کو اتنے دور و دراز مقام پر اس قدر اہتمام اور تفصیل کے ساتھ پہنچایا گیا ہو کہ جس سے حضرت حاجی صاحبؒ کو غائبانہ اتنا شدید تعلق پیدا ہو گیا ہو کہ بلا تعارف از خود مکہ معظمہ بلانا چاہا۔ لہٰذا حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ یاد فرمائی یقیناً کسی اشارہ غیبی یا کشش معنوی و مناسبت باہمی کی بناء پر تھی بقول حضرت حافظؒ

من از آں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم　　　کہ عشق از پردہ عصمت بروں آرد زلیخا را

(میں نے حضرت یوسفؑ کے روز بڑھنے والے حسن سے یہ سمجھ لیا ہے کہ عشق زلیخا کو عصمت کے پردے سے باہر نکال لاتا ہے)

اس کی تصدیق اس امر مشاہدہ سے بھی ہوتی ہے کہ جس خاص وضاحت وبسط وعموم کے

ساتھ حضرت حاجی صاحبؒ کے علوم و معارف عالیہ کی تشہیر و اشاعت اور سلوک امدادیہ کے طریق انیق کی تنویر و اراءت بعونِ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی ذات بابرکات سے ہوئی۔ اور روز افزوں ہو رہی ہے۔ ویسی کسی اور سے ظہور پذیر نہیں ہوئی اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کسی کو گنجائش انکار نہیں۔ نیز خود حضرت حاجی صاحب نے حضرت والا سے بارہا فرمایا کہ بس تم پورے پورے میرے طریق پر ہو اور جب کبھی کوئی تحریر یا تقریر دیکھنے یا سننے کا اتفاق ہوتا تو فرماتے کہ جزاکم اللہ تم نے تو بس میرے سینہ کی شرح کر دی اور اگر بدوران تقریر علوم و معارف حاضرین مجلس میں سے کوئی مضمون ارشاد فرمودہ پر کچھ سوال کرتا تو حضرت والا کی جانب اشارہ فرما کر فرما دیتے کہ ان سے پوچھ لینا یہ خوب سمجھ گئے ہیں۔ اھ۔ حضرت والا کی یہی مناسبت تامہ فطریہ اور اہلیت مقدرہ متوقعہ اور محبوبیت عامہ ازلیہ جس کو اصطلاح صوفیہ میں مرادیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اصل بناء تھی حضرت حاجی صاحبؒ کی غیبی کشش توجہ کی۔

غرض حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت والا کو از خود بلا تعارف ظاہری مکہ معظّمہ میں یاد فرمایا جیسا ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے۔ سچ ہے۔

تشنگان گر آب جویند از جہاں　　　آب ہم جوید بعالم تشنگاں

(پیاسے اگر جہان میں پانی ڈھونڈتے ہیں تو پانی بھی پیاسوں کی تلاش میں ہے)

آغازِ سفر

چونکہ بمصلحت اشاعت علوم و معارف امدادیہ حضرت والا کا حضرت حاجی صاحبؒ سے تعلق بیعت روز ازل ہی سے مقدر ہو چکا تھا اس کا غیب سے اس طرح سامان شروع ہوا کہ ایک بار حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز کسی ضرورت سے مدرسہ دیوبند تشریف لائے حضرت والا زیارت کرتے ہی غایت اشتیاق میں بغرض مصافحہ دوڑے تو ان اینٹوں کی وجہ سے جو اس وقت وہاں نو درہ کی تعمیر کے لیے پڑی ہوئی تھیں حضرت والا کا پاؤں بے اختیار پھسلا اور زمین پر گرنے ہی کو تھے کہ حضرت مولاناؒ نے فوراً ہاتھ پکڑ کر سنبھال لیا۔ حضرت والا کو حضرت مولاناؒ کی زیارت ہوتے ہی اس قدر کشش اور عقیدت ہوئی کہ بقول حضرت والا باوجود اس وقت حقیقت و غایت بیعت بھی نہ سمجھنے کے مولاناؒ سے بیعت کی

درخواست کی۔ مولاناؒ نے اس بناء پر کہ بزمانہ طالب علمی شغل باطن مخل تحصیل علم ہوگا انکار فرما دیا۔ اس واقعہ کا مفصل ذکر خود حضرت والا نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کے تذکرہ موسومہ "یادیاراں" میں درج فرمایا ہے۔ جس کو تفصیل کا شوق ہو وہاں دیکھ لے۔

شیخ المشائخ کی خدمت میں عریضہ

اس واقعہ کے بعد قریب ہی جب حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز ۱۲۹۹ھ میں تیسری بار حج کو تشریف لے جانے لگے تو حضرت والا نے حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ لکھ کر غالباً خود مولاناؒ ہی کے ہاتھ بھیجا کہ مولاناؒ سے میں نے بیعت کے لیے عرض کیا تھا انہوں نے انکار فرما دیا آپ مولانا سے فرما دیں کہ مجھ کو بیعت کر لیں۔

غائبانہ بیعت

وہاں آپس میں جو بھی گفتگو ہوئی ہو اس کا علم نہیں لیکن حضرت حاجی صاحبؒ نے جن پر گویا یہ موقع منکشف تھا جیسا بہ تفصیل اوپر ظاہر کیا جا چکا ہے، بجائے مولانا سے بیعت کر لینے کی سفارش فرمانے کے حضرت والا کو خود ہی شرف بیعت سے غائبانہ مشرف فرما لیا اور اب معلوم ہوا کہ مولاناؒ کے انکار بیعت میں یہ قدرتی سبب بھی در پردہ کارفرما تھا کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والا کو حضرت شیخ العرب والعجم ہی کے حصہ میں آنے کے لیے اور علوم و معارف امدادیہ کو بہ توضیح و تنقیح تام و بہ تفصیل و تسہیل تمام شرقاً و غرباً پھیلانے کے لیے پہلے سے منتخب فرما رکھا تھا بمصداق ع۔ چن لیا لاکھوں میں تجھ کو انتخاب ایسا تو ہو۔ پھر کسی اور سے مستقلاً کیونکر متعلق ہو سکتے تھے۔ اس کی تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت والا کے ایک اور ہم سبق طالب علم نے بھی اسی دوران میں حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بیعت کی درخواست کی تو ان سے انکار نہیں فرمایا اور ان کو بیعت کر لیا جس سے حضرت والا کو اور بھی حسرت ہوئی۔

اور ہر چند حضرت والا کا تعلق بیعت براہ راست حضرت حاجی صاحبؒ سے تھا لیکن حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز کے ساتھ بھی حضرت والا کا اعتقاد قلبی جو اول ہی نظر میں بہ شدت قائم ہو کر راسخ ہو چکا تھا اور جو باعث ہوا تھا حضرت مولاناؒ سے درخواست بیعت کا وہ برابر

قائم رہا اور حضرت والا نے ہمیشہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کو مثل اپنے مرشد ہی کے سمجھا اور حسب ضرورت مشکلات ظاہری و باطنی یعنی علمی و عملی میں مولاناؒ سے بے تکلف مریدانہ طور پر ہی رجوع فرماتے رہے جیسا کہ بعد کے حالات میں مذکور ہوگا اور حضرت مولاناؒ بھی ہمیشہ بلحاظ شفقت مریدوں کا سا اور بلحاظ احترام پیر بھائیوں کا سا معاملہ فرماتے رہے۔ اس امر کی تصدیق کہ مشیت خداوندی نے حضرت والا کو حضرت حاجی صاحبؒ ہی کے حصہ میں آنے کے لیے منتخب فرمالیا تھا اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے قبل تعارف ظاہری ہی حضرت والا کو بذریعہ حضرت والا کے والد ماجد کے مکہ معظمہ طلب فرمایا تھا جیسا عنقریب بیان کیا گیا۔

حج کے لئے روانگی

اس طلبی پر لبیک کا موقع اس طرح غیب سے پیدا ہوا کہ مدرسہ دیوبند کی طرف تجارت کی ایک کمپنی قائم کی گئی جس میں ایک شخص پانچ سو روپیہ سے زیادہ کے حصے لینے کا مجاز نہ تھا حضرت والا کے والد ماجد ماشاء اللہ متمول تھے اس لیے انہوں نے زیادہ روپیہ کی شرکت کرنی چاہی۔ لہذا اس کی یہ صورت کی کہ پانچ سو روپیہ کے حصے تو اپنے نام سے لیے اور پانچ سو کے حصے حضرت والا کے نام سے اور پانچ سو کے اپنے چھوٹے صاحبزادے منشی اکبر علی صاحب کے نام سے اور اس طرح بجائے پانچ سو کے مجموعے کے ڈیڑھ ہزار روپیہ کی رقم مختلف ناموں سے کمپنی میں داخل کی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس رقم کو بمصلحت واپس لے لیا گیا۔ جب حضرت والا کو اس کا علم ہوا تو چونکہ حضرت والا کو بفضلہٖ تعالیٰ شروع ہی سے اتباع شریعت مقدسہ اور پابندی مسائل دینیہ کا نہایت درجہ اہتمام ہے اس لیے اپنے والد ماجد سے دریافت کیا کہ آیا یہ پانچ سو روپیہ جو میرے نام سے آپ نے جمع کیے تھے اور اب واپس لے لیے ہیں میری ملک ہیں یا آپ کی؟ والد ماجد نے جواب تحریر فرمایا کہ ابھی تک تو یہ رقم میری ہی ملک تھی اور تمہارا نام محض مصلحۃً درج کرا دیا گیا تھا لیکن اب میں اس رقم کو دراصل تمہاری ہی ملک قرار دیتا ہوں۔ اس پر حضرت والا نے لکھا کہ پھر اس رقم کی زکوٰۃ بھی میرے ذمہ واجب ہے۔ اور اب حج بھی میرے اوپر فرض ہوگیا چنانچہ والد ماجد نے

زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے تو نقد روپیہ بھیج دیا اور حج کے لیے فرمایا کہ میں تمہاری چھوٹی بہن (یعنی والدہ صاحبہ مرحومہ مولانا سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ و مولانا ظفر احمد صاحب مدت فیوضہم ۱۲ منہ) کے عقد سے فارغ ہو کر آئندہ سال حج کے لیے جاؤں گا۔ اس وقت تم بھی ساتھ چلنا۔ یہ اس لیے فرمایا کہ بوجہ غایت شفقت و محبت حضرت والا کا تنہا جانا گوارا نہ تھا۔

حضرت والا باوجود اس کے کہ اپنے والد ماجد کا غایت درجہ ادب فرماتے تھے اور ڈرتے بھی تھے لیکن ناز کے موقعوں پر ناز بھی فرماتے تھے۔ جب والد ماجد نے آئندہ سال تک انتظار کرنے کے لیے فرمایا تو عرض کیا کہ آپ مجھے یہ لکھ کر دے دیجئے کہ تم چار سال تک ضرور زندہ رہو گے اس پر والد صاحب نے فرمایا کہ یہ میں کیسے لکھ سکتا ہوں۔ حضرت والا نے عرض کیا کہ حج تو میرے ذمہ فرض ہو چکا ہے اور زندگی کا کچھ اعتبار نہیں نیز تاخیر بلا عذر شرعی جائز نہیں اس لیے مجھے تو اسی سال حج کرنا ضروری ہے۔ اس پر والد صاحب نے نہایت عجلت کر کے شوال ہی میں اپنی صاحبزادی کا عقد کر دیا اور ابھی تقریب کی پوری رسوم بھی ادا نہ ہونے پائی تھیں کہ حج کو مع حضرت والا روانہ ہو گئے۔

سمندر کی طغیانی

وہ زمانہ سمندر کی طغیانی کا تھا۔ جب غازی آباد کا اسٹیشن آیا تو وہاں والد صاحب کے ایک ملاقاتی تحصیلدار ملے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ حج کو جا رہے ہیں تو کہا کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے دریا میں آج کل سخت تلاطم ہے اور طوفان کی متواتر خبریں آ رہی ہیں۔ والد صاحب نے فرمایا کہ بھائی اب تو ہم جا ہی رہے ہیں۔ اللہ مالک ہے دعا کیجئے۔ یہ تو حضرت والا کے والد صاحب نے فرمایا اور حضرت والا نے نہایت جوش کے ساتھ یہ شعر پڑھا۔

چہ غم دیوار امت را کہ باشد چوں تو پشتیباں ۔۔۔ چہ باک از موج بحر آں را کہ دارد نوح کشتیباں

(جب آپ جیسا مضبوط کرنے والا ہو تو امت کی دیوار کا کیا غم ہے، اس آدمی کو سمندر کی لہر سے کیا خوف ہو سکتا ہے جس کی کشتی کو چلانے والے حضرت نوحؑ ہوں)

غرض حضرت والا مع اپنے والد ماجد کے نہایت ذوق و شوق کے ساتھ ادائے فریضہ

حج کے لیے روانہ ہوئے۔ دریا میں واقعی سخت تلاطم تھا۔ یہاں تک کہ جہاز جس کا نام حیدری تھا اور جو بوجہ چھوٹا ہونے کے طوفانی موجوں کی ٹکروں کو سہار نہ سکتا تھا اتنا اتنا جھک جاتا کہ اس کا جنگلہ سطح سمندر کے قریب آ آ جاتا اور غرق کا اندیشہ ہو ہو جاتا اور اتنی اتنی بلند موجیں اٹھتیں کہ چھتری کے اوپر سے ہو ہو کر گزر جاتیں اور تمام مسافروں اور اسباب کو شرابور کر جاتیں۔ کارکنان جہاز بڑے اہتمام اور مستعدی سے چل پھر کر ہر وقت روک تھام دیکھ بھال اور بست وکشاد میں مشغول رہتے تھے اور حجاج دعاؤں اور الحاح وزاری میں۔

اطمینانِ قلب

حضرت والا فرماتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جارہے تھے الحمدللہ باوجود اندیشہ غرق کے قلب میں وحشت اور پریشانی مطلق نہ تھی۔ اسی ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ حجاج کی دعاؤں پر کم بخت بددین کارکنان جہاز ہنستے تھے اور کلمات کفریہ بکتے تھے۔ نعوذ باللہ نعوذ باللہ کہتے تھے کہ اللہ میاں کیا کریں گے جب جہاز کی چال ہی ایسی ہے۔ یہ بھی افسوس فرمایا کہ بعض مسلمانوں کو دیکھا کہ ایسی حالت میں بھی غیر خدا ہی کو پکارتے تھے مثلاً بڑے پیر صاحب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جیسی کہ عادت پڑی ہوئی تھی۔

مکہ معظّمہ حاضری

غرض بفضلہٖ تعالیٰ حضرت والا مع اپنے والد صاحب کے بخیر و عافیت مکہ معظمہ حاضر ہوگئے۔ ادب وعظمت ارض پاک حرم محترم کا اس قدر غلبہ تھا کہ شروع شروع تو وہاں تھوکتے ہوئے بھی تامل ہوتا تھا۔ اور جس وقت بیت اللہ شریف پر اول بار نظر پڑی ہے اس وقت ایسی کیفیت شوقیہ انجذابیہ پیدا ہوئی کہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ایسی کیفیت میرے اوپر کبھی عمر بھر طاری نہیں ہوئی۔

حضرت حاجی صاحبؒ کا چھ ماہ ٹھہر جانے کو فرمانا

حضرت والا کی آمد سے حضرت حاجی صاحبؒ بہت مسرور ہوئے اور بعد فراغ حج و زیارت مدینہ منورہ ازخود حضرت والا سے فرمایا کہ تم میرے پاس چھ مہینے رہ جاؤ۔ حضرت

والا نے اپنے والد ماجد سے اجازت چاہی لیکن ان کی شفقت پدری نے مفارقت گوارا نہ کی۔ حضرت والا نے حضرت حاجی صاحبؒ کے حضور میں بصد افسوس عرض کیا کہ والد صاحب اجازت نہیں دیتے۔ بربناء غایت اتباع شریعت فرمایا کہ والد کی اطاعت مقدم ہے۔ اس وقت چلے جاؤ پھر دیکھا جائے گا۔

دست بدست بیعت

حضرت والا کو جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے حضرت حاجی صاحبؒ نے قبل حج ہی بذریعہ خط از خود بیعت غائبانہ سے مشرف فرمالیا تھا پھر حاضری مکہ معظمہ پر دست بدست بھی بیعت کا شرف بخش دیا نیز حضرت والا کے والد ماجد بھی اسی سفر حج میں حضرت حاجی صاحبؒ سے مشرف بیعت ہو گئے حضرت والا کے والد ماجد نہایت مخلص اور پرانے زمانہ کے بے تکلف بزرگ تھے اس وقت جبکہ چند دیگر معتقدین حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت ہو رہے تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے بربناء درخواست سابق ان سے یعنی حضرت والا کے والد ماجد سے بھی فرمایا کہ میاں عبدالحق تم بھی مرید ہونے کو کہتے تھے آؤ تم بھی آ جاؤ۔ تو آپ کس سادگی سے فرماتے ہیں کہ نا حضرت نا میں ابھی مرید نہیں ہوتا میں تو بعد میں ہوں گا۔ عجیب ادا تھی کہ پیر تو کہہ رہے ہیں کہ مرید ہو جاؤ اور آپ ہیں کہ انکار کر رہے ہیں لیکن یہ انکار بھی سراسر ادب واخلاص ومحبت پر مبنی تھا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔

فوراً ایک بڑی سینی میں بہت سی مٹھائی منگائی اور اس کو لے کر مع ایک خوبصورت عمامہ اور پچیس روپیہ کے حاضر خدمت ہوئے اور نہایت ادب کے ساتھ پیش کر کے بیعت کی درخواست کی بس اس سامان کا انتظار تھا۔ اس وقت یہ سامان مہیا نہ تھا اس لیے تاخیر بیعت کی درخواست کر دی تھی اس زمانہ کے لوگوں میں چونکہ عموماً خلوص غالب تھا اور تصنع نام کو نہ ہوتا تھا جیسا کہ خود اس واقعہ کی مجموعی ہیئت ہی سے مترشح ہو رہا ہے۔ لہٰذا حضرت حاجی صاحبؒ نے نہایت مسرت کے ساتھ یہ سب تحائف قبول فرما کر بیعت سے مشرف فرمالیا اور مٹھائی حاضرین میں تقسیم کر دی گئی۔ چونکہ حضرت والا کے والد ماجد کا سلسلہ بیعت خود بھی مقصود بالبیان تھا نیز یہ واقعہ فوائد مختلفہ

پر مشتمل تھا اور اس کا وقوع اسی سفر حج میں ہوا جس میں خود حضرت والا کو بھی حضرت حاجی صاحبؒ سے دست بدست شرف بیعت حاصل ہوا تھا اس لیے ضمناً بیان کر دیا گیا۔

یکے بعد دیگرے مراحل دینیہ کا طے ہونا

حضرت والا کا یہ پہلا سفر حج تھا اور یہ اسی سال ہوا جس سال حضرت والا فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہی مدرس ہو کر کانپور تشریف لائے تھے۔ یعنی آخر صفر ۱۳۰۱ھ میں تو حضرت والا کانپور تشریف لائے اور اس کے بعد شوال ہی میں یہ مبارک سفر ہو گیا۔ غرض حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والا کے سارے مراحل دینیہ پے در پے اور بسہولت طے کرا دیئے اس طرح کہ بزمانہ طالب علمی ہی ۱۲۹۹ھ میں جبکہ سن شریف صرف ۱۹ سال تھا غائبانہ شرف بیعت بذریعہ خط حاصل ہوا۔ پھر ۱۳۰۰ھ میں جبکہ تقریباً بیس سال ہی کی عمر تھی تحصیل علوم ظاہری سے فراغ نصیب ہوا۔ فوراً ہی اشاعت علوم ظاہری کی صورت پیدا ہو گئی اور صرف ۱۳۰۱ھ میں یعنی حسن اتفاق سے اس چودھویں صدی کے بالکل شروع ہی میں جس کا حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے حدیث مشہور کی بعض تفاسیر پر مجدد بنایا ہے مدرس ہو کر کانپور تشریف لے آئے اور عمومی و خصوصی فیض رسانی مخلوق میں بذریعہ درس و وعظ مشغول ہو گئے پھر اسی سال زیارت حرمین شریفین اور زیارت حضرت پیر و مرشد و بیعت دست بدست سے مشرف ہو گئے اور ۱۳۰۲ھ میں واپس آ کر پھر بدستور سابق نشر علوم ظاہری و تبلیغ احکام خداوندی میں بذریعہ درس و وعظ نہایت تندہی و مستعدی کے ساتھ ہمہ تن مشغول ہو گئے اور ۱۳۰۷ھ تک زیادہ تر یہی شغل علمی رہا۔

شیخ سے خط و کتابت

گو اس درمیان میں ذکر و شغل بھی جاری رہا اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خط و کتابت بھی ہوتی رہی لیکن چونکہ اس زمانہ میں زیادہ تر علمی مشغلہ تھا اس لیے شروع کی خط و کتابت میں عام مضامین ہی پائے جاتے ہیں جیسا کہ مکتوبات امدادیہ سے معلوم ہوتا ہے۔ جو مجموعہ ہے ان خطوط کا جو حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت والا کو جواباً یا ابتداءً تحریر فرمائے ہیں

چنانچہ مکتوب اول مورخہ ۲۲۔ ربیع الثانی ۳ ۱۳۰ھ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا نے حضرت حاجی صاحبؒ کو اپنے ایک دور کے عزیز صاحب کے انتقال کی خبر کی تھی اور مکتوب دوم مورخہ ۱۹۔ رجب المرجب ۱۳۰۴ھ سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت والا نے حضرت حاجی صاحبؒ سے اپنے مدرسہ کی سرپرستی قبول فرمانے کی درخواست کی تھی جس کا نہایت مناسب جواب درج مکتوب ہے۔ مکتوب سوم مورخہ ۱۲۔ ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ میں حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت والا کے ترک شغل طبابت اور عود شغل درس وتدریس پر بہت اظہار مسرت فرمایا ہے۔

ذکر و شغل

غرض ان تینوں مکتوبات میں عام مضامین ہیں خاص ذکر و شغل کے متعلق مضامین مکتوبات چہارم مورخہ ۲۲۔ محرم ۱۳۰۸ھ سے شروع ہوتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ ذکر و شغل کی طرف خاص توجہ اس کے قریب یعنی ۱۳۰۷ھ میں ہوئی گو جیسا ابھی بیان کیا گیا اس سے قبل بھی ذکر و شغل میں مشغول رہے چنانچہ حضرت والا کا بھی ارشاد ہے کہ مجھ سے کبھی ہو تو کچھ نہ سکا لیکن ذکر و شغل کا شوق اور ہوس شروع بیعت ہی سے رہی۔ (جو بذریعہ خط ۱۲۹۹ھ میں اور دست بدست ۱۳۰۱ھ میں واقع ۱۲ مؤلف) اور اس سے بالکل خالی میں کبھی نہیں رہا۔ اھ۔

طریق باطن سے لگاؤ

مؤلف عرض کرتا ہے کہ بعد بیعت تو ذکر و شغل سے کیا خالی رہتے حضرت والا تو نابالغی ہی میں تہجد پڑھتے تھے جیسا کہ باب پنجم "طفولیت" میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور قبل بیعت ابتدائے طالب علمی ہی میں طریق باطن کا اس قدر شوق تھا کہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے حلقہ توجہ میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ اور اس شرکت کے اثر کے متعلق خود حضرت والا فرماتے ہیں کہ مجھ کو اس زمانہ میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مجھ میں نفسانیت کا شائبہ بھی نہیں رہا اور گویا میں بالکل فرشتہ ہو گیا۔ اھ۔ اس سے حضرت والا کی فطری استعداد باطنی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ نیز قبل بیعت بزمانہ طالب علمی حضرت والا پر ایک بار اس درجہ خشیت کا غلبہ ہوا کہ اپنے استاد شفیق جامع ظاہر و باطن حضرت مولانا محمد یعقوب

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گھبرائے ہوئے پہنچے اور بیتابانہ عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی تدبیر ارشاد فرمایئے جس سے اطمینان حاصل ہو جائے مولانا نے فوراً متنبہ فرمایا کہ توبہ کرو یہ تو گویا کفر کی درخواست ہے کیونکہ الایمان بین الخوف و الرجا۔ مسلمان کو تو اطمینان آخرت ہی میں ہو سکتا ہے۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ مولانا کے اس ارشاد سے میری آنکھیں کھل گئیں اور ایک معنی کر تسلی بھی ہوگئی کیونکہ جو حقیقت تھی وہ واضح ہوگئی۔

طالب علمی ہی کے زمانہ کا ایک واقعہ اور یاد آیا۔ کسی کتاب میں حضرت والا نے ایک واقعہ لکھا دیکھا کہ ایک پیر نے اپنے مرید سے پوچھا کہ کیا تم خدا کو جانتے ہو اس نے جواب دیا کہ میں خدا کو کیا جانوں میں تو آپ کو جانتا ہوں۔ یہ قول پڑھ کر حضرت والا کو نہایت انقباض ہوا اور غصہ آیا اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر مقولہ پیش کر کے عرض کیا کہ دیکھئے حضرت عالی صوفیوں کی یہاں تک پیر پرستی بڑھ گئی ہے کہ پیر کے ہوتے ہوئے نعوذ باللہ اپنے کو خدا سے بھی مستغنی سمجھ لیا۔ مولانا نے نہایت لطافت کے ساتھ تاویل کی طرف اشارہ کر کے دریافت فرمایا کہ کیا تم خدا کو جانتے ہو حضرت والا کا ذہن فوراً اس امر کی طرف منتقل ہو گیا کہ واقعی حق تعالیٰ جل شانہ کی کنہ کا علم تو کسی کو بھی نہیں۔ چنانچہ یہی عرض کر دیا۔ مولانا نے فرمایا پھر اس کے قول کی بھی تاویل یہی کیوں نہ کر لی جائے کفر کا فتویٰ کیوں لگایا جائے۔ اھ۔ طالب علمی ہی کے زمانہ میں حضرت والا نے اپنے استاد خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے مثنوی شریف بھی پڑھنی چاہی لیکن حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہؒ نے منع فرما دیا اور فرمایا کہ تم مولانا کو مدرسہ میں بھی رہنے دو گے یا نہیں یہ اس لیے فرمایا کہ مولانا بڑے اہل دل تھے اگر مثنوی شریف پڑھاتے تو اتنا اثر ہوتا کہ مدرسہ کے کام ہی کے نہ رہتے سب تعلقات چھوڑ چھاڑ بیٹھتے۔ ان سب واقعات سے معلوم ہوا کہ حضرت والا کو طالب علمی ہی کے زمانہ سے طریق باطن سے لگاؤ اور تصوف کی کتابوں کا شوق تھا اور حالات عالیہ کا ورود بھی ہوتا تھا مثلاً خشیت و نزاہت نیز متصوفین و اہل غلو سے اس زمانہ میں بھی حضرت والا کو انقباض تھا۔ اس انقباض کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔ کچھ عرصہ تک حضرت والا نے بزمانہ طالب علمی ایک مسجد کے حجرہ میں بھی قیام فرمایا۔ سوء اتفاق اسی سے

مسجد کے دوسرے حجرے میں ایک غالی صوفی کا بھی مستقل قیام تھا لیکن حضرت والا نے باوجود ایک عرصہ تک وہیں قیام فرمانے کے کبھی ان سے بات تک بھی نہیں کی۔

خلق اللہ کو دینی فیض پہچانا

غرض حضرت والا کو طالب علمی ہی کے زمانہ سے جبکہ بالکل نوعمر تھے طریق باطن کا شوق تھا اور بعد بیعت یعنی ۱۲۹۹ھ ہی سے ذکر و شغل میں مشغول تھے لیکن جیسا ابھی بحوالہ مکتوبات امدادیہ کے مکتوب چہارم مورخہ ۲۲۔ محرم ۱۳۰۸ھ کے بیان کیا گیا ذکر و شغل کی طرف خاص اہتمام کے ساتھ توجہ ۱۳۰۷ھ میں ہوئی جس کے اثر سے یہاں تک متاثر ہوئے کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے ترک تعلق ملازمت کا مشورہ لیا جیسا کہ اسی مکتوب چہارم کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے لیکن مصالح دینیہ کی بناء پر اجازت نہ ملی۔ مکتوب مذکور کا ضروری اقتباس بغرض توضیح مقام درج ذیل ہے۔

''نامہ بہجت شمامہ آنعزیز باتمیز رسید از استماع حال ذوق وشوق آثار ترقی فہمید مسرت برمسرت افزود خدائے تعالیٰ برکت زیادہ کند (الی قولہ) وترک تعلق مصلحت نیست زیرا کہ ایں امر بجز تجرد نہ زیبد عیال را مضطرب گذاشتن قرین ناعاقبت اندیشی ست وروبہ ہی ندارد خلق اللہ را فیض دینی رسانیدن راہ اقرب وصول الی اللہ ہست ....'' اھ۔

یہ والا نامہ ۲۲/محرم ۱۳۰۸ھ کا تحریر فرمایا ہوا ہے اور ۱۳۔ صفر ۱۳۰۸ھ کے مکتوب پنجم میں بھی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بادہ عشق سے سیراب بنا کر تشنہ وار رکھے۔ اھ۔ اس سے بھی حضرت والا کی اس زمانہ کی شدت تشنگی طلب ظاہر ہوتی ہے۔

ان جملہ واقعات وحالات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت والا ۱۳۰۱ھ سے ۱۳۰۷ھ تک تو زیادہ تر شغل علمی وافاضہ ظاہری میں مشغول رہے اور اس زمانہ میں صدہا طلبہ فارغ التحصیل ہوئے اور بہت سے سند حدیث لے کر چلے گئے اور ہزارہا بندگان خدا مواعظ حسنہ سے مستفیض و مستفید ہوئے۔ درس و تدریس کی شان اور مفصل کیفیت باب ہشتم میں گزر چکی ہے اور مواعظ حسنہ کا مفصل حال باب دہم میں بیان کیا جا چکا ہے اعادہ کی حاجت نہیں البتہ یہاں بھی مختصراً اتنا عرض کر دینا بے موقع نہ ہوگا کہ درس دینے میں بڑے بڑے لاینحل مقامات مشکلہ کی اس خوبی سے

توضیح اور اس قدر تسہیل کر کے تقریر فرماتے تھے کہ نہایت ادق ادق مضامین بھی بالکل پانی ہو جاتے تھے۔ اور طلباء کو اس وقت پتہ بھی نہ چلتا کہ یہ کوئی مشکل مقام تھا اور بعد کو جب خبر ہوتی تو سخت حیرت ہوتی۔ مواعظ کا یہ عالم تھا کہ پانچ پانچ چھ چھ بلکہ بعض مرتبہ سات سات گھنٹے کھڑے ہو کر مسلسل تقریر فرماتے پھر بھی سامعین کی سیری نہ ہوتی۔ اور تمام مسلمانان کانپور جہاں ہر مشرب کے لوگ موجود تھے حضرت والا کے حسن بیان کے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ محلہ محلہ طلبی ہوتی تھی یہاں تک کہ ایک بار مسلسل دو ماہ تک صرف نماز ہی کی ترغیب میں مختلف محلوں میں وعظ ہوتے رہے جن کا یہ اثر ہوا کہ مسجدوں میں نمازیوں کی کثرت سے جگہ باقی نہ رہی اور نماز کے شوق کی یہ حالت تھی کہ یکہ والے مسلمان سواریوں سے پوچھتے جاتے اور نماز یاد کرتے جاتے۔

غرض اس زمانہ میں حضرت والا کے قیام کی بدولت کانپور بلکہ گردونواح اور اطراف و جوانب میں بھی عام طور سے بہت زیادہ چرچا ہو گیا تھا کیونکہ مدرسہ کی جانب سے وقتاً فوقتاً بذریعہ اشتہارات و رسائل ضروری ضروری مسائل بھی شائع ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ احقر کو اپنے لڑکپن کی بات یاد ہے کہ اُورئی ضلع جالون میں جو احقر کا وطن ثانی ہے اور جو کانپور سے تقریباً اسی میل پر واقع ہے غالباً اسی قسم کے کچھ مسائل حضرت والا کے مدرسہ سے پہنچے تھے تو ان سے متاثر ہو کر احقر کے والد صاحب مرحوم و مغفور نے اپنے استعمالی پاجامہ کے پائچوں کو جو ٹخنوں سے نیچے تھے قطع کرا دیا تھا۔ اور نقشہ اوقات سحر و افطار اور مسائل صوم و اضحیہ وغیرہ تو ہمیشہ پہنچتے ہی رہتے تھے۔

فیضِ باطن کی طرف کشش

اس فیض ظاہری کے بعد اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام والتحیۃ کو بواسطہ حضرت والا فیض باطنی سے بھی بہرہ اندوز فرمائے جس کے بغیر دین کی حقیقی تکمیل نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ یک بیک قلب مبارک میں ایک پرزور کشش غیبی نہایت شدومد کے ساتھ محسوس ہوئی اور ذکر و شغل کا ذوق و شوق جو ابتدائے ارادت ہی سے دلنشین تھا بغایت جوش و خروش موجزن ہونے لگا اور وہ آتش محبت الٰہی جو بدو فطرت ہی سے طبع اقدس میں ودیعت فرما دی گئی تھی اور ابتدائے تولد ہی سے سویدائے قلب میں دبی ہوئی تھی جس کی جھلک بہ زمانہ نابالغی

ہی چلہ کی بھی برقبار اور تیرہ و تار پچھلی راتوں کی سنسان گھڑیوں میں بصورت تہجد اور بزمانہ طالب علمی نوعمری ہی میں بشکل شدت اشتیاق بیعت اور بزمانہ مدرسی بہ ذیل التزام اوراد و اذکار بجلی کی طرح مختلف اوقات میں سرسری طور پر نمودار ہوتی رہی تھی۔ اب کی بار کہ عین وقت ضرورت اظہار تھا اس وقت کے ساتھ ابھری کہ نہ صرف حضرت والا کو بلکہ تعدی ہو کر ایک عالم کو سوختہ و افروختہ کر دیا اور کر رہی ہے بلکہ الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ اس کی شعلہ کاریاں اور آتشباریاں روز افزوں ہیں جیسا کہ مشاہد ہے۔ **اللھم زد فزد اللھم عمم و تمم**۔ یہ جوش و خروش اور ذوق و شوق ۱۳۰۷ھ میں پیدا ہوا جیسا کہ اوپر بہ تفصیل بحوالہ مکتوبات امدادیہ بیان کیا گیا۔

حضرت والا کے ماموں پیر جی امداد علی

اب ادھر تو آتش طلب دل عشق منزل میں نہایت تیزی کے ساتھ شعلہ زن اور ادھر اپنے اور حضرت پیر و مرشد کے درمیان اتنا بعد کہ سمندر حائل' سخت خلجان کہ کیونکر مقصود تک رسائی ہو اسی گرداب تحیر میں پیچ و تاب کھا رہے تھے کہ اتفاق سے حضرت والا کے ماموں صاحب قبلہ جناب پیر جی امداد علی صاحبؒ جو ایک مشہور اور زبردست صاحب حال و قال بلکہ مغلوب الحال درویش تھے جیسا کہ ان کے حالات سے جو باب دوم شرف نسب میں مذکور ہوئے معلوم ہو چکا ہے حیدر آباد سے وطن آتے ہوئے کانپور ہو کر گزرے۔ چونکہ حضرت والا کے مقیم کانپور ہونے کا حال معلوم تھا از راہ شفقت بزرگانہ بے اختیار ملنے کو جی چاہا اور اتر پڑے۔ چونکہ پیر جی صاحبؒ نہایت آزاد مزاج تھے اس لیے سرائے میں جا کر ٹھہرے اور حضرت والا کو کہلا بھیجا کہ اگر اپنی وضع کے خلاف نہ سمجھو تو یہاں آ کر مجھ سے مل جاؤ۔ بچپن کے بعد سے نہیں دیکھا دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اھ۔

حضرت والا جب بہت کم عمر تھے اور کلام اللہ حفظ کر رہے تھے اس وقت پیر جی صاحب سے بمقام کیرانہ ایک تقریب میں ملاقات ہوئی تھی جس میں حضرت والا کے والد ماجد بھی مع حضرت والا شریک ہوئے تھے اور پیر جی صاحبؒ نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ پیر جی صاحب نے حضرت والا سے ایک رکوع بھی سنا تھا اور دعا بھی فرمائی تھی۔ اس کے بعد پھر ملنے کا موقع نہ ملا تھا۔ کیونکہ پیر جی صاحبؒ کا مستقل قیام بمقام حیدر آباد رہتا تھا اور چونکہ آزاد مزاجی اور

شان ترک بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھی اس لیے وطن میں بہت کم آنا ہوتا تھا۔

پیر جی کی آزادانہ وقلندرانہ روش

جناب پیر جی صاحبؒ میں انتہا درجہ کی شورش عشق تھی اور بالکل لاابالی اور قلندرانہ شان رکھتے تھے۔ نیز فطری طور پر طبیعت میں نہایت شوخی و بیساختگی اور مزاج میں بے حد بیباکی و آزادی تھی۔ پھر انہیں مرشد بھی ایسے ہی ملے جن میں شان ترک و آزادی بہت بڑھی ہوئی تھی چنانچہ پیر جی صاحبؒ اکثر موقعوں پر بڑے جوش اور ناز سے فرمایا کرتے تھے کہ سنو جی میں آزاد ہوں اور آزاد کا غلام ہوں۔

ان سب مجموعہ حالات نے ان کو کچھ ایسا بنا دیا تھا جیسا کہ درویشوں میں ایک فرقہ ملامتیہ مشہور ہے یا بہ اصطلاح حضرت حاجی صاحبؒ یوں کہئے کہ اولیاء مستہلکین میں سے تھے لیکن زیادہ تر صرف زبان کے آزاد تھے اور صاحب عرس وسماع تھے۔ ویسے پابند صوم و صلوٰۃ تھے اور نہایت پر مغزو پر معنی حکیمانہ و درویشانہ باتیں فرمایا کرتے تھے اور مقصود حقیقی کی طلب میں ایسے ایسے ریاضات و مجاہدات شاقہ کئے ہوئے تھے کہ ناک سے دماغ پگھل پگھل کر بہنے لگا تھا اور سوز و گداز کا یہ حال تھا کہ ان کے پاس بیٹھنے سے قلب میں ایک آگ سی لگ جاتی تھی اور دنیا سے نفرت اور تعلقات سے وحشت پیدا ہو جاتی تھی۔ لیکن ان کے بعض اقوال و اعمال بلا تاویل شریعت پر منطبق نہ ہو سکتے تھے اور بعض دفعہ تاویل بھی بعید ہوتی تھی۔ یہ سب کچھ تھا لیکن جس حال میں بھی تھے نہایت صادق تھے۔ ریاکار یا دکاندار نہ تھے۔ غرض حضرت شیفتہؒ کے اس شعر کے پورے پورے مصداق تھے۔

آشنایاں شیوہ بیگانگی خوش کردہ اند   پاکداماں بودن و آلودہ داماں زیستن

(واقف کاروں نے کیا اچھی طرح سے بیگانوں کا شیوہ اپنا رکھا ہے کہ پاک دامن رہنا اور اسے آلودہ کر کے جینا)

چونکہ زبردست صاحب حال وقال درویش تھے اس لیے صاحب سماع بھی تھے اور وہ بھی ایسے کہ سفر و حضر میں آلات سماع ساتھ ساتھ رہتے جیسا کہ اکثر صاحب سماع درویشوں کا معمول ہے۔

پیر جی کا حضرت والا کے مدرسہ میں تشریف لانا

ادھر تو ان کا یہ حال اور ادھر حضرت والا ایک مشہور متبع سنت عالم اسی لیے پیر جی صاحب نے یہ کہلا کر بھیجا تھا کہ اگر تم اپنی وضع کے خلاف نہ سمجھو تو مجھ سے سرائے میں آ کر مل جاؤ اور اسی وجہ سے حضرت والا کے پاس جا کر نہیں ٹھہرے تھے بلکہ سرائے میں قیام فرمایا تھا۔ دیکھئے باوجود اس قدر آزاد مزاجی کے اہل علم کی کس درجہ رعایت تھی۔ غرض حضرت والا خبر پاتے ہی اپنے ماموں صاحب قبلہ سے سرائے میں آ کر ملے اور باصرار عرض کیا کہ حضرت مکان تشریف لے چلیں کیونکہ اپنے مہمان اور ایسے بزرگ مہمان کا سرائے میں قیام فرمانا کیونکر گوارا فرما کر سکتے تھے۔ پیر جی صاحب نے اپنی اسی آزاد مزاجی کی بناء پر جس کا اوپر ذکر کیا گیا فرمایا کہ ''میاں تم عالم باعمل ہو مجھے نہ لے چلو۔ دیکھنے والے کہیں گے کہ کس لچے اور شہدے کو اپنے یہاں لے آئے ہیں مگر حضرت والا نے کسی طرح نہ مانا اور اپنے ساتھ لے ہی آئے اور پیر جی صاحب مع اپنے سب ساز و سامان کے جس میں آلات سماع بھی تھے حضرت والا کے یہاں آ کر مقیم ہو گئے۔

مدرسہ والوں کو تعجب بھی ہوا لیکن جب پیر جی صاحبؒ کی درویشانہ جلی بھنی باتیں شروع ہوئیں تو سب کے دلوں میں ایک آگ سی لگ گئی اور اس قدر گرویدگی اور خوش عقیدگی بڑھی کہ سب پیر جی صاحب کا دم بھرنے لگے اور اصرار کر کے کئی دن تک ٹھہرا رکھا۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ماموں صاحب میں اس قدر شورش اور سوزش تھی کہ کلمات سے آگ سی نکلتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ بس یہ شعر صادق آتا تھا۔

غلام آں کلما تم آتش افروزو نہ بب سرد زند در سخن بر آتش تیز

(میں ان باتوں کا غلام ہوں جو آگ بھڑکاتی ہیں، ایسی بات نہ کہہ جو بھڑکتی آگ پر ٹھنڈا پانی ڈال دے)

حضرت والا کے قلب مبارک میں تو پہلے ہی سے آگ لگی ہوئی تھی۔ بس پیر جی صاحب کی آتش بیانی اور اثر سوز و گداز نہانی نے اس آگ کو اور بھی بھڑکا دیا اور بے اختیار قلب میں نہایت شدت کے ساتھ یہ تقاضا پیدا ہوا کہ ان سے تو جس طرح بھی بن پڑے

دولت عشق محبوب حقیقی حاصل کی جائے اور رجوع کر کے خاص اہتمام کے ساتھ ذکر وشغل میں لگا جائے اگر کسی کو جنگل میں ایسی پیاس لگے کہ وہ بیتاب ہو جائے اور سامنے کسی گڑھے میں پانی نظر آئے جو کسی قدر خاک آمیز بھی ہو اور گرم بھی تو کیا وہ اپنی طبیعت کو روک سکے گا اور کیا وہ یہ سوچے گا اور اس کا انتظار کرے گا کہ ابھی ٹھہریں گھر پہنچ کر ٹھنڈا اور صاف پانی پئیں گے۔ درآنحالیکہ اس کا گھر ابھی بہت فاصلہ پر ہے۔ عقل کا مقتضا یہی سہی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی صحیح ہے کہ ع عشق آمد عقل او آوارہ شد شدت تشنگی میں توریت کو بھی پانی سمجھ لیا جاتا ہے اور اس کی طرف سبقت کی جاتی ہے پھر یہاں تو پانی تھا گو نسبۃً خاک آمیز سہی۔ یہاں کیونکر صبر آسکتا تھا اور کیوں نہ سبقت کی جاتی کیونکہ پاک تو وہ بھی ہے اور ایک درجہ بھی منتفع بہ بھی ہے کما اشار الیہ العارف الرومی۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند　　　　صاف گر باشد ندانم چوں کند

(جب مٹی میں ملا ہوا لقمہ بھی پاگل کرتا ہے، تو اگر صاف ہوتا تو کیا کرتا)

بالخصوص خاک بیٹھ جانے کے بعد جب پانی نظر آئے اور خذ ما صفا و دع ماکدر (جو صحیح ہے لے لو جو گدلا ہے چھوڑ دو) کا مصداق بن سکے۔

اس واقعہ کی ٹھیک نظیر بقول حضرت والا فقہیات میں توضی بنبیذ التمر ہے کہ اولاً امام صاحب نے اس کی اجازت دی تھی اور جس حدیث سے اس پر استدلال کیا تھا اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے۔ تمرۃ طیبۃ وماء طھور۔ اور ایک روایت میں ہے تمرۃ حلوۃ وماء عذب (رواہ احمد والدار قطنی وابن ماجۃ والتفصیل فی الاستدراک الحسن) جو صریح ماخذ ہو سکتا ہے مثال مذکور آب مخلوط بالتراب کا کہ تراب طیب اور ماء طہور پس جس طرح آب خالص نہ ہونے کے وقت امام صاحب نے تیمّم کو کافی نہیں سمجھا بلکہ توضی بالنبیذ کا حکم دیا تھا اسی طرح طریق خالص پر قدرت نہ ہونے کے وقت محض اورادظاہری پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ آب مخلوط کو اس پر ترجیح دی گئی پھر جس طرح آب خالص کے ملنے پر نبیذ کا استعمال واجب الترک ہے اسی طرح طریق خالص تک رسائی ہونے پر طریق مخلوط کو ترک کر دیا گیا۔ نیز طریق مخلوط اس صفت میں بھی نبیذ کی نظیر ہے کہ دونوں میں استعداد ہے

سکر غیر مطلوب کی۔ پھر جس طرح امام صاحب کی آخری رائے بوجہ تردد و خطرہ عدم انطباق علی الاصول الشرعیہ کی توضی بالنبیذ کے عدم جواز اور تیمم کو وجوبا اختیار کرنے کی ہے اسی طرح صاحب واقعہ کی اخیر تحقیق یہی ہے کہ طریق خالص کے نہ ملنے تک صرف اوراد ظاہری پر اکتفا واجب ہے اور طریق غیر خالص کا اختیار کرنا بوجہ اس کے پرخطر ہونے کے جائز نہیں انتہی۔

پیر جی سے حضرت والا کا رجوع کرنا

غرض حضرت والا نے دیکھا کہ اپنے پیر و مرشد تو سمندر پار تشریف فرما ہیں اور یہاں شدت و عجلت طلب اور دل کی تڑپ کا یہ تقاضا ہے کہ بس کسی طرح جلد سے جلد مقصود تک رسائی نصیب ہو جائے اور اس کا بظاہر سامان بھی آنکھوں کے سامنے ہی موجود تھا بس پیر جی صاحب کی طرف بے اختیار جھک پڑے اور رجوع کیا جن سے بوقت قرابت قریبہ بزرگانہ بہت ہی خاص توجہ کی بھی توقع تھی کیونکہ حضرت والا جناب پیر جی صاحب کی گویا اولاد ہی تھے اور اس حیثیت سے جانبین میں جو مناسبت اور کشش باہمی تھی وہ بھی ظاہر ہے لیکن علم اور اپنے حضرات اکابر کے تعلق اور فیض صحبت کی یہ برکت ہوئی کہ خذ ما صفا ودع ما کدر کو بہر حال اپنا مطمح نظر اور نصب العین رکھا اور یہ شان حسن ظن اور وسعت خیال کی بالخصوص درویشوں کے ساتھ حضرت والا میں اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ شاید و باید اور ابتدائی زمانہ میں تو علاوہ وجوہ مرقومہ بالا یعنی شدت طلب و بعد از حضرت مرشد کے بقول حضرت والا دقائق طریق سے ناواقفی بھی منجملہ اسباب رجوع مذکور تھی۔ غرض اس رجوع پر حضرت حافظ شیرازیؒ کے یہ اشعار صادق آتے تھے۔

دوستاں عیب من بیدل حیراں مکنید　　　　گوہرے دارم و صاحب نظرے میجویم

(اے دوستو! مجھ بے دل و حیران پر عیب نہ لگاؤ میرے پاس ایک موتی ہے اور میں کسی نظر والے کی تلاش میں ہوں)

گرچہ بادلق ملمع مئے گلگوں عیب ست　　　　نکنم عیب کز و رنگ ریامی شویم

(اگر چہ گدڑی پر سرخ شراب کا رنگ چڑھانا عیب ہے مگر میں اسے عیب نہیں سمجھتا

کیونکہ میں اس کے ذریعے ریاکاری کا رنگ دھوتا ہوں)

واعظم گفت کہ خاک در میخانہ مبوئے　　　　گو مکن عیب کہ من مشک ختن میبویم

(مجھے واعظ نے کہا ہے کہ شراب خانہ کے دروازے کی خاک نہ سونگھ، اسے کہو کہ عیب نہ لگا کیونکہ میں تو ملک ختن کی خوشبو سونگھ رہا ہوں)

حضرت والا کا عذر

حضرت والا نے مختصراً اس رجوع کی اور اس وقت کی کیفیت کی حقیقت اپنے اس عریضہ میں تحریر فرمائی ہے جو حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں اپنی معذوری ظاہر کرنے کے لیے تحریر فرمایا تھا وہ خط بہ ضرورت اخفاعن العوام غیر ذوی الافہام عربی میں لکھا تھا جس کا لفظ لفظ اثر میں ڈوبا ہوا اور کیف سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے چند فقروں کو جو اس مقام کے مناسب ہیں بغرض مزید توضیح حالت اصل عبارت میں نقل کیا جاتا ہے۔...... فیا مولٰنا واللہ انی کنت فی ذلک الزمان غریقاً فی بحار الحیرة و الطلب و اتطاع الی من یخلصنی من ذاک لوصب و النصب + اذمادیٰ مناد من قریب من غیرا رادتی و قصدی + ھات یدک بیدی انجیک من ھذا البحر اللحجر + و ان الغریق یتشبث بکل حشیش + لما ھو فیہ من التھویش و التشویش + وقد کنت من وراء البحار من حبیبی + و مغیثی و طبیبی + ومعھذا ما ترکت بحمدللّٰہ یوماً العمل بقول الاکابر + خذ ماصفا ودع ما کدر + انتھیٰ ۔

عشق کے سوز و گداز کا آغاز

غرض ان سب مجموعی حالات کا یہ قدرتی نتیجہ ہوا کہ حضرت والا نے اپنے مشفق مکرم ماموں صاحب قبلہ سے رجوع کر کے خاص اہتمام کے ساتھ ذکر و شغل شروع کر دیا اور اب ۱۳۰۷ھ سے حضرت والا کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ پہلا دور تو علمی پرواز کا تھا اور یہ دوسرا دور عشق سوز و گداز کا۔

بس ذکر و شغل کا اس طرح سے شروع فرمانا تھا کہ حضرت والا کا رنگ ہی بدل گیا۔ اور

گویا بالکل کایا پلٹ ہی گئی۔ شغل باطن سے یہاں تک دلچسپی بڑھی کہ تعلقات سے نفرت ہوگئی اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ذریعہ عریضہ ترک ملازمت کا مشورہ لیا جیسا اوپر مذکور ہوا لیکن حضرت حاجی صاحبؒ نے خلق اللہ کو فیض دینی پہنچانے کی خدمت کو ترجیح دی اور ترک تعلق کی اجازت مرحمت نہ فرمائی کیونکہ ابھی اس کا وقت نہ آیا تھا تمکین کا انتظار تھا۔ چنانچہ حضرت والا نے حسب ارشاد حضرت حاجی صاحبؒ سلسلہ درس و تدریس بدستور جاری رکھا اور ذکر و شغل میں بھی مشغول رہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں روانگی

بالآخر ۱۳۱۰ھ میں اشتیاق وصول الی اللہ نے رفتہ رفتہ بڑھ کر اضطراب والتہاب کی صورت اختیار کر لی اور شدت وعجلت طلب نے اس درجہ بے چین کر دیا کہ کسی طرح سکون ہی نہ ہوتا تھا۔ اس کیفیت کو اصطلاح صوفیہ میں شوق سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں اپنے اصل دستگیر یعنی حضرت حاجی صاحبؒ کا وہ پر شفقت ارشاد یاد آ کر تازہ ہو گیا جو حاضری اول میں بر بناء غایت توجہ از خود فرمایا تھا کہ میاں اشرف علی تم میرے پاس چھ مہینے رہ جاؤ۔ یہ ارشاد فیض بنیاد دس برس سے برابر دل میں چھپا ہوا تھا کیونکہ اس وقت اس کی تعمیل والد ماجد صاحب کے حقوق نے نہ کرنے دی تھی جیسا کہ بہ تفصیل بیان کیا جا چکا ہے۔

چونکہ اس ارشاد مبارک کی تعمیل کی حالت موجودہ میں اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی اور والد ماجد صاحب کی وفات سے وہ مانع بھی مرتفع ہو گیا تھا لہٰذا بہ توجہ خاص حضرت والا نے اتنی مدت کے قیام مکہ معظمہ کے لیے اپنے آپ کو درس و تدریس کے مشاغل سے فارغ کر لینے کا اہتمام بلیغ شروع فرما دیا اور جلد ہی اس میں کامیاب بھی ہو گئے کیونکہ ذوق وشوق کی فراوانی اور کثرت سوز و گداز کی حدت وشدت وصول الی المقصود کی غایت رغبت قطع طریق کی انتہائی عجلت شورش و جذب عشق و محبت یا بہ اعتبار حقیقت یوں کہیے کہ خود محبوب حقیقی کی کشش غیبی و جاذبیت کی بدولت سب موانع و مرتفع ہوئے چلے گئے اور بعون اللہ تعالیٰ وہ ارادہ جس کی تکمیل کی نوبت دس برس کی طویل مدت میں بھی نہ آ سکی تھی چند ماہ ہی میں بسہولت و بلا دقت

تکمیل کو پہنچ گیا اور حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر صادق آ گیا۔

گرچہ رخنہ نیست عالم راپدید   خیرہ یوسف واری باید دوید

اور حضرت والا نے پیر و مرشد کی خدمت میں بمقام مکہ مکرمہ چھ ماہ قیام کرنے کی نیت سے گویا حضرت حافظ کی یہ غزل بزبان حال پڑھتے ہوئے روانہ ہو گئے۔

چو باد عزم بسر کوئے یار خواہم کرد   نفس ببوئے خوشش مشکبار خواہم کرد

(جب میں محبوب کی گلی میں جانے کا ارادہ کروں گا، تو سانسوں سے اس کی خوشبو پھیلاتا ہوا جاؤں گا)

ہر آبروئے کہ اندوختم ز دانش ودیں   نثار خاک رہ آں نگار خواہم کرد

(میں نے اپنی عقل اور دین کے ذریعہ جو عزت حاصل کی ہے اسے اس حسین کے راستہ کی خاک پر قربان کروں گا)

بہرزہ بے مے و معشوق عمری گذرد   بطالتم بس از امروز کار خواہم کرد

(شراب اور معشوق کے بغیر جتنی بھی عمر گزری ہے وہ میں نے ضائع کی ہے بس آج سے کام میں مشغول ہوں گا)

بیاد چشم تو خود را خراب خواہم ساخت   بناء عہد قدیم استوار خواہم کرد

(میں تیری آنکھ کی یاد میں اپنے آپ کو ویران کروں گا اور پرانے زمانے کی بنیاد مضبوط کروں گا)

نفاق و زرق نہ بخشد صفائے دل حافظ   طریق رندی و عشق اختیار خواہم کرد

(اے حافظ منافقت و نمائش سے دل کا خلوص حاصل نہیں ہوتا، میں عشق اور رندی کا راستہ اختیار کروں گا)

اور ذوق وشوق کا وہ عالم تھا جیسے حضرت حافظؒ نے فرمایا ہے۔

بہواداری او ذرہ صفت رقص کناں   تالب چشمہ خورشید درخشاں بردم

(اسکی خواہش میں مست ہو کر ذرہ کی طرح رقص کرتا ہوا سورج کے روشن چشمہ تک جاؤں گا)

من کز وطن سفر نگزیدم بعمر خویش   درعشق دیدن تو ہوا خواہ غربتم

(میں نے اپنی زندگی میں کبھی وطن سے سفر نہیں کیا ہے، مگر تیرے دیدار کے عشق میں سفر کا خواہشمند ہوں)

غرض حضرت والا حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں بصد اشتیاق حاضر ہو کر قیام پذیر اور بصد ذوق وشوق ہمہ تن مشغول استفاضۂ باطنی ہو گئے۔ مرکز پر پہنچنا تھا کہ سارا اضطراب و التہاب جو ایک عرصہ سے لاحق حال ہو رہا تھا مبدل بہ سکون وطمانیت ہو گیا اور اب وہ کیفیت رونما ہوئی جس کو اصطلاح صوفیہ میں اُنس کہتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر بہ تفصیل بیان کیا جا چکا ہے۔

خصوصی عنایات متوجہات

حضرت حاجی صاحبؒ نے اس خاص روحانی تعلق کی بناء پر جس سے متاثر ہو کر قبل تعارف ہی حضرت والا کو مکہ معظمہ طلب فرمایا تھا اور بوقت حاضری اول چھ مہینہ قیام کرنے کے لیے از خود ارشاد فرمایا تھا۔ پہلے ہی سے اشتیاق میں تھے۔ حضرت والا کے پہنچنے سے ایسے مسرور ہوئے جیسے بلا تشبیہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے پر مسرور ہوئے تھے بس پھر کیا تھا خاص الخاص توجہات وعنایات بے غایات شروع فرما دیں۔ اس درجہ شفقت وعنایت فرماتے تھے کہ دوسروں کو حسد ہونے لگا تھا یہاں تک کہ حضرت والا ارشاد فرمایا کرتے ہیں کہ میں یہ چاہا کرتا تھا کہ حضرت میرے اوپر اتنی عنایت وشفقت سب کے سامنے نہ فرمایا کریں تو اچھا ہے۔ آخر میں حاسدین سے حضرت والا کو اتنا اندیشہ ہو گیا تھا کہ ارادہ تو تھا پورے چھ مہینہ قیام فرمانے کا لیکن ہفتہ عشرہ قبل ہی رخصت ہو گئے کہ ابھی تو میں حضرت کے یہاں مقبول ہوں آئندہ کہیں لگائی بجھائی کرنے والے حاسدین حضرت کو میری طرف سے مکدر نہ کر دیں اس لیے انشراح ہی کی حالت میں رخصت ہو جانا چاہیے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کا اعتماد

ادھر حضرت حاجی صاحب کی قوت افاضہ ادھر حضرت والا کی قابلیت استفاضہ بس تھوڑے ہی دن میں باہم اس درجہ مناسبت ہو گئی کہ حضرت حاجی صاحبؒ بے ساختہ یہ فرمانے لگے کہ بس تم پورے پورے میرے طریق پر ہو اور جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا

جب کبھی حضرت والا کی کوئی تحریر یا تقریر دیکھنے یا سننے کا اتفاق ہوتا تو خوش ہوکر فرمانے لگتے کہ جزاکم اللہ تم نے تو بس میرے سینے کی شرح کردی اور اگر دوران تقریر علوم و معارف میں کوئی کچھ سوال کرتا تو بجائے خود جواب دینے کے حضرت والا کی طرف اشارہ فرمادیتے کہ ان سے پوچھ لینا یہ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں حالانکہ حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں غایت ادب سے حضرت کے سامنے ہمیشہ خاموش ہی بیٹھا رہتا تھا اور بہت ہی کم کبھی ضرورت ہی کے وقت کچھ بولنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ اھ۔

سبحان اللہ حضرت حاجی صاحبؒ کی بھی بصیرت باطنی کس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ اپنے نور فہم اور فراست ایمانیہ سے حضرت والا کی سخن فہمی اور معنی شناسی کو معلوم فرمالیتے تھے۔ مگر برا ہو حسد کا کہ باوجود حضرت حاجی صاحبؒ کے صریح حکم کے بھی کبھی کسی نے بعد کو حضرت والا سے رجوع کر کے حل اشکال نہ کیا۔ غرض غایت مناسبت کی بناء پر حضرت والا بے تکلف اس کے مصداق ہوگئے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی — تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

(میں تو ہوگیا تو میں ہوگیا میں جسم بن گیا تو جان بن گیا، تاکہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہے کہ میں اور ہوں تو اور ہے)

مرشد و مسترشد میں کامل مناسبت

مناسبت کے متعلق ایک اور واقعہ یاد آیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک بار سید احمد خان مرحوم کو نصیحت کا خط لکھنا چاہا تو کئی صاحبوں نے مسودات حسب تجویز حضرت حاجی صاحبؒ تیار کر کے پیش کیے لیکن کوئی پسند نہ آیا۔ پھر حضرت والا سے لکھنے کے لیے ارشاد ہوا۔ حضرت والا کا مسودہ بہت پسند آیا۔ لیکن بعض لوگوں نے خوامخواہ یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ سر سید احمد خان یہ بدگمانی کریں گے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے ایماء سے یہ خط لکھا گیا ہے اور یہ بدگمانی مولانا کے لیے مضر ہوگی اور کہا کہ اس کا بھیجنا خلاف مصلحت ہے چونکہ حضرت حاجی صاحبؒ نہایت نرم خو تھے حسب عادت شریف فرمایا کہ اچھا جیسی مرضی ہو چنانچہ وہ خط

نہ بھیجا گیا۔ لیکن بعد کوئی بار فرمایا کہ اگر وہ خط بھیج دیا جاتا تو امید تو تھی کہ اصلاح ہو جاتی لیکن ہمارے دوستوں کی رائے نہ ہوئی۔

(نوٹ: یہ خط حضرت والا کے رسالہ اصلاح الخیال کے اخیر میں طبع بھی ہو چکا ہے۔۱۲)

کتاب ''تنویر'' کا ترجمہ اور وقت میں برکت

اسی طرح تنویر کا ترجمہ ''اکسیر فی اثبات التقدیر'' بھی حضرت والا نے حضرت حاجی صاحبؒ ہی کی فرمائش پر مکہ معظمہ کے قیام میں کیا تھا۔ حضرت والا روز کا ترجمہ روز حضرت حاجی صاحبؒ کو سنا دیا کرتے تھے۔ حضرت سن کر بہت خوش ہوتے اور مقدار کی زیادتی پر فرمایا کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے وقت میں برکت عطا فرمائی ہے چنانچہ بفضلہ تعالیٰ یہ پیشینگوئی حرف بحرف راست ہوئی۔ جس پر حضرت والا کی صدہا تصانیف شاہد عدل ہیں۔ ایک بار بہت سے خطوط قریب پچاس کے آ گئے ختم پر حساب لگایا تو فی خط دو منٹ سے بھی کچھ کم صرف ہوا۔ حالانکہ لمبے لمبے خطوط آتے ہیں جن کے پڑھنے ہی میں کافی وقت صرف ہو جاتا ہے اور جواب لکھنا مزید برآں۔ اور وقت میں برکت کی صورت اکثر و بیشتر منجاب اللہ یہ بھی واقع ہوتی رہتی ہے کہ جب کسی اہم دینی کام میں مشغولی ہوتی ہے تو مخل اوقات واقعات و حادثات سے حفاظت رہتی ہے۔ مثلاً جب خطوط زیادہ آ گئے تو تعویذ لینے والے بہت کم آئے چنانچہ جس روز پچاس کے قریب خطوط آ گئے تھے جن کا ذکر ابھی کیا جا چکا ہے اس روز دوران تحریر جوابات میں ایک بھی تعویذ لینے والا نہ آیا جس کا حضرت والا نے حاضرین مجلس سے خاص طور پر تذکرہ بھی فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

نیز جس زمانہ میں تفسیر بیان القرآن تحریر فرما رہے تھے حضرت فرماتے ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ ڈھائی برس کی طویل مدت میں کبھی میرا کان تک بھی گرم نہ ہوا اور ایک دن بھی ناغہ نہیں ہوا کبھی معمولی شکایت نزلہ زکام تک کی بھی نہ ہوئی۔ حالانکہ اس دوران میں خاص تھانہ بھون کے اندر طاعون کا عرصہ تک زور رہا اور اس معنیٰ کر کسی قدر حرج بھی ہوا کہ میں نماز جنازہ اور دفن میں بکثرت شرکت کرتا تھا لیکن یہ حرج ایسا نہ تھا کہ جس کا تدارک بعد کو نہ ہو سکے۔ میں اس زمانہ میں یہ دعا کیا کرتا تھا کہ تفسیر کے ختم ہونے تک نہ مروں۔ اھ۔

حضرت والا کے وقت میں برکت اس طور پر بھی بہت ہو جاتی ہے کہ جب کچھ لکھنے بیٹھتے ہیں تو مضامین کی آمد فوراً شروع ہو جاتی ہے اور اکثر دیکھا گیا کہ بہت الجھے ہوئے خطوط کے جوابات بھی نہایت کافی ووافی وشافی نیز تصانیف میں بڑے بڑے دقیق مضامین علمیہ کی تقریریں بھی قلم برداشتہ لکھتے چلے جاتے ہیں۔ پھر بھی جامعیت تحریر کی یہ شان ہوتی ہے کہ کوئی ضروری اور خفی سے خفی پہلو بھی نظر انداز نہیں ہونے پاتا۔ وقت میں برکت کی یہ صورت بھی اکثر دیکھی گئی کہ جس مضمون کو کسی کتاب میں ڈھونڈنا چاہا تو اس کا موقع فوراً ذہن میں آ گیا یا اتفاق سے ورق گردانی میں وہی مقام نکل آیا اور وقت میں سب سے زیادہ برکت انتہائی انضباط اوقات وحسن انتظام وعدم کاوش کے علاوہ اس طور پر بھی ظہور پذیر ہوتی ہے کہ جب کسی کام کو حضرت والا شروع فرما دیتے ہیں تو اس سے قلب کو فارغ کرنے کا اس درجہ تقاضا طبیعت میں پیدا ہوتا ہے کہ جب تک ختم نہیں فرما لیتے ہی چین ہی نہیں آتا یہاں تک کہ بعض تصانیف کے ختم کے قریب رات رات بھر بیٹھے لکھتے رہے اور ایک منٹ کو بھی آرام نہیں فرمایا۔ چنانچہ خود احقر کی موجودگی خانقاہ میں بھی ایسا ہوا۔ خود فرمایا کرتے ہیں کہ چاہے توفیق یاد خدا کی نہ ہو لیکن میں اپنی طرف سے تو قلب کو فارغ رکھنے کی کوشش ہی کرتا رہتا ہوں تاکہ اگر کبھی توفیق ہو تو آسانی سے حق تعالیٰ کی طرف قلب کو رجوع تو کر سکوں اور اس وقت کوئی مانع تو توجہ الی اللہ سے نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ الجھی ہوئی باتوں سے میری طبیعت پریشان ہو کر متغیر ہو جاتی ہے کیونکہ میں یہ چاہا کرتا ہوں کہ بات ختم ہو کر جلد یکسوئی حاصل ہو اور طبیعت اٹکی نہ رہے۔ اور لوگ الجھی ہوئی باتیں کر کر کے طبیعت کو دیر دیر تک خواہ مخواہ اٹکائے اور الجھائے رکھتے ہیں۔

نیز حضرت والا بفضلہ تعالیٰ بہت کم بیمار پڑتے ہیں اور اگر کبھی کوئی شکایت ہوتی ہے تو بحمد اللہ جلد رفع ہو جاتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا کہ مہینوں رہنے والی بیماری سے بھی دو تین چار دن ہی میں صحت یاب ہو ہو گئے اور کاموں میں معتدبہ حرج واقع نہ ہونے پایا ورنہ اس کثرت سے کام رہتے ہیں کہ اگر کچھ دنوں کے لیے بھی رک جائیں تو پھر ان کا ختم کرنا ممکن نہ رہے کیونکہ دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ حضرت والا ہر وقت کسی نہ کسی کام ہی میں مشغول رہتے ہیں بلکہ نہایت حیرت ہے کہ ایک ایک وقت میں کئی کئی کام کرتے رہتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے

کہ حفظ تلاوت بھی جاری ہے اور کبھی وقفات میں کبھی بلا وقفہ خطوط کے جوابات بھی لکھ رہے ہیں۔ طالبین بھی اپنے قلوب میں توجہ کا اثر محسوس کر رہے ہیں اور توجہ بحق سے تو کسی وقت غافل ہی نہیں بمصداق دل بیار دست بکار۔ پھر مسائل دقیقہ جو اکثر اوقات درپیش ہی رہا کرتے ہیں ان میں بھی غور وخوض فرماتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ فلاں مسئلہ فلاں جگہ چلتے ہوئے سمجھ میں آیا۔ فلاں مسئلہ نماز میں سمجھ میں آیا۔ فلاں اشکال فلاں موقع پر فلاں فلاں حالت میں حل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی غیب سے یہ بھی مدد ہوتی ہے کہ ماشاء اللہ تعالیٰ اول تو حضرت والا بہت ہی کم بیمار ہوتے ہیں جیسا ابھی ذکر ہوا پھر اکثر یہ دیکھا گیا کہ بیماری میں بھی حتی المقدور کام نہیں چھوڑتے جب تک کہ بالکل مجبور نہ ہو جائیں۔

عجیب اتفاق ہے کہ آج ۱۹۔ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ کو بھی حضرت والا کے کوکھ میں باد وراں تحریر مضمون ہذا شدید ریاحی درد تھا جو گردہ کے قریب تک پہنچا ہوا تھا لیکن ضبط کیے ہوئے نماز فجر پڑھائی اور کسی پر ظاہر نہ فرمایا سب کو تعجب تھا کہ خلاف معمول چھوٹی سورتیں کیوں تلاوت فرمائیں پھر اور کام بھی کرتے رہے۔ آٹھ بجے کے بعد خدام کو پتہ چلا سینک وغیرہ تدابیر سے بحمد اللہ گھنٹہ بھر ہی میں درد بالکل جاتا رہا اور حضرت والا بدستور صبح کی مجلس میں تشریف رکھ کر طالبین کو مستفید فرماتے رہے گو شدید قسم کا درد تھا مگر حق تعالیٰ نے بہت جلد رفع فرما دیا۔ فالحمد للہ حضرت والا نے بعد رفع درد فرمایا کہ چونکہ طبیعت کو اس قسم کی تکالیف کی عادت نہیں اس لیے تھوڑی دیر کی تکلیف میں بھی ایسا ضعف محسوس ہونے لگا جیسے مہینہ بھر بیمار رہا ہوں۔ درد بالکل اندر تک سرایت کیے ہوئے معلوم ہوتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے بڑی جلدی فضل فرما دیا۔ یہ سب مضمون وقت کی برکت کے متعلق استطرادا معرض تحریر میں آ گیا۔ اب میں پھر حضرت حاجی صاحبؒ کی توجہات وعنایات و بشارات کی حکایات نقل کرنے کی طرف عود کرتا ہوں۔

انکشافِ توحید

حضرت والا یوں تو اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں رہ کر بفضلہ تعالیٰ سبھی باطنی دولتوں سے مالا مال ہوئے لیکن دوران قیام میں توحید کا انکشاف بدرجہ کمال ہوا جو اساس شریعت و

طریقت اور گویا مغز درویشی ہے اور جس کا ثمرہ لازمی عبدیت ہے جو سلوک کا اعلیٰ ترین مقام ہے اور یہی وہ دولتیں ہیں جن کے حضرت حاجی صاحبؒ خاص طور سے حامل تھے اور جو سلسلہ امدادیہ کی طغرائے امتیاز ہیں اور جو حضرت حاجی صاحبؒ نے باذن اللہ تعالیٰ اپنے سینہ مبارک سے حضرت والا کے سینہ مبارک میں بہ تمام وکمال منتقل فرما کر ہمیشہ کے لیے ودیعت فرما دی تھیں جن کے آثار اب تک حضرت والا کے اقوال وافعال اعمال واحوال نشست و برخاست حرکات وسکنات سبھی سے روز روشن کی طرح نمایاں ہیں اور حضرت والا کے یہ فیوض و برکات جو شرقاً وغرباً پھیلے ہوئے ہیں انہیں آفتاب و ماہتاب کی شعاعیں اور تابشیں ہیں۔

غزل

دوران قیام مکہ معظمہ میں تو حضرت والا پر توحید کا اس قدر غلبہ تھا کہ اس زمانہ میں ایک نہایت پر کیف غزل بھی لکھی تھی جس میں سرتاسر توحید وجودی ہی کے مضامین تھے لیکن باوجود معنون کے موجھ ہونے کے چونکہ بوجہ غلبہ حال اس غزل کا عنوان خلاف ظاہر تھا اس لیے اس سے رجوع فرمالیا اور چونکہ اس سے رجوع فرما چکے ہیں اس لیے اس کو اس جگہ درج کرنے کی بھی اجازت نہیں مرحمت فرمائی۔ تاہم حوالہ کی مصلحت سے احقر نے اس غزل کے صرف دو سادہ شعر اس جگہ لکھنے کی اجازت طلب کر لی ہے وہ یہ ہیں:

خودی جب تک رہی اس کو نہ پایا ۔۔۔ جب اسکو ڈھونڈھ پایا خود عدم تھے

حقیقت کیا تمہاری تھی میاں آہ ۔۔۔ یہ سب امداد کے طلب و کرم تھے

اس غزل میں اپنا تخلص آہ تجویز فرمایا اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں حضرت والا پر کس قدر غلبہ سوز وگداز تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ کو یہ غزل بوجہ حسب حال ہونے کے اس قدر پسند آئی تھی کہ بعض مشائخ کو جو زیارت کے لیے حاضر ہوئے تھے حضرت والا سے فرمائش کر کے خاص طور سے سنوائی اور جب حضرت والا سنا چکے تو حضرت حاجی صاحبؒ نے ان سے فرمایا کہ یہ محض قال نہیں ہے ان کا حال ہے۔

رسالہ ''انوار الوجود''

اسی زمانہ قیام مکہ معظمہ میں تنزلات ستہ کے مسئلہ پر جس کا توحید وجودی سے خاص تعلق تھا ایک رسالہ بھی حضرت والا نے تحریر فرمایا تھا جس کا نام ''انوار الوجود فی اطوار الشہود'' رکھا تھا اس کا ایک جزو التجلی العظیم فی احسن تقویم بھی ہے جس میں انسان کی جامعیت کی تحقیق ہے۔ یہ مضامین بھی حضرت والا نے حضرت حاجی صاحبؒ کو سنائے تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ سن کر بے حد مسرور ہوئے اور جوش میں آ کر فرمایا کہ اس میں تو تم نے بالکل میرے سینہ کی شرح کر دی۔ اس ارشاد سے بھی اس امر کی صراحۃً تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے جو خاص چیز اپنے سینہ مبارک سے حضرت والا کے سینہ مبارک میں ودیعت فرمائی تھی وہ توحید تھی جیسا ابھی بیان کیا گیا چونکہ یہ مضامین بھی غلبہ توحید کے زمانہ کے لکھے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کے مطالعہ سے بھی رسالہ تنبیہات وصیت کے ضمیمۂ ملقب بہ ثانیۃ التابعہ مضمون دہم نمبر اول مطبوعہ النور ماہ شوال المکرم ۱۳۴۴ھ صفحہ ۲۰ میں عوام کو ممانعت فرما دی ہے اور خواص کو بھی ان کا درجہ بتلا دیا ہے کہ ان کو ذوقیات سے آگے نہ بڑھائیں اسی زمانہ غلبہ انکشاف توحید کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔

وحدۃ الوجود پر تقریر

حضرت والا سے ایک صاحب علم مولوی محمد احمد حسن صاحب نے جو مکہ معظمہ میں مطوف تھے وحدۃ الوجود کے مسئلہ کے متعلق اپنا شبہ ظاہر کیا کہ یہ تو بالکل خلاف ایمان معلوم ہوتا ہے۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ آپ کسی روز مجھ سے اس مسئلہ کی تقریر سن لیں۔ پھر انشاء اللہ تعالیٰ آپ خود اپنے منہ سے یہ کہنے لگیں گے کہ بدوں اس مسئلہ کے اعتقاد کے تو ایمان ہی کامل نہیں ہو سکتا چنانچہ ایک جمعہ کو صبح کے وقت حضرت والا نے ان سے دو گھنٹہ مسلسل تقریر کی آخر میں وہ یہ کہہ کر اٹھے کہ واقعی اس مسئلہ کی تو ایسی ضرورت ثابت ہوئی کہ بدوں اس کے تو ایمان کا تحقق ہی نہیں ہو سکتا۔ حضرت والا نے تو تکمیل ایمان ہی کو اس پر منحصر فرمایا تھا۔ انہوں نے اس سے بھی آگے بڑھ کر اس کو ایمان کا موقوف علیہ قرار دے دیا۔ جب انہوں نے خوش ہو کر حضرت حاجی صاحبؒ سے اس واقعہ کو نقل کیا تو حضرت

حاجی صاحبؒ نے بہت مسرور ہو کر فرمایا کہ ہاں جی ہاں ان پر یعنی (حضرت والا پر) یہ مسئلہ خوب منکشف ہو گیا ہے۔

غلبۂ عبدیت

اسی زمانہ کا ایک اور واقعہ حضرت والا ہی کا بیان فرمایا ہوا یاد آیا۔ قاری عبدالحق صاحب کے مدرسہ کا سالانہ جلسہ ہوا تو حضرت والا سے وعظ کا اصرار کیا گیا۔ حضرت والا نے مکہ معظمہ میں وعظ کہنا خلاف ادب سمجھا لہٰذا انکار فرما دیا ان لوگوں نے حضرت حاجی صاحبؒ سے سفارش کرائی پھر تو حضرت والا کو بادل ناخواستہ ادباً اقرار کرنا ہی پڑا۔ جلسہ میں پہنچے تو ایک بڑے مکی عالم مفتی محمد عباس بھی موجود تھے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ان کے ہوتے ہوئے بھلا میری کیا مجال ہے کہ میں وعظ کہہ سکوں۔ چونکہ لوگ بہت مشتاق تھے اس لیے انہوں نے ان عالم صاحب کے ذریعہ سے بھی فرمائش کرائی حضرت والا پھر مجبور ہو کر آمادہ ہو گئے جلسہ قرأت شروع ہوا ایک نہایت خوش لحن ترکی لڑکے نے قرآن شریف پڑھا حضرت والا فرماتے ہیں کہ ایسا پر درد و پر اثر لہجہ میں نے عمر بھر نہیں سنا تمام جلسہ پر ایک سناٹے کا عالم طاری ہو گیا اور میرے تو ہوش ہی بجا نہ رہے ہچکی بندھ گئی۔ پھر جب مجھ سے وعظ کے لیے کہا گیا تو میں نے کہا کہ اگر مجھ سے وعظ کہلوانا تھا تو اس لڑکے سے قرآن شریف نہ سنواتے۔ اب تو میں بیان پر قادر ہی نہیں رہا اور واقعی اس کی قرأت کا اتنا شدید اثر ہوا تھا کہ وعظ کہنے کی بالکل قدرت ہی نہ رہی تھی۔ نہ ہاتھ پاؤں قابو میں رہے نہ دل قابو میں رہا نہ زبان قابو میں رہی۔ ان لوگوں کو بھی دیکھنے سے معلوم ہو گیا کہ میں اس وقت واقعی معذور تھا۔ اھ۔

چونکہ اس عذر کا لوگوں کے پاس کوئی علاج نہ تھا۔ اس لیے مجبور ہو کر رہ گئے اور حضرت والا کے وعظ سننے کا اشتیاق ان کے دل کے دل ہی میں رہ گیا۔ چونکہ حضرت والا کا دل وہاں وعظ کہنے کو نہ چاہتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے غیب سے ایسا ہی سامان کر دیا کہ وعظ نہ ہو سکا سچ ہے۔ ع۔ میدہد یزداں مراد متقین۔ اس واقعہ سے حضرت والا کا غایت

ادب اثر وسوز گداز قلبی ظاہر و باہر ہے اور یہ ناشی تھا۔ غلبہ عبدیت وانکشاف توحید وعظمت حق سے جو اثر تھا حضرت حاجی صاحبؒ کے فیض صحبت اور توجہ خاص کا۔

خلوت از اغیار نہ از یار

اب حاجی صاحبؒ کی توجہات خاصہ کے چند اور واقعات نقل کیے جاتے ہیں۔

ایک بار حضرت والا پر حضرت شیخ کی زیارت کا اس قدر اشتیاق غالب ہوا کہ مضطر ہو کر خلوت ہی کے وقت خدمت میں پہنچ گئے اور غایت اشتیاق کا عذر پیش کر کے معذرت کی کہ میں اس وقت خلوت میں مخل ہوا۔ حضرت نے غایت خصوصیت کی بناء پر فرمایا کہ خلوت از اغیار نہ از یار اور لطف کے ساتھ باتیں فرماتے رہے۔

جائے بزرگان بجائے بزرگان

ایک بار حضرت والا مجلس شیخ میں ذرا دیر کر کے حاضر ہوئے کیونکہ مزارات ومشاہد کی زیارت کے لیے چلے گئے تھے حضرت حاجی صاحبؒ کو بربناء خصوصیت حضرت والا کا بہت انتظار تھا۔ تاخیر کا سبب پوچھا تو حضرت والا نے عرض کیا کہ مقامات مقدسہ ومزارات وغیرہ کی زیارت کرنے چلا گیا تھا۔ فرمایا بہت اچھا کیا جائے بزرگاں بجائے بزرگاں۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی مجلس سماع

ایک بار سلسلہ شاذلیہ کے ایک شخص نے حضرت حاجی صاحبؒ کی مع خدام کے دعوت کی حضرت حاجی صاحبؒ نے اس شرط پر قبول فرمائی کہ سماع بھی ہو۔ اس پر بعض خدام کو جو علماء تھے شرکت دعوت میں تامل ہوا اور حضرت حاجی صاحبؒ سے عذر کر دیا لیکن حضرت والا بلا تامل ساتھ ہولیے اور جب آپس میں تذکرہ ہوا تو فرمایا ہم تو ضرور شریک ہوں گے ہم حضرت سے زیادہ متقی نہیں ہیں جب حضرت شریک ہو رہے ہیں تو ہمیں کیا تامل ہو سکتا ہے۔

ع محتسب گر مے خورد معذور دارد دوست را

(کوتوال جب خود شراب پیئے گا تو دوستوں کو بھی معذور سمجھے گا)

چنانچہ حضرت والا شریک ہوئے وہاں پہنچے تو قبل طعام ان شیخ کے خدام حلقہ باندھ کر

کھڑے ہوئے اور ان میں سے ایک نے کسی اسم الٰہی کا ذکر شروع کیا اس کے ساتھ اوروں نے بھی آواز ملا کر وہی ذکر کرنا شروع کر دیا۔ وہ شخص جو ابتداء کرتا ہے منشد کہلاتا ہے۔ کچھ دیر تک ایک اسم کا ذکر کر کے سب خاموش ہو جانے پر منشد کچھ توحید کے عشقیہ اشعار پڑھتا۔ سادہ مگر نہایت دلکش لہجہ تھا اور منشد ایک معمر شخص تھے۔ اس کے بعد کسی دوسرے اسم کا اسی طرح ذکر کرتے غرض سماع کیا تھا ایک نہایت پرلطف اور پر کیف مجلس ذکر تھی۔ بعد فراغ حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت والا سے پوچھا کہ کہو کچھ لطف بھی آیا۔ عرض کیا حضرت نہایت لطف آیا۔ پھر حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ بس یہ سماع تھا جس سے ہمارے دوستوں کو خواہ مخواہ وحشت ہوئی۔ میں نے تو قصداً یہ شرط لگائی تھی تاکہ میں دکھلا دوں کہ سماع کی کیا حد ہے۔

مرتبہ کا تحفظ

غرض حضرت حاجی صاحبؒ حضرت والا کی بلا تامل شرکت سے بہت خوش ہوئے بخلاف بعض دیگر اہل علم خدام کے جنہوں نے شرکت سے گریز کیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ کو حضرت والا کے مرتبہ کے تحفظ کا اس قدر خیال تھا کہ ایک بار حضرت والا کو اپنے عیال کے لیے جو بعد میں پہنچے اور ناواقفی سے ایک اجنبی مطوف مقرر کر لیا تبدیل مطوف کی ضرورت سے شیخ المطوفین کے پاس جانے کا اتفاق ہوا تو چونکہ وہ شیخ بہت ہی بد دماغ مشہور تھا واپسی پر حضرت حاجی صاحبؒ نے غایت تشویش کے ساتھ سے پہلے یہ سوال کیا کہ یہ تو بتاؤ وہ پیش کس طرح آیا حضرت والا نے عرض کیا کہ حضرت کی توجہ اور دعا کی برکت سے بہت اخلاق کے ساتھ پیش آیا اور مرضی کے موافق ہی مطوف کے متعلق طے کر دیا۔ حضرت بہت خوش ہوئے۔ حضرت والا نے اس واقعہ کو نقل فرما کر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کو اس کا بہت خیال تھا کہ میرے متوسلین کو کوئی نظر تحقیر سے نہ دیکھے۔ خدام پر بہت ہی شفقت اور ان سے بہت ہی تعلق تھا۔ اھ۔

جیسا میں ہوں ویسے ہی تم رہو

حضرت بڑی پیرانی صاحبہ مدظلہا مع اپنی خالہ صاحبہ کے حضرت والا کے دوران قیام میں

مکہ معظّمہ پہنچ گئی تھیں۔ خالہ صاحبہ نے حضرت حاجی صاحبؒ سے حضرت والا کے متعلق عرض کیا کہ ان کے لیے صاحب اولاد ہونے کی دعا کر دیجئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے باہر آ کر حضرت والا سے فرمایا کہ تمہاری خالہ مجھ سے دعا کے لیے کہتی تھیں کہ تمہارے اولاد ہو سو دعا تو میں نے کر دی ہے لیکن بھائی میرا جی تو یہی چاہتا ہے کہ جیسا میں ہوں ویسے ہی تم بھی رہو جو حالت میری ہے وہی حالت تمہاری بھی رہے پھر دیر تک اس زمانہ کی اولاد کی خرابیاں فرماتے رہے۔ حضرت والا نے عرض کیا کہ جو حالت حضرت کو پسند ہے وہی حالت میں بھی اپنے لیے پسند کرتا ہوں یعنی بے اولاد رہنا۔ حضرت حاجی صاحبؒ یہ سن کر بہت مسرور ہوئے۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کو حضرت والا سے کس درجہ خصوصیت تھی کہ ہر حالت کے اعتبار سے حضرت والا کی اپنے ساتھ مشابہت ہی چاہتے تھے۔ ع۔ تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری۔ چنانچہ اب تک تو باوجود دوسرا عقد بھی کر لینے کے اولاد ہوئی نہیں۔ آئندہ جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔ یہ تو ظاہری مشابہت ہوئی اور بفضلہٖ تعالیٰ حضرت والا باطناً تو حضرت حاجی صاحبؒ کے طریق کے پورے پورے حامل ہی ہیں۔

حضرت بڑی پیرانی صاحبہ

اسی طرح حضرت حاجی صاحبؒ نے رخصت کے وقت حضرت بڑی پیرانی صاحبہ کے متعلق فرمایا کہ یہ تو ہمارے یہاں سے ایک بات لے چلیں کہ آیا اڑایا آیا اڑایا چنانچہ واقعی ان کا یہی حال ہے کہ نہ تنگی ہوتی ہے نہ جمع ہوتا ہے۔ ماشاء اللہ اس قدر سیر چشمی و ایثار ہمدردی ہے کہ جتنا بھی اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں اور ان کے حصہ میں آتا ہے سب اپنے اعزہ و مستحقین پر خرچ فرما دیا کرتی ہیں اور اپنی تنگی کی کچھ پروا نہیں فرماتیں بلکہ حضرت والا انہی کی مصلحت کے لیے انتظام کے ساتھ خرچ کرنے کی تاکید بھی فرماتے رہتے ہیں۔ حضرت والا جیسے اور امور میں نہایت منتظم اور خوش تدبیر ہیں خرچ کرنے میں بھی ایسے ہی خوش انتظام ہیں کہ نہایت فراخی کے ساتھ ضروری موقعوں پر خرچ فرماتے ہیں پھر بھی اکثر کچھ نہ کچھ ذخیرہ ہو ہی جاتا ہے لیکن اس کو جلدی ہی اہل حقوق میں تقسیم کر کے اور

مناسب مواقع خیر میں خرچ فرما کر اپنی ملک سے خارج فرما دیتے ہیں۔

غرض حضرت والا کے متعلق ہر امر میں حضرت حاجی صاحبؒ کی یہی خواہش تھی کہ میرے ہی مشابہ ہیں چنانچہ بفحوائے می دہد یزداں مراد متقین۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو حاجی صاحبؒ کے طریق انیق کا پورا پورا حامل اور سچا جانشین بنا کر آج ایک دنیا کو فیضیاب بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ تا دیر اس فیض کو جاری رکھے اور اس ناکارہ کو بھی اخذ فیض کی کامل توفیق اور اہلیت بخشے۔ آمین ثم آمین۔

حضرت والا کے بارے میں حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد

ایک بار ندوہ کے کسی مولوی صاحب نے حضرت والا کی عدم شرکت ندوہ سے ناراض ہو کر حضرت حاجی صاحبؒ سے شکایت کی کہ وہ ہم سے اختلاف کرتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فوراً تردید فرما دی کہ ان کی (یعنی حضرت والا کی) طبیعت میں تو خلاف کا مادہ ہی نہیں اور واقعی ع۔ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔ حضرت والا ماشاء اللہ تعالیٰ اس قدر اختلاف سے متنفر اور اس درجہ وسیع الخیال ہیں کہ جہاں تک ہو سکتا ہے اپنے مخالفین کے اقوال و افعال کی بھی تاویل ہی فرماتے ہیں اور حسن ظن ہی سے کام لیتے ہیں گو عملاً موافقت نہ فرمائیں۔ چنانچہ ابھی ایک سلسلہ گفتگو میں نہایت شد و مد کے ساتھ فرما رہے تھے کہ جیسے بھی ہیں میں علماء کے وجود کو دین کی بقاء کے لیے اس درجہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر سارے علماء ایسے مسلک کے بھی ہو جائیں جو مجھ کو کافر کہتے ہیں تو میں پھر بھی ان کی بقاء کے لیے دعائیں مانگتا رہوں کیونکہ گو وہ بعض مسائل میں غلو کریں اور مجھ کو برا کہیں لیکن وہ تعلیم تو قرآن و حدیث ہی کی کرتے ہیں ان کی وجہ سے دین تو قائم ہے میں ان کو دہری مدعیان اسلام کے مقابلہ میں ہزار درجہ غنیمت سمجھتا ہوں جو سرے سے دین ہی کو اڑانا چاہتے ہیں اور خدا جانتا ہے کہ اس وسعت رائے میں میری کوئی ذاتی مصلحت نہیں بلکہ اس کا منشاء محض حفظ حدود ہے۔ اھ۔

حضرتِ والا کی وسعتِ رائے

حضرت والا کی وسعت رائے پر حضرت والا کا ایک اور قول بھی یاد آیا۔ فرمایا کہ ان کھاؤ کماؤ پیروں پر بھی مجھے رحم ہی آیا کرتا ہے کہ بیچارے اور کسی کام کے تو ہیں نہیں پھر کریں کیا آخر پیٹ بھی اپنا کس طرح پالیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں کھانے پینے کو دے رکھا ہے ورنہ اگر کھانے پینے کو نہ ملتا تو خدا جانے ہم بھی کس حال میں ہوتے اور ہماری بھی کیسی نیت ہو جاتی۔ یہ استغنا بھی پیٹ بھرنے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ابتلاء و امتحان سے محفوظ رکھے گو عقلاً و اعتقاداً میں ان کے طریقہ کو برا سمجھتا ہوں لیکن طبعاً ان پر رحم بھی آتا ہے جس کا یہ اثر ہے کہ بجائے صرف غصہ آنے کے بنا بر ترحم ان کی اصلاح و ہدایت کے لیے دعا بھی دل سے نکلتی ہے۔ اسی طرح باوجود بھیک منگوں کے پیشہ سے نفرت ہونے کے ان کی یہ صفت پسند ہے کہ بیچارے سب کے ہر حال میں دعا گو ہیں اور سوائے مانگنے کے کسی فتنہ انگریزی یا شور و شر یا فرقہ بندی میں شامل نہیں بس اپنے بھیک مانگنے سے کام ہے۔ اسی طرح گو کفار پر اعتقاداً اور ایک کافی درجہ میں طبعاً بھی غصہ ہے لیکن یہ دیکھ کر کہ تکوینی حیثیت سے اس میں بھی حکمتیں ہیں غیظ طبعی میں اعتدال رہتا ہے اور حکمتوں کی طرف حضرت حافظؒ نے اس شعر میں اشارہ بھی کیا ہے۔

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است   آتش کرا بسوزد گر بو لہب نباشد

(عشق کے کاروبار میں کفر ضروری ہے اگر کوئی ابولہب نہ ہو تو آگ کسے جلائے گی)

اسی طرح مولانا رومیؒ نے بھی فرمایا ہے۔

کفر ہم نسبت بہ خالق حکمت ست   ور بہ ما نسبت کنی کفر آفت ست

(خالق کی طرف کفر کی نسبت ہو تو حکمت ہے اور اگر کفر کی نسبت ہماری طرف ہو تو مصیبت ہے)

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ شان جامعیت کو دو متضاد چیزوں کا حق ادا کیا جائے ایک فرد ہے۔ اس جمع بین الاضداد کی جس کو محققیت کی علامت کہا گیا ہے۔

اپنا پوتا بنا لینا

حضرت والا پر حضرت حاجی صاحبؒ اس قدر شفقت فرماتے تھے کہ جب کوئی پوچھتا کہ یہ کون ہیں تو یہ فرماتے کہ یہ میرے پوتے ہیں۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ کوئی دور کا

رشتہ بھی حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا تھا جس کی بناء پر مجھے اپنا پوتا فرماتے تھے لیکن چونکہ روحانی رشتہ کے مقابلہ میں نسبی رشتہ کی میں کوئی حقیقت نہیں سمجھتا اس لیے نہ مجھے اس سے دلچسپی ہوئی نہ مجھے وہ تفصیل یاد رہی۔

خصوصی شفقت کا خطاب

غایت خصوصیت وشفقت کی بناء پر حضرت حاجی صاحبؒ حضرت والا کو نہ مولوی کے لفظ سے خطاب فرماتے نہ کوئی اور تعظیمی لفظ استعمال فرماتے بلکہ صرف میاں کا لفظ نام سے پہلے اضافہ فرما کر خطاب فرمایا کرتے۔ چنانچہ کئی وصیتیں بھی فرمائیں۔ مثلاً ایک بار ٹھنڈا پانی نوش فرما کر فرمایا میاں اشرف علی پانی جب پینا ٹھنڈا پینا تاکہ ہر بُن مو سے الحمدللہ نکلے ورنہ زبان تو الحمدللہ کہے گی لیکن دل الحمدللہ کہنے میں شریک نہ ہوگا۔

علم تفسیر وتصوف میں مہارت کی بشارت

یہ بھی بشارت دی کہ تم کو تفسیر اور تصوف سے خاص مناسبت ہوگی چنانچہ حضرت والا کی ان دونوں سے مناسبت تامہ اظہر من الشمس ہے اول کے متعلق حضرت والا کی شہرہ آفاق تفسیر بے نظیر ''بیان القرآن'' شاہد عدل ہے اور ثانی کے متعلق تو حضرت والا کی ساری ہی تصانیف شواہد ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی اس بشارت کو نقل فرما کر حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میں چوک گیا ورنہ دیگر شعب دینیہ خصوصی حدیث وفقہ کی مناسبت خاصہ کے لیے بھی حضرت حاجی صاحبؒ سے دعا کرالیتا۔ اھ۔

اپنا کتب خانہ حضرت کو عنایت فرمانا

غایت خصوصیت کی بناء پر رخصت کے وقت حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنا کتب خانہ حضرت والا کے سپرد کرنا چاہا لیکن حضرت والا نے غلبہ طلب فیض روحانی میں عرض کیا کہ حضرت کتابوں میں کیا رکھا ہے کتابوں کو لے کر میں کیا کروں گا۔ اپنے سینہ مبارک سے کچھ دولت عطا فرما دیجئے۔ یہ سن کر حضرت حاجی صاحبؒ کو جوش آ گیا اور فرمایا ہاں میاں ہاں سچ تو ہے کتابوں میں کیا رکھا ہے۔

صد کتاب و صد ورق درنار کن   سینہ را از نور حق گلزار کن

(سو کتابوں اور سو کاغذوں کو آگ میں ڈال، اپنے سینہ کو حق کے نور سے گلزار بنا)

چونکہ حضرت والا نے غلبہ حال میں یہ انکار کیا تھا حضرت حاجی صاحبؒ نے باوجود جی چاہنے کے اس حالت کی رعایت سے اس وقت بالکل اصرار نہ فرمایا تاکہ وہ حال افسردہ نہ ہو جائے لیکن کچھ عرصہ کے بعد ان کتابوں کا پلندہ بندھوا کر حضرت والا کے پاس ایک رئیس عازم ہندوستان کے ہمراہ بھیجنے لگے لیکن بعض حاسدین حضرت والا نے انہیں کتابوں کا ایک وقف نامہ جس پر حضرت حاجی صاحبؒ کی مہر بھی خفیہ طور پر لے کر ان لوگوں نے ثبت کر لی تھی پیش کر دیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ مجبور ہو گئے لیکن بار بار یہی فرماتے رہے کہ مجھ کو تو وقف کرنا بالکل یاد نہیں۔ پھر مرض وفات میں مولوی سعید صاحب کیرانوی کو وصیت فرمائی کہ وہ کتابیں حضرت والا کو بھیج دی جائیں۔ اور اگر وہ نہ لینا چاہیں تو پھر مدرسہ صولتیہ میں رہیں۔ مولوی محمد سعید صاحب نے حضرت والا کو خط لکھا لیکن وہ گم ہو گیا اس لیے وہ مدرسہ میں رہیں۔ بعد اطلاع حضرت والا نے فرمایا کہ اگر وہ خط مجھ کو مل بھی جاتا تب بھی میں یہی تجویز کرتا۔

ہمارے مہین مولوی

جب حضرت والا واپس تشریف لائے تو حضرت حاجی صاحبؒ گاہ گاہ حاجیوں کے زبانی حضرت والا کو اس عنوان سے سلام کہلوا کر بھیجا کرتے کہ ہمارے مہین مولوی سے سلام کہہ دینا۔ (یعنی دقیقہ رس نکتہ شناس اور لطیف المزاج) اس سے حضرت حاجی صاحبؒ کی اعلیٰ درجہ کی بصیرت باطنی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ حضرت والا غایت ادب سے حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں بالکل خاموش بیٹھے رہتے تھے پھر بھی مذاق کا پورا پورا اور کیسا صحیح ادراک فرمالیا۔

مسلمانوں کو تم سے بہت نفع ہوگا

حضرت والا نے واپسی کے بعد کچھ رسائل مثلاً جزاء الاعمال، فروع الایمان'' وغیرہ تصنیف فرما کر حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں بھیجے۔ اور خصوص ''اکسیر ترجمہ تنویر'' کی جلد بندھوا کر اور اس کے اوپر مصرعہ مشہورہ پر اپنی طرف سے مصرعہ ثانی لگا کر یہ شعر لکھ کر بھیجا۔

؎ سوئے دریا تحفہ آورد م صدف　　　　گر قبول افتد زہے عز و شرف

(دریا کی خدمت میں سیپ کا تحفہ لایا ہوں ، اگر قبول ہو جائے تو
میرے لئے بہت بڑا اعزاز اور فضیلت ہے)

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان رسائل کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور لکھوا بھیجا کہ انشاء اللہ تعالیٰ تم سے مسلمانوں کو بہت نفع پہنچے گا۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ یہ پیشینگوئی اور دعا حرف بحرف راست آئی۔

غائبانہ دعوات و بشارات

اس قسم کی غائبانہ دعوات و بشارات وکلمات خصوصیت مجموعہ موسومہ مکتوبات امدادیہ سے ترتیب وار اقتباس کر کے ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔ چونکہ یہ محض اقتباسات ہیں اس لیے خطوط کے حاملین کے نام یا آمد خطوط کی تاریخیں جن کا حوالہ خطوط میں ہے یا اسی قسم کے مضامین جن کا مقصود میں دخل نہیں حذف کر دیئے جائیں گے اور ایسے مقامات پر خالی جگہ چھوڑ کر نقطے لگا دیئے جائیں گے۔ نیز ہر اقتباس کے آخر میں مکتوب کا حوالہ بھی مع تاریخ درج کیا جائے گا تاکہ صاحب بصیرت کو حضرت والا کے مختلف مدارج ترقی باطنی پر بھی ایک اجمالی نظر ہو جائے۔

حالات سے مطلع کرو

(نمبر۱) تم کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنے حال سے اور جو کوئی کیفیت جدید اپنے زمرہ والوں میں پیش آئے اس سے مطلع کرو۔ (از مکتوب نمبر۱۔ مورخہ ۲۲۔ ربیع الثانی ۱۳۰۳ھ)

اللہ دامن تمنا پُر کرے

(نمبر۲) خداوند تعالیٰ بتصدق اپنے حبیب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب مرادیں پوری فرمادے اور تمہارے دامن تمنا کو گوہر مقصود سے پُر کرے۔ (آمین)
(از مکتوب نمبر۲ مورخہ ۱۵۔ رجب ۱۳۰۴ھ)

اللہ آپ کو اپنی طرف کرے

(نمبر۳) اللہ تعالیٰ...... آپ کو...... اپنے ماسوا سے اپنی طرف کر لے۔ آمین)

آپ کی طبابت کے شغل کو ترک کر کے پھر کانپور تشریف لا کر دینیات کے شغل کا حال معلوم ہوا بہت خوشی ہوئی اللہ جل جلالہ آپ کی اس خدمت میں برکت دے کر آپ کے برکت وفیض سے تمام مسلمانوں کو مستفیض ومستفید کرے۔ میں نے قبل ہی آپ کو مشورہ دیا تھا کہ دین کو خوب مضبوط پکڑنا چاہیے دنیا...... خود ہی اچھی صورت میں خدمت کو حاضر رہے گی۔ بہر کیف آپ لوگ علماء ورثۃ الانبیاء ہیں آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے پیدا کر کے بڑے درجے عنایت کیے ہیں۔ پس اپنے مقصود کا خیال سب پر مقدم رکھنا چاہیے۔ (از مکتوب نمبر ۳ مورخہ ۱۲۔ ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ)

اللہ اپنی برکت زیادہ کرے

(نمبر ۴) نامہ بہجت شمامہ آں عزیز باتمیز رسید از استماع حال ذوق وشوق آثار ترقی فہمید مسرت بر مسرت افزود خدائے تعالیٰ برکت زیادہ کند...... بہ خلق اللہ فیض دینی رسانیدن راہ اقرب وصولی الی اللہ است۔ (از مکتوب نمبر ۴ مورخہ ۲۲۔ محرم ۱۳۰۸ھ)

بادۂ عشق سے سیراب کرے

(نمبر ۵) اللہ تعالیٰ آپ کو بادہ عشق سے سیراب بنا کر تشنہ دار رکھے۔
(از مکتوب نمبر ۵ مورخہ ۱۳۔ صفر ۱۳۰۸ھ)

اللہ اپنی مرضیات میں رکھے

(نمبر ۶) آپ کا محبت نامہ وہدیہ معرفت...... پہنچا کمال مسرور ومشکور کیا خداوند تعالیٰ آپ کو اپنی مرضیات میں رکھے اپنے کام میں لگے رہو خدا خود ہادی ومددگار ہے خاک سے کیمیا کر دے تو کچھ تعجب نہیں۔ ورنہ فقیر تو اپنے آپ کو خود جانتا ہے۔
(از مکتوب نمبر ۶ مورخہ ۲۱۔ ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ)

اللہ اپنی رضا وحفاظت میں رکھے

(نمبر ۷) عرصہ سے آپ کی خیریت اور کیفیت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے تعلق خاطر ہے اللہ تعالیٰ اپنی رضا اور حفاظت میں رکھے۔ (از مکتوب نمبر ۸ مورخہ نامعلوم)

ترقی دارین عطا ہو

(نمبر۸) آپ کا خط .... وصول ہوا کمال مشکور کیا اللہ آپ کو ترقی دارین عطا فرمائے۔ قبل ازیں گو کہ خط عزیزم مولوی احمد حسن صاحب سے آپ کے مع الخیر شہر کانپور میں پہنچنے کی خبر معلوم ہوئی تاہم آپ کے خط کا بہت انتظار تھا اور تعلق قلبی بھی زیادہ تھا۔ الحمدللہ کہ آپ مع ہمراہیان خیریت سے پہنچے آپ کو یہ سفر مبارک ہو ہموارہ اپنے حالات سے اطلاع کرتے رہیں۔ (از مکتوب نمبر۹ مورخہ ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ)

اللہ اپنی محبت نصیب کرے

(نمبر۹) خط آپکا...... وصول ہوا۔ نہایت مشکور کیا۔ اللہ تعالیٰ آں عزیز القدر کو ترقی دارین اور اپنی محبت نصیب فرماوے۔ الحمدللہ فقیر بخیر ہے آپ کیلئے دعا کرتا ہے ...... آپ نے جو تحدث نعمت تحریر کیا ہے فقیر دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصداق لان شکرتم لا زیدنکم کا آپکو کرے الحمدللہ فقیر اس خبر سے بہت مسرور ہوا حق سبحانہ آپ سے مخلوق کو فیضیاب کرے۔ اور برکات بزرگان اور اپنی محبت عطا فرماوے۔ شاہ صاحب آپکے پیر بھائی اور نیک بخت آدمی ہیں آپ شاہ صاحب کے حال پر مہربانی رکھیں اور جو بات اور ذکر وغیرہ دریافت کریں بتا دیا کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہوگا۔ (از مکتوب نمبر۱۱۔ مورخہ ۱۸۔ ج ۱۳۱۲ھ)

ذوق وشوق وحسن خاتمہ نصیب ہو

(نمبر۱۰) خط آپ کا...... وصول ہوا کمال ممنون ومشکور کیا اللہ تعالیٰ آں عزیز کو اپنی رضامندی وذوق وشوق وحسن خاتمہ نصیب فرماوے۔...... آپ کے لیے فقیر اکثر اوقات دعا وہمت میں مصروف ہے۔ (از مکتوب نمبر۱۲ مورخہ ۱۲۔ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ)

بزرگان سلاسل کا فیض نصیب ہو

(نمبر۱۱) خط اور شجرہ مرسلہ آپ کے وصول ہوئے کمال مشکور کیا۔ اللہ تعالیٰ

بزرگان سلاسل کی برکت اور فیض نصیب فرماوے۔ فقیر اور تمام حضار دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ (از مکتوب نمبر ۱۳ مورخہ یکم ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ)

اللہ کی محبت ورضا نصیب ہو

(نمبر ۱۲) خط آپ کا مع ہدیہ جاء نماز چرمی...... وصول ہوا کمال مشکور کیا اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی محبت ورضا نصیب فرماوے۔ فقیر کے حق میں دعائے حسن خاتمہ کریں۔ (از مکتوب نمبر ۱۴ مورخہ ۲۳ ذالحجہ ۱۳۱۲ھ)

مال وجان میں برکت ہو

(نمبر ۱۳) آپ کا خط مع ہدیہ مبلغ پانچ روپیہ وصول ہوا کمال مشکور وممنون کیا۔ اللہ تعالیٰ آں عزیز کو اپنی محبت ورضا وحسن خاتمہ نصیب کرے اور آپ کے مال وجان میں برکت دیوے۔ بہت دنوں سے آپ کی خیریت وکیفیت معلوم نہ ہوئی تعلق خاطر ہے اللہ تعالیٰ ہمارا تمہارا خاتمہ بالخیر کرے۔ (از مکتوب نمبر ۱۵ مورخہ ۲۲ محرم ۱۳۱۳ھ)

آپ کو رسالے دیکھنے کو جی چاہتا ہے

(نمبر ۱۴) آپ کے محبت نامہ کا بہت دنوں سے انتظار تھا الحمدللہ عین انتظار میں پہنچا۔ دیکھ کر نہایت ہی جی خوش ہوا۔ مضمون عزیزی سے آگہی ہوئی آپ کے دونوں رسالے دیکھنے کو بہت جی چاہتا ہے اگر روانہ ہوگئے ہوں۔ فہوالمراد ورنہ فوراً روانہ کیجئے گا۔ (از مکتوب نمبر ۱۶ مورخہ ۸۔ صفر ۱۳۱۳ھ)

اللہ اپنے ذوق وشوق میں سرشار رکھے

(نمبر ۱۵) السلام علیکم و قلبی لدیکم۔ الحمدللہ فقیر بہرحال خیریت سے ہے اور خیرت آنعزیز کی خدا کی جانب سے شبانہ روز مطلوب۔ خط آپ کا...... وصول ہوا کمال خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ آنعزیز کو مدام اپنی یاد اور ذوق وشوق اور مواجید میں سرشار اور مخمور رکھے۔ ہر دو رسالہ پیش فقیر موجود ہیں ہر دو طبع کریں یا ایک مرضی آنعزیز خالی فائدہ رسانی سے نہیں خیر الناس من ینفع الناس اوراق نمونہ تنویر بھی فقیر کے پاس پہنچے اور

نے بہت پسندیدہ ہوئے۔.......... مصارف طبع تنویر سے فقیر کو بھی اطلاع کریں انشاء اللہ تعالیٰ یہاں سے بھی روانہ ہو سکتے ہیں۔ مال فقیر ہم از آنعزیز دریغ نیست۔ دربارہ شرکت ندوۃ العلماء آنکہ۔

من نگویم کہ ایں مکن آں کن .... مصلحت بین وکار آساں کن

(میں نہیں کہتا کہ یہ نہ کر وہ کر، بھلائی کا خیال رکھ اور آسان کام کر)

جو آپ کی طبیعت کے موافق ہو کریں بلکہ سالک کو انقطاع عن الناس ضروری ہے اور ذاکر شاغل کو خود خدا نصیب کرتا ہے۔ ہر کہ از حق انس گیرد از خلق وحشت گیرد آپ نے اور عزیزم مولوی محمد حسین صاحب الہ آبادی نے جو پیش بینی کی وہ بہت بجا اور حق معلوم ہوتی ہے۔ (از مکتوب نمبر ۱۷ مورخہ ۸۔ ربیع الآخر ۱۳۱۳ھ)

دن بدن ترقی کی دعا

(نمبر ۱۶) اصل نسخہ مثنوی کا میں نے عزیزی احمد حسن صاحب اور آپ کو دیا ہے آپ دونوں صاحب اپنے پاس رکھیے گا خدا برکت دے گا...... کتاب اکسیر وانوار الوجود فی اطوار الشہود بھی پہنچی آپ کے خط کے مضمون سے آگاہی ہوئی۔ طبیعت نہایت خوش ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک کرے انشاء اللہ تعالیٰ دن بدن ترقی ہوگی۔ باطن فقیر ہر وقت آپ کے ساتھ ہے اور جن جن صاحبوں نے بیعت عثمانی کے لیے درخواست کی ہے ان کو میں نے قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب فرمائے۔ آمین آپ ان کی استعداد کے موافق کچھ معمول بتلا دیجیے گا۔ (از مکتوب نمبر ۱۸ مورخہ ۲۲۔ ج ۱۳۱۳ھ)

مقصود اصلی تک پہنچنے کی دعا

(نمبر ۱۷) پس از ادعیہ وافرہ وترقیات متکاثرہ واضح رائے عزیز باد...... راحت نامہ ...... موصول ہوا موجب انشراح خاطر بنا ماشاء اللہ آپ اور آپ کے متعلقین کے ذوق و شوق کی کیفیت سن کر طبیعت نہایت ہی خوش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بایں ذکر و شغل دائم مشغول رکھے دن بدن ترقی در ترقی فرمائے۔ مقصود اصلی تک پہنچائے آمین ثم آمین۔ (از مکتوب ۱۹)

تمام امور میں کامیابی کی دعا

(نمبر ۱۸) بعد دعائے ترقی مدارج مشاہدات واضح باد انشاء اللہ تعالیٰ ہمہ امور حسب مرضی شما خواہند شد۔ (از مکتوب نمبر ۲۰ مورخہ یکم ذالحجہ ۱۳۱۳ھ)

اللہ آپ کو محبت کا غواص بنائے

(نمبر ۱۹) عزیزم جو آپ نے ہدیہ روانہ کیے وہ سب پہنچے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے حرمین شریفین مرحمت فرمائے اور اپنے دریائے محبت کا غواص بنائے اور مراد سے مالا مال فرمائے باطن فقیر ہر وقت آپ کے پاس ہے۔ محبت قلبی چاہیے اس کی بدولت سب کچھ ہوتا ہے۔ (از مکتوب نمبر ۲۱۔ موصولہ ۹ موصولہ محرم ۱۳۱۴ھ)

صلاح وفلاح کی دعا

(نمبر ۲۰) بعد دعوات زائد ذوق وشوق مع الجمعیۃ وانشراح وانبساط خاطر واضح باد...... انشاء اللہ تعالیٰ طبیعت صلاح وفلاح پذیر خواہد شد خاطر جمع دارند۔ (از مکتوب نمبر ۲۳۔ مورخہ ۱۳۱۳ھ غالباً)

شب وروز ترقی کی دعا

(نمبر ۲۱) سلام علیکم چو در خاطری + اگر از چشم دوری بدل حاضری...... راحت نامہ مشعر احوال باطنیہ آنعزیز مع کوائف مختلفہ وصول ہوا آپ کے مژدہ ترقیات باطنیہ نے کمال مسرور کیا اللہ تعالیٰ شب وروز ترقی مزید فرماوے میں ہر وقت دست بدعا ہوں گو اس وقت میری طبیعت اچھی نہ تھی مگر آپ کی کیفیت سن کر بہت جی خوش ہوا افاقہ ظاہری محسوس ہونے لگا۔ (از مکتوب ۲۷ مورخہ ۱۱ صفر ۱۳۱۴ھ)

اعلیٰ درجات کی دعا

(نمبر ۲۲)۔ ہمیشہ خیال آپ کا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو درجات علیا عطا فرمادے اور فیض آپ کا ہمیشہ جاری رہے۔ (از مکتوب نمبر ۲۶ مورخہ ۲۵۔ صفر ۱۳۱۴ھ)

ہمیشہ خوش رہنے کی دعا

(نمبر۲۳) اللہ تعالیٰ آں عزیز کو علی الدوام خوش وخرم رکھے اور اپنی یاد میں ہمیشہ مشغول رکھے۔ آمین حسب استدعا آں عزیز عزیزی مولوی اسحاق علی صاحب کو میں نے داخل کیا۔ اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے آمین آپ ان کے مناسب حال وظیفہ وغیرہ تلقین کر دیجئے گا۔ (از مکتوب نمبر ۲۷ مورخہ ۵۔ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ)

تھانہ بھون سکونت کرنے کا حکم

(نمبر۲۴) جو جو کوائف وحالات مندرج خط تھے وہ بفضلہٖ سب محمود واحسن ہیں انشاء اللہ آئندہ اور ترقی پذیر ہوں گے۔ مطمئن خاطر رہنا چاہیے۔ میرا تعلق خاطر تمہاری جانب مصروف ہے اور سابق میں جو آں عزیز کو تحریر ہوا تھا کہ اگر کانپور سے دل برداشتہ ہو تو تھانہ بھون کو کہ جائے سکونت ہے جانا مناسب ہے اس سے یہ مراد نہ تھی کہ ضرورت بلا ضرورت ترک تعلق کر کے تھانہ بھون جانا چاہیے بلکہ ہمارا خیال یہ ہے کہ جب تک مخلوق کانپور کو تم سے فیض پہنچ رہا ہے اور وہاں کی مخلوق بھی تم سے مانوس ومطیع ہے تو وہاں سے جنبش کرنا اور طالبان مطلوب کو محروم رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہاں اگر خدانخواستہ تمہاری طبیعت کسی وجہ سے دلبرداشتہ ہو اور قصد یہ ہو کہ کانپور چھوڑا جائے تو اس حالت میں میری رائے یہ تھی کہ اور جگہ سے تھانہ بھون جانا مناسب ہے۔ (از مکتوب نمبر ۲۸ مورخہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ)

سب سامان درست ہونے کی دعا

(نمبر۲۵) آپ کا راحت نامہ عین انتظاری میں پہنچا باعث سرور خاطر ہوا آپ کے کوائف باطنی سن کر بہت جی خوش ہوا اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار احسان ہے کہ آپ کو یہ نعمت عطا فرمائی خداوند کریم اس میں ترقی عطا فرمائے اور ہمارے جمیع احباب کو نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ آپ کے حالات ماشاء اللہ سب محمود ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو خود ان کی محمودیت معلوم ہو جائے گی۔ خدا کا شکر بجا لایئے اور اس سے زیادتی کے شب وروز طالب رہیے تھانہ بھون کے مقدمہ میں جو آپ نے تامل کیا نہایت عقلمندی کو کام میں لائے۔ عزیزم میری غرض یہ ہے کہ جہاں کہیں رہو باخدا رہو اور بالفعل کانپور کے لوگ آپ کے تہ دل سے مشکور ہیں آپ کی ذات

سے ان کو فائدہ ہے لہٰذا بالفعل قیام کانپور مناسب و انسب معلوم ہوتا ہے جب تک یہاں کا تعلق خدا کو منظور ہے رکھیئے۔ بعدازاں پھر تھانہ بھون میں محض توکل بخدا خدا کا نام لیکر بیٹھ جایئے اور کسی نوع کوئی تعلق ظاہری نہ کیجئے وہ خود مسبب الاسباب ہے سب سامان آپ کے درست کر دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کوئی تردد نہ کرنا پڑے گا۔ (ازمکتوب نمبر ۲۹۔ مورخہ ۱۶۔ ج ۱۳۱۴ھ)

ترقی کی دعا

(نمبر ۲۶) الحمدللہ سب کیفیت آپ کی اچھی ہے خداوند کریم روز افزونی فرمائے آمین۔ (ازمکتوب ۳۰۔ مورخہ ۱۳۱۴ھ)

دن دگنی رات چوگنی ترقی کی دعا

(نمبر ۲۷) راحت نامہ آنعزیز...... عین انتظاری میں...... وصول ہوکر باعث مسرت قلبی ہوا آپ کے اور آپ کے متعلقین کے حالات سن کر نہایت جی خوش ہوا اللہ تعالیٰ دن دونی رات چوگنی ترقی مرحمت فرمائے۔ (آمین)...... (ازمکتوب نمبر ۳۱ مورخہ ۲۱ ج ۱۳۱۴ھ)

اپنا قائمقام بنانا

(نمبر ۲۸)...... فقط۔ عزیزم میاں مولوی سید اسحاق علی صاحب بعد سلام مسنون کے آپ نے خوب کیا آپ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ مولانا صاحب کو بجائے میرے معلوم کرنا جو ہدایت وارشاد فرماویں عمل کرنا۔ (ازمکتوب نمبر ۳۳ مورخہ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ)

مخلوق کی دینی رہنمائی کی دعا

(نمبر ۲۹) کوائف معلوم ہوئے نہایت خوشی حاصل ہوئی انشاء اللہ تعالیٰ یوماً فیوماً ازدیاد انوار باطنی ہوگی اور خلق اللہ کو آپ کے ذریعہ سے فائدہ عظیم ہوگا۔ ہر وقت ایک خیال خاص تمہاری طرف رہتا ہے...... عزیزم مولوی اسحاق علی صاحب کو بعد سلام مسنون کے معلوم ہو کہ وہاں ضیاء القلوب وارشاد مرشد ہے مطالعہ فرمائیں اور مولانا سے اشکالات دفع کریں...... اور مولانا صاحب کو میری جگہ جان کر ان سے شغل و وظائف و ذکر میں

مشغول رہیں۔(ازمکتوب نمبر۳۴۔مورخہ۶ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ)

عباءعطافرمانا

(نمبر۳۰) خط آپ کا پہنچا نہایت خوشی حاصل ہوئی۔اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رضا مندی نصیب کرے......اورایک عبا سبز رنگ بدست شاہ بہاءالدین صاحب دستی روانہ کیا گیاہے آپ کے لیے قبول فرمائیں گے اوراللہ آپ کو زیادہ علم وفضل بخشے جس میں خلق اللہ کو نفع عام ہواورتصانیف مفید ومقبول ہوں۔میرا تعلق آپ کی طرف اکثراوقات رہتا ہے اوراس وقت فقیر پابرکاب ہے۔امید دعا خاتمہ بالخیر کی رکھتا ہے...... جبہ یعنی عبا کو آپ اپنے تصرف میں لاویں۔(ازمکتوب نمبر۳۵۔مورخہ۲۶۔ذالحجہ ۱۳۱۴ھ)

ہمارے مدرسہ ومسجد کو آباد کریں

(نمبر۳۱) بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ ظاہری وباطنی ہوگا اورآپ ہمارے مدرسہ ومسجد کو از سرنو آباد کریں میں ہروقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اورخیال رہتا ہے۔(ازمکتوب نمبر۳۶ مورخہ۱۲۔ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ)

ظاہروباطنی فیض میں ترقی کی دعا

(نمبر۳۲) آپ کے استقامت اورتوکل میں کامیابی کی دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ظاہری وباطنی فیض کو روزافزوں ترقی عطافرمائے۔(ازمکتوب نمبر۳۷۔مورخہ۶۔رجب ۱۳۱۵ھ)

فیض جاری رہنے کی دعا

(نمبر۳۳) بخدمت فیضدرجت عمدۃ السالکین نخبۃ الواصلین حضرت العالم الحافظ الحاج القاری شاہ محمد اشرف علی التھانوی ادام اللہ عرفانہ ومحبتہ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ خط آپ کا پہنچا نہایت مسرت حاصل ہوئی اورقلب کو فرحت۔اللہ تعالیٰ آنعزیز کو ترقی ظاہرو باطن عطافرماوے اورخلق اللہ کو مستفید بفحوائے صوری ومعنوی کرے آمین انشاءاللہ میں ہر وقت دعا کرتا ہوں کہ آپ سے خلقت کثیرہ کو فائدہ ہوگا اورسلسلہ جاری رہے گا۔مہرمدرسہ و مسجد وحجرہ کے احوال سے نہایت خوشی ہوئی...... وقت آخر ہے دعائے خاتمہ بالخیر کا طالب

ہوں۔ کتب کثیرہ یہاں موجود ہیں۔ مستحسن یہ ہے کہ اگر ہو سکے ایک دفعہ آپ تشریف لاویں کہ اس بہانہ سے ملاقات ہو جائے اور کل کتابیں اپنے ہمراہ لیتے جاویں۔ والا بالضرور کسی کے ہمراہ روانہ کروں گا۔ (از مکتوب نمبر ۳۸۔ مورخہ ۱۶ رمضان شریف ۱۳۱۵ھ)

اجازتِ عامہ عطا فرمانا

(نمبر ۳۴) خط آپ کا پہنچا نہایت مسرت حاصل ہوئی اللہ آپ کو جمیع مقاصد دارین سے فیضیاب کرے۔...... اور محبت اور خیال آپ کا بیان کرنا حاجت نہیں دل کو دل سے راہ ہے...... عزیزم...... کو سلسلہ بیعت عثمانی میں داخل کیا آپ ان کا شغل واذکار بتاویں آپ کافی ہیں جو طالب ہوا ان سب کو ذکر واشغال بتانے کی اجازت عامہ آپ کو ہے...... میرا خیال ہر وقت آپ کی طرف ہے۔ (از مکتوب نمبر ۳۹۔ مورخہ ۱۱۔ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ)

اللہ اپنے مخلصین میں شمار کرے

(نمبر ۳۵) اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مخلصین سے کرے۔ (از مکتوب نمبر ۴۰۔ مورخہ ۱۲ صفر ۱۳۱۶ھ)

(نمبر ۳۶) اللہ تعالیٰ آپ کا قصد پورا کرے فقیر کا دل بھی ملنے کو بہت چاہتا ہے۔ (از مکتوب نمبر ۱ مورخہ ۴ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ)

(نمبر ۳۷) آپ کی حالت بہت اچھی ہے مقام شکر ہے ذلک فضل اللہ فقیر دعا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مخلصین سے شمار کرے۔ (از مکتوب نمبر ۴۲ مورخہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۱۲ھ)

ظاہر و باطن میں ترقی

(نمبر ۳۸) دو عدد رسالہ جزاالاعمال بھی پہنچے فقیر کے پسند آئے فقیر دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ظاہر و باطن میں ترقی کرے۔ (از مکتوب نمبر ۴۳ مورخہ یکم ج ۲ ۱۳۱۶ھ)

قلبی کیفیت

(نمبر ۳۹) خط پہنچا الحمد للہ کہ آپ کے قلب کی حالت بہت اچھی ہے یہ مقام خوف ورجا ہے اسی کو ہیبت وانس کہتے ہیں کبھی ہیبت کبھی انس کا غالب ہو جانا دونوں کو ایک سمجھنا چاہیے۔ (از مکتوب نمبر ۴۴ مورخہ یکم رجب ۱۳۱۶ھ)

(نمبر ۴۰) خط آپ کا دوسرا بھی پہنچا پہلے خط کے جواب میں لکھ دیا گیا ہے مکرر ہے کہ آپ کی حالت بھی بہت اچھی ہے انشاء اللہ تعالیٰ کچھ ضرر نہ ہوگا۔ فقیر دعا کرتا ہے...... جو کچھ قلب پر وارد ہو منجانب اللہ خیال کرو جو واردات مضر ہوں گے اس مراقبہ سے سب دفع ہو جائیں گے۔ (از مکتوب نمبر ۴۵۔ مورخہ ۱۹ رجب ۱۳۱۶ھ)

(نمبر ۴۱) آپ کی حالت بہت اچھی ہے پہلے آپ کو لکھ دیا گیا ہے...... اس قسم کی گھاٹیاں طالب کو آیا ہی کرتی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ سب سے پار ہو جاؤ گے۔ فقیر دعا کرتا ہے۔ (بے شک وہ خوب سننے والا بہت ہی قریب ہے) انه سميع قريب (از مکتوب نمبر ۴۶ مورخہ ۸۔ شعبان ۱۳۱۶ھ)

(نمبر ۴۲) حالت آپ کی ماشاء اللہ بہت اچھی ہے اللہ تعالیٰ مبارک کرے جو کچھ بقیہ قبض ہے وہ بھی رفع انشاء اللہ تعالیٰ ہو جائے گی فقیر دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مخلصین سے کر لے...... دونوں کتابوں کو فقیر نے سنا بہت پسند آئیں اللہ تعالیٰ اختتام کو پہنچائے۔ (از مکتوب نمبر ۴۷۔ مورخہ ۲۲ شوال۔ ۱۳۱۶ھ)

(نمبر ۴۳) خط آپ کا پہنچا الحمد للہ آپ کی حالت بہت اچھی ہے۔
(از مکتوب نمبر ۴۸۔ مورخہ ۱۴۔ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ)

(نمبر ۴۴) آپ کی حالت اب الحمد للہ بہت اچھی ہے فقیر دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ترقی فرمائے۔ کانپور سے آپ کے وہاں کے قیام کے بارہ میں خط آیا تھا جواب ان کو لکھ دیا گیا تھا آپ کو بھی تحریر ہے کہ فقیر کے نزدیک مستقل قیام آپ کا تھانہ بھون میں ضروری ہے۔ باقی تعطیل وغیرہ کسی فرصت وقت یا جس وقت طبیعت کچھ گھبرائے تو کانپور بھی دورہ کریں اور ان لوگوں کی خبر گیری کریں اور طالب کے واسطے تو تھانہ بھون کانپور سے کچھ دور نہیں ہے چنانچہ کانپور بھی یہ ہی مضمون جواب میں لکھا گیا ہے۔ (از مکتوب نمبر ۴۹۔ ۱۵ محرم ۱۳۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ فائز المرام کرے

(نمبر ۴۵) خط آپ کا پہنچا فقیر کا دل بہت خوش ہوا...... ضعف کی یہ حالت ہے کہ ایک جانب سے دوسری جانب کروٹ لینا مشکل ہے۔ اب تو یہی آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ

اس دار فانی سے جلد بلا لے فقیر جملہ احباب کے لیے دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ فائز المرام کرے گفتگو کی طاقت نہیں ہے...... مناسب حال ہر شخص کے آپ خود تعلیم کریں۔

(از مکتوب نمبر ۵ مورخہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۱۷ھ)

نوٹ: ان مکتوبات کے متعلق ضروری فوائد اور ان کے بعض الفاظ مصطلحہ تصوف کی تشریحات مجموعہ مکتوبات امدادیہ کے حاشیہ پر موجود ہیں جس کو ضرورت واقع ہو اس کتاب میں ملاحظہ فرمالے۔

بے پناہ محبت

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ ناظرین نے ان اقتباسات مکتوبات امدادیہ سے خود اندازہ فرمالیا ہوگا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کو حضرت والا کے ساتھ کس درجہ خصوصی تعلق تھا وضاحت کی احتیاج نہیں۔ کیا ٹھکانا ہے محبت کا کہ حضرت والا کے ایک عریضہ حالات سے مژدہ ترقیات باطنیہ معلوم فرما کر اس قدر مسرور ہوئے کہ مرض ظاہری میں بھی افاقہ محسوس ہونے لگا جیسا اقتباس نمبر ۲۱ مرقومہ بالا سے معلوم ہوا۔ بعض دیگر واقعات عنایت خاص مناسب موقع پر بعد کو مذکور ہوں گے۔

اپنا جانشین بنانا

یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ اپنے آخری والا نامہ میں جس کے بعد دو ماہ کے اندر ہی سفر آخرت فرمایا۔ یہ وصیت فرمائی کہ مناسب حال ہر شخص کے آپ خود تعلیم کریں۔ اس طرح دار فانی سے رخصت ہوتے وقت حضرت والا کو اپنے بعد اپنا جانشین خاص تجویز فرما گئے۔

خاص الخاص بشارت

مکتوبات کے سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی یاد آیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت والا کے کسی عریضہ حالات کو پڑھ کر ایک صاحب سے جو اس وقت موجود تھے ایک ایسی خاص الخاص بشارت ارشاد فرمائی جو حضرت والا کی شان کو نہایت ہی ارفع و اعلیٰ قرار دیتی ہے اور ایک خاص امتیاز بخشی ہے لیکن حضرت والا نے تاحیات اس کے اظہار سے ممانعت فرما دی ہے۔ غرض حضرت حاجی صاحب کی توجہات و عنایات بعض حیثیتوں کے اعتبار سے جس نوعیت خاص کی

حضرت والا پر تھیں ویسی کسی خادم پر نہ تھیں کیونکہ علم الٰہی میں یہ طے ہو چکا تھا کہ حضرت والا کو خانقاہ امدادیہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کا سچا جانشین بنا کر بٹھایا جائے اور علوم و معارف امدادیہ کو بواسطہ حضرت والا شرقاً و غرباً پھیلایا جائے چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ ایسا ہی ہو رہا ہے۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

اسی کا پیش خیمہ حضرت حاجی صاحبؒ کا وہ ارشاد تھا جو حضرت والا سے بہ وقت واپسی ہندوستان فرمایا تھا جس کا ذکر مستقلاً آگے آتا ہے اور جس کا حوالہ اقتباسات مکتوبات میں آ بھی چکا ہے اس کو اجمالاً یہاں بھی نقل کیا جاتا ہے۔ فرمایا کہ اگر کبھی کانپور کے تعلق سے دل برداشتہ ہو تو پھر دوسری جگہ تعلق نہ کرنا توکل بخدا تھانہ بھون جا کر بیٹھ جانا اور جب حضرت والا کانپور کا تعلق قطع فرما کر حسب الارشاد تھانہ بھون آ کر مقیم ہوئے تو حضرت والا کو تحریر فرمایا ''بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا اور آپ ہمارے مدرسہ و مسجد کو از سر نو آباد کریں میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اور خیال رہتا ہے۔ (منقول از مکتوب نمبر ۳۶ مورخہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ مکتوبات امدادیہ ملاحظہ ہو اقتباس نمبر ۳۱) اسی طرح مکتوب نمبر ۳۸ مورخہ ۱۶۔ رمضان شریف ۱۳۱۵ھ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ''انشاء اللہ میں ہر وقت دعا کرتا ہوں کہ آپ سے خلقت کثیرہ کو فائدہ ہوگا اور سلسلہ جاری رہے گا۔ مہر مدرسہ و مسجد و حجرہ کے احوال سے نہایت خوشی ہوئی۔ (ملاحظہ ہو اقتباس نمبر ۳۳) اھ۔ یہ سب ارشادات حقہ بالکل اسی مصرعہ کے مصداق ثابت ہوئے ؎ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔

جن حالات عالیہ کو آج ایک دنیا مشاہدہ کر رہی ہے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز شروع ہی میں مدتوں پہلے اپنی نور بصیرت سے کھلی آنکھوں مشاہدہ فرما رہے تھے۔ اب یا تو اس کو فراست و پیشینگوئی سے تعبیر کیا جائے یا دعاؤں اور تمناؤں کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ جن سے مکتوبات بھرے پڑے ہیں یا ثانی کو اصل اور اول کو تابع سمجھا جائے حاصل سب کا ایک ہی ہے۔

؎ عبارا تنا شتیٰ و حسنک واحد ...... و کل الی ذاک الجمال یشیر

(ہماری تعبیریں مختلف ہیں اور تیرا حسن ایک ہی ہے اور سب اسی
حُسن کی طرف اشارہ کرتی ہیں)

خلاصہ یہ ہے کہ جو باطنی دولتیں بمشیت والقائے خداوندی حضرت والا کے سینہ مبارک میں ودیعت فرمائی تھیں وہ سب کی سب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس چھ ماہ کی قلیل مدت قیام ہی میں یکما لہا عطا فرما کر اخذ بیعت کی اجازت عطا فرما دی اور اپنا جانشین وخلیفہ خاص بنا کر منصب ارشاد وتلقین پر متمکن فرما دیا۔

مجدِدّ وقت کی مسند نشینی

اللہ اللہ وہ بھی کیسی مسعود ومبارک اور خلاصہ ازمنہ ساعت تھی جس میں ایک قطب الارشاد حکیم الامت مجدد دین وملت ایک شیخ العرب والعجم کے دست مقدس ومبارک سے دنیائے اسلام سے رسوم وبدعات کو مٹانے اور اسلام کو اس کی اصلی صورت میں دکھانے مسلمانوں کو افراط وتفریط سے ہٹانے اور جادہ مستقیم پر لانے علوم ومعارف کے دریا بہانے اور عوام وخواص سب کو متمتع ومستفید فرمانے فیوض وبرکات ظاہری وباطنی کو شرفاً وغرباً پھیلانے بڑے بڑے عقد ہائے لاینحل اور پیچیدہ پیچیدہ مسائل علمیہ وعملیہ کی گتھیاں سلجھانے بندگان خدا کو صحیح صحیح آداب عبودیت واصول معاشرت سکھانے اور مسلمانوں کو صحیح معنوں میں مسلمان اور انسانوں کو صحیح معانی میں انسان بنانے تعلیم وتہذیب اسلامی کی خوبی ومتانت کو عالم آشکارا اور تعلیم جدید وتہذیب نو کی طمع کارونظر فریب چادر زرنگاہ کو پارہ پارہ کر کے اس کی دھجیاں اڑانے اور نئی روشنی کی مخفی ظلمات کھلی آنکھوں دکھلانے اہل دنیا کے قلوب میں اہل دین کا سکہ بٹھانے' دین واہل دین اور علم دین واہل علم دین کی وقعت بڑھانے اور بڑے بڑے سرکشوں کے سر جھکانے' شبہات جدیدہ کو اصول منطق وفلسفہ ہی کی بناء پر باطل ٹھہرانے اور بڑے بڑے مدعیان منطق وفلسفہ سے بھی کتاب وسنت کے احکام واخبار وعقائد حقہ منوانے۔ اعلاء السنن میں احادیث تائید یہ جمع کرا کر فقہ حنفی کو چار چاند لگانے۔ ہزاروں بے نمازیوں سے نماز پڑھوانے۔ سود خواروں سے سود اور دیگر ناجائز آمدنی والوں سے ناجائز آمدنیاں ترک کرانے اور اہل حقوق کے حقوق دلوانے سے صدہا

اہل معاصی سے معاصی ظاہرہ و باطنہ چھڑوانے۔ بڑے بڑے مہلک امراض روحانی کے نہایت سہل سہل اور تیر بہدف معالجات اور نادر نادر طرق اصلاح بتانے نہایت باریک باریک مکائد نفس سوجھانے۔ بڑے بڑے مہلکات طریق کی طرف توجہ دلانے اور ہلاکت باطنی سے بچانے۔ تصوف کو بجائے اس کے موجودہ مصنوعی عبا و قبا کے اس کا صدیوں کا اترا ہوا اصلی خرقہ دیرینہ پہنانے۔ اور سالکین کو سلف صالحین کے برگزیدہ اور بالکل مطابق کتاب و سنت طریق پر جو مدت دراز سے متروک تھا پھر چلانے۔ ترغیب و ترہیب کے پراثر مضامین سے روتوں کو ہنسانے اور ہنستوں کو رلانے۔ بالخصوص آیات و بشارات رحمت سنانے اور ہزار ہا مایوسین کی ڈھارس بندھانے۔ اور نامرادوں کی مرادیں برلانے۔ صدہا طالبین کو جن میں ہر اعلیٰ و ادنیٰ طبقہ اور پیشہ کے افراد شامل ہیں۔ محبوب حقیقی تک بہ اقرب طرق پہنچانے۔ غرض ہر شعبہ دینی خصوصاً تفسیر و تصوف کے متعلق ہر ضروری خدمت بہ احسن وابلغ وجوہ بجالانے کے لیے سر پر آرائے منصب ارشاد ہوا۔

یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا بلکہ اس لحاظ سے کہ دین محمدی علی صاحبہ السلام والتحیۃ کی ازسرنو تجدید اور رسوم قبیحہ قدیمہ و بدعات سیئہ دیرینہ کی تردید آئندہ اسی کی بدولت ہونا تھی۔ یہ واقعہ دنیا کے اہم ترین واقعات سے بھی زیادہ اہم واقعہ تھا جو قابل صد تہنیت و مبارک اور لائق ہزار شکر و مسرت عباد تھا جس پر حضرت حافظ شیرازیؒ کے ایک شعر کا یہ مصرعہ گویا صادق آتا تھا۔ مصرعہ حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند (حوریں رقص کرتے ہوئے شکرانے کا جام دے رہی ہیں) اور حضرت حافظؒ کے اشعار ذیل تو بہت ہی چسپاں ہوتے تھے۔

نفس باد صبا مشک فشاں خواہد شد عالم پیر دگر بارہ جواں خواہد شد

(بادِ صبا مشک بکھیرے گی، پرانا جہان دوبارہ نیا ہوگا)

دیگر

صبا بہ تہنیت پیر مے فروش آمد کہ موسم طرب و عیش ناز و نوش آمد

(بادِ صبا شراب بیچنے والے بوڑھے کو مبارک دینے آئی ہے کہ گانے بجانے اور عیش مستی اور پینے کا موسم آ گیا ہے)

ہوا مسیح نفس گشت و باد نافہ کشا   درخت سبز شد و مرغ در خروش آمد

(ہوا روح کو زندہ کرنے والی ہے اور صبا کستوری پھیلا رہی ہے، درخت سبز ہو گئے ہیں اور پرندے جوش میں ہیں)

اس مقام پر حضرت والا کے مختلف کارناموں کو متعدد و مسلسل متعاطفات کی صورت میں اس لیے جمع کر دیا گیا ہے کہ حضرت والا کی دینی خدمات پر اس سلسلہ میں ایک اجمالی نظر ہو جائے چنانچہ بحمد اللہ مذکورہ بالا اجمالی فہرست سے جو ابھی گزری یہ مقصود حاصل ہو گیا۔

السَّوق من الشَوق

اس موقع پر حضرت والا کے دینی کارناموں کے استحضار نے اس احقر مؤلف معروف بہ مجذوب کے جذبات شوق کو اس درجہ برانگیختہ کیا کہ قلم سے ایک پوری نظم اور وہ بھی بزبان فارسی شدت ذوق وشوق میں نکل گئی حالانکہ احقر نے فارسی بالکل نہیں پڑھی یہاں تک کہ آمد نامہ بھی نہیں پڑھا۔ نہ اس سے قبل کبھی فارسی اشعار لکھنے کا اتفاق ہوا کیونکہ فارسی زبان سے بالکل نابلد ہونے کی وجہ سے اس طرف توجہ ہی ممکن نہ تھی مجھے خود حیرت ہے کہ فارسی اشعار لکھنے پر کیونکر قدرت حاصل ہو گئی سوائے اس کے کیا سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو منظور تھا کہ حضرت والا کی مدح ہو چنانچہ ایک نااہل کو بھی اس کا بقدر ضرورت اہل بنا دیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ دوران تحریر مقام ہذا میں احقر سے ایک صاحب نے یہ فرمائش کی کہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ العزیز کے منظوم شجرہ فارسی میں اضافہ کرنے کے لیے حضرت والا کے توسل کے متعلق دو تین اشعار فارسی میں تصنیف کر دوں تاکہ حضرت والا کے خدام اس شجرہ کو پڑھتے وقت ان اشعار کو پڑھ لیا کریں۔ احقر نے فارسی نہ جاننے کا عذر پیش کر دیا لیکن جب بہت اصرار ہوا تو کچھ سرسری فکر کی پھر کیا تھا دیوانہ را ہوئے بس است مضامین مدحیہ کا دریا امنڈ آیا یہاں تک کہ پورے سو اشعار پر جا کر قلم کو بہ جبر روکا گیا تب بمشکل رکا۔ گویا حضرت والا کے منجھلے ماموں جناب پیر جی واجد علی صاحبؒ کی جو بڑے زبردست ادیب فارسی تھے ذیل کی رباعی ہو بہو صادق کر رہی تھی۔

واہ چہ شوق است کہ در دست قلم می رقصد　　　　زدم انگشت بہ پہلو کہ صنم می رقصد
(واہ کیسا شوق ہے کہ ہاتھ میں رقص کر رہا ہے پہلو میں انگلی لگائی تو محبوب رقص کر رہا ہے)

خامہ را بیں کہ بہ مضمون مبارکبادی　　　　ہمچومستان ادا باخم و چم می رقصد
(قلم کو دیکھ کہ مبارکبادی کے مضمون میں دیوانوں کی طرح مڑ مڑ کر اور اڑ اڑ کر رقص کر رہا ہے)

اور گویا حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار منطبق ہو رہے تھے۔

ایں زماں جاں دامنم بر تافتہ است　　　　بوئے پیراں یوسف یافتہ است
(اس زمانہ میں روح نے میرا دامن سمیٹ دیا ہے کہ اس نے حضرت یوسفؑ کی قمیص کی خوشبو پائی ہے)

واجب آمد چونکہ بردم نام او　　　　شرح کردن رمزے از انعام او
جب میں نے اس کا نام لیا ہے تو ضروری ہے کہ اسکے انعام کی کچھ شرح کر دی جائے)

چونکہ احقر کی نظم مذکور اس مقام کے مناسب بھی ہے اور اسی پر متفرع بھی اس لیے بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اس کو بھی حضرت والا کے کمالات و کارہائے نمایاں کو مذکورہ بالا اجمالی فہرست کے سلسلہ میں یہاں درج کر دیا جائے۔ امید ہے کہ ناظرین کرام بھی ملاحظہ اس تطویل کو بجائے لاطائل قرار دینے کے ہر طرح مناسب مقام ہی قرار دیں گے۔ بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ نہایت پر لطف و خوشگوار پائیں گے۔ اس نظم کے دو حصے ہیں اول حصہ میں دعائیہ اشعار ہیں اس کا عنوان "دعائے طالبین بدرگاہ رب العالمین" ہے۔ دوسرے حصہ میں مدحیہ اشعار ہیں۔ اس کا عنوان "دعوت سالکین برائے رجوع الی الصادقین" ہے۔ اور مجموعہ کا نام "صدائے مجذوب" ہے۔ چونکہ دونوں قسم کے اشعار ہیں باہم ربط بھی ہے جیسا ملاحظہ سے معلوم ہوگا نیز دعائیہ اشعار کا نکال دینا سوء ادب بھی ہوتا ہے پھر یہ دعائیہ اشعار نافع اور دلچسپ بھی ہیں۔ بالخصوص طالبین و سالکین کے لیے اس لیے پوری ہی نظم کو ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے وہ یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

صدائے مجذوب

(دعائے طالبین بدرگاہ رب العالمین)

الٰہی رحم کن برحال زارم ۔۔۔ مدد فرما کہ رفت از دست کارم

(الٰہی میرے برے حال پر رحم فرما، میری مدد فرما کہ معاملہ میرے ہاتھ سے نکل چکا ہے)

مرا از دستبرد نفس و شیطان ۔۔۔ بود ہر لحظہ بیم دین و ایمان

(مجھے ہر لمحہ نفس و شیطان سے دین وایمان کا خوف رہتا ہے)

بچشم لطف قلب من نگہدار ۔۔۔ نگردد تا زراہ صدق زنہار

(اپنے کرم کی نگاہ سے میرے دل کی کی حفاظت فرما تا کہ یہ سیدھی راہ سے نہ بھٹکے)

دلم راکن زسر خویش آگاہ ۔۔۔ کہ نبود در طریق عشق گمراہ

(میرے دل کو اپنے راز سے آگاہ کر، تا کہ وہ عشق کی راہ میں چلتے ہوئے گمراہ نہ ہوجائے)

بحق حضرت اشرف علی شاہ ۔۔۔ کہ عبدست اشرف و اعلیٰ و ذیجاہ

(حضرت شاہ اشرف علی کے واسطہ سے جو کہ اشرف و اعلیٰ اور بڑے مرتبہ والا تیرا بندہ ہے)

زطبعم دور کن کبر و منی را ۔۔۔ شرافت بخش این نفس دنی را

(میری طبیعت سے تکبر و خود پسندی کو دور کر اس کمینے نفس کو شرافت عطا فرما)

بگرداں نفس مارا مطمئنہ ۔۔۔ قہا الوسواس من ناس و جنہ

(ہمارے نفس کو نفس مُطْمَئِنّہ بنادے، اسے وسوسہ ڈالنے والے انسانوں اور جنوں سے بچا)

بگرداں حال زشتم رابگرداں ۔۔۔ مرا بر نفس غالب کن چوں مرداں

زقلبم حُب غیر خود بدر کن ۔۔۔ بیاد خود زعالم بیخبر کن

(میرے دل سے اپنے غیر کی محبت نکال دے اپنی یاد میں لگا کر دنیا جہان سے بے خبر کردے)

چناں پر از معنی خود کن دلم را　　نیارم درنظر صد جام جم را

(میرے دل کو اپنی محبت سے اس طرح بھردے کہ جمشید کی سوحکومتوں کو بھی کچھ نہ سمجھوں)

ہزاراں باتو واصل شیخ و شاب اند　　بدرگاہت ہزراں باریابند

(ہزاروں نوجوانوں اور بوڑھوں نے آپ کا وصال پایا ہے آپ کے دربار میں ہزاروں حاضری کا شرف پاتے ہیں)

من ناکارہ راہم بخش بارے　　من آوارہ راہم دہ قرارے

(مجھ ناچیز کو بھی حاضری کا شرف عطا فرما مجھ آوارہ کو بھی قرار عطا فرما)

رہم دہ پیش من صد سد باب است　　حجاب اندر حجاب اندر حجاب است

(مجھے راستہ عطا فرما، میرے سامنے سورکاوٹیں ہیں، حجاب کے اندر حجاب اور حجاب کے اندر حجاب ہے)

من محجوب رامجذوب گرداں　　محبّ خویش و ہم محبوب گرداں

(مجھ پردوں میں پڑے ہوئے کو اپنی طرف کھینچ لے اپنا مُحبّ اور محبوب بنالے)

کرامت کن الٰہی استقامت　　عنایت کن عنایت کن عنایت کن

(الٰہی استقامت عطا فرما، عنایت فرما، عنایت فرما، عنایت فرما)

حیا تم راحیات پاک گرداں　　مماتم راممات پاک گرداں

(میری زندگی کو پاکیزہ زندگی میں بدل دے، میری موت کو بھی پاکیزہ بنادے)

بخود مشغول داراندر حیاتم　　اگر میرم بدہ یارب نجا تم

(مجھے میری زندگی میں اپنے ساتھ مشغول رکھ، اگر مروں تو مجھے نجات عطا فرما)

دم آخر بخیر انجام ماکن　　بخلد زیرپائے مصطفٰے کن

(آخری لمحہ ہمارا انجام اچھا کر، جنت الخلد میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نیچے جگہ عطا فرما)

دعوت سالکین برائے رجوع الی الصادقین

نہ تنہا اے دعا گو ایں دعا کن　　　دعا کن ہم تلاش رہنما کن

(اے دعا مانگنے والے صرف یہی دعا ہی نہ کر، دعا بھی کر اور رہنما بھی تلاش کر)

دریں رہ رہنما شرط وصول است　　　بخود سعی تو بیکار و فضول است

(اس راہ میں منزل تک پہنچنے کے لئے راہنما ضروری ہے، اپنے طور پر خود کوشش فضول ہے)

مگر رہبر بسے کم در جہانند　　　بشکل رہنمایاں رہزنانند

(مگر دنیا میں رہبر کم ہیں، راہنماؤں کی شکل میں ڈاکو ہیں)

اگر خواہی شدن یا بندہ حق　　　مشو از ہر کسے جوئندہ حق

(اگر تو حق پانا چاہتا ہے تو ہر کسی سے حق چاہنے والا نہ ہو)

بجواز حضرت اشرف علی شاہ　　　کہ ہست اہل جہاں راحجۃ اللہ

(حضرت شاہ اشرف علی سے حق حاصل کر کیونکہ آپ جہان والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں)

زجد و جہد او تجدید دیں شد　　　بصدق اسلاف خود را جانشیں شد

(ان کی کوشش سے دین کی تجدید ہوگئی ہے، آپ اسلاف کے سچے جانشین ہیں)

مسمیٰ بود چوں از غیب اشرف　　　بعہد خویش شد لاریب اشرف

(آپ چونکہ غیب سے اشرف کے نام سے موسوم تھے اس لئے اپنے زمانہ میں بے شک اشرف ہیں)

دلیل و ہادی راہ شریعت　　　امام و قدوۂ اہل طریقت

(آپ شریعت کے راستہ کی نشانی اور راہنما ہیں طریقت پر چلنے والوں کے لئے امام و پیشوا ہیں)

بہ علم ظاہر و باطن یگانہ　　　حکیم الامۃ و قطب زمانہ

(آپ ظاہری و باطنی علم میں بے مثال ہیں امت کے حکیم اور زمانہ کے قطب ہیں)

برائے درد ہائے دل دوائے　　　پے امراض روحانی شفائے

(آپ دل کے دردوں کی دوا ہیں اور روحانی امراض کے لئے شفا ہیں)

زہر مصلح بعہد خود بہ است او　　　کہ ہم جراح و ہم مرہم نہ است او

(آپ اپنے زمانہ کے ہر مصلح سے بہتر ہیں کیونکہ آپ جراح بھی ہیں اور مرہم بھی رکھتے ہیں)

پئے تادیب چوں پر قہر گردد　　　فدائے قہر او صد مہر گردد

(جب آپ ادب سکھانے کے لئے غصہ ہوتے ہیں اور آپ کے غصہ پر سو مہربانیاں قربان ہوتی ہیں)

بصورت مظہر شان جلالی بمعنی مظہر شان جمالی

(ظاہر میں شانِ جلالی کے مظہر ہیں اور باطن میں شانِ جمالی کے مظہر ہیں)

چہ پر مہر آں نگاہ خشمگین است کہ درد لہا محبت آفرین است

(وہ غضبناک نگاہ محبت سے کتنی بھری ہوئی ہے جو دلوں میں محبت پیدا کردیتی ہے)

نگاہ مست او بیگانہ وارست مگر در دیدہ بر ہر میگساراست

(ان کی مست نظر بیگانوں کی طرح ہے مگر دراصل ہر ایک پر غم کھانے والی ہے)

بسوزد او ہزاراں دل بہ آہے کند سر مست صدہا در نگاہے

(آپ ایک آہ سے ہزاروں دلوں میں غم پیدا کردیتے ہیں اور ایک نگاہ سے سینکڑوں کو مَست کردیتے ہیں)

جہاں سوز داگر در غمزہ آید شکر ریزد اگر در خندہ آید

(اگر نظر جھکائیں تو جہان کو جلادیں، اگر مسکرائیں تو شکر بکھیرتے ہیں)

بہ لب خنداں بدل گریاں کند او چہ در ظاہر چہ در پنہاں کند او

(لبوں پر مسکراہٹ دل میں روتے ہیں ظاہر میں کچھ کرتے ہیں اور باطن میں کچھ)

چہ گویم حال آں کو راندیم است عجب مجموعہ امید و بیم است

(اس غم خوار کا کیا حال کہوں کہ وہ امید اور خوف کا عیب مجموعہ ہے)

عجب حال ست پیشش حال بندہ بہ خندہ گریہ و درگر یہ خندہ

(ان کے سامنے بندہ کا حال عجیب ہے ہنسنے میں رونا اور رونے میں ہنسنا)

بہ گویا ئیست صد اصلاح کوشی ہزاراں معنی دارد خموشی

(آپ کی گفتگو میں سینکڑوں کی اصلاح ہے اور آپ کی خاموشی ہزاروں معنی رکھتی ہے)

برائے وعظ گفتن او چوخیز د بسے دُرہا بسے گلہا بریزد

(آپ وعظ کہنے کیلئے جب اٹھتے ہیں تو بہت سارے موتی اور بہت سارے پھول بکھیرتے ہیں)

الا اے طوطیٔ گویائے اسرار مباد از شکر خالیت منقار

(اے راز بیان کرنے والی بلبل تیری چونچ کبھی شکر سے خالی نہ ہو)

ز نور حق چو قلبش طور گشتہ   وجود او سراپا نور گشتہ

(آپ کا دل حق کے نور سے کوہِ طور بنا ہوا ہے، آپ کا وجود سراپا نور بنا ہوا ہے)

رخش آئینہ حُسن نگارے   برانگیزد بہ دلہا عشق یارے

(ان کا چہرہ محبوب کے حسن کا آئینہ ہے جو دلوں میں محبوب حقیقی کا عشق بھڑکاتا ہے)

سر او عقل صد فرزانہ دارد   کنارِ او دلِ دیوانہ دارد

(آپ کے سر میں بڑے عقلمندوں کی سمجھ ہے اور آپ کے سینہ میں دیوانہ دل ہے)

صراحی در بغل تسبیح در دست   کسی کم دیدہ چوں او زاہد مست

(بغل میں صراحی اور ہاتھ میں تسبیح ان جیسا زاہد کسی نے کم ہی دیکھا ہوگا)

بہ ذکر اللہ او رطب اللسان است   بیاد حق دلش ہم شادمان است

(آپ کی زبان اللہ کے ذکر میں مصروف اور دل بھی اللہ تعالیٰ کی یاد میں خوش)

چہ خوش وقتے و خرم روزگارے   کہ بر لب ساغر و در بر نگارے

(کتنا اچھا وقت اور کتنا خوب زمانہ ہے کہ لب پر جام ہے اور بغل میں محبوب ہے)

عجب پر جوش کیف ایں شراب است   کہ او در عین پیری در شباب است

(اس شراب کی مستی عجیب جوش والی ہے کہ آپ عین بڑھاپے میں نوجوان ہیں)

بہ دل بُردن عجب اورا کمال است   عجب او دلبر دیرینہ سال است

(دل لینے میں انہیں عجیب کمال حاصل ہے، آپ بڑے پرانے دلبر ہیں)

بہ بیں اے خواجہ جاہِ اشرف ما   بیا در خانقاہِ اشرف ما

(اے خواجہ ہمارے اشرف کا مرتبہ دیکھ، ہمارے اشرف کی خانقاہ میں آ)

بخواہی دید اگر تو خواہی آمد   کہ فقر اندر قبائے شاہی آمد

(اگر تو دیدار کرنا چاہتا ہے تو تجھے آنا ہوگا کہ یہاں فقر شاہی لباس میں آیا ہوا ہے)

عجائب کارہائے کارساز ند   کہ یکجا مجتمع ناز و نیاز اند

(کارساز حقیقی کے عجیب کام ہیں کہ یہاں ناز اور نیاز ایک جگہ جمع ہیں)

گہے بر طارم اعلیٰ نشیند   گہے بر پشت پائے خود نہ بیند

(کبھی آپ بلند مرتبہ پر بیٹھے ہوتے ہیں کبھی اپنی ایڑی نہیں دیکھ پاتے)

نہ تنہا صورت شاہانہ دارد　　که ہم صد ہیبت شاہانہ دارد

(آپ صرف شاہانہ صورت ہی کے مالک نہیں ہیں بلکہ آپ بادشاہوں سے سو درجہ زیادہ ہیبت بھی رکھتے ہیں)

نہ ملکئے و نہ تختئے و نہ تاجے　　مگر شاہانہ میدارد مزاجے

(نہ آپ کے ہاں حکومت ہے نہ تخت ہے اور نہ تاج ہے مگر آپ کا مزاج شاہانہ ہے)

ہر اہل دل زباں آور دلیرے　　گم است اینجا چو گربہ پیش شیرے

(ہر صاحب دل، زبان چلانے والا دلیر یہاں ایسے گم ہے جیسے بلی شیر کے سامنے)

کسے را پیش اوتاب سخن نیست　　چناں گویا زبان اندر دہن نیست

(آپ کے سامنے کسی کو بات کرنے کی ہمت نہیں ہے، ایسے جیسے منہ میں زبان نہیں ہے)

چہ پیشش حاجت اظہار حال است　　کہ حل عقدہ ہا بے قیل وقال است

(آپ کے سامنے حال ظاہر کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ وہاں بغیر کہے سنے عقدے حل ہوتے ہیں)

چہ جائے قیل و قال گفتگوئے　　کہ ایں بزم است بزم دید روئے

(یہاں قیل وقال و گفتگو کی کیا گنجائش ہے، یہ مجلس تو چہرۂ منور کے دیدار کی مجلس ہے)

بگوش ہوش بشنوایں سخن را　　مزن دم قفل زن پیشش دہن را

(یہ بات ہوش کے کانوں سے سن کہ یہاں دم نہ مار آپ کے سامنے زبان کو تالا لگا لے)

رہے پیدا بدو ازدل بہ دل کن　　دلت را با دلِ اُو متصل کن

(ان کی خدمت میں دل سے دل کی طرف راستہ بنا اپنے دل کو ان کے دل کے ساتھ ملا)

دلے کو با دل او بستہ گردد　　اگر خارے بود گلدستہ گردد

(وہ دل جو آپ کے دل کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے وہ اگر کانٹا ہوتا ہے تو گلدستہ بن جاتا ہے)

بکن خود را تو غائب دردلِ او　　تماشا کن عجائب دردلِ او

(تو اپنے آپ کو ان کے دل میں غائب کر دے، ان کے دل میں عجائبات کا نظارہ کر)

تن او باہمہ بالائے فرش است　　دل او بخدا بالائے عرش است

(آپ کا جسم تو سب کے ساتھ زمین پر ہے اور آپ کا دل عرش اللہ پاک کی بارگاہ میں حاضر ہے)

عجب فرحت گہے ایں خانقاہ است — عجب نزہت گہے ایں خانقاہ است
(یہ خانقاہ عجیب فرحت کی جگہ ہے یہ خانقاہ عجیب پاکیزگی کی جگہ ہے)

گر فردوس برروئے زمین است — ہمین است وہمین است وہمین است
(اگر زمین پر جنت ہے تو وہ یہی ہے، یہی ہے، یہی ہے)

یکے ساقی و میخواراں ہزارند — دو چشم مست او مشغول کارند
(ساقی ایک ہے اور پینے والے ہزاروں ہیں سب اس کی دو مست آنکھوں میں مشغول نظارہ ہیں)

بمیخانہ بہار است و بہار است — کہ در وجد وطرب ہر میکسار است
(میخانہ میں بہار ہی بہار ہے کہ ہر پینے والا وجد و مستی میں ہے)

خوشا ایں بادہ نوشانِ الٰہی — زہے رندی زہے شانِ الٰہی
(یہ الٰہی محبت کی شراب پینے والے کتنے اچھے ہیں یہ رندی وشانِ الٰہی کتنی اچھی ہے)

مپرس از ذاکر انِ نیم شبہا — کہ مشغول اند بادلہا ولبہا
(آدھی رات کو ذکر کرنے والوں کا حال نہ پوچھ کہ وہ دلوں اور لبوں کے ساتھ مشغول ہیں)

چہ پرسی لطف وِ رد صبحگاہی — کہ ایں لقمہ بہ است از مرغ و ماہی
(سحری کے وقت کے وِرد کے لطف کا کیا پوچھتا ہے کہ یہ لقمہ مرغی و مچھلی سے بہتر ہے)

پر از ذکر ست گو ہر حجرہ تنگ است — چہ خوش ایں نغمہ بے عود و چنگ است
(ہر حجرہ ذکر سے گونج رہا ہے اگر چہ تنگ ہے یہ بغیر طبلہ و سارنگی کا نغمہ کتنا اچھا ہے)

دل اینجا میکند اللہ اللہ — کہ ہردم بشنود اللہ اللہ
(دل یہاں اللہ اللہ کرتا ہے کیونکہ یہاں ہر وقت اللہ اللہ سنتا ہے)

چہ صحت بخش ہست اینجا فضائے — دل اینجا بے دوایابد شفائے
(یہ فضا کتنا صحت بخش ہے یہاں دل کو دوا کے بغیر شفا ملتی ہے)

کجائید اے خداجویاں کجائید — کجائید اے شفا جویاں کجائید
(اے خدا کو تلاش کرنے والو کہاں ہو، کہاں ہو اے شفا چاہنے والو کہاں ہو)

بیائید اے طلبگاراں بیائید — بیائید اے دل انگاراں بیائید
(اے طلب گارو آؤ، آؤ، آؤ اے دل جلو آؤ)

تعالیٰ اللہ چہ اعلیٰ بارگاہ ہے — کہ اینجا ہرگدائے بادشاہے

(اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ کتنی اعلیٰ دربار ہے کہ یہاں ہر فقیر بادشاہ ہے)

کس اینجا سیم و زر آرے ندارد — مگر باکس سروکارے ندارد

(کوئی یہاں سونا چاندی لاکر نہیں رکھتا مگر کسی سے سروکار بھی نہیں رکھتا)

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد — کسے رابا کسے کارے نباشد

(وہ جگہ بہشت ہے کہ جہاں کوئی تکلیف نہ ہو، کسی کو کسی سے کوئی کام نہ ہو)

بیاخود ترک کن کبر و منی را — چہ گویم جلوہ ہائے دیدنی را

(آ تکبر اور برائی کو چھوڑ، دیکھنے کے قابل جلوؤں کے بارے میں تجھے کیا بتاؤں)

زشرح فیض او قاصر زبان است — کہ کشتی بہ بحر بیکراں است

(آپ کے فیض کی تشریح کرنے سے زبان قاصر ہے کہ کشتی بے کنار سمندر میں ہے)

بیاتادیدہ گردد ایں شنیدہ — شنیدہ کے بود مانند دیدہ

(آ تاکہ یہ سنی ہوئی بات آنکھوں سے دیکھی جائے، سنی ہوئی بات دیکھے ہوئے کے برابر کہاں ہوتی ہے)

نگویم غیر حق چوں امر دین است — یقیں کن ایں ہمہ عین الیقیں است

(میں سچ کے سوا کچھ نہیں کہتا کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے۔ یقین کر کیونکہ یہ سب آنکھوں دیکھا ہے)

کہ مجذوب ایں ہمہ نشنیدہ گوید — قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

(مجذوب یہ سب کچھ سن کر نہیں کہتا، قلندر جو کچھ کہتا ہے دیکھ کر کہتا ہے)

زخاصانِ خدا اشرف علی ہست — ولی ہست و ولی ہست و ولی ہست

(حضرت اشرف علی اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں سے ہیں آپ ولی ہیں، ولی ہیں، ولی ہیں)

کہ قول و فعل و حال او گواہند — جمال و ہم کمال او گواہند

(آپ کا قول، عمل اور حال اس کے گواہ ہیں جو آپ کے جمال و کمال کے گواہ ہیں)

شک آوردن بجز بے حاصلی نیست — کہ کار اہل دل زوبد دلی نیست

(شک کرنا تو بے حاصل ہی ہے کیونکہ اہل دل کا معاملہ ان سے بد دلی کا نہیں ہے)

ہر اہل عقل و دیں را او امام است — خلاف او شدن سودائے خام است

(ہر عقلمند و دیندار کے لئے آپ امام ہیں، آپ کے خلاف ہونا ایک غلط خیال ہے)

بدل ہر معترض ہم مائل اوست　　　زباں منکر مگر دل قائل اوست

(ہر اعتراض کرنیوالا بھی دل سے آپ کا قائل ہے، زبان سے انکار ہے مگر دل آپکا قائل ہے)

زبغضِ اوچہ سودِ دشمنان است　　　زیان است وزیان است وزیان است

(ان سے بغض کرنے میں دشمنوں کا کیا فائدہ ہے، نقصان ہے، نقصان ہے، نقصان ہے)

نمی شاید بہ شیراں پنجہ کردن　　　کہ ہست ایں دست خود رارنجہ کردن

(شیروں سے مقابلہ نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ یہ خود اپنے ہاتھ کو توڑنے والی بات ہے)

ہرآں کو باولیِ حق ستیزد　　　برائے جنگ پیش حق بخیزد

(جو بھی آدمی اللہ کے ولی سے لڑتا ہے وہ اللہ سے جنگ کرنے کیلئے کھڑا ہوتا ہے)

چہ باک از دشمنانِ او کہ خوارند　　　چہ پیش مہر ذراتِ غبار اند

(آپ کو دشمنوں سے کیا خوف ہے کیونکہ دشمن ذلیل ہیں، سورج کے سامنے غبار کے ذروں کی کیا حقیقت ہے)

ہمہ گیریٔ نور اوعیان است　　　مگر بر شپرہ چشماں نہاں است

(آپ کے نور کی جامعیت واضح ہے مگر نظر کے اندھوں پر پوشیدہ ہے)

چناں سوزِ نہاں اوعیاں شد　　　کز انفاسش جہاں آتش بجاں شد

آپ کے اندر کا درد اس طرح باہر آیا ہے کہ آپ کے سانسوں سے سارے جہاں میں آگ لگی ہوئی ہے)

ہزار انند ازو شعلہ بدامن　　　بکشت از مشعلے صد شمع روشن

(آپکی وجہ سے ہزاروں کے دامن میں شعلے ہیں، ایک چراغ سے سینکڑوں شمعیں روشن ہیں)

دلش از عشق دائم زندہ بادا　　　بعالم فیض او پایندہ بادا

(آپ کا دل ہمیشہ عشق سے زندہ رہے، جہان میں ان کا فیض ہمیشہ رہے)

چہ شد مجذوب اگر دیوانہ اوست　　　ہمہ عالم بہ بیں پروانۂ اوست

(اگر چہ ان کا دیوانہ ہے تو کیا ہوا، دیکھ کر سارا عالم انہی کا پروانہ ہے)

تمت بالخیر

بوقت روانگی شیخ کی دو وصیتیں

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

واٰخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

اب میں پھر اصل مقصود کی طرف عود کرتا ہوں۔ جب حضرت والا مشرف بہ تکمیل باطنی ہو کر حضرت شیخ العرب والعجم کی خدمت سے رخصت ہونے لگے تو حضرت شیخ نے اپنے نور فراست کی بناء پر دو وصیتیں خاص طور سے فرمائیں ایک تو یہ کہ دیکھو میاں اشرف علی ہندوستان پہنچ کر تم کو ایک حالت پیش آئے گی۔ عجلت مت کرنا۔ دوسری وصیت یہ فرمائی کہ کبھی کانپور کے تعلق سے دلبرداشتہ ہو تو پھر دوسری جگہ تعلق نہ کرنا توکلاً بخدا تھانہ بھون جا کر بیٹھ جانا دیکھئے۔ محرم ۱۳۰۸ھ کے والا نامہ میں ترک تعلق کو منع فرمایا تھا کیونکہ وہ زمانہ تلوین کا تھا اور اب بعد حصول تمکین خود ترک تعلق کا ایماء فرما رہے ہیں۔

حضرتِ والا کی ہندوستان واپسی

غرض حضرت والا بامداد اللہ الاعلیٰ چشتی صابری امدادی رنگ میں جو اس زمانہ میں صبغۃ اللہ اور حجۃ اللہ فی الارض ہے۔ بہ تمام وکمال منصبغ ہو کر اور اس طریق انیق کے جملہ مراحل و مدارج طے فرما کر اور جمیع کمالات و اوصاف باطنی سے مشرف ومتصف ہو کر مراجعت فرمائے ہندوستان ہوئے اور حکیم الامت ہو کر امت محمدیہ علیٰ صاحبہا والتحیۃ کو امراض روحانی سے شفا یاب کرنے اور دولت باطنی سے مالا مال فرمانے میں مشغول ہو گئے۔

ہندوستان میں نورِ معرفت کا طلوع

حال ہی کی بات ہے کہ حاجی محمد بشیر صاحب لکھنوی نے خاص حضرت والا ہی کی مجلس میں بیان فرمایا کہ ان سے جناب بخشی نذیر حسن صاحب مرحوم کانپوری نے جو ایک دیندار صالح شخص تھے عرصہ ہوا اپنا ایک مفصل خواب اس زمانہ کا بیان کیا جب کہ حضرت والا مکہ معظمہ سے حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں چھ ماہ قیام فرما کر واپس تشریف لا رہے تھے

اور روانگی کی اطلاع کانپور پہنچ چکی تھی۔ حاجی جی نے بیان کیا کہ مجھ کو اس خواب کا خلاصہ اب تک یاد ہے یعنی بخشی جی نے دیکھا کہ حضرت والا مکہ معظمہ سے ہندوستان واپس تشریف لے آئے اور جس وقت جہاز سے اترے دفعۃً سارے ہندوستان میں ایک روشنی سے پھیل گئی اور وہ تاریکی سی جو اس سے قبل بحالت خواب محسوس ہو رہی تھی یک بیک دور ہو گئی۔ اھ۔

آج تو الحمدللہ اس رویائے صالحہ کی تعبیر روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہے اور کسی کو مجال انکار تو کیا مجال تامل بھی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس وقت حیرت ہوئی ہوگی کہ یہ کیا خواب دیکھا۔ کیونکہ گو کانپور کے لیے حضرت والا کی ذات بابرکات اس وقت بھی دافع ظلمات و ناشر دینیات عموماً تسلیم کی جا چکی تھی لیکن اس قدر ہمہ گیری فیوض و برکات کا کسی کو کیا گمان ہوگا۔

کانپور واپسی اور استقبال کے منصوبے

غرض حضرت والا سرچشمہ فیوض و برکات و منبع حضرات و حسنات ہو کر اپنے پیر و مرشد کی خدمت فیض درجت سے بہ تمام و کمال بہرہ اندوز ہو کر کانپور واپس تشریف لے آئے اور مشغول افاضہ ظاہر و باطنی ہو گئے۔ اہل کانپور جو حضرت والا کے والہ و شیدا تھے اس طویل مفارقت کے بعد نہایت شاندار اور بڑے زبردست پیمانہ پر استقبال کرنے کے اہتمام میں تھے۔ جس کا حضرت والا کو پہلے سے احتمال قوی تھا لیکن چونکہ حضرت والا اپنی شان کو بالکل مٹا کر اور عبدیت کاملہ کے شرف سے مشرف ہو کر اپنے پیر و مرشد کی خدمت شریعت سے تشریف لا رہے تھے۔ لہٰذا نہایت اہتمام سے اپنی آمد کا اخفاء فرمایا یہاں تک کہ ایک شخص بھی اسٹیشن پر نہ پہنچ سکا اور حضرت والا دفعۃً بلا اطلاع بطور خود مدرسہ آ پہنچے۔ مشتاقین کو بڑی حیرت اور حسرت ہوئی کیونکہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہونے پائی اور استقبال کے سارے ارمان اور سامان یوں کے یوں ہی رہ گئے۔

مشتاقانِ زیارت کا ہجوم

حضرت والا کا مدرسہ میں پہنچنا تھا کہ تمام شہر میں مژدہ تشریف آوری تار برقی کی طرح دوڑ گیا اور مشتاقان زیارت جوق جوق آنے لگے اور پھر تو ایسا تانتا لگا کہ کسی طرح ختم ہی

ہونے نہ آتا تھا۔ لوگوں نے اپنے قصد و اہتمامات استقبال کو بیان کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ اسی وجہ سے تو میں بے اطلاع چلا آیا۔

لوگوں کا خیال تھا کہ چونکہ گھر کے لوگ بھی ہمراہ تھے اسٹیشن پر بڑی زحمت ہوئی ہوگی مگر تذکرہ میں فرمایا کہ یہ زحمت بھی کچھ نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ اتفاق سے پلیٹ فارم ہی پر ایک ڈولی مل گئی اس میں گھر کے لوگوں کو سوار کرا کے اور اسباب کو ایک قلی پر لدوا کے اسٹیشن سے باہر تک آ گیا۔ پھر سواری میں بیٹھ کر یہاں چلا آیا۔ مجھے بھی کوئی زحمت نہ ہوئی اور اتنے سارے مسلمان بھی تکلیف سے بچ گئے۔ ورنہ تکلفات میں کلفت ہی کلفت تھی۔ سادگی میں جو بات ہے وہ تکلف میں کہاں۔

واپسی کے بعد کا رنگ

غرض حضرت والا مکہ معظمہ سے واپس تشریف لا کر پھر مشغول درس و تدریس و وعظ و تبلیغ ہو گئے اور مزید برآں ارشاد و تلقین بھی شروع فرما دیا مگر دیکھنے والے دیکھتے تھے اور حیرت کرتے تھے کہ یا اللہ کیا حال تھا اور کیا ہو گیا۔ اب تو کچھ رنگ ہی اور تھا۔

چنانچہ احقر کو اپنے والد صاحب مرحوم و مغفور کا بہت پرانا قول اب تک خوب اچھی طرح یاد ہے فرماتے تھے کہ ہم نے مولانا کا ایک تو وہ زمانہ دیکھا تھا کہ نہایت سرخ و سفید ہشاش بشاش خوبصورت اور چمکتے ہوئے پٹہ دار بال خوش لباس ایسے کہ گویا ہر وقت دولہا بنے رہتے تھے اور جوانی کا وہ عالم تھا جس کو کہتے ہیں کہ شباب پھٹا پڑتا ہے اس کے بعد پھر وہ زمانہ بھی دیکھا جب حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں قیام کرنے کے بعد تشریف لائے کہ چہرہ بالکل زرد اور اداس مردہ و افسردہ ژولیدہ حال نہ بالوں میں تیل کا اہتمام نہ کنگھی کا التزام نہ اچکن نہ انگرکھا نہ چمک نہ بیل بوٹے صرف سادہ کرتہ اور پاجامہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میرے بڑے گھر میں مجھ کو بہت پر تکلف کپڑے پہنائے رکھتی تھیں کیونکہ اس زمانہ میں ان کو بیل بوٹے کاڑھنے کا بہت شوق تھا۔

غرض حضرت والا کو باطنی باغ و بہار نے ظاہری بناؤ سنگار سے بالکل بے پروا کر دیا تھا لیکن اس خستہ حالی پر ہزار بناؤ سنگار قربان ہوتے تھے اور پہلے سے بھی زیادہ کشش ہوتی تھی۔ گویا

حضرت والا نے پیرو مرشد کی خدمت سے اس شعر کے پورے مصداق ہو کر تشریف لائے تھے۔

قبا وا کردہ و کاکل پریشاں کردہ می آید　　　بہ بیں ایں بے سروساماں چہ ساماں کردہ می آید

(قبا کھولے ہوئے اور زلفیں کھولے آرہا ہے، دیکھو کہ یہ بے سروساماں کتنا سامان کر کے آرہا ہے)

مدرسہ، مدرسین اور طلبہ کے حالات میں تبدیلی

حضرت والا پر اپنے پیرو مرشد کی خدمت سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد پھر کیفیت شوقیہ الٰہیہ کا نہایت جوش و خروش کے ساتھ ورود ہوا اور حالت سابقہ نے عود کیا مگر اب کی بار اس کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ قبل حاضری جو کیفیت شوقیہ تھی اس میں اضطراب تھا اس میں اشتیاق اس میں پریشانی تھی اس میں فرحت۔ اس میں کلفت تھی اس میں لذت وہ ایک گونہ ناگوار تھی۔ یہ خوشگوار وہ سیر الی اللہ تھی' یہ سیر فی اللہ۔ وہ دوادوش طریق تھی یہ طوائف کعبہ مقصود وہ عدم وصول سے ناشی تھی۔ یہ وصول سے' وہ وقت طلب تھا یہ وقت وصول وہ زمانہ ہجر تھا یہ زمانہ وصال۔ وہ دور حسرت تھا یہ دور شوق وہ تلوین تھی یہ تمکین وہ حالت مشاہدہ سے قبل کی تھی یہ بعد کی۔ وہ اثر عشق تھا یہ اثر حسن بمصداق قطعہ حضرت حافظ شیرازیؒ۔

بلبلے برگ گلے خوش رنگ در منقار داشت　　　واندراں برگ و نوا خوش نالہ ہائے زار داشت

(ایک بلبل نے ایک خوبصورت پھول کی پتی چونچ میں اٹھائی ہوئی تھی اور اس پتی کے ساتھ خوبصورت آواز میں فریادیں کر رہی تھی)

گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست　　　گفت مارا جلوۂ معشوق داریں کار داشت

(میں نے اس سے کہا وصل کے ہوتے ہوئے یہ فریاد و آہ کیا ہے، اس نے کہا مجھے معشوق کے جلوے نے اسی کام پر لگایا ہے)

غرض اس مرتبہ کی بے چینی بخلاف پچھلی مرتبہ کی بے چینی کے بڑے مزے کی بے چینی تھی کیونکہ بے چینی غایت اُنس مع اللہ سے ناشی تھی گویا شوق و اُنس دونوں سے مرکب تھی اور بجائے آثار اضطراب آثار اشتیاق نمایاں تھے۔ جیسا کہ ابھی اوپر بہ تفصیل بیان کیا جاچکا ہے۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ مدرسہ کا رنگ ہی بدل گیا۔ درسی کتابوں کا سبق ہو رہا ہے اور ادنے مناسبت سے تصوف کے مضامین کی دھواں دھار تقریریں ہو رہی ہیں اور طالب علموں پر

کیفیت وجد یہ طاری ہو رہی ہے۔ بہت سے مدرسین اور طلبہ نے ذکر و شغل شروع کر دیا اور حالات عجیبہ و کیفیات غریبہ کا ورود ہونے لگا۔

حلقۂ توجہ

حضرت والا نے شروع شروع کے جوش افاضہ میں حلقہ توجہ بھی منعقد کر دیا تھا۔ غرض مدرسہ مبدل بہ خانقاہ ہو گیا اس زمانہ کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ خود حضرت والا فرماتے ہیں کہ بس یہ جی چاہتا تھا کہ ساری دنیا کو ذاکر و شاغل اور ولی کامل بنا دوں۔

ابتدائی زمانہ کا جوش و خروش

اس زمانہ کے رنگ کے دیکھنے والوں اور حلقہ توجہ میں شامل ہونے والوں میں سے بعض کو احقر نے بھی دیکھا ہے مثلاً جناب شاہ لطف رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت والا کے ایک بڑے قوی الحال خلیفہ باکمال تھے۔ بارہا احقر کے سامنے کبھی کسی بات پر کبھی کسی شعر پر اس قدر شدید کیفیت طاری ہو جاتی کہ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ جاتے اور بے اختیار چیخنے چلانے اور بسمل کی طرح تڑپنے اور تلملانے لگتے ایک بار احقر کی درخواست پر مع چند دیگر احباب سفر منصوری فرمایا چونکہ بہت نحیف و نازک مزاج تھے اور چڑھائی زیادہ چڑھنی پڑی سفر سے بے حد تعب ہوا عین تکان کی حالت میں جبکہ سخت چڑھائی کے موقع پر سخت پریشان تھے اور ناگواری میں احقر سے شکایت فرما رہے تھے۔ احقر نے یہ شعر پڑھ دیا۔

یہ شکوہ بیوفائی کا یہ رونا کج ادائی کا ۔۔۔ سزا ہے دل لگانے کی مزہ ہے آشنائی کا

بس یہ شعر سننا تھا کہ تکان و تعب سب بھول گئے۔ جوش میں آ کر زور سے ایک چیخ ماری اور وجد میں آ کر رقص کرنے لگے۔ ان پر زیادہ تر خوف و خشیت ہی کا غلبہ رہتا تھا۔ اور اکثر مغفرت کے تذکروں پر حال طاری ہو جاتا تھا بارہا دیکھا گیا کہ بے اختیار ہو کر موقع بے موقع حضرت والا کے پاس پہنچ جاتے اور مغلوبیت کی باتیں کرنے لگتے۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اس قدر خوف و خشیت کا غلبہ میں نے کسی پر نہیں دیکھا جب وہ غلبہ حال میں باتیں کرتے تو ان کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا جیسے ان کا اس وقت کلیجہ پھٹا جا رہا ہے بروایت استادی

جناب مولانا سراج احمد صاحب امروہی جو حضرت والا کے خلیفہ مجاز ہیں۔ایک بار شاہ صاحب پر حضرت والا کی عدم موجودگی میں بحالت نماز جماعت شدید کیفیت طاری ہوئی اور نماز میں بے اختیار اللہ اللہ کر کے کبھی صف سے آگے بڑھ جاتے کبھی پیچھے ہٹ جاتے۔حضرت والا کی واپسی سفر کے بعد بھی وہی حالت تھی حضرت والا نے جب پانی دم کر کے پلایا تب جا کر سکون ہوا۔ حضرت والا نے تنبیہاً ایک اور صاحب سے جو کیفیات کے بہت متمنی رہتے تھے فرمایا کہ کیا آپ بھی اپنی ایسی ہی حالت چاہتے ہیں انہوں نے کہا نہیں حضرت یہ تو سخت حالت ہے اس کا تحمل کہاں تو باوجود ان کیفیات قویہ کے جواب تک موجود تھیں شاہ صاحب حضرت والا کے زمانہ کانپور کے جوش و خروش کو اخیر وقت تک یاد ہی فرماتے رہے۔اور حضرت والا سے ویسی ہی توجہ کے طالب رہے۔حضرت والا یہ فرما کر تسلی فرماتے رہے کہ وہ کیفیات سابقہ نفسانی تھیں اور موجودہ کیفیات لطیفہ روحانی ہیں۔ان کے مقابلہ میں وہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھیں۔

ابتدائی زمانہ کی توجہ کی مثال

اس زمانہ کی توجہ کے آثار کی ایسی مثال تھی جیسے بے زور کی بارش ہو کر ایک ریلا سا بہہ گیا اور پھر نہ بادل رہا نہ پانی۔زمین بدستور خشک کی خشک اور آج کل کی کیفیات کی ایسی مثال ہے جیسے لگا تار پانی کی پھوہار برس رہی ہو جس کو جھڑی لگ جانا کہتے ہیں گو دیکھنے میں تو پھوہار ہے جو زور کی بارش کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں لیکن کیفیت یہ ہے کہ زمین کے اندر پیوست ہوتی چلی جا رہی ہے۔ریلے کی طرح نہیں کہ ایک ساتھ بہتا ہوا نکل گیا اور زمین کے اندر کچھ اثر ہی نہ پہنچا۔زمین تو کاشت کے قابل ایسی ہی ہلکی ہلکی اور رچی ہوئی بارش سے ہوتی ہے۔اھ۔

احقر نے ایک بار شاہ لطف رسول صاحبؒ سے حضرت والا کے اس پرانے جوش و خروش کے حالات سن کر حضرت والا سے عرض کیا کہ کبھی حضرت کو بھی وہ حالات و کیفیات یاد آتی ہیں۔فرمایا کہ اگر کسی عورت کو اس کے شوہر نے چاندی کا چمکدار زیور اتار کر سر سے پاؤں تک سونے کے زیورات سے لاد دیا ہو جو چاندی کے زیور کے مقابلہ میں بظاہر ماند معلوم ہوتا ہے تو کیا وہ عورت اس اترے ہوئے چاندی کے زیور کو بھی کبھی یاد کرے گی یا برخلاف اس کے شوہر کا شکر ادا کرے گی کہ چاندی کا گھٹیا زیور اتار کر سونے کا بڑھیا زیور پہنا دیا۔

ایک طالب علم کی عجیب وغریب کیفیت

غرض حضرت والا کا حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں قیام کرنے کے بعد کا زمانہ بہت ہی جوش وخروش کا زمانہ تھا۔ جس کے اثر سے طلبہ ومدرسین بھی ذاکر شاغل ہو گئے تھے چنانچہ ایک طالب علم نے بھی حضرت والا کی دیکھا دیکھی بلامشورہ اپنے طور پر ذکر وشغل شروع کر دیا۔ اس سے ان پر ایک دن جبکہ وہ بوستان کا سبق ایک اور مولوی صاحب سے پڑھ رہے تھے مندرجہ ذیل اشعار پر ایک سخت حالت طاری ہوگئی۔

بہ مجنون کسے گفت کاے نیک پے　　چہ بودت کہ دیگر نیائی کے

(مجنوں سے کسی نے کہا کہ اے اچھی عادت والے تجھے کیا ہے کہ تو پھر کبھی شراب پینے نہیں آیا)

مگر درسرت شور لیلےٰ نماند　　خیالت دگر گشت و میلے نماند

(شاید تیرے سر میں لیلیٰ کی محبت نہیں رہی تیرا خیال دوسری طرف پھر گیا ہے اور اس کی طرف میلان نہیں رہا)

چوبشنید بیچارہ بگریست زار　　کہ اے خواجہ دستم زدامن بدار

(جب اس بیچارے نے سنا تو زور زور سے رونے لگا کہ اے صاحب میرا ہاتھ دامن سے ہٹالے)

مراخود دل درد مند ست خیز　　تو نیزم نمک برجراحت مریز

(میرا دل تو خود درمند ہے تو اٹھ اور تو میرے زخم پر نمک نہ چھڑک)

نہ دوری دلیل صبوری بود　　کہ بسیار دوری ضروری بود

(دوری صبر کی دلیل نہیں ہوتی کیونکہ بہت دفعہ دوری ضروری ہوتی ہے)

اس قدر قوی حالت تھی کہ لاالہ الا اللہ کہتے ہوئے اور زور سے بھاگتے ہوئے بازار کی طرف نکل گئے جو ملتا اس سے کہتے جاتے کہ کہو لاالہ الا اللہ ایسا اثر تھا کہ جسے کہتے وہ لاالہ الا اللہ کہنے پر اس وقت مجبور ہو جاتا چنانچہ بہت سے ہندوؤں یہاں تک کہ ہندو کانسٹیبلوں سے بھی لاالہ الا اللہ پڑھنے کو کہا تو وہ بھی بے اختیار پڑھنے لگے ان طالب علموں کے ماموں کو وہ بھی طالب علمی کرتے تھے سخت پریشان ہونے لگے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میاں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ یہ تو خوش ہونے کی بات ہے کہ تمہارا بھانجہ ولی

ہو گیا۔ تڑپتے وقت وہ اپنے بھانجہ کو دبا کر بیٹھ گئے تو حضرت والا نے منع فرمادیا کہ ایسا نہ کرو۔ تڑپنے دو ورنہ گھٹ کر دم نکل جانے کا اندیشہ ہے۔ ایسی شدید کیفیات میں یہی چاہیے کہ خوب تڑپنے دو۔ انہوں نے عذر کیا کہ چوٹ لگ جائے گی فرمایا کہ چوٹ تو دل پر لگ چکی اب ظاہری چوٹ کی اتنی رعایت رکھو کہ ان کو گرنے پڑنے مت دو مگر پکڑو نہیں جب بازار کی طرف بھاگے ہوئے گئے تو پیچھے پیچھے ان کے ماموں اور دوسرے لوگ بھی بھاگ گئے اور بمشکل پکڑ کرلائے جب مدرسے پہنچے تو عصر کی نماز کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ گو یہ اس وقت مکلف نہیں مگر پھر بھی یہی اچھا ہے کہ ان سے نماز پڑھنے کے لیے کہا جائے۔ چنانچہ ان سے کہا گیا۔ لیکن انہیں لاالہ الا اللہ ہی کی رٹ لگی ہوئی تھی۔

چونکہ آداب وجد میں سے یہ ہے کہ صاحب وجد کی حاضرین بھی موافقت کریں۔ لہذا حضرت والا کے ایک شاگرد مولوی محمد یونس صاحب نے یہ ترکیب کی کہ ان سے پہلے تو یہ کہا کہ لاالہ الا اللہ کا وضو کرلو۔ یہ سنتے ہی انہوں نے فوراً وضو کرلیا پھر کہا کہ لاالہ الا اللہ کی نماز بھی پڑھ لو۔ چنانچہ نماز کے لیے بھی کھڑے ہو گئے لیکن نماز عجیب طرح کی پڑھی۔ بجائے اللہ اکبر کے آہ آہ کہتے تھے اور بجائے تلاوت وغیرہ کے اشعار عشقیہ پڑھتے تھے۔ اس وقت انہیں بہت سے اشعار یاد آتے چلے گئے حالانکہ اس سے قبل انہیں کبھی اشعار پڑھتے ہی نہ سنا گیا تھا اس نماز میں انہوں نے سجدے بھی بے تعداد کیے۔

طالب علم کا علاج

رات بھر یہی کیفیت رہی یہاں تک کہ اس کیفیت کے سلب کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ دوسرے روز ان کو حضرت والا نے ایک صاحب تصرف ولایتی درویش میاں خاکی شاہ کے پاس جو کانپور ہی میں رہتے تھے اور جن کی قوت توجہ حضرت والا کو معلوم تھی سلب کیفیت کے لیے بھیجا۔ انہوں نے کہا یہ خوب بات ہے کہ گولی تو ماردی خود اور اب نکلوانے بیٹھے ہیں مجھ سے پھر انہوں نے توجہ کا عمل کیا اور دوسرے روز پھر آنے کے لیے کہا لیکن شب کو اس طالب علم نے خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ اس فقیر سے کہہ دینا کہ کیا تیری کمبختی آئی ہے۔ ایسی نعمت کو سلب کرتا ہے جب یہ خواب حضرت والا

نے سنا تو ان طالب علم کو ان درویش کے پاس جانے سے منع فرمادیا۔

سوچنے سے دوسری تدبیر یہ ذہن میں آئی کہ ان کے جوش وخروش کو سماع سے سکون ہوگا۔ چنانچہ حضرت والا نے ایک صاحب سماع صوفی سے کہا کہ ہماری وضع کے تو یہ خلاف ہے۔ البتہ تم ان کو اپنے یہاں لے جا کر ذرا سماع سنوا دو اور یہ معلوم نہ تھا کہ وہاں آلات بھی ہوں گے۔ انہوں نے اس فرمائش کو بہت خوشی کے ساتھ منظور کیا۔ کیونکہ یہ بڑے فخر کی بات تھی کہ مولویوں کو بھی ہماری احتیاج ہوئی۔ چنانچہ وہ ان کو اپنی جماعت کے پاس لے گئے لیکن جب وہ لوگ آلات سماع لیکر بیٹھے تو وہ طالب علم بہت بگڑے کہ یہ کیا واہیات ہے مجھے معصیت میں مبتلا کرتے ہو۔ میں ان سب کو توڑ پھوڑ دوں گا۔ یہ کہہ کر وہاں سے بھاگ آئے پھر حضرت والا نے ایک خوش آواز بنگالی طالب علم سے جن کی آواز میں درد تھا کہا کہ تم ان کو کسی الگ جگہ لیجا کر کچھ اشعار سنا دو۔ اور اس جگہ اور کسی کو جانے کی اجازت نہیں دی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت خسروؒ کی یہ غزل ان کو خلوت میں لیجا کر سنائی۔

از ہجر تو کباب تا کے — جاں در طلبت خراب تا کے

(تیری جدائی سے کب تک دل جلے گا، تیری طلب میں کب تک جان خراب ہوگی)

در مصحف روئے او نظر کن — خسرو غزل و کتاب تا کے

(اے خسرو اس چہرے کی کتاب میں دیکھ غزل و کتاب میں کب تک مشغول رہے گا)

ان اشعار کو سن کر انہیں وجد آیا اور بے حد جوش وخروش ہوا اور کھڑے ہو کر زور زور سے خود بھی یہ کہتے جاتے تھے۔ تا کے تا کے حضرت والا تک بھی یہ آواز آ رہی تھی۔ جب دل کی بھڑاس اچھی طرح نکل گئی تو پھر سکون ہوگیا۔ غرض یہ تدبیر نافع ہوئی۔ انہیں طالب علم نے یہ بھی خواب میں دیکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ تم کسی سے بیعت ہو جاؤ۔ انہوں نے جب عرض کیا کہ حضرت کس سے؟ تو فرمایا جس سے زیادہ اعتقاد ہو چنانچہ انہوں نے حضرت والا سے یہ خواب بیان کیا جواب میں فرمایا جس سے اعتقاد ہو اس سے بیعت ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ مجھ کو تو آپ سے اعتقاد ہے اور یہ کہہ کر حضرت والا سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت والا نے اس بناء پر کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

ہے بلا تامل بیعت فرمالیا۔ حضرت والا نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ لوگ ان کیفیات کو نہ جانے کیا سمجھتے ہیں حالانکہ ان کی بس یہ حقیقت ہے کہ صرف چار دن تک تو خوب جوش و خروش رہا پھر ویسے کے ویسے ہی ہو گئے چنانچہ وہ صاحب اب تک ہیں لیکن بالکل کورے بقول شخصے چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے۔ اھ۔

توجہ کے اثرات

جناب شاہ لطف رسول صاحبؒ کو جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے حضرت والا کے حلقہ توجہ میں کشف بہت ہونے لگا تھا۔ ایک بار حضرت والا کو شوق ہوا کہ جناب بڑی پیرانی صاحبہ مدظلہا کو توجہ دیں۔ چنانچہ ان پر اس قدر اثر ہوا کہ ہاتھ پاؤں میں تشنج پیدا ہو گیا اور حالت غیر ہونے لگی یہاں تک کہ خود حضرت والا بھی گھبرا گئے اور جلدی سے توجہ کو ہٹا کر پانی دم کر کے پلایا تب خدا خدا کر کے افاقہ ہوا۔

شوق کا دوسرا رنگ

غرض بعد واپسی مکہ معظمہ کچھ عرصہ تک خوب ذکر و شغل کا ذوق و شوق احوال و مواجد کا طریان وورود اور افاضہ باطنی کا جوش و خروش رہا جیسا کہ مکتوبات امدادیہ کے مکتوب سترہ مورخہ ۸۔ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ سے بھی مترشح ہوتا ہے جس میں حضرت حاجی صاحبؒ حضرت والا کو ارقام فرماتے ہیں کہ خط آپ کا بذریعہ ڈاک وصول ہوا کمال خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ آں عزیز کو مدام اپنی یاد اور ذوق و شوق و مواجید میں سرشار اور مخمور رکھے۔ اھ۔ (ملاحظہ ہو اقتباس نمبر ۱۵) لیکن جب مقامات محصلہ میں رسوخ ہو گیا تو اس شوق نے دوسرا رنگ اختیار کیا یعنی مقامات متوقعہ کی طلب شدید دامنگیر ہوئی جس نے بمصداق اشعار

؎ مصلحت نیست مرا سیری ازاں آب حیات   ضاعف اللہ بہ کل زمن عطشی

(اس آب حیات سے میرے سیر ہونے میں مصلحت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اس پر پیاسوں کو بڑھائے)

نگردد قطع ہرگز جادہ عشق از دویدنہا   کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

(عشق کا سفر طے کرنے سے ہرگز ختم نہیں ہوتا کیونکہ یہ راستہ خود بخود بڑھتا

ہے جیسے شاخ کانٹے سے)

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست آنجا جز اینکہ جان بسپارند چارہ نیست

(عشق کا سمندر وہ سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے وہاں تو جان حوالے کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے)

دوبارہ پھر ویسی ہی کیفیت اضطرابیہ والتہابیہ رونما کردی جیسی قبل قیام مکہ مکرمہ ابتدائے حال میں طاری ہوئی تھی لیکن ان دونوں کیفیتوں میں زمین وآسمان کا فرق تھا کیونکہ وہ کیفیت طلب ابتدائی سے ناشی تھی اور یہ طلب مزید سے اور اس قسم کے تغیرات وتقلبات تو لوازم طریق سے ہیں۔ کیونکہ گو پانی کو سمندر میں پہنچ کر سکون ہو جاتا ہے لیکن وہاں بھی مدوجزر اور تموج اور تلاطم ساتھ لگا ہوا ہے۔ جس کی قوت وشدت اور شوکت وصولت پہلے سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ پہاڑوں کی سر بہ فلک چوٹیوں پر بھی پہنچ کر گہری گہری وادیوں سے سابقہ پڑتا ہے اور حدود بارگاہ شاہی میں داخل ہونے کے بعد بھی خاص خاص محلات میں پہنچنے کے لیے لمبی لمبی اور تیرہ وتار سرنگوں میں ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔

پریشانی کا طاری ہونا

غرض چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضرت والا کا رفع مراتب کرنا منظور تھا بموجب پیشینگوئی حضرت حاجی صاحبؒ حضرت والا کی حالت باطنی نے پھر پلٹا کھایا اور پہلے سے بھی زیادہ تشنگی طلب نے زور دکھایا۔ چنانچہ بمصداق **النهاية هي العود الى البداية** پھر ویسی ہی حیرانی وپریشانی موجود پائی جیسی قبل قیام مکہ مکرمہ لاحق ہوئی تھی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیونکہ یہ تشنگی طلب حقیقت شناس اور لذت آشنا ہو جانے کے بعد پیدا ہوئی تھی اور گویہ پریشانی نہایت لذیذ پریشانی تھی لیکن مثل سابق کے پھر کسی دستگیر کی شدید فوری ضرورت محسوس ہوئی اور پھر قدرتی طور پر اس ذلت پر نظر پڑی جس سے ابتداء سلوک میں ایک گونہ تسلی ہو چکی تھی۔ یعنی پھر اپنے شفیق ماموں پیر جی امداد علی صاحب قبلہ سے جن کو گاہ گاہ حالات کی اطلاع فرماتے ہی رہتے تھے اس پریشانی بعد الوصول میں بھی خاص طور سے رجوع فرمایا لیکن جو قلب انوار سنت سے منور اور رنگ امداد الٰہی سے منصبغ ہو چکا تھا وہ اب کسی دوسرے

رنگ کو کیونکر قبول کر سکتا تھا اور جو محی سنت و ماحی بدعت و مجدد ملت ہونے والا تھا اس کی طبع شریف و لطیف کیوں ہر اس شے کو رد نہ کر دیتی جس میں شائبہ بھی خلاف سنت کا ہو اگر چہ اس شے کا دینے والا خود بوجہ غلبہ حال معذور ہو۔ چنانچہ پیر جی صاحب کی توجہات بلیغہ و تدبیرات مختلفہ نیز خاص اپنے مواجہہ میں شغل روحی وغیرہ کرانے سے بھی بجز ازدیاد اضطراب و شدت تشنگی طلب کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

وعظ وارشاد کا موقوف ہو جانا

گو ان تدابیر سے شروع میں کسی قدر افاقہ کی سی صورت نظر آنے لگی تھی لیکن وہ افاقہ بالفاظ حضرت حاجی صاحب محض ظنی و مستعار تھا۔ قیام پذیر نہ تھا۔ جیسا کہ مکتوبات امدادیہ کے مکتوب ۲۳ کی نقل سے واضح ہوگا جو بعد کو درج کی جائے گی۔ اس اضطراب کا اصل سبب حسب الارشاد حضرت والا حصول مقصود کی غایت عجلت اور احوال و کیفیات غیر اختیاریہ کی شدت طلب و رغبت تھی۔ یہ شوق مفرط یہاں تک بڑھا کہ اس نے بمصداق ؂

تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند ‏ ‏ ‏ از ہمہ کار جہاں بیکار ماند

(تا کہ تو جان لے کہ جسے اللہ تعالیٰ اپنا بنالے وہ جہاں کے سارے کاموں سے نکما ہو جاتا ہے)

سارے مشاغل سے دل اچاٹ کر دیا۔ نہ درس و تدریس سے دلچسپی رہی نہ افاضہ ظاہری و باطنی کا شوق رہا۔ درس و تدریس کی جانب تو خیر بہ تکلف توجہ فرمانی ہی پڑی کیونکہ ایسا کرنا بوجہ مشاہرہ کے واجب تھا لیکن دیگر افاضات ظاہری و باطنی مثلاً وعظ و تلقین وغیرہ کو بالکل بند فرما دیا۔ کیونکہ اول خویش بعدہ درویش یہاں تو اپنی ہی فکر پڑی ہوئی تھی۔ دوسروں کی فکر کا کسے ہوش تھا جو وقت درس و تدریس سے بچتا بس محبوب حقیقی ہی کی دھن اور دھیان میں گزرتا۔ غرض سب تعلقات غیر ضروریہ کو خیر باد کہہ کر یکسوئی اختیار فرمالی۔ یہاں تک کہ وعظ کہنا بھی موقوف فرما دیا۔ جس کے اہل کانپور بے حد دلدادہ و گرویدہ اور ایک مدت مدید یعنی شروع قیام کانپور ہی سے بے حد خوگر دہ و لذت چشیدہ ہو رہے تھے۔

اہل کانپور کی پریشانی

وعظ کا موقوف فرمانا تھا کہ تمام مسلمانان کانپور میں ایک ہلچل مچ گئی اور اس چشمہ فیض

سے جو تشنگان علوم و معارف اشرفیہ آئے دن سیراب ہوتے رہتے تھے وہ ماہی بے آب کی طرح بیتاب ہو گئے اور طرح طرح سے حضرت والا پر وعظ فرمانے کے لیے زور ڈالنے لگے ایک دن خود جناب عبدالرحمٰن خاں صاحب مرحوم و مغفور جو بانی مدرسہ جامع العلوم تھے اور ایک معمر و صالح بزرگ تھے بیتابانہ حاضر خدمت ہوئے اور والہانہ یہ شعر پڑھا۔

نصاب حسن در حد کمال است   زکاتم وہ کہ مسکین و فقیرم

(حسن کا نصاب پورا ہو چکا ہے، مجھے زکوٰۃ دیکہ میں مسکین و فقیر ہوں)

حضرت والا نے نہایت دردناک لہجہ میں فرمایا کہ حضرت میں تو خود ہی فقیر ہو رہا ہوں۔ دوسرے کو کیا دوں اھ۔ جو اپنے کو اس قدر حرماں نصیب سمجھے ہوئے ہو اور جس پر عبدیت کا اتنا غلبہ ہو اس کو بھلا وعظ کہنے کی جس میں ایک صورت ترفع اور دعوے کی ہوتی ہے کیونکر جرأت ہو سکتی تھی۔

علمائے کرام کی وعظ کیلئے درخواست اور حضرت کا جواب

اسی زمانہ میں مدرسہ کا جلسہ ہوا۔ اس میں تو حضرت والا کے وعظ کے سب حضرات اراکین مدرسہ کو بہت ہی شدید ضرورت محسوس ہونے لگی اور بزبان حال کہنے لگے۔

بنمائے رخ کہ خلقے والہ شوند و حیراں   بکشائے لب کہ فریاد از مرد و زن برآید

(رُخ دکھا کہ مخلوق حیران و دیوانی ہو رہی ہے، لب کھول کہ سب مرد و عورتیں فریاد کر رہے ہیں)

شرکت جلسہ کے لیے بیرونی حضرات علماء بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان کو ساتھ لیکر اراکین مدرسہ حاضر خدمت ہوئے اور بواسطہ ان حضرات کے نہایت شد و مد کے ساتھ وعظ کے لیے اصرار کرنے لگے۔ حضرت والا کے قلب سلیم میں حضرات اہل علم کا اس درجہ ادب و احترام ہے کہ نو عمر مولویوں کا بھی غایت درجہ لحاظ فرماتے ہیں اور وہ تو اکابر علماء کو سفارشی بنا کر لائے تھے حضرت والا کو نہایت درجہ تنگی واقع ہوئی کیونکہ نہ انکار فرما سکتے تھے نہ اقرار۔ جب کچھ نہ بن پڑا تو مجبور ہو کر گردن جھکالی اور رونے لگے۔ یہ حال دیکھ کر مولانا ظہور الاسلام صاحب فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ کا دل پانی پانی ہو گیا اور بے ساختہ یہ شعر پڑھا۔

عشق نے غالب نکما کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

پھر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ بس بھائی بس اب انہیں کچھ نہ کہو اپنے حال پر چھوڑ دو تنگ نہ کرو۔ مولوی شاہ سلیمان صاحب پھلواروی بھی اس موقع پر آئے ہوئے تھے ان سے بھی لوگوں نے اصرار کرنے کے لئے کہا تو انہوں نے عجیب جواب دیا۔ کہا کہ اگر ایسی حالت میں اس شخص سے وعظ کہلوایا تو بس ممبر پر بیٹھتے ہی اس کے منہ سے جو پہلا لفظ نکلے گا وہ انا الحق ہوگا ایسی حالت میں اصرار ہرگز مناسب نہیں اھ۔ غرض حضرت والا کا سکوت اس مصرعہ کا مصداق تھا۔ ع۔ خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید۔

وعظ موقوف کرنے کا سبب

حضرت والا نے خود فرمایا کہ اس زمانہ میں مجھ پر توحد کا بہت غلبہ تھا اس لیے میں نے وعظ کہنا چھوڑ دیا تھا کہ نہ جانے کیا منہ سے نکل جائے جس سے عوام کو غلط فہمی ہو کر دینی نقصان پہنچ جائے۔ صرف مولوی محمد اسحاق صاحب بردوانی سے (جو ایک فہیم وجید عالم اور معتمد خاص شاگرد تھے) ان مضامین توحید کو جو قلب پر وارد ہوتے تھے خلوت میں بیان کر دیا کرتا تھا۔ اس زمانہ میں ان پر شان علمی غالب تھی اور تصوف سے زیادہ متاثر نہ تھے۔ لیکن پھر بھی ان پر اتنا اثر ہوتا تھا کہ آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگتے تھے۔ اور میرے مضامین کی تصدیق پر مضطر ہو جاتے تھے۔ اھ۔ سبحان اللہ حضرت والا کو غلبہ حال میں بھی مصلحت عامہ کا کس قدر خیال تھا کہ ایسی حالت میں اپنی زبان ہی روک لی۔ بمصداق شعر حضرت شیفتہؒ

ہم گر شنود چگونہ گویم آغشتہ بخوں فسانہ ہارا

(اگر وہ سنے بھی تو خون میں لتھڑے ہوئے افسانے کیسے سناؤں)

پریشانی کی حکمت

اسی کیفیت کے متعلق ایک اور بھی مہتم بالشان واقعہ ہے جس کو حضرت والا اکثر بیان فرمایا کرتے ہیں چونکہ اس سے بھی اس کیفیت کی جس کو اس وقت بیان کیا جا رہا ہے توضیح و شرح ہوتی ہے۔ اس لیے اس موقع پر اس کو بھی بیان کر دینا مناسب ہے۔ اس واقعہ کو خود

حضرت والا نے اپنے وعظ شکر المثنوی کے اخیر میں یہ تفصیل بیان فرمایا ہے لہٰذا مطبوعہ وعظ مذکور کے صفحات ۲۲ و ۲۳ سے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔

''حق تعالیٰ کی کسی نعمت کے روکنے میں کوئی مصلحت ہوتی ہے خود میرا واقعہ ہے کہ ابتداء میں جبکہ جوش زیادہ تھا ایک مرتبہ خیال ہوا کہ ہم کو طلب بھی ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ حق سبحانہ کو ہماری حالت کا علم ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ ان کو قدرت تامہ بھی حاصل ہے اور کریم رحیم بھی ہیں پھر ان باتوں کے ہوتے ہوئے دیر کیوں ہے اس کا جواب میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ جب بہت پریشانی بڑھی تو خیال ہوا کہ مولانا رومیؒ سے مشورہ لو یہ خیال کر کے مثنوی کھولی تو پہلے صفحہ پر یہ اشعار نکلے جن میں چاروں مقدمے وہ تھے جو میں نے قائم کیے تھے اور پانچواں مقدمہ اور تھا جو کہ میرے ذہن میں نہ تھا جس کے نہ ہونے کے سبب میری سمجھ میں جواب نہ آتا تھا یعنی یہ کہ وہ حکیم بھی ہیں اور اس تاخیر میں حکمت ہے اشعار مذکورہ یہ ہیں۔

چارہ میجوید پے من دردِ تو می شنودم دوش آہِ سردِ تو

(تیرا درد میرے لئے راستہ تلاش کر رہا ہے، کل میں تیری سرد آہ سن رہا تھا)

می توانم ہم کہ بے ایں انتظار رہ نمایم دادہم راہِ گذار

(میں یہ بھی کرسکتا ہوں کہ اس انتظار کے بغیر تجھے راہ دکھاؤں اور راستے سے گذار دوں)

تا ازیں طوفان دوراں وارہی برسرگنجم و صالم پانہی

(تا کہ تو اس زمانہ کے طوفان سے چھٹکارا پائے میرے وصال کے خزانہ پر پاؤں رکھے)

لیک شیرینی ولذات مقر ہست براندازۂ رنج سفر

(لیکن گھر کی لذتیں اور مٹھاس سفر کی تکلیف کے مطابق ہیں)

آنگہ از فرزند خویشاں برخوری کز غریبی رنج و محنتہا بری

(تو اس وقت اپنے بیٹوں سے فائدہ اٹھائے گا جب تو سفر کی تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائے گا)

حاصل اشعار یہ ہے کہ یہ مسلم ہے کہ تمہارا دردِ عشق میرے وصال کی تدبیر کا طالب ہے (اس میں میرا مقدمہ اولیٰ تسلیم کیا ہے) اور میں کل رات تمہاری آہِ سرد کو سنتا بھی تھا۔ (اس میں میرے مقدمہ ثانیہ کو مانا گیا ہے) اور میں یہ بھی کرسکتا ہوں کہ تم کو اپنے وصال کی

طرف رہنمائی کروں اور تمہیں آنے کے لیے راستہ دیدوں تاکہ تم گردش زمانہ کے طوفان سے نجات پاجاؤ۔ اور میرے گنج وصال پر پہنچ جاؤ۔ (اس میں میرے مقدمہ ثالثہ کو تصریحاً اور رابعہ کو اشارۃً تسلیم کیا ہے) (لیکن کسی قدر تاخیر کے بعد کیونکہ قاعدہ ہے کہ گھر کا مزہ اور اس کی لذت اسی قدر حاصل ہوتی ہے جس قدر کہ سفر میں تکلیف اٹھائی ہو اور تم کو اپنے بال بچوں اور عزیز واقارب سے مل کر لطف تام اسی وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب کہ سفر میں بہت کچھ تکلیفیں اور زحمتیں اٹھانی پڑیں۔ اس مضمون میں ایک مقدمہ خامسہ بتلایا ہے اور میرے تمام مقدمات کو تسلیم کر کے اسی مقدمہ خامسہ سے شبہ کا جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم حکیم بھی ہیں اور ہمارے کام مصلحت سے ہوتے ہیں اس توقف میں یہ مصلحت ہے کہ جب تمہیں ہمارا وصال نصیب ہو تو تمہیں اس کی قدر ہو۔''

غلبۂ عبدیت

اسی زمانہ میں جبکہ یہ کیفیت زور پر تھی ایک بار حضرت والا عید کے موقع پر وطن تشریف لائے ہوئے تھے بعد نماز عید حسب عادت اہل قصبہ درگاہ شاہ ولایت صاحب میں بموجودگی مجمع عام بغرض فاتحہ حاضر ہوئے۔ وہاں سب کے سامنے ایک صاحب نے حضرت والا پر اعتراض کیا کہ آپ کو اپنے ماموں پیر جی امداد علی صاحبؒ سے رجوع نہ کرنا چاہیے تھا۔ یہ آپ نے اپنی شان علمی کے خلاف کیا۔ کیونکہ پیر جی صاحبؒ کی حالت بے تکلف شریعت پر منطبق نہیں۔ حضرت والا بجائے اس اعتراض کے جواب دینے اور قیل وقال کرنے کے سارے مجمع کے سامنے معترض کے قدموں پر گر پڑے اور قطع نزاع کے لیے اعتراف قصور کرلیا اور فرمایا کہ ہاں صاحب ہاں میں واقعی سرتاپا قصور وخطا ہوں خدا کے لیے معاف کیجئے۔ قیل وقال نہ کیجئے بس رہنے دیجئے میں خود ہی تسلیم کرتا ہوں کہ میں اس سے بھی زیادہ برا ہوں جتنا آپ مجھے سمجھ رہے ہیں۔ اھ۔ اس واقعہ سے غلبہ عبدیت اور قیل وقال سے نفرت ووحشت کا جو کچھ اثبات ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔

جوش وخروش کے اثرات

اسی زمانہ جوش وخروش میں حضرت والا نے رہنے کا ایک مکان بمقام تھانہ بھون تعمیر

کرایا تو بوجہ اس کے کہ شان ترک بہت بڑھی ہوئی تھی یہ تجویز کیا کہ تعمیر پر لفظ ''خانہ آزاد'' کندہ کرایا جائے لیکن جناب پیر جی صاحبؒ نے اس بناء پر منع فرما دیا کہ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا اس میں ایک نمائش اور شہرت کی سی صورت ہے۔ اھ۔

ان سب واقعات سے بہ آسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ میں حضرت والا پر کس درجہ قوی حال طاری تھا۔ اس موقع پر حضرت والا کا اسی زمانہ کا تصنیف کیا ہوا ایک نہایت پر کیف شعر یاد آیا جو نقل کیا جاتا ہے کیونکہ وہ حضرت والا کی اس وقت کی کیفیت قلبیہ اور جوش طلب کا گویا آئینہ ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

اندریں رہ انچہ می آید بدست   حیرت اندر حیرت اندر حیرت است

(اس راستہ میں جو چیز ہاتھ آتی ہے وہ حیرت ہے، حیرت ہے، حیرت ہے)

اس زمانہ میں اشعار عشقیہ اکثر و بیشتر نہایت مضطربانہ انداز سے ورد زبان رہتے تھے بالخصوص اشعار ذیل میں جو اس کیفیت پر نہایت منطبق اور دال اور بالکل حسب حال تھے۔

(از حضرت حافظ شیرازیؒ)

اے بادشہ خوباں داد از غم تنہائی   دل بے تو بجاں آمد وقت ست کہ باز آئی

(اے وہ کہ تیرا درد ناکامی کے مرض میں میرا علاج ہے اور تنہائی کے کونے میں تیری یاد میری ساتھی ہے)

اے درد توام درماں بر بستر ناکامی   وے یاد توام مونس در گوشہ تنہائی

(از حضرت امیر خسروؒ)

حیراں شدہ ام در آرزویت   اے چشم جہانیاں بسویت

(میں تیری آرزو میں حیران ہوں، اے وہ کہ سارے جہان کی آنکھیں تیری طرف ہیں)

مائیم و تحیر و خموشی   آفاق ہمہ بگفتگویت

(ہم ہیں اور حیرت و خاموشی ہے، اور سارا جہان تیری باتوں میں ہے)

خسرو بکمند تو اسیرت   بیچارہ کجا رود زکویت

(خسرو تیرے جال کا قیدی ہے، بیچارہ تیری گلی چھوڑ کر کہاں جائے)

جیسا کہ پہلے بہ تفصیل بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ اضطراب بہت پُر لطف اضطراب تھا کیونکہ اس کا منشاء حسب ارشاد حضرت والا عجلت میں طلب مع الرجا اور شوق مطلوب مقرون بہ امید کامیابی تھا۔ پریشانی تو تھی لیکن وحشت نہ تھی۔ محبوب پریشانی تھی کیونکہ ذوق وشوق کی پریشانی تھی جس میں اس درجہ لذت تھی کہ حضرت والا فرماتے ہیں یہ جی چاہتا تھا کہ بس سب کی یہی حالت ہو جائے اس سے حضرت والا کی غایت شفقت علی الخلق اور حرص اشاعت طریق (جو لوازم مشیخت سے ہے) ثابت ہوتی ہے ورنہ ناقصین اپنی دولت باطنی میں کب کسی دوسرے کی شرکت گوارا کرتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں عریضہ

غرض جب حضرت والا کی کیفیت شوقیہ حد سے زیادہ بڑھی اور اپنے ماموں پیر جی امداد علی صاحبؒ کی بھی تدابیر سے بجائے افاقہ وتسلی پریشانی واضطراب میں اور اضافہ ہوتا چلا گیا تب تو بہت گھبرائے اور خاص طور سے اپنے اصل دستگیر حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا جس میں پیر جی صاحبؒ سے رجوع کرنے کا بھی حال صاف صاف درج کر دیا کیونکہ بالکل نیک نیتی اور طلب صادق کی بناء پر رجوع کیا تھا بلکہ نہایت سادگی کے ساتھ اپنے لیے پیر جی صاحبؒ کی خدمت میں آتے جانے رہنے کی خود حضرت حاجی صاحبؒ سے بھی اجازت طلب کی کیونکہ حضرت حاجی صاحبؒ سے خط وکتابت کرنے کے لیے بوجہ بعد مکانی بہت طویل مدت درکار ہوتی تھی اور یہاں عجلت طلب اور پے در پے تغیرات احوال کا یہ مقتضاء تھا کہ جلد جلد عرض حال کیا جائے اور جہاں کہیں سے بھی ممکن ہو جلد سے جلد مقصود حاصل کیا جائے۔ پھر خود حضرت حاجی صاحبؒ کا یہ اصولی ملفوظ بھی سنے ہوئے تھے۔ ''فرمایا کہ سب صاحب سن لیں میں اپنا بندہ نہیں بنانا چاہتا۔ خدا کا بندہ بنانا چاہتا ہوں کیونکہ خدا مقصود ہے شیخ مقصود نہیں۔ میرے پاس جو کچھ تھا وہ حاضر کر دیا اگر اس سے زیادہ کی طلب ہو تو میری طرف سے عام اجازت ہے۔ جہاں سے چاہیں مقصود حاصل کریں اور اگر کسی دوسرے شخص سے بیعت کی ضرورت ہو تو بیعت کی بھی اجازت ہے۔ اھ۔

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے اس زمانہ میں بہت ہی زیادہ شوق طلب

عارض تھا اور گو میں نے اپنے ذہن میں یہ طے کر رکھا تھا کہ اخیر میں اپنے حضرات ہی سے بالخصوص ہندوستان میں حضرت مولانا گنگوہی قدس سرۂ العزیز سے رجوع کروں گا لیکن اس احتمال پر کہ شاید کوئی خاص دولت اور جگہ بھی ہو تو لاؤ اسے بھی حاصل کرلیں۔ اور یہ حضرات تو اپنے ہیں ہی ان سے تو آخر میں بہر حال رجوع کرنا ہے ہی اور اگر اپنے حضرات سے پہلے رجوع کرلیا تو پھر کسی دوسرے سے رجوع کرنا باعث بے ادبی ہوگا۔

حضرت حاجی صاحب کا جواب

غرض جب ان پریشان حالات کا خط حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں پہنچا تو شفقت ملاحظہ فرمایئے۔ جواب لانے والے صاحب نے حضرت والا سے واپس آکر بیان کیا کہ جس وقت آپ کا خط پہنچا تو اس کو پڑھ کر حضرت حاجی صاحبؒ گھبرائے ہوئے کبھی گھر کے اندر تشریف لے جاتے کبھی باہر تشریف لاتے اور بار بار فرماتے کہ جوان آدمی ہیں غلبہ ہوگیا ہے تحمل نہیں ہوسکا مگر میں تو اتنی دور ہوں کیا کروں۔ اھ۔ اس پر ان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں جلدی ہی جانے والا ہوں۔ یہ سن کر حضرت حاجی صاحبؒ خوش ہوگئے اور اس خط کا جواب لکھوا کر انہی صاحب کے ہاتھ بھیجا اور زبانی کہلا بھیجا کہ جب تک تمہارا یہ خادم زندہ ہے کیوں کسی دوسرے کی طرف رجوع کرتے ہو۔ حضرت والا نے جب کانپور میں ان کی آمد سنی تو لو دھوپ میں عین دوپہر کو گویا حضرت حافظ علیہ الرحمۃ کے یہ اشعار بزبان حال پڑھتے ہوئے ان کے پاس بیتابانہ پہنچے۔

اے صبا نکہتے از خاک درِ یار بیار ۔۔۔ ببرا ندوہ دل و مژدہ دلدار بیار

(اے صبا محبوب کے دروازے کی خاک کی خوشبو لے آ، دل کا غم لے جا اور محبوب کی خوشخبری لے آ)

نکتہ روح فزا از دہن یار بگوئے ۔۔۔ نامہ خوشخبر از عالم اسرار بیار

(محبوب کے منہ سے روح کو تازہ کرنے والی بات کہلا، اسرار کے عالم سے کوئی اچھی خبر والا خط لے آ)

تا معطر کنم از لطف نسیم تو مشام ۔۔۔ شمۂ از نفحات نفس یار بیار

(تاکہ میں کستوری کی خوشبو سے اپنے جسم کو معطر کروں، محبوب کے سانسوں میں سے ایک ذرہ لے آ)

روزگاریست کہ دل چہرہ مقصود ندید ۔۔۔ ساقیا آں قدحِ آئینہ کردار بیار

(ایک زمانہ گزر گیا ہے کہ دل نے محبوب کا چہرہ نہیں دیکھا، اے ساقی شیشہ جیسا کوئی جام لے آ)

کام جاں تلخ شد از صبر کہ کردم بے دوست　　　　عشوۂ زاں لبِ شیریں شکر بار بیار

(دوست کے بغیر جو میں نے صبر کیا ہے اس سے روح کا معاملہ مشکل ہو گیا ہے محبوب کے شکر بکھیرنے والے میٹھے لبوں سے ایک ناز لے آ)

دل دیوانہ ز زنجیر نمی آید باز　　　　حلقۂ زخم آں طرۂ طرار بیار

(دیوانہ دل زنجیر سے نہیں رکتا، اس محبوب کی تیز زلفوں سے ایک حلقہ لے آ)

یہ اشعار حضرت حاجی صاحبؒ کے اس زبانی پیغام کے مناسب ہیں کہ جب تک تمہارا یہ خادم زندہ ہے کیوں کسی دوسرے کی طرف رجوع کرتے ہو۔ دیگر

اے صبا نکہتے از کوئے فلانے بمن آر　　　　زار و بیمار غمم راحت جانے بمن آر

(اے صبا فلاں کی گلی سے خوشبو لے آ، مجھ بیمار و بدحال کے غم کے لئے روح کی راحت لے آ)

قلب بیحاصل بارا بزن اکسیر مراد　　　　یعنی از خاک در دوست نشانے بمن آر

(میرے ناکام دل کیلئے مقصود کی اکسیر لے آ یعنی محبوب کے در کی مٹی کی نشانی لے آ)

در غریبی و فراق و غم دل پیر شدم　　　　ساغری زکف تازہ جوانے بمن آر

(میں سفر، جدائی اور دل کے غم سے بوڑھا ہو گیا ہوں، میری جوانی سے شراب کا ایک جام لے)

انہوں نے حضرت حاجی صاحبؒ کا کرامت نامہ دیا اور زبانی پیغام بھی نقل کیا اور پھر یہ اشعار صادق آنے لگے۔

بحمد اللہ چہ راحت یافت جانِ بیقرار من　　　　کہ آمد ناگہاں نامہ زسوئے شہر یار من

(الحمد للہ کہ میری بے قرار روح نے کتنی راحت پائی ہے کہ اچانک میرے محبوب کے شہر کی طرف سے خط آیا ہے)

بایں شکرانہ بر دیدہ نہادم پائے قاصد را　　　　کہ از نامہ منور کرد چشم انتظار من

(اس لئے میں نے قاصد کے پاؤں پر شکریہ کی آنکھیں رکھ دیں کہ اس خط نے میری انتظار کی آنکھوں کو روشن کر دیا ہے)

جواب سے پریشانی کا خاتمہ

حضرت والا فرماتے ہیں کہ قبل ظہر انہوں نے حضرت کا مجھے یہ پیغام سنایا تھا بس سنتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ جیسے دہکتے ہوئے تنور پر کسی نے بھری ہوئی مشک چھوڑ دی ہو اور جلتے ہوئے سینہ پر برف کا ٹکڑا رکھ دیا ہو۔ عصر تک نصف سے بھی کم پریشانی رہ گئی اور مغرب تک تو بس بالکل مطلع صاف تھا۔ پریشانی کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ پھر میں نے صبح کو حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا جس کی پیشانی پر حضرت حافظ شیرازیؒ کے یہ اشعار حسب حال لکھے۔

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند	واندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

(کل سحری کے وقت انہوں نے مجھے غصہ سے نجات دی ہے اور رات کے اسی اندھیرے میں مجھے آبِ حیات دیا)

کیمیائیست عجب بندگی پیر مغاں	خاک اوگشتم و چندیں درجاتم دادند

(پیر مغاں کی غلامی عجیب کیمیا ہے، میں اس کی خاک ہوا اور انہوں نے مجھے اتنے درجے دیئے)

اور حضرت مولانا رومیؒ کا یہ شعر بھی لکھا۔

دست پیر از غائباں کوتاہ نیست	دست او جز قبضہ اللہ نیست اھ۔

(پیر کا ہاتھ غیر حاضروں سے دور نہیں ہے اس کا ہاتھ اللہ کے قبضہ کے سوا نہیں ہے)

خواب

اسی زمانہ میں حضرت والا نے حضرت حاجی صاحبؒ کو خواب میں بھی اس طرح دیکھا کہ پیر جیؒ کے متعلق فرما رہے ہیں کہ ان کے پاس نہ بیٹھا کرو خارش ہو جائے گی۔ اھ۔ یہ بھی غیبی دستگیری تھی۔

حضرت حاجی صاحب نے جو مذکورہ بالا پیغام زبانی دیتے وقت حضرت والا کے عریضہ حالات کا جواب باصواب تحریر فرما کر دستی حوالہ فرمایا تھا اس کے بعض خاص خاص فقرات کی نقل بھی حسب وعدہ درج کی جاتی ہے۔ یہ مکتوب مجموعہ مکتوبات امدادیہ کا تیئسواں ۲۳ مکتوب ہے۔

حضرت حاجی صاحب اپنے اس مکتوب بہجت اسلوب میں حضرت والا کو تحریر فرماتے ہیں۔

''بعد دعوات زائد ذوق وشوق مع الجمعیت وانشراح وانبساط خاطر واضح باد۔ خطِ آں عزیز

رسید کیفیت حالات معلوم شد نوشتہ بودند کہ از تدبیر (پیرجی صاحبؒ) قدرے افاقہ دست دادہ است اینچنیں افاقہ ظنی و مستعار است قیام پذیر نیست و برفتن نزد صاحب موصوف اجازت طلبیدہ بودند از طرف فقیر اجازت است امااوراد واشغال مختلف بحالت تلوین ہم زیان است زیر اکہ اثر ہر یک جدا گانہ است۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است بدانکہ باعث تفرقہ وتشویشات خاطر بچند وجہ فرمودہ اند الی قولہ ایں علاج در ضیاء القلوب از صفحہ ۵۴ تا صفحہ ۵۵ مرقوم است بعمل آرند انشاء اللہ تعالیٰ طبیعت صلاح وفلاح پذیر خواہد شد خاطر جمع دارند۔ ثم الی قولہ باقی حالات اینجانب زبانی مولوی عبدالرزاق صاحب معلوم خواہد شد...... فقط ۱۳۱۳ھ غالباً۔

یہ مکتوب راحۃ القلوب بڑے بڑے نادر حقائق طریق ورفع تشاویش خاطر کی بڑی بڑی نافع تدابیر انیق سے مملو تھا۔ لیکن جو اس والا نامہ فیض شمامہ کی روح کی وہ حضرت کاتب یعنی حضرت حاجی صاحب کی قلبی دعا وتوجہ تھی۔ چنانچہ حضرت والا فرماتے ہیں کہ تدابیر مرقومہ مکتوب کے استعمال کی ضرورت ہی واقع نہ ہوئی۔ پیغام زبانی سنتے ہی اور خط پڑھتے ہی تسلی ہوگئی اور (جیسا اوپر بیان کیا گیا) مغرب تک بالکل مطلع صاف تھا۔ پریشانی کا نام ونشان بھی نہ رہا کامل سکون ہوگیا۔ اھ۔ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ مرقومہ بالا بشارت "انشاء اللہ تعالیٰ طبیعت صلاح وفلاح پذیر خواہد شد خاطر جمع دارند" اللہ تعالیٰ نے اتنی جلدی پوری فرمادی کہ برسوں کی پریشانی گھنٹوں میں ختم ہوگئی۔ اور امداد غیبی نے حضرت والا کو گرداب تحیر وتوحش سے نکال کر دفعۃً ساحل سلامت وسکون پر لا کھڑا کیا۔

پیرجی امداد صاحب سے قطع تعلق

اپنے ماموں صاحب سے رجوع کرنے کے متعلق حضرت والا نے جو معذرت نامہ حضرت والا مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں بزبان عربی تحریر فرمایا تھا اس میں اپنی معذوری کی تفصیل بہت مؤثر الفاظ میں درج فرمائی ہے اس کے اس حصہ کا اقتباس جس میں کیفیت اضطرابیہ والتہابیہ کے عارض ہونے کا حال مسطور ہے اپنے موقع پر نقل کیا جا چکا ہے۔ اب یہ موقع اس کے اس حصہ کے اقتباس کو نقل کرنے کا ہے جس میں حضرت والا نے خود اپنے قلم مبارک سے کیفیت

اضطرابیہ مذکورہ کے مبدل بہ سکون ہونے کا تذکرہ ارقام فرمایا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

ثم لما ساعدني الجدبلثم تراب نعلية و حضرت لديه + جددت الارادة ليكون لماعسىٰ ان يكون فات اعاده + فلمار جعت از ددت ظلماء + واكاد احسب السراب ماء + ورايتني لا ازدادالاحيرة ووحشه + وضيقاً و دهشه + كتبت الىٰ حبيب ماوقع من الحال + وناديت بالبلبال

یامرشدی یاموئلي یا مفزعي   یا ملجائي في مبدئي و معادی

ارحم علی ایاغیاث فلیس لي   کھفي سوىٰ حبیکم من زاد

فازالا نام بکم واني هائم   فانظر الی برحمة یا هاد

یاسیدی للّٰه شیئا انه   انتم لي المجدی و انی جدی

فعذرني و نصرني وقال حبا و کرامه + واقامني علیٰ ساحل السلامة + فترنمت شوقاً تمغیت ذوقاً.

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند   واندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

(کل سحری کے وقت مجھے غصہ سے انہوں نے نجات دی، اور اسی رات کے اندھیرے میں مجھے آب حیات دیا)

کیمیائیست عجب بندگی پیر مغاں   خاک او گشتم و چندیں درجاتم دادند

(پیر مغاں کی غلامی عجیب کیمیا ہے، میں اس کی خاک ہوا اور انہوں نے مجھے اتنے درجے دے دیئے)

قدلسعت حیة الھوىٰ کبدي   فلا طبیب لھا ولا راقی

(میرے دل کو محبت کے سانپ نے ڈس لیا ہے، اس کیلئے نہ کوئی معالج ہے اور نہ کوئی دم کرنیوالا)

الاالحبیب الذی شغفت به   فعنده رفیتي وتریاقي

(سنو کہ وہی محبوب جس کی محبت میں یہ مشغول ہے اسی کے پاس میرا دم بھی ہے اور علاج بھی)

غرض بعون اللہ تعالیٰ حضرت والا اپنے مرشد برحق کی دعا و توجہ کی برکت سے اس گھاٹی سے پار ہو گئے اور حسب ارشاد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی وقت سے اپنے ماموں صاحبؒ سے علیحدگی اختیار فرمالی اور گو اس انقطاع تعلق کی پیرجی صاحبؒ کو اطلاع کرنا حضرت والا کو بر بناء غایت ادب و حسن ظن و امکان تاویل گراں تھا اور اس میں بے ادبی محسوس فرماتے

تھے لیکن شریعت کے مقابلہ میں طبیعت کو مردانہ وار مغلوب فرما کر بمقتضائے ضرورت شرعیہ جناب پیر جی صاحبؒ کی خدمت میں نہایت ادب کے ساتھ ایک تبلیغی عریضہ لکھا اور آئندہ تعلق استفاضہ واستفادہ باطنی رکھنے سے بر بناء شریعت مقدسہ صاف عذر فرما دیا۔ نیز بحیثیت مقتدائیت بمصلحت حفظ عوام باوجود قرابت قریبہ خاصہ آمد ورفت بھی ترک فرمادی۔

ترکِ تعلق کے باوجود ادب قائم رکھنا

لیکن ادب ہمیشہ غائبانہ غایت درجہ ملحوظ خاطر رکھا اور اب تک نہایت ادب ومحبت و حسن ظن کے ساتھ جناب پیر جی صاحبؒ کے حالات اور حکمت آمیز کلمات اکثر لطف لے لے کر بیان فرمایا کرتے ہیں اور جناب پیر جی صاحبؒ نے بھی ہمیشہ حضرت والا کے ساتھ حسن ظن اور محبت غائبانہ رکھی یہاں تک کہ ایک موقع پر جب کسی خادم نے حضرت والا کے اس قطع تعلق کی شکایت پیر جی صاحبؒ سے کی تو انہوں نے سختی کے ساتھ روک دیا اور فرمایا کہ میری اور بات ہے میرا تو وہ لڑکا ہے میں تو یہ سمجھتا ہوں جیسے بچپن میں کبھی اس نے مجھ پر پیشاب بھی کر دیا ہوگا اور کبھی میں نے اس کو ایک آدھ طمانچہ بھی مار دیا ہوگا ویسے ہی اب ہوا سہی لیکن کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کو کچھ کہے۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ مجھے خود ماموں صاحب کے ایک مرید نے ان کا خط دکھایا اس میں لکھا تھا کہ بوجہ اختلاف مشرب فلاں شخص (یعنی حضرت والا) کی صحبت میں بیٹھنا تو مناسب نہیں لیکن بے ادبی کبھی نہ کرنا وہ اپنا کار منصبی کر رہا ہے جو شریعت کی رو سے اس پر واجب ہے اھ۔ بمعناہ۔

حضرت پیر جی کی پیشکش کا جواب

علاوہ اس غائبانہ اظہار تعلق ومحبت کے خود حضرت والا کو بعد اس قطع تعلق کے بھی خط میں لکھ کر بھیجا تھا کہ مجھے ایک چیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سینہ بسینہ بطور امانت پہنچی تھی۔ تم جوان صالح تھے اور اس امانت کے اہل تھے میں نے تمہیں وہ امانت دینی چاہی تھی لیکن تم نے لینا ہی نہ چاہا اگر اب بھی لینا چاہو تو میں اب بھی وہ امانت تمہیں دینے کے لیے تیار ہوں۔ اھ۔ حضرت والا نے جواب میں لکھ بھیجا کہ اگر وہ چیز شریعت کے موافق ہے تو میں لینے کے لیے

حاضر ہوں لیکن اگر سر مو بھی شریعت کے خلاف ہے تو مجھے اس سے معاف رکھیں۔

مسئلہ مولود کی تحقیق

غرض حضرت والا نے بضرورت شریعہ جناب پیر جی صاحبؒ سے نہایت ادب اور حسن و خوبی کے ساتھ علیٰحدگی اختیار فرمالی۔ جس سے حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز بھی جن سے اس معاملہ میں خط و کتابت ہو رہی تھی بہت مسرور ہوئے اور بہت تحسین فرمائی اس خط و کتابت کا خلاصہ اوپر گذر چکا ہے جو کہ ایک جزو ہے اس مکاتبت کا اسی کا دوسرا جزو مسئلہ مولود شریف کی تحقیق بھی ہے۔ جس کا خلاصہ خود حضرت والا کے قلم مبارک کا لکھا ہوا یادیاراں تذکرہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مصنفہ حضرت والا سے نقل کیا جاتا ہے وہ اقتباس یہ ہے۔

''میں مدت تک مسائل اختلافیہ میں اہل الحق و اہل البدعۃ کے متعلق باوجود صحت عقیدہ کے (والحمدللہ) ایک غلطی میں مبتلا رہا اور اس غلطی پر بہت سے خیالات اور بہت سے اعمال متفرع رہے۔ یعنی بعض اعمال رسمیہ مثل مجلس متعارف میلاد شریف و امثالہ سے جو محققین بعض مفاسد کی وجہ سے عوام الناس کو مطلقاً اور ان عوام الناس کے ساتھ خواص کو بھی روکتے ہیں ان مفاسد کو تو میں ہمیشہ مذموم اور انکے مباشر کو ہمیشہ ملوم سمجھتا تھا اور یہ صحت عقیدہ کی تھی اور عوام الناس کو ہمیشہ ان مفاسد پر متنبہ اور مطلع کرتا رہتا تھا لیکن یہ بات میرے خیال میں جم رہی تھی کہ علت نہی کی وہ مفاسد ہیں جہاں علت نہ ہوگی معلول بھی نہ ہوگا۔ پس خواص جو کہ ان مفاسد سے مبرا ہیں ان کو روکنے کی ضرورت نہیں اور اسی طرح عوام کو بھی علی الاطلاق روکنے کی حاجت نہیں بلکہ ان کو نفس اعمال کی اجازت دے کر ان کے ان مفاسد کی اصلاح کر دینا چاہیے بلکہ اس اجازت دینے میں یہ ترجیح اور مصلحت سمجھتا تھا کہ اس طریق سے تو عقیدہ کی بھی اصلاح ہو جائے گی جس کا فساد مدار نہی ہے اور بالکل منع کر دینے میں عوام مخالف سمجھیں گے اور عقیدہ کی اصلاح بھی نہ ہوگی۔

ایک مدت اس حالت میں گزر گئی اور باوجود دائمی درس و تدریس فقہ و حدیث وغیرہما کے کبھی ذہن کو اس کے خلاف کی طرف انتقال و التفات نہیں ہوا۔ حضرت قدس سرہٗ العزیز کا

شکریہ کس زبان سے ادا کروں کہ خود ہی غایت رافت و شفقت سے مولوی منور علی صاحب دربھنگوی مرحوم سے اس امر میں میری نسبت تاسف ظاہر فرمایا اور اسی غلطی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ بھی واقع ہوا تھا کہ بعضے درویشوں سے جن کی حالت کا انطباق شریعت پر تکلف سے خالی نہ تھا میں نے بہ خیال خذ ما صفا ودع ما کدر بعض اذکار و اشغال کی تلقین بھی حاصل کرلی تھی اور آمد و رفت و صحبت کا بھی اتفاق ہوتا تھا اور لزوم مفاسد کی نسبت وہی خیال تھا کہ خواص کے عقائد خود درست ہوتے ہیں وہاں مفسدہ لازم نہیں اور عوام کو حق و باطل پر تقریراً متنبہ کرتے رہنا دفع مفسدہ کے لیے کافی ہے۔ سو حضرتؒ نے خصوصیت کے ساتھ اس پر بھی تاسف ظاہر فرمایا اور غایت کرم یہ قابل ملاحظہ ہے کہ جیسا حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غایت کرم و حیا سے بالمشافہ کسی پر عتاب نہ فرماتے تھے اسی طرح حضرت قدس سرہٗ العزیز نے باوجود حاضری کرّۃً بعد مرۃٍ کے بالمشافہ کبھی اس سے تعرض نہیں فرمایا اور اس سے زیادہ لطف و کرم یہ کہ اگر کبھی کسی نے اعتراض کیا تو میرے فعل کی تاویل اور اس کو محمل حسن پر محمول فرمایا اور اسی غلطی کی ایک فرع یہ تھی کہ حضرت پیر و مرشد قبلہ و کعبہ حاجی صاحبؒ نے ایک تقریر درباب ممانعت تنازع و اختلاف مسائل معہودہ میں اجمالاً ارشاد فرمائی اور مجھ کو اس کی تفصیل کا حکم دیا چونکہ میرے ذہن میں وہی خیال جما ہوا تھا اس کی تفصیل بھی اسی کے موافق عنوان سے حیز تحریر میں لایا اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں اس کو سنایا۔

چونکہ حضرتؒ کو بوجہ لزوم خلوت و قلت اختلاط مع العوام و بناء بر غلبہ حسن ظن عوام کی حالت اور جہالت اور ضلالت پر پورا التفات نہ تھا لامحالہ اس مفصل تقریر کو پسند فرمایا اور کہیں کہیں اس میں اصلاح و کمی بیشی بھی فرمائی اور ہر چند کہ وہ عنوان میرا تھا مگر چونکہ اصل معنون حضرتؒ نے از خود ارشاد فرما کر قلمبند کرنیکا حکم دیا تھا لہذا حضرتؒ نے اس تقریر کو اپنی ہی طرف سے لکھوایا اور خود اپنے دستخط و مہر سے مزین فرمایا اور اپنی ہی طرف سے اشاعت کی اجازت دی جو بعنوان ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' شائع کر دیا گیا جس کو بعضے کم سمجھوں نے اپنی بدعات کا مؤید سمجھا وانی لھم ذالک کیونکہ ان مفاسد کا اس میں صراحۃً رد ہے صرف خوش عقیدہ خوش فہم لوگوں کو البتہ رخصت و وسعت اس میں مذکور ہے جس کا مبنیٰ وہی خیال

مذکور ہے کہ عوام کے مفاسد کا خواص پر کیوں اثر پڑے غرض یہ کہ حضرت قدس اللہ سرہٗ نے ان سب کے متعلق مولوی منور علی صاحب سے تذکرہ فرمایا مولوی صاحب نے احقر سے ذکر کیا تو حضرت کے قوت فیضان سے اجمالاً تو مجھ کو فوراً اپنی غلطی پر تنبہ ہو گیا لیکن زیادہ بصیرت کیلئے میں نے اس بارہ میں مکاتبت کی بھی ضرورت سمجھی چنانچہ چند بار جانبین سے تحریرات ہوئیں اور وہ تحریرات سوانح میں چھپ چکی ہیں۔

بالجملہ نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ کو بصیرت و تحقیق کے ساتھ اپنی غلطی پر بفضلہٖ تعالیٰ اطلاع ہو گئی اور اس پر اطلاع ہونے سے ایک باب عظیم علم کا جو کہ مدت تک مغلق تھا مفتوح ہو گیا جس کا ملخص یہ ہے کہ مدار نہی فی الواقع فساد عقیدہ ہی ہے لیکن فساد عقیدہ عام ہے خواہ فاعل اس کا مباشر ہو خواہ اس کا سبب ہو پس فاعل اگر جاہل عامی ہے تو خود اسی کا عقیدہ فاسد ہوگا اور اگر وہ خواص میں سے ہے تو گو وہ خود صحیح العقیدہ ہو مگر اس کے سبب سے دوسرے عوام کا عقیدہ فاسد ہوگا اور فساد کا سبب بننا بھی ممنوع ہے اور گو وہ تقریر سے اس افساد پر تنبیہ عوام کی ممکن ہے مگر کل عوام کی اس سے اصلاح نہیں ہوتی اور نہ سب تک اس کی تقریر پہنچتی ہے پس اگر کسی عامی نے اس خاص کا فاعل ہونا تو سنا اور اصلاح کا مضمون اس تک نہ پہنچا تو یہ شخص اس عامی کے ضلال کا سبب بن گیا اور ظاہر ہے کہ اگر ایک کی ضلالت کا بھی کوئی شخص سبب بن جائے تو برا ہے اور ہر چند کہ بعض مصلحتیں بھی فعل میں ہوں لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل میں مصلحت اور مفسدہ دونوں مجتمع ہوں اور وہ فعل شرعاً مطلوب بالذات نہ ہو وہاں اس فعل ہی کو ترک کر دیا جائے گا پس اس قاعدہ کی بناء پر ان مصلحتوں کی تحصیل کا اہتمام نہ کریں گے بلکہ ان مفاسد سے احتراز کے لیے اس فعل کو ترک کر دیں گے۔ البتہ جو فعل ضروری ہے اور اس میں مفاسد پیش آئیں وہاں اس فعل کو ترک نہ کریں گے بلکہ حتی الامکان ان مفاسد کی اصلاح کی جائے چنانچہ احادیث نبویہ و مسائل فقہیہ سے یہ سب احکام و قواعد ظاہر ہیں ماہر پر مخفی نہیں ان میں سے کسی قدر رسالہ اصلاح الرسوم میں بندہ نے لکھ بھی دیا ہے جب میرے اس خیال کی اصلاح ہو گئی تو اس کے سب فروع و آثار کی اصلاح بفضلہٖ تعالیٰ ہو گئی چنانچہ خلاف شریعت درویشوں کی صحبت و تلقی سے بھی نجات ہوئی اور فیصلہ ہفت مسئلہ کے متعلق بھی ایک ضروری ضمیمہ لکھ کر شائع کر دیا گیا جس سے اس کے متعلق اہل

افراط وتفریط کے سب اوہام کو رفع کر دیا گیا۔ انتہیٰ الاقتباس۔

کیفیات باطنیہ میں مرحلہ وار ترقی

ناظرین کو حضرت والا کے مختلف تغیرات وتقلبات حالات باطنیہ سے جو اب تک معرض بیان میں آئے یہ بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہر تغیر اپنی شان خاص کے اعتبار سے درجہ میں بمقابلہ حال ماسبق کے کہیں زیادہ بلند پایہ تھا۔ جیسا موقع بہ موقع اس کو مبرہن بھی کیا جاتا رہا ہے۔ اس جگہ حضرت والا ہی کا ایک ملفوظ شریف یاد آیا۔ ارشاد فرمایا کہ اس طریق میں ہر کیفیت کیفیت ماسبق سے ارفع ہوتی ہے مثلاً اگر بسط کے بعد قبض لاحق حال ہوا تو یہ قبض اس بسط سے ارفع ہو گا اور اگر اس قبض کے بعد پھر بسط ہو گا تو یہ بسط اس قبض سے بھی نیز پہلے بسط سے بھی ارفع ہو گا۔ وعلی ہذا۔

یہی فرق مراتب حضرت والا کے احوال رفیعہ میں رہا چنانچہ اپنے پیر ومرشد کی خدمت سراپا برکت میں قیام سے قبل اس کیفیت کا ورود ہوا۔ جس کو اصطلاح صوفیہ میں شوق کہتے ہیں خدمت پیرو مرشد میں پہنچ کر وہ شوق مبدل بہ اُنس ہو گیا اور یہ اُنس اس شوق سے ارفع تھا۔ واپسی پر پھر شوق کا ورود ہوا جو اس اُنس اور اس پچھلے شوق سے بھی ارفع تھا۔ اس کے بعد اب پھر بہ توجہات حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شوق مبدل بہ اُنس ہو گیا۔ جیسا ابھی بہ تفصیل بیان کیا جا چکا ہے۔

اُنس مع اللہ

اس اُنس مع اللہ کی شان ساری کیفیات ماسبق سے ارفع واعلیٰ تھی جس کا لازمی اثر بقول مشہور یہ ظہور پذیر ہوا "ہر کہ از حق اُنس گیرد از خلق وحشت گیرد" اور جس کا حسب ارشاد حضرت مولانا رومی یہ نتیجہ ہوا۔

؎ تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند   از ہمہ کار جہاں بیکار ماند

(تاکہ تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ جسے اپنا بناتا ہے وہ جہان کے تمام کاموں سے فارغ ہو جاتا ہے)

چنانچہ رفتہ رفتہ حضرت والا کو تعلقات سے وحشت شروع ہوئی اور گو جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اسی قسم کی وحشت قبل قیام مکہ معظمہ بھی ایک بار لاحق ہوئی تھی لیکن چونکہ وہ زمانہ

تکوین کا تھا اور یہ کیفیت بھی تکوین ہی سے ناشی تھی اور راسخ نہ تھی اور اس لیے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت چاہنے پر اس وقت بھی حضرت والا کو ترک تعلق کی اجازت نہ دی تھی اور اب کی بار کی وحشت عن الخلق تمکین سے ناشی تھی اس لیے راسخ بھی تھی اور بوقت بھی تھی۔ یہ بھلا کیونکر فرو ہوسکتی تھی۔ (اور اس وحشت کے عروض سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے ظہور کا وقت آ گیا جو فرمایا تھا کہ جب کانپور سے دلبرداشتہ ہو تو تھانہ بھون جا بیٹھنا)

کانپور سے علیحدگی کی تمہید

چنانچہ اُنس مع اللہ کے ساتھ وحشت عن الخلق بھی یوماً فیوماً ترقی کرتی چلی گئی یہاں تک کہ حضرت والا کو کانپور جیسے محبوب مقام اور درس و تدریس جیسے دیرینہ دلچسپ شغل سے بھی متوحش کر دیا کیونکہ یہ وہ وقت تھا کہ اب حضرت والا کو ہر طرح کامل و مکمل بنا کر خالص افاضۂ باطنی ہی کے لیے منجانب اللہ وقف فرما دیا گیا تھا۔

غرض وہ کوئی بہت ہی قوی جذبہ غیبی تھا جس نے حضرت والا کو کانپور سے دلبرداشتہ کر دیا۔ حالانکہ حضرت والا کو کانپور اس درجہ محبوب تھا کہ جب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والا کو رخصت کرتے وقت یہ وصیت فرمائی تھی کہ اگر کبھی کانپور کے تعلق سے دلبرداشتہ ہو تو پھر دوسری جگہ تعلق نہ کرنا توکلاً بخدا تھانہ بھون جا کر بیٹھ جانا اس وقت حضرت والا کو تعجب ہوا تھا کہ حضرت یہ کیوں فرما رہے ہیں میرا دل بھلا کانپور سے کیوں دلبرداشتہ ہونے لگا۔ مجھے تو وہاں کے لوگوں کی محبت اور برتاؤ نے اس قدر مانوس کر دیا ہے کہ میں نے کانپور کو ہمیشہ کے لیے اپنا وطن ہی بنا لینا تجویز کر لیا ہے اور دل برداشتگی کی قید کو غنیمت سمجھ کر اپنے دل میں کہا کہ یہ حضرت نے بہت اچھی قید لگا دی نہ میرا دل کبھی کانپور سے برداشتہ ہوگا نہ ترک کانپور کی نوبت آئے گی لیکن

؎ تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں میدہد یزداں مرادِ متقیں

(تو اسی طرح چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کی مراد پوری کرتا ہے)

کا ظہور تو بالضرور ہونا ہی تھا اور اللہ تعالیٰ کو تو اب حضرت والا سے کام ہی اور لینا تھا یعنی حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بہمہ وجوہ قائم مقام اور جانشین خاص بنا کر قدیم

خانقاہ امدادیہ واقع تھانہ بھون کو جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں مشائخ کے طبقہ میں دکان معرفت کے لقب سے یاد کی جاتی تھی از سرنو آباد کرانا اور اس دکان معرفت کو پھر وہی رونق اور گرم بازاری بخشنا اور اس مرکز پر بٹھلا کر علوم و معارف امدادیہ سے اکناف عالم کو بہرہ اندوز فرمانا۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ایسا ہی ہوا اور اب اس خانقاہ پر بحمد اللہ تعالیٰ دکان معرفت کا پرانا لقب پھر بالکل صادق آنے لگا اس مکرر آبادی خانقاہ کی یہی صورت ہوئی جو اس وقت بیان کی جارہی ہے۔

کانپور کے مدرسہ سے بتدریج علیحدگی

غرض ۱۳۱۴ھ کے ختم پر حضرت والا شغل درس و تدریس اور تعلق کانپور کو یک قلم ترک کردینے پر بالکل آمادہ ہو گئے لیکن اہل کانپور سے جن کو حضرت والا کے حسن معاملہ حسن اخلاق حسن تعلیم اور حسن بیان نے انتہا درجہ کا گرویدہ کرلیا تھا پیچھا چھڑانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ حضرت والا ان لوگوں سے بہت ہی حسن تدبیر اور بلیغ اہتمام اخفاء کے ذریعہ عہدہ برآ ہوسکے ورنہ اگر حضرت والا کے قصد کی انہیں پہلے سے ذرا بھی اطلاع ہو جاتی تو ہرگز نہ آنے دیتے۔ سبحان اللہ اپنی خداداد خوش فہمی اور خوش سلیقگی سے ایسا نفیس طریق اختیار فرمایا اور اس خوبی سے مدرسہ کے تعلق ملازمت کو بتدریج ترک فرمایا کہ نہ اس کے کسی انتظامی شعبہ میں مطلق خلل پیش آیا نہ ذرا تعلیمی حرج واقع ہوا جس کا حضرت والا کو سب سے زیادہ تردد تھا اور اس کی بڑی فکر تھی کہ میری علیحدگی سے مدرسہ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔

مدرسہ کی تنخواہ چھوڑ دینا

چنانچہ حضرت والا نے اول تو یہ کیا کہ مدرسہ سے تنخواہ لینی بند کردی۔ لوگوں نے اس کی مخالفت کی کیونکہ انہیں شبہ ہوا کہ جب تنخواہ نہ لیں گے تو مدرسہ سے کہیں تعلق کم نہ کردیں اور حضرت کے نقصان کا بھی خیال تھا مگر چونکہ اتفاقی طور پر اس زمانہ میں مدرسہ کی آمدنی میں قلت ہوگئی تھی حضرت والا نے یہ کہہ کر انہیں مطمئن فرمادیا کہ مدرسہ کی آمدنی کم ہوگئی ہے اور مدرسہ پر سب سے زیادہ مؤنت اور بار میری ہی تنخواہ کا ہے یعنی پچاس روپیہ ماہوار

کا اس لیے فی الحال جب تک مدرسہ کو کافی آمدنی نہ ہونے لگے گی میں اپنی تنخواہ نہ لوں گا۔

مدرسہ کی صدر مدرسی سے علیحدگی

جب اس پر سب کی آمادگی ہوگئی تو پھر حضرت والا نے اسی طرح حسن تدبیر سے اپنے کو صدر مدرسی سے علیحدہ کرنا چاہا۔ اس کی یہ صورت اختیار فرمائی کہ مدرسہ کی روئداد میں جو ماہوار شائع کی جاتی تھی یہ اعلان منجانب مہتمم شائع کیا کہ مدرسین کو بہت دن سے ترقیاں نہیں دی گئیں لہذا مدرس اول یعنی خود حضرت والا کو تو سرپرست مدرسہ بنایا جاتا ہے اور ان کی جگہ موجودہ مدرس دوئم مولوی محمد اسحاق صاحب بردوانی کو مدرس اول مقرر کیا جاتا ہے اور اسی ترتیب سے سب مدرسین کو ترقی دی جاتی ہے اس پر بھی بعضوں کو شبہ ہوا اور اس تجویز کی مخالفت کرنے لگے لیکن حضرت والا نے ان کو بمصلحت اخفاء ڈانٹا کہ آپ لوگ میری ترقی اور میری سرپرستی کو پسند نہیں کرتے اس پر وہ بے چارے خاموش ہو گئے۔

اسباق کا انتظام

اسباق کا یہ انتظام فرمایا کہ قریب الفراغ طلبہ کے اسباق یہ کہہ کر اپنے ذمہ لے لیے کہ ان کے اسباق مختلف اساتذہ کے پاس ہیں اور وہ زیادہ وقت نہیں دے سکتے اور ان کو زیادہ وقت کی ضرورت ہے تاکہ جلدی فارغ ہو سکیں اور میرے پاس وقت زیادہ ہے اس لیے ان کے اسباق مجتمعاً میں اپنے ذمہ رکھتا ہوں۔ اس سے حضرت والا کا مطلب یہ تھا کہ میرے چلے جانے سے کسی طالب علم کا مطلق حرج نہ ہو کیونکہ قریب الفراغ طلبہ کے اسباق سے تو بعد فراغ سبکدوشی ہو جائے گی اور پھر کوئی سبق میرے پاس نہ رہ جائے گا بقیہ طلبہ بدستور دیگر مدرسین سے پڑھتے رہیں گے۔

درس گاہ سے دستبرداری

اب رہا نشست کا انتظام اس کی یہ صورت اختیار فرمائی کہ خود مسجد میں بیٹھ کر درس دینے لگے اور وجہ یہ بیان کی کہ فارغین کی جماعت بڑی ہے ان کے لیے مدرسہ کی درسگاہ تنگ ہے نیز چونکہ میں تنخواہ نہیں لیتا مجھ کو مسجد میں تعلیم دینا جائز ہے۔ لہذا میں تو مسجد میں پڑھاؤں گا اور میری درس گاہ میں مولوی محمد اسحاق صاحب بردوانی مدرس اول ہو کر پڑھائیں گے۔

انتظامی امور سے سبکدوشی

غرض اس لطافت کے ساتھ مولوی محمد اسحاق صاحب کو ہر طرح مدرس اول اور بہمہ وجوہ اپنا قائم مقام بنا کر مدرسہ کو ان کے سپرد کر دیا یہاں تک کہ جو بعض انتظامی امور مدرسہ خاص حضرت والا کے سپرد تھے ان کو بھی کم فرصتی کا عذر ظاہر فرما کر مولوی صاحب ہی کے سپرد فرما دیا لیکن اس قید کے ساتھ کہ آخر میں نام میرا ہی لکھا جائے بقلم اپنے یہ قید اس لیے بڑھا دی کہ لوگوں کو حضرت والا کے قصد قطع تعلق کا شبہ نہ ہو اور پتہ نہ چل جائے چنانچہ مولوی صاحب موصوف اسی طرح نام لکھنے لگے یعنی اشرف علی بقلم محمد اسحاق' اور حضرت والا کے ترک تعلق کے بعد بھی برسوں مولوی محمد اسحاق صاحب جب تک جامع العلوم میں مدرس رہے برابر اسی طرح جملہ کاغذات مدرسہ پر الفاظ اشرف علی بقلم محمد اسحاق لکھتے رہے جس کی برکت سے مدرسہ بفضلہ تعالیٰ حضرت والا کے ترک تعلق کے بعد بھی مدت دراز تک بحسن و خوبی چلتا رہا اور اب تک قائم ہے گو اب اس کا رنگ متغیر ہو گیا ہے۔

وطن روانگی

جب حضرت والا کے طلباء فارغ التحصیل ہو گئے تو حضرت والا کے ذمہ کوئی سبق نہ رہا۔ لہٰذا جیسا کہ سوچا تھا بآسانی یہ عذر پیش کر سکے کہ اتنی بڑی جماعت کو فارغ التحصیل کرنے میں مجھ کو مشقت بہت پڑی ہے جس سے تکان ہو گیا ہے لہٰذا اب مجھے کچھ دن آرام لینے کی ضرورت ہے۔ کوئی پابندی تو رہی نہ تھی کیونکہ تنخواہ لینا بند ہی کر چکے تھے لہٰذا آزادی کے ساتھ رخصت لیکر وطن تشریف لے آئے لیکن کسی کو قطع تعلق کے ارادہ کی مطلق اطلاع نہ ہونے دی ایک شخص نے البتہ تھانہ بھون سے وہاں کے ایک صاحب کو بذریعہ خط اطلاع کر دی تھی کیونکہ حضرت والا نے بعض اہل وطن کو اپنے اس ارادہ سے قبل ترک تعلق ہی مطلع کر دیا تھا لیکن جب ان صاحب نے حضرت والا سے پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے تو حضرت والا نے بغرض اخفاان کو ڈانٹا کہ کیا تم کو یہاں سے میرے چلے جانے کا انتظار ہے۔ مجھے اس کی شکایت ہے کہ تمہارے دل میں یہ خیال ہی کیوں پیدا ہوا اور مجھ سے ایسا سوال اور تذکرہ ہی

کیوں کیا۔ غرض بات وہیں ختم ہوگئی اور اس کا چرچا اوروں میں نہ پھیلنے پایا۔

حضرت والا اسباب بھی اپنے ساتھ نہ لائے تا کہ کسی کو شبہ نہ ہونے پائے لیکن بہت دن پہلے سے اپنے سب اسباب کو باندھنا شروع کر دیا تھا اور جس وقت وہاں سے تشریف لائے ہیں تو گٹھریاں بندھی ہوئی اور سب اسباب ایک جگہ مجتمع کر کے اور مقفل کر کے رکھ آئے تھے تا کہ بعد کو منگوا لینے میں سہولت رہے۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جس وقت کانپور سے ریل چلی ہے اس وقت میری مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی بس ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قید سے رہائی ہوگئی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس وقت حضرت والا گویا حضرت حافظ شیرازیؒ کے یہ اشعار بزبان حال پڑھتے ہوئے اپنے وطن مالوف کو روانہ ہوئے۔

چرا نہ درپئے عزم دیار خود باشم　　　چرا نہ خاک کفِ پائے یار خود باشم

(اپنے شہر جانے کا ارادہ کیوں نہ کروں، اپنے محبوب کے پاؤں کی خاک کیوں بنوں)

غم غریبی و غربت چو بر نمی تابم　　　بشہر خود روم و شہر یار خود باشم

(جب میں غربت اور سفر برداشت نہیں کر سکتا تو اپنے شہر جاؤں اور خود اپنے محبوب کا شہر ہو جاؤں)

ز محرمان سر اپردۂ وصال شوم　　　ز بندگان خداوندگار خود باشم

(وصال کے پردہ کے اندر کے واقف کاروں میں سے ہو جاؤں اور اپنے خدا کے غلاموں میں سے ہو جاؤں)

ہمیشہ پیشۂ من عاشقی و رندی بود　　　دگر بکوشم و مشغول کار خود باشم

(ہمیشہ میرا پیشہ عاشقی اور رندی رہا ہے پھر کوشش کروں اور اپنے کام میں مشغول ہو جاؤں)

کانپور قیام کا عرصہ

۱۳۱۵ھ میں حضرت والا نے کانپور چھوڑا اور بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ مذکور کے ماہ صفر کے آخر میں کانپور سے رخصت ہوئے اور صفر ۱۳۰۱ھ میں کانپور کا تعلق شروع ہوا تھا یعنی اس چودھویں صدی کے جس کے حضرت والا بعض تفاسیر حدیث پر بقرائن قویہ مجدد ہیں۔ بالکل شروع کے پورے چودہ سال حضرت والا نے کانپور میں رہ کر زیادہ تر افاضہ ظاہری میں گزارے اس کے بعد ربیع الاول ۱۳۱۰ھ سے زیادہ تر افاضہ باطنی کا دور شروع ہوتا ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کو اطلاع

جب حضرت والا نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مستقل قیام تھانہ بھون کی اطلاع کی تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بہت اظہار مسرت فرمایا اور پے در پے خطوط میں دعائیں تحریر فرماتے رہے اور نہایت وثوق کے ساتھ یہ تحریر فرماتے رہے کہ بہتر ہوا آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا اور سلسلہ جاری رہے گا۔ اھ۔

مدرسہ کانپور کے امور کی نگرانی

حضرت والا نے وطن پہنچنے کے بعد بھی کئی مہینہ تک اپنے واپس نہ آنے کے قصد سے کانپور والوں کو مطلع نہ کیا۔ اور برابر مدرسہ کے حالات دریافت فرماتے رہے اور مشورے دیتے رہے۔

اہل کانپور کو اطلاع

جب ہر طرح اطمینان ہوگیا کہ مدرسہ کے سب کام اچھی طرح چل رہے ہیں اور کوئی اندیشہ انتظامات مدرسہ میں خلل پڑنے کا نہ رہا اس وقت حضرت والا نے مطلع کر دیا کہ اب میرا ارادہ آنے کا نہیں ہے اور حضرت حافظ شیرازیؒ کا یہ شعر جو بالکل حسب حال تھا لکھ بھیجا۔

از قیل وقال مدرسہ حالے دلم گرفت ۔۔۔ یک چند نیز خدمت معشوق ومی کنم

(مدرسہ کی قیل قال سے میرے دل کا یہ حال ہے کہ کچھ عرصہ مزید معشوق وشراب کی خدمت کروں)

کانپور والوں کا اضطراب وپیشکش

جب کانپور والوں کے پاس حضرت والا کا اس مضمون کا خط پہنچا تو ان کے قلق اور اندوہ کی کوئی انتہا نہ تھی حضرت والا کی واپسی کانپور کی برابر کوشش کرتے رہے۔ بالآخر آپس میں مشورہ کر کے بصد الحاح یہ درخواست پیش کی کہ مدرسہ کا کوئی کام آپ کے ذمہ نہ ہوگا بس کانپور میں صرف قیام رکھا جائے اور ہم لوگ بجائے پچاس روپیہ ماہوار کے سو روپیہ ماہوار کی خدمت ہمیشہ کرتے رہیں گے اس سے اندازہ کرلیا جائے کہ اہل کانپور حضرت والا کے کس درجہ گرویدہ تھے حضرت والا نے خشک جواب دینے کے بجائے لکھ بھیجا کہ میں نے وطن کی سکونت حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (قدس اللہ سرہ العزیز) کے ایماء سے اختیار کی ہے حضرت ہی کو لکھا جائے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں درخواست اور اس کا جواب

چنانچہ ان لوگوں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ قبلہ کی خدمت میں بھی بہت الحاح اور اصرار کے ساتھ التجا کی کہ حضرت والا کو کانپور میں قیام کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی جائے لیکن حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو خود ہی اس صورت کے مدتوں پہلے سے مجوز تھے وہاں سے اس کی اجازت کیونکر مل سکتی تھی اور حضرتؒ حضرت والا کے مستقل قیام تھانہ بھون کو صرف مناسب ہی نہیں بلکہ خلق اللہ کے نفع کے لیے ضروری خیال فرماتے تھے جس کا ضروری ہونا اب تو سب کو مشاہد ہو رہا ہے لیکن اس وقت حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی جیسے صاحب بصیرت اس جزم کے ساتھ یہ رائے قائم فرما سکتے تھے چنانچہ اپنے مکتوب ۴۹ مورخہ ۱۵۔محرم ۱۳۱۵ھ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''فقیر کے نزدیک مستقل قیام آپ کا تھانہ بھون میں ضروری ہے۔ باقی تعطیل وغیرہ کسی فرصت کے وقت یا جس وقت طبیعت کچھ گھبرائے تو کانپور کا بھی دورہ کریں اور ان لوگوں کی خبر گیری کریں اور طالب کے واسطے تو تھانہ بھون کانپور سے کچھ دور نہیں ہے چنانچہ کانپور بھی یہی مضمون جواب میں لکھا گیا ہے۔ اھ۔ (ملاحظہ ہو اقتباس نمبر ۴۴) چنانچہ حسب ارشاد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب وہ لوگ بلاتے حضرت والا ہو آتے اور اکثر بلاتے ہی رہتے اور حضرت بھی نہایت خوشی سے وہاں جایا کرتے کیونکہ ان حضرات کی محبت اور خلوص کی وجہ سے حضرت والا کو بھی وہاں کے لوگوں سے بہت محبت تھی اور اب تک ہے۔ لیکن اب تو مدت سے سفر ہی منقطع ہے۔

حاجی محمد یعقوب صاحبؒ کو صدمہ

جناب حاجی عبدالقیوم صاحب کے والد ماجد جناب حاجی محمد یعقوب صاحب اس وقت کانپور میں نہ تھے جبکہ حضرت والا وہاں سے رخصت ہوئے کیونکہ وہ کلکتہ گئے ہوئے تھے جب واپس آئے اور انہوں نے دیکھا کہ حضرت والا تشریف لے جا چکے ہیں اور اب آنے کا بھی قصد نہیں ہے تو انہیں بے حد صدمہ ہوا اور فرمایا کہ تم لوگوں نے جانے ہی کیوں دیا اگر میں ہوتا تو مدرسہ میں تالا لگا کر کنجی ان کی جیب میں ڈال دیتا اور کہہ دیتا کہ لیجیے مدرسہ کو بھی اپنے ساتھ ہی

لیتے جائیے لوگوں نے کہا کہ انہوں نے اپنے ارادے سے کسی کو مطلع ہی کب ہونے دیا۔ یہاں خبر ہی کس کو تھی کہ واپس نہ آنے کے ارادے سے جا رہے ہیں۔

حضرت والا کی دانشمندی

اس کل واقعہ سے حضرت والا کی کمال دانشمندی وحسن تدبیر وخیال بہبودی مدرسہ ظاہر وباہر ہے ورنہ ایسے موقعوں پر عموماً اپنی ذاتی مصلحتیں ہی مدنظر رکھی جاتی ہیں۔ بالخصوص جب مدرسہ سے کوئی تعلق ہی رکھنا نہ ہو تو پھر مدرسہ کی مصلحتوں کا کون خیال کرتا ہے۔

الا ماشاء اللّٰہ و ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء.

ترک ملازمت کا دور جدید

توکلانہ زندگی:

غرض حضرت والا چودہ برس تک بمقام کانپور درس وتدریس میں مشغول رہنے کے
د وطن واپس آکر حسب ارشاد پیرومرشد ہمہ تن افاضہ ظاہری وباطنی یعنی تصانیف ومواعظ
رشاد وتلقین میں مصروف ہوگئے اور متوکلانہ زندگی بسر فرمانے لگے اور اب تک اسی شغل
ں بدستور مشغول ہیں۔ حفظنا اللہ تعالیٰ بطول بقاءہ

توکل کے متعلق حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب نمبر ۲۹ مورخہ ۱۶
۱۳۱۴ھ (ملاحظہ ہو اقتباس نمبر ۳۵) میں نہایت وثوق کے ساتھ پہلے ہی تحریر فرما دیا تھا کہ
ب تک یہاں (یعنی کانپور) کا تعلق خدا کو منظور ہے رکھئے بعد ازاں پھر تھانہ بھون میں محض
کل بخدا خدا کا نام لیکر بیٹھ جایئے اور کسی نوع کوئی تعلق ظاہری نہ کیجئے وہ خود مسبب
سباب ہے سب کام آپ کے درست کردے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کوئی تردد نہ کرنا پڑے
ا۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ یہی ظہور پذیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت فراخی کے ساتھ فتوحات
ہری بھی عطا فرما رکھی ہیں اور حضرت والا ماشاء اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے شاہانہ زندگی بسر فرما
ہے ہیں حالانکہ ہدایا قبول فرمانے میں بہت ہی تنگی اور احتیاط فرماتے ہیں اور متعدد شرائط
عین مصلحت اور مناسب ہیں مقرر فرما رکھی ہیں۔ ان کے خلاف ہرگز قبول نہیں فرماتے
انچہ بڑی بڑی رقمیں اور قیمتی اشیاء آئے دن واپس ہوتی رہتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ پھر اس
ے بھی زیادہ موافق شرائط کے عطا فرما دیتے ہیں۔ یہ سب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ
یہ کی دعا اور تجویز کی برکت ہے اسی لیے حضرت والا منجملہ آداب توکل کے یہ بھی فرمایا
رتے ہیں کہ بلا شیخ محقق کی رائے کے اسباب کو نہ چھوڑدے۔

راثت کے مال کا واقعہ

جب حضرت والا نے اپنے والد ماجد کے ترکہ میں سے بعض مشتبہ اموال کو نہ لینا چاہا تو حضرت
لانا گنگوہیؒ نے بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اگر لو تو فتوے سے گنجائش ہے اور اگر نہ لو تب بھی اللہ تعالیٰ تم کو

روزی سے کبھی پریشان نہ کریں گے جب اتنی دعائیں شامل حال تھیں پھر کیوں نہ غیبی امداد ہوتی۔

زمانہ طالب علمی کے دو جواب

اس کے متعلق حضرت والا کا طالب علمی کے زمانہ کا ایک خواب یاد آیا۔ دیکھا کہ ایک تالاب جس میں بجائے پانی کے چاندی فوارے کی طرح ابل رہی ہے۔ میرے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تعبیر دی تھی کہ انشاء اللہ تعالیٰ دنیا تمہارے پیچھے پیچھے پھرے گی اور تم اس کی طرف رخ بھی نہ کرو گے چنانچہ الحمدللہ یہی ہو رہا ہے۔ بفحوائے اتته الدنیا وھی راعمة یہ تو مال کے متعلق خواب تھا ایک خواب میں جاہ کی بھی بشارت عطا فرمائی گئی تھی وہ خواب خود حضرت والا کے قلم مبارک کی لکھی ہوئی عبارت میں ''اصدق الرؤ یافی تشریف بعض الاشراف بالبشریٰ'' سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

''ایک مردانہ مکان ہے جیسا حضرت استاذی مولانا محمود حسن صاحبؒ کا ہے اس کے چبوترہ پر ایک بزرگ بہت لطیف اور نازک بہت سفید کپڑے پہنے ہوئے ایک مکلف چارپائی اور مکلف بستر پر تشریف رکھتے ہیں انہوں نے مجھ کو ایک پرچہ لکھ کر اور مہر لگا کر دیا یہ مہر پرچہ کی تمام جوانب میں جابجا لگی ہوئی تھی میں نے اس کو پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ ہم نے تم کو عزت دی اور مہر میں تھا۔ ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲) پھر اسی خواب میں ایک دنیا دار کے مردانہ مکان میں ایک دنیوی حاکم کو میز کرسی لگائے دیکھا اس نے بھی ایک پرچہ پر اسی طرح لکھ کر اور مہر کر کے دیا اس میں بھی یہی مضمون تھا ''ہم نے تم کو عزت دی' مگر مہر کے حروف پڑھے نہ جاتے تھے''۔

یہ دونوں خواب بفضلہ تعالیٰ ہو بہو صادق آئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو دین دنیا دونوں کی ایسی عزت عطا فرمائی کہ فی زمانا بے نظیر ہے جیسا کہ آج عالم آشکارا ہے۔ بڑے بڑے اہل دولت اور ملک التجار ذی وجاہت و ذی اقتدار نوابان و رؤساء و عہدہ داران بلکہ بعض والیان ملک تک حضرت والا کی جانب نہایت نیاز مندی کے ساتھ رجوع ہوئے اور ہوتے

رہتے ہیں اور حضرت والا نہایت استغناء مگر تہذیب کے ساتھ اور ان کے مرتبہ کے موافق ان سے برتاؤ فرماتے ہیں۔ گو یہ امر مدار قبولیت عنداللہ ہرگز نہیں لیکن اکثر عادت اللہ یہی رہی ہے کہ ایسے حضرات کی جانب جن سے عام خدمت دینی لینی ہوتی ہے اور جن کو مرکز رشد و ہدایت بنانا ہوتا ہے ہر طبقہ کے ذی وجاہت افراد کو بھی مائل کرا دیا جاتا ہے تاکہ نفع عام ہو۔

مقروض ہو جانے پر مشائخ سے دعا کی درخواست

حضرت والا توکل کے اندر جو حضرت حاجی صاحبؒ کی تکمیل ارشاد میں اختیار کیا گیا تھا اس قدر مستقل تھے کہ شروع شروع میں کسی قدر قرض ہو گیا تو حضرت والا نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں دعا کے لیے عرض کیا اور غالباً حضرت حاجی صاحبؒ کو بھی تحریر کیا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنے مکتوب ۲۷ مورخہ ۶ رجب ۱۳۱۵ھ میں تحریر فرمایا کہ آپ کی استقامت اور توکل میں کامیابی کی دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ظاہری اور باطنی فیض کو روز افزوں ترقی عطا فرمائے اھ۔ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ نے حضرت والا سے پوچھا کہ کہو تو مدرسہ دیوبند میں تمہارے لیے مدرسی کی تحریک کروں۔ حضرت والا نے غایت ادب سے عرض کیا کہ میرا تو اس وقت عرض کرنے کا مقصود صرف دعا ہے باقی حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعد ترک تعلق کانپور کسی اور جگہ کوئی تعلق کرنے کی ممانعت فرما دی ہے لیکن اگر حضرت کی یہی تجویز ہے تو میں اس کو بھی حضرت حاجی صاحبؒ ہی کی تجویز سمجھوں گا اور یہ سمجھوں گا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی نے اپنی پچھلی تجویز کو منسوخ فرما کر اب یہ صورت تجویز فرما دی ہے۔ کیونکہ تجویز مؤخر ناسخ ہوتی ہے۔ تجویز مقدم کی۔

یہ سن کر حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فوراً گھبرائے ہوئے سے لہجہ میں فرمایا کہ نہیں نہیں اگر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ممانعت ہے تو اس میں ہرگز اس کے خلاف مشورہ نہیں دیتا میں دعا کروں گا کہ اگر اللہ تعالیٰ قرض سے سبکدوش فرمائے۔

قرضہ سے سبکدوشی اور اطمینان

چنانچہ دونوں حضرات کی دعا کی برکت سے قرضہ سے جلد ہی سبکدوشی ہو گئی اور

پھر بفضلہٖ تعالیٰ کبھی تنگی واقع نہیں ہوئی۔ حضرت والا نہایت اطمینان اور سکون قلبی کے ساتھ خلق اللہ کی خدمت دینی میں مشغول رہے۔ بالخصوص تصانیف مفیدہ اور مواعظ نافعہ میں۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ حضرت والا کی خدمات دینی کے حالات سن سن کر نہایت مسرور ہوتے تھے۔ ایک بار حضرت والا سے اظہار مسرت فرما کر آخر میں فرمایا کہ بھائی میرا جی تو جب خوش ہوگا جب تمہارے پاس کچھ اللہ اللہ کرنے والے بھی جمع ہو جائیں گے۔ حضرت والا نے عرض کیا کہ آپ کی دعا سے انشاء اللہ یہ بھی ہو جائے گا۔ چنانچہ بحمد اللہ حضرت مولانا کی یہ آرزو جلد ہی پوری ہوگئی اور طالبین حضرت والا کی طرف کثرت سے رجوع کرنے لگے۔ اور اللہ اللہ کرنے والوں کا ایک مجمع کا مجمع خانقاہ میں رہنے لگا اور بفضلہٖ تعالیٰ اب تک یہ سلسلہ روزافزوں ہے۔ اللھم زد فزد۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ بھی کبھی کبھی اپنے پاس آنے والے طالبین کو حضرت والا کے پاس بھیج دیا کرتے تھے بلکہ یہ سلسلہ وقت قیام کانپور ہی سے جاری تھا۔

مستقل قیام تھانہ بھون کے بعد بعض حالات باطنیہ

۱۳۱۴ھ تک کے باطنی حالات اور تغیرات وتقلبات سلوک جو حضرت والا کو مختلف اوقات میں واقع ہوتے رہے بہ تفصیل بیان کیے جاچکے ہیں اب جو نیا دور ۱۳۱۵ھ سے شروع ہوا اس کے یعنی مستقل قیام تھانہ بھون کے بعد کے حالات معرض تحریر میں لائے جاتے ہیں جو قدرتی طور پر بہت ہی خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ اب تو حضرت والا سارے تعلقات کو چھوڑ کر طے منازل سلوک ہی کے لیے اپنے کو بالکل فارغ اور اسی کام کے واسطے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لیے ہمہ تن وقف کر چکے تھے اور خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں اسی غرض سے آکر مستقلاً قیام پذیر ہوگئے تھے۔ یہاں کی ترقیات باطنیہ کا کیا ٹھکانا ہے۔ اُنس مع اللہ کا اس قدر غلبہ ہوا کہ ملنے جلنے والوں سے سخت وحشت ہونے لگی لیکن بے مروتی کو بھی دل گوارا نہ کرتا تھا۔ مجبور ہو کر یہ ارادہ کیا کہ لوگوں سے علیحدہ ہو کر آبادی سے باہر سکونت اختیار کی جائے لیکن حضرت والا نے باوجود تقاضائے شدید بلا استشارہ

بزرگاں بطور خود ایسا کرنا ہرگز مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ مولانا گنگوہیؒ سے لوگوں کے ہجوم کی شکایت کر کے آبادی سے باہر رہنے کی اجازت طلب کی۔ مولانا نے اس کی اجازت نہ دی۔ فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کا یہ طریق نہیں رہا۔ ایسا کرنا مناسب نہیں۔ البتہ اگر لوگوں سے ملنے جلنے کو جی نہیں چاہتا اور حرج اوقات ہوتا ہے تو سب کو جھاڑ دو مارو کسی کی پروا نہ کرو جب اپنے کو تنگی ہو تو پھر کس کی مروت کس کا لحاظ اس ارشاد پر ایک شعر یاد آیا۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد — فدائے یک تن بیگانہ کا آشنا باشد

(وہ ہزاروں اپنے جو خدا سے بیگانے ہوں اس ایک پر قربان جو اللہ تعالیٰ کا دوست ہو)

چنانچہ پھر حضرت والا نے ایسا ہی کیا بقول حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ۔

باتو پیوستم وازغیر تو دل ببریدام — آشنائے تو ندارد سر بہ بیگانہ وخویش

(تیرے ساتھ وابستہ ہوا ہوں اور تیرے غیر سے دل کو کاٹ لیا ہے) جو تیرا واقف ہو وہ کسی اپنے پرائے کا خیال نہیں رکھتا)

اور زیادہ تر وقت خلوت ہی میں اور اپنے محبوب حقیقی سے راز و نیاز ہی میں گزارنے لگے بقول حضرت آشفتہؒ۔

چہ خوشست بتو بزمے بہ نہفتہ ساز کردن — درخانہ بند کردن سر شیشہ باز کردن

(تیرے ساتھ مجلس کتنی اچھی ہے، چھپ چھپ کر باتیں کرنا، گھر کا دروازہ بند کرنا اور بوتل کا منہ کھول لینا)

اور بقول حضرت حافظؒ۔

ذکر رخ و زلف تودلم را — وردیست کہ صبح و شام دارد

(تیرے چہرے اور زلف کا ذکر میرے دل کے لئے صبح شام کا وظیفہ ہے)

تمہید مضمون قبض وہیبت معنون بہ الغیبہ فی الہیبہ

(جو عنقریب آنیوالا ہے)

غرض بعد ترک تعلق مدرسی حضرت والا کانپور سے اپنے وطن مالوف تھانہ بھون میں آ کر اور مقیم خانقاہ امدادیہ ہو کر ہمہ تن مشغول بحق ہو گئے۔ مجموائے۔

بہ سودائے جاناں زجاں مشتغل   بہ ذکر حبیب از جہاں مشتغل

(محبوب کے عشق میں اپنی جان سے بے پرواہ، محبوب کے ذکر میں پورے
جہاں سے بے پرواہ)

اور ایک عرصہ تک گویا حضرت حافظ شیرازیؒ کے ان اشعار کے مصداق اور مخاطب رہے۔

ایکہ در کوئے خرابات مقامے داری   جم وقت خودی ار دست بجامے داری

(اے وہ جو مے خانہ کی گلی میں اپنی جگہ رکھتا ہے اگرچہ تو اپنے ہاتھ اپنے
کپڑوں میں چھپائے بیٹھا ہے پھر بھی تو اپنے وقت کا جمشید ہے)

ایکہ بازلف ورخ یار گزاری شب وروز   فرصتت باد کہ خوش صبح وشامے داری

(اے وہ کہ جو دن رات محبوب کی زلف اور چہرے کیساتھ گزارتا ہے
، تجھے موقعہ ہے کہ تو اچھے صبح شام والا ہے)

اور برابر نہایت سکون اور انشراح وانبساط کے ساتھ اُنس مع اللہ کے درجات عالیہ طے فرماتے رہے لیکن بھلا عشق ومحبت کے کوچہ میں عافیت دائمی کہاں عشق تو گویا جنم روگ ہے عاشق کو تو مرتے دم تک بھی چین نصیب نہیں کیونکہ اکثر احوال میں نزول بلا عادتاً لوازم سلوک سے ہے۔ بمجوائے آیات واحادیث واقوال[1] عارفین وعشاق جن میں سے بعض بطور نمونہ مضمون آئندہ معنون بہ الغیبہ فی الہیبہ کی ذیلی سرخی ''بیان واقعات غلبہ قبض وہیبت'' کے بالکل ختم پر جہاں عنوان ''عود الی السابق'' ہے وہاں سے چند سطور کے بعد مذکور ہیں۔

سالک کے حالات میں تبدیلی

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ چونکہ حسب سنت غالبہ الٰہیہ سالک کی ترقی کا ایک اقرب طریق یہ بھی ہے کہ اس کو ایک حال پر نہ رکھا جائے لہذا اکثر وبیشتر سالکین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی

---

[1] چونکہ اس قسم کی کیفیات میں کلام عارفین کا مطالعہ بہت نافع ہوتا ہے اور وہ اکثر نظم کی صورت میں پایا جاتا ہے اس لئے سوانح ہذا کے خاص اس جزو میں جابجا حسب ضرورت ومصلحت ایسے اشعار کافی مقدار میں نقل کر دیئے گئے ہیں تاکہ مختلف المذاق طالبین اپنے مذاق کے مناسب کلاً یا بعضاً ان کے تکرار واستحضار سے فائدہ اٹھا سکیں خود یہ اشعار مقصود بالذات نہیں (۱۲ منہ)

معاملہ رہتا ہے کہ قبض و بسط یا خوف و رجا یا ہیبت و انس یا عروج و نزول یا بطور حاصل یوں کہئے کہ نشیب و فراز طریق حسب خصوصیات استعداد سالک مختلف منازل پر مختلف ازمنہ میں مختلف الوان سے کم و بیش عمر بھر پیش آتے رہتے ہیں۔ اسی فصل و وصل کو کسی نے اس عنوان سے بیان کیا ہے۔

رباعی

خواندی مارا و بازراندی مارا راندی مارا و باز خواندی مارا

(تو نے ہمیں بلایا پھر ہمیں دھتکار دیا، تو نے ہمیں دھتکارا پھر بلا لیا)

در[1] شہر خرابہ و بدشت و گلزار اے عشق کجا کجا رساندی مارا

(شہر میں ویرانی اور جنگل میں پھول ہی پھول اے عشق تو نے ہمیں کہاں کہاں پہنچایا ہے)

غرض سالک کے حالات میں برابر تغیرت و تقلبات لگے رہتے ہیں اور اس کے قلب پر جو کہ جلوہ گاہ محبوب حقیقی ہے کبھی تجلی جمال اور کبھی تجلی جلال کا ورود ہوتا رہتا ہے جو حقیقتاً ایک ہی نور کی شعاعیں ہوتی ہیں جس کو حضرت حافظؒ نے اس عنوان سے بیان فرمایا ہے۔

ایں ہمہ عکس مئے و نقش مخالف کہ نمود یک فروغ رخ ساقیست کہ در جام افتاد

(یہ شراب کا عکس اور مخالف صورت جو نظر آئی ہے یہ ساقی کے چہرہ کا ایک جلوہ ہے جو جام میں پڑا ہے)

اور ہر چہ آں خسرو کند شیریں بود۔ کے مصداق کیونکہ محبوب کی تو ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔ حسب ارشاد حضرت حافظ شیرازیؒ ۔

اے ہمہ شکل تو مطبوع و ہمہ جائے تو خوش دلم از عشوۂ شیرین شکر خائے تو خوش

(اے کہ وہ تیری ہر شکل خوبصورت اور تیری ہر جگہ اچھی ہے، میرا دل تیرے منہ کی شکر کے ایک ذرہ پر خوش ہے)

ہمچو گلبرگ تری ہست وجود تو لطیف ہمچو سرو چمنی ہست سراپائے تو خوش

(تیرا وجود پھولوں کے پتوں کی طرح نازک ہے، باغ کے سرو کی طرح تیرا سراپا خوبصورت ہے)

---

[1] یہ مصرعہ بدلا ہوا ہے۔ (۱۲ منہ)

ہم گلستان خیالم زتو پر نقش و نگار
ہم مشام دلم از زلف سمنسائے تو خوش
(میرے خیالوں کا گلستان تیری وجہ سے پھول اور پودوں سے بھرا ہوا ہے اور میرے دل کے مسام تیری حسین زلفوں کے سبب خوش ہیں)

شیوۂ ناز تو شیرین خط و خال تو ملیح
چشم و ابروئے تو زیبا قد بالائے تو خوش
(تیرے ناز کا انداز میٹھا اور تیرے نقش نین نمکین ہیں، تیری آنکھیں اور ابر خوبصورت اور تیرا قد حسین ہے)

پیش چشم تو بمیرم کہ بداں بیماری
میکند درد مرا از رخ زیبائے تو خوش
(میں تیری آنکھ کے سامنے مرتا ہوں کیونکہ تیرا حسین چہرہ دیکھ کر میری وہی بیماری دور کرتی ہے)

در بیابان فنا گرچہ ز ہر سو خطر ست
میرود حافظ بیدل بہ تولائے تو خوش
(فنا کے جنگل میں ہر طرف خطرہ ہے مگر تیری دوستی میں خوش ہو کر یہ کمزور چلا چلا جاتا ہے)

اسی غالب صفت الٰہیہ کے موافق حضرت والا کو بھی ترک تعلقات اور قیام وطن کے تقریباً ایک سال بعد دوران سلوک میں بہ سلسلہ ترقیات باطنیہ ایک نہایت ہیبت ناک اور دشوار گزار گھاٹی پیش آئی یعنی قلب پر دفعتہً ایک ایسی سخت کیفیت کا ورود ہوا جس نے آنِ واحد میں اس سارے انشراح وسکون باطنی کو جو ایک عرصہ سے حاصل تھا یک قلم غارت کر دیا اور حضرت والا ایک شدید ترین قسم کے غم واندوہ میں مبتلا ہو گئے اور بزبان حال بلکہ حضرت والا تو خیال ہے کہ غالباً بزبان قال بھی بار بار بیتابانہ یہ شعر پڑھتے تھے۔

درون سینہ من زخم بے نشاں زدہ
بہ حیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدہ
(تو نے میرے سینہ میں بے نشان زخم کر دیا ہے، حیران ہوں کہ تو نے کمان کے بغیر عجیب تیر مارا ہے)

چونکہ حضرت والا کی یہ حالت باطنی بہت ہی مہتم بالشان اور گویا سلوک کی آخری گھاٹی تھی اس لیے بغرض امتیاز اس کی تفصیل لکھنے کے قبل اس کا ایک عنوان بھی تجویز کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جیسا اس سے قبل بھی ایک مضمون خاص کا ''السوق من الشوق'' عنوان تجویز کیا جا چکا ہے وہ عنوان یہ ہے۔

الغیبہ فی الہیبہ

اس داستان غم کو شروع کرنے کے قبل خود صاحب واقعہ یعنی حضرت والا کا ایک نہایت برمحل شعر زیب عنوان کرتا ہوں وہ شعر یہ ہے۔

نوش مادیدی بہ بیں ہم نیش ما　　　عیش مادیدی بہ بیں ہم ریش ما

(تونے ہمارا پینا دیکھا ہے ہمارا ڈسنا بھی دیکھ ہمارا عیش دیکھا ہے تو ہمارا زخم بھی دیکھ)

اس کے بعد بنام خدا اس کی تفصیل بیان کرتا ہوں۔

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان موج افزا　　　دل افگندیم بسم اللہ مجریہا ومرسٰہا

(ہم نے اس بے انتہا، دریا اور موجیں مارتے طوفان میں دل ڈال دیا ہے۔ بسم اللہ مجریھا ومرسھا)

اس دردناک افسانہ کی ابتداء ایک ناگہانی قتل کے خونیں حادثہ جانکاہ سے ہوتی ہے جس پر گویا یہ شعر صادق آتا ہے۔

نمیدانم حدیث نامہ چوں است　　　ہمی بینم کہ عنوانش بخون ست

(میں نہیں جانتا کہ خط میں کیابات ہے اتنا دیکھ رہا ہوں کہ اس کا پتہ خون سے لکھا ہوا ہے)

ابتدائے غم

واقعات کی تفصیل یہ ہے کہ مکرمہ و معظمہ جناب بڑی پیرانی صاحبہ مدظلہا کے خالو صاحب کو جو چرتھاول کے زمیندار اور پنشنر سب انسپکٹر تھے ایک مقدمہ کے سلسلہ میں دشمن کاشتکاروں نے شہید کر دیا۔ اس حادثہ عظیم کی خبر پاتے ہی جناب بڑی پیرانی صاحبہ مدظلہا حضرت والا کو لیکر فوراً چرتھاول پہنچیں اور حضرت والا کے اہتمام اور نگرانی میں تجہیز و تکفین ہوئی۔ غسل میت بھی حضرت والا ہی کے مواجہہ میں ہوا۔ دوران غسل میں مرحوم مظلوم کا زخم رسیدہ سر اور ان کی نعش کا حسرتناک منظر برابر حضرت والا کے پیش نظر رہا اور حضرت والا کے نازک اور پرسوز و گداز قلب مبارک کو دزدیدہ طور پر سخت زخمی اور متاثر کرتا رہا لیکن بظاہر اس وقت حضرت والا کو کوئی خاص اثر محسوس نہ ہوا اور نہایت سکون کے ساتھ تجہیز و تکفین کے اہتمام میں مشغول رہے مگر جب دفن سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے آئے اور آ کر دہلیز

میں بیٹھے تو گھر کے اندر سے مستورات کے رونے کی آواز آئی قلب تو زخمی ہو ہی چکا تھا بس سنتے ہی اس پر ایک ایسی کاری چوٹ لگی کہ بے چین ہو گئے اور سخت اضمحلال قلبی عارض ہو گیا یہاں تک کہ اختلاج کی سی کیفیت محسوس ہونے لگی۔

ابھی ایک تاثر سے قلب سبکدوش نہ ہونے پایا تھا کہ دو تین ہی دن بعد سسرال میں ایک اور غمی ہو گئی جس کے سلسلہ میں گنگوہ جانا ہوا۔ اس واقعہ سے صدمہ زدہ قلب کو ایک اور صدمہ پہنچا اور چوٹ کھائے ہوئے دل پر ایک اور چوٹ لگی۔ گو اپنی حقیقت میں تو یہ دوسرا حادثہ پہلے حادثہ کے برابر سخت نہ تھا لیکن وہ پچھلے تاثر کے بڑھا دینے میں معین ہو گیا۔

زندگی سے بیزاری

اسی حال میں کہ قلب سخت ماؤف و متاثر ہو رہا تھا پچھلی رات کو تہجد کے لیے وضو کرتے ہوئے یک بیک بلا اختیار ایک خطرہ منکرہ کا ورود ہوا جس کا حاصل چند الفاظ تھے جو دفعۃً متخیلہ میں واقع ہو گئے گو یہ کوئی نئی بات نہ تھی کیونکہ اس قسم کے خطرات سالکین کو پیش آتے ہی رہتے ہیں بلکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی خطرات سے خالی نہ تھے جیسا کہ حدیث ذاک صریح الایمان سے ثابت ہے اور خود حضرت والا کو بھی اس سے قبل بھی اور بعد بھی اس قسم کے خطرات آئے ہوں گے لیکن اس مرتبہ اس درجہ شدید اور مدید اثر ہوا کہ حضرت والا اپنی زندگی ہی سے بیزار ہو گئے۔ بمصداق

ذوقے چناں ندارد بے دوست زندگانی　　　بے دوست زندگانی ذوقے چناں ندارد

(بغیر دوست کے زندگی وہ مزہ نہیں رکھتی، وہ مزہ نہیں ہے بغیر دوست کی زندگی میں)

یہاں تک کہ خودکشی تک کے وسوسے آنے لگے چنانچہ خود فرماتے تھے کہ ایک بار ایک صاحب ملنے آئے ان کے پاس اس وقت بھری ہوئی بندوق موجود تھی۔ بار بار میرے جی میں آتا تھا کہ ان سے کہہ دوں کہ خدا کے لیے فیر کر کے میرے ناپاک وجود سے اس دنیا کو پاک کر دو کیونکہ میں اس حالت کو بعد اور اس بعد کے وہم سے اپنے آپ کو فرعون اور ہامان سے بھی بدتر باوجود اپنے کو مومن اور ان کو کافر سمجھنے کے سمجھتا تھا اور چونکہ یہ ذوقیات ہیں اس

لیے تقریب فہم کے لیے بس اس سے زیادہ شرح نہیں کرسکتا کہ یوں سمجھتا تھا کہ جس بلا میں وہ لوگ مبتلا تھے اس سے تو ان کو ایمان لا کر ایک منٹ میں چھٹکارا ہو سکتا تھا اور میں جس بلا میں مبتلا ہوں اس سے سالہا سال میں بھی خلاصی ممکن نہیں۔ اھ۔

فائدہ از حضرات والا

اس حالت کے انکار و استبعاد عقلی کو ان دلائل نقلی سے دفع کرنا سہولت سے ممکن ہے۔

فی رسالة القشیر یه عن حمد ون (المتوفی ۲۷۱ھ) قال من ظن ان نفسه خیر من نفس فرعون فقد اظهر الکبر اور اس سے بھی اقوی مگر قدرے محتاط تقریر حضرت اسامہ صحابیؓ کا یہ قول ہے کہ حتیٰ تمنیت الیٰ اسلمت یومئذ رواه مسلم فی باب تحریم قتل الکافر بعد قوله لا اله الا الله من کتاب الایمان جو ایک جہاد میں ان سے غلطی ہو جانے پر انہوں نے فرمایا تھا جس کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں کہ معناه لم یکن تقدم اسلامی بل ابتدأت الآن الاسلام لمحوعنی ماتقدم وقال هذا الکلام من عظم ماوقع فیه. اھ. وجه الدلالة ظاهر حیث رجح بعض الاحوال المذمومة علی بعض الاحوال المحمودة لکون الاول اقرب الیٰ دفع الضرر من الثانی لعارض مع ان حقیقة الامر عکسه فی نفسه) اور حضرت والا نے اس حالت کی شدت کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ بڑی مصیبت یہ تھی کہ اگر ذکر کرنے بیٹھتا جو کہ قرب کی حالت تھی تو ساتھ کے ساتھ وہ خطرہ منکرہ بھی عود کرتا اور اگر عود خطرہ سے بچنے کی غرض سے ذکر کو منقطع کرنا چاہتا جو کہ بُعد تھا تو اس کو بھی کسی طرح دل گوارا نہ کرتا گویا یہ حالت تھی۔

من شمع جانگدازم تو صبح دلکشائی　　سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی

(میں جان کو پگھلانے والی شمع ہوں تو دل کو فرحت بخشنے والی صبح ہے اگر تجھے نہ دیکھوں تو جلتا ہوں جب تو دیدار کراتا ہے تو مرتا ہوں)

نزدیک آنچنانم دور آنچناں کہ گفتم　　نے تاب وصل دارم نے طاقت جدائی

(نزدیک اتنا ہوں اور دور اتنا کہ جتنا میں نے کہا ہے۔ نہ وصل کی ہمت رکھتا ہوں نہ جدائی کی طاقت)

غرض سخت کشمکش میں مبتلا تھا اور ایسی شدید حالت تھی کہ باوجود صحت بدنی کے موت کو حیات پر ہزارہا درجہ ترجیح دیتا تھا۔ اھ۔

اشتدادِ خطرہ کے اسباب

حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ اس خطرہ منکرہ کے اس درجہ مؤثر ہو جانے کے تین سبب تھے اول تو یہ ہے کہ پے در پے صدمات نے (جن کا ذکر ابھی کیا گیا) قلب کو پہلے ہی سے چوٹل اور گداز کر رکھا تھا جس کی وجہ سے اس میں اتاثر و انفعال کی کیفیت اور قبول خطرہ کی استعداد بدرجہ اتم پیدا ہو گئی تھی پھر جب اس خطرہ منکرہ کا وقوع ہوا تو قلب بوجہ غایت ضعف و اضمحلال نہ اس کی مدافعت کر سکا نہ مقاومت لہذا وہ دلنشین ہو کر رہ گیا۔ دوسرا سبب یہ ہوا کہ میں نے بعد ترک تعلق کانپور ترک اشغال مباحہ میں بہت زیادہ مبالغہ کیا تھا اور تعلقات سے اپنے قلب کو بالکل یکسو اور فارغ کر لیا تھا حالانکہ بعد میں تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ اتنا مبالغہ مضر ہوتا ہے کیونکہ ادھر تو قلب کو خالی کر لیا گیا اور ادھر چونکہ عالم غیب کوئی مشاہد چیز نہیں دوسری شے اس میں اس وقت اور تمکن کے ساتھ بھری نہ جا سکی لہذا اس خلوے قلب کی حالت میں شیطان کو وساوس ڈالنے کا بسہولت موقع مل گیا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر تیار کیا گیا تو اس کو ابلیس نے چاروں طرف سے گھوم پھر کر دیکھا اور جب اس کو اندر سے خالی پایا تو اس سے خوش ہوا کہ اس کی فطرت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ یہ اپنے قابو میں نہ ہوگا۔ (یعنی جب یہ خالی ہے تو میں اس کے اندر آسانی سے حلول کر سکوں گا چنانچہ مشہور بھی ہے "خانۂ خالی را دیو میگرد" الفاظ حدیث موصوف کے یہ ہیں عن انس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لما صور اللّٰہ ادم فی الجنۃ ترکہ ماشاء اللّٰہ ان یترکہ فجعل ابلیس یطیف بہ فینظر ماھو فلما راٰہ اجوف عرف انہ خلق خلقاً لایتما لک رواہ مسلم۔

تیسرا سبب شدت تاثر کا یہ تھا کہ وہ خطرہ منکرہ صورۃً کمال محبت کے منافی تھالہذا بے انتہا شاق گزرا۔اھ۔احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ ایسے خطرہ پر جو صورۃً کمال محبت کے منافی نظر آتا تھا اس درجہ غم واندوہ کا طاری ہو جانا تو خود کمال محبت پر دال تھا بموائے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم **ذاک صریح الایمان** لیکن کمال محبت میں تو صورت بعد بھی مضطرب کر دینے کے لیے کافی ہے۔ بمصداق ؎

بردلِ سالک ہزاراں غم بود گرز باغِ دل خلالے کم بود

(سالک کے دل پر ہزاروں غم ہوتے ہیں اگرچہ دل کی خوشی میں کمی کم ہی آتی ہے)

(یعنی بگمان خود)

انسدادِ اشتداد خطرات کی تدابیر

تاثر خطرہ کے اشتداد و امتداد کے ان ہر سہ اسباب کو بیان فرمانے کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ ان ہر سہ اسباب سے سالکین کے واسطے خطرات کے اثر کے اشتداد و امتداد کے انسداد کے لیے تین نہایت مفید اور کار آمد دستور العمل مستفاد ہوئے۔

اول یہ کہ سالک حتی الوسع اپنے قلب کی تقویت اور تفریح کے لیے مقویات و مفرحات کا استعمال اور اسباب مشوشۂ قلب سے حتی الامکان اجتناب رکھے تا کہ قلب میں قوت رہے اور ایسے احوال کا تحمل کر سکے اور منجملہ اسباب تو یہ مشوشۂ قلب کے کسی ایسے واقعہ حزن کا جس کی تدبیر اختیار سے خارج ہو (مثلاً کسی کی موت) خواہ اس حزن کا منشاء اپنا درد ہو یا کسی کی ہمدردی ہو یا اس کے آثار و نتائج متیقنہ یا محتملہ کا ذہن میں اسمرار استحضار یا زبان سے اس کا تکرار ہے یعنی بقصد اس کو سوچنا اور اس میں خوض و فکر کرنا یا اس کا بکثرت تذکرہ کرنا کہ اس سے قلب ایک معتد بہ درجہ میں متاثر ہو کر مشوش اور مضمحل ہو جاتا ہے اور واقعہ خون سے حزن طبعی ہونا گو غیر اختیاری ہے جو مضر بھی نہیں لیکن اس کا بار بار یاد کرنا یا ذکر کرنا اختیاری ہے اور مضر بھی ہے چنانچہ اسی بناء پر نصوص میں **لا تحزن** اور **لا تحزنی** وارد ہے کیونکہ منھی عنہ ہونا دلیل ہے اختیاری ہونے کی اور جس طرح اس کا احداث یا ابقاء اختیاری ہے اسی طرح اس کا ازالہ بھی اختیاری ہے جس کا طریقہ تجربہ متاید بالنص سے یہ ہے کہ کسی اہم

واجب یا مباح یا طاعت میں قلب کو مشغول کردیا جائے۔ کلمہ استرجاع کی تعلیم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس کا حاصل ایک مراقبہ خاص ہے تعزیت کی حقیقت بھی یہی ازالہ ہے اس کا لقب شرعی اور عنوان لغوی خود اس کا مساعد ہے ایک عارف کا ایک مقولہ بھی اس کا صریح مؤید ہے کما فی طبقات الکبریٰ عین الحسین بن عبداللہ الصنجی قال لا یقطعک شئے عن شئ الا اذاکان القاطع اتم و اکمل و اعلی عندک فان کان مثلہ او دونہ فلا یقطعک فالحکم لما غلب علی القلب اور واقعہ غم کی یاد کی مذکورہ بالا ممانعت میں جو کثرت کی قید لگائی اس کی وجہ یہ ہے کہ بالکل تذکرہ نہ کرنا اور ضبط میں مبالغہ کرنا بھی تجربہ سے مضر ثابت ہوا ہے کہ سب غبار اندر ہی اندر رہنے سے طبیعت گھٹ جاتی ہے اور اس کی قوت واقعہ غم گھٹ جاتی ہے اس لیے مصلحت یہ ہے کہ شروع شروع میں گاہ گاہ اپنے کسی دیندار ہمدرد سے اعتدال کے ساتھ حدود شرعیہ میں رہ کر اس واقعہ غم کا کسی قدر تذکرہ بھی کرلیا کرے۔ اس کی بھی تائید نص سے ہوتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرزند حضرت ابراہیم کی وفات پر روئے بھی اور یہ بھی ارشاد فرمایا انا بفراقک یا ابراھیم ومحزونون اور دوسرے کے ساتھ اپنی ہمدردی کو بھی حد کے اندر رکھے اور وہ حد یہ ہے کہ دوسرے کو نفع تو پہنچ جائے لیکن اپنے کو ضرر نہ پہنچے اس کے لیے بس عقلی ہمدردی کافی ہے اور طبعی ہمدردی کو صرف اسی حد تک رہنے دیا جائے جس حد تک عقلی ہمدردی کے مؤثر ہونے کے لیے ضروری ہو۔ اس سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے اور نہ تجربہ سے یہ بھی مضر ثابت ہوا ہے۔ زیادہ ہمدردی اور ترحم سے قلب کو تو تکلیف ہوتی ہی ہے بعض اوقات خلاف تسلیم وتفویض خیالات پیدا ہونے لگتے ہیں جو سخت اندیشہ کی بات ہے۔

دوسرے ترک مشاغل مباحہ میں مبالغہ نہ کرے اور بالکلیہ یکسوئی اختیار نہ کرے تاکہ قلب میں ایسی چیزیں بھی مہیا رہیں جو اس قسم کے خطرات کو آنے سے روکیں بفحوائے ع۔ انائے کہ پُر شد دگر چوں پُرد۔ جیسے اگر کوئی شخص بوتل کو ہوا سے خالی کرنا چاہے تو اس کی سہل صورت یہ ہے کہ اس کو پانی سے بھر دے۔ پھر اس کے اندر نہ ہوا رہے گی نہ ہوا کا گزر ہو سکے گا یہی حال قلب کا ہے کہ جب غیبیات کا مشاہدہ اس میں متمکن نہ ہو تو اس حالت میں مشاغل مباحہ خطرات منکرہ کا

وقایہ ہوجاتے ہیں کیونکہ یہ عقلی مسئلہ ہے کہ نفس ایک وقت میں دو طرف پوری توجہ نہیں کرسکتا لیکن ان مشاغل مباحہ میں تعلقات حق کا بڑھانا داخل نہیں کہ وہ بھی مضر ہیں صرف تعلقات انتظامی و تفریحی کافی ہیں مثلاً انتظامات معاش، سیر و تفریح، مطالعہ تواریخ وغیرہ۔

تیسرے خطرات کے اشتد اد و امتداد کے انسداد کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں کہ ان کی طرف التفات ہی نہ کرے۔ یہاں تک کہ بقصد دفع بھی التفات نہ کرے بلکہ ذکر میں توجہ کے ساتھ مشغول ہو جائے لیکن توجہ میں بھی مبالغہ اور تندہی نہ کرے ورنہ کاوش کرنے سے طبیعت تھک کر ملول ہو جائے گی اور پھر خطرات کا اثر ہونے لگے گا پھر ذکر میں مشغول ہو جانے کے بعد بھی اس کا منتظر نہ رہے کہ خطرات بند ہوئے یا نہیں کیونکہ باوجود ایک طرف توجہ قائم ہو جانے کے بھی دوسرے خیالات اگر بلا قصد آویں تو وہ مخل یا منافی یکسوئی کے نہیں کیونکہ خزانہ خیال میں تو بہت سی اشیاء ہوتی ہیں وہ ضرور سامنے آئیں گی جیسے کوئی شخص بہت سے نقطوں میں سے ایک مرکزی نقطہ پر نظر جمائے رکھے تو نظر کی شعاعیں ادھر ادھر ضرور پھیلیں گی اور جو پاس والے نقطے ہیں وہ بھی بلا قصد نظر کے سامنے ضرور رہیں گے لیکن مستقل طور پر نظر اسی ایک مرکزی نقطہ پر قائم رہے گی۔ اھ۔

یہ تو خطرات کے اشتد اد و امتداد کے انسداد کی تدابیر مذکور ہوئیں اور اگر اشتد اد و امتداد واقع ہو چکا ہو جو صورت حال حضرت والا کو پیش آئی اس کے رفع کی تدابیر بعد کو مذکور ہوں گی کیونکہ ترتیب کا مقتضا یہ ہے کہ پہلے اس ابتلاء کے واقعات کی تفصیل کو جو اس وقت بیان کی جا رہی ہے مکمل کیا جائے پھر جو اسرار و حکم الٰہی اس ابتلاء میں مضمر تھیں ان کو بیان کیا جائے گا اس کے بعد اشتد اد و امتدادِ خطرات کے رفع کی تدابیر انشاء اللہ تعالیٰ معرض تحریر میں لائی جائیں گی لہٰذا بمقتضائے ترتیب ہذا اب واقعات کی بقیہ تفصیل عرض کی جاتی ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کا مشورہ

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حسن اتفاق سے ابتداء یہ ابتلاء تہجد کے وقت گنگوہ کے قیام میں پیش آیا تھا چنانچہ حضرت والا نے صبح کو حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر استعلاجاً عرض حال کیا۔ حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا کہ التفات نہ کیا جائے۔

اختلاج قلب کے دورے

پھر حضرت والا تھانہ بھون واپس تشریف لے آئے چونکہ اسباب مذکورہ کی بناء پر قلب میں انفعال کی کیفیت حد درجہ پیدا ہوگئی تھی اس لیے وہ خطرہ منکرہ برابر عود کرتا رہا اور روز بروز زور ہی پکڑتا چلا گیا جس سے کیفیت انفعالیہ میں اور بھی ترقی ہوتی چلی گئی وھلم جراً یہاں تک کہ اختلاج قلب کے شدید دورے پڑنے لگے اور حضرت والا چند روز ہی میں ایسے کمزور گئے جیسے کوئی مدتوں کا مریض ہو۔

حکیم محمد صدیق گنگوہیؒ کا علاج

حکیم مولوی محمد صدیق گنگوہی سے جو اپنے مقام مطب یعنی گڑھی پختہ سے تھانہ بھون آئے ہوئے تھے بغرض معالجہ رجوع کیا گیا۔ مولوی محمد یونس صاحب مرحوم جو حضرت والا کے شاگرد تھے اور حضرت والا ہی سے بیعت بھی تھے قارورہ لیکر گئے۔ حکیم صاحب نے قارورہ دیکھ کر کہا کہ مجھے حیرت ہے یہ شخص زندہ کس طرح ہے۔ کیونکہ قارورہ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ حرارت غریزیہ بالکل فنا ہو چکی ہے۔ مولوی صاحب نے واپس آ کر از راہ سادگی حضرت والا کے سامنے یہی قول بلفظہ نقل کر دیا۔ حضرت والا نے انہیں بہت ڈانٹا کہ تم نے یہ کیا حماقت کی۔ بھلا ایسی بات بھی کہیں مریض سے کہی جاتی ہے اور پھر مریض بھی مریض قلب۔ وہ بہت نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ واقعی مجھ سے حماقت ہوئی لیکن اب تو ہو گئی اب کیا کروں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اب یہ کرو کہ پھر اس قارورہ کو لے جاؤ اور راستہ ہی سے لوٹ کر تھوڑی دیر بعد آ کر مجھ سے کہو کہ میں حکیم صاحب کے پاس پھر قارورہ لے گیا تھا اب وہ کہتے ہیں کہ میری پہلی رائے غلط تھی یہ تو اچھے خاصے ہیں کوئی اندیشہ کی بات نہیں۔ مولوی صاحب نے اس پر طالبعلمانہ اشکال پیش کیا کہ اس سے کیا ہوگا آپ تو خود ہی مجھے یہ سب سکھا کر بھیج رہے ہیں فرمایا تمہیں اس سے کیا جو میں کہہ رہا ہوں تم یہی کرو۔ کیونکہ الفاظ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اثر رکھا ہے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور حضرت والا واقعی اپنے قلب کو اس وقت دیکھتے تھے کہ اس غیر واقعی اطلاع سے بھی اس کو بہت سکون ہوا اور اس

وحشت میں کمی ہوگئی جو پہلی خبر سے پیدا ہوگئی تھی کیونکہ قلب کی حالت تو اس زمانہ میں بہت ہی نازک ہورہی تھی ذرا ذرا سی بات کا اثر ہوتا تھا کیوں نہ ہو۔ ع نیست بیماری چو بیماریِ دل (دل کی بیماری جیسی کوئی بیماری نہیں ہے)

خود تجویز کردہ علاج

جب طبیب کے علاج سے کچھ نفع نہ ہوا تو حضرت والا نے خود ہی یہ علاج تجویز کیا کہ مجھ کو سفر میں جانا چاہیے اور دوست احباب سے ملنا چاہیے کیونکہ حضرت والا کو جیسا اوپر بیان کیا گیا ترک مشاغل مباحہ میں غلو کا بھی منجملہ اسباب تشویش ہونا منکشف ہو چکا تھا جب حضرت والا نے سفر کا قصد فرمایا تو بعض محبین اہل وطن نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے جا کر عرض کیا کہ ہم لوگوں کو ان سے بہت فیض پہنچ رہا ہے ان کو سفر سے منع فرما دیا جائے لیکن مولاناؒ تو حضرت والا کی حالت سے اچھی طرح واقف تھے فرمایا نہیں نہیں اس وقت ان کے لیے سفر ہی میں جانا مصلحت ہے روکنا ہرگز مناسب نہیں۔

حضرت والا نے اپنی ہی تجویز سے یہ تدبیر ظاہری بھی کی کہ مستعار بندوق لیکر میدان میں تشریف لے جاتے اور بلا نشانہ خالی فیر کیا کرتے اس سے بھی فائدہ ہوا کیونکہ بندوق کی محض آواز سے بھی قلب میں فرحت پیدا ہوتی تھی۔

حضرت گنگوہیؒ کے ارشاد کا اثر

غرض ادھر تو حضرت والا ایک شیخ محقق واقف طرق تربیت اور ماہر جذبات فطرت ہونے کی بناء پر اپنے فہم خداداد سے ان خارجی تدابیر نافعہ کو عمل میں لائے اور ادھر حضرت مولانا گنگوہیؒ سے برابر بذریعہ خطوط بھی اور حاضر ہوہو کر بھی عرض حال کرتے رہے۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ شروع سے اخیر تک برابر اسی ایک تجویز قائم رہے کہ خطرات منکرہ کی طرف التفات نہ کرو اور ہمیشہ اسی پر زور دیتے رہے۔ جس سے مولانا کی اعلیٰ درجہ کی شان ارشاد معلوم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دعا اور توجہ بھی خاص طور سے فرماتے رہے۔ حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کا ایک یہی ارشاد

کہ خطرات کی طرف التفات نہ کرد مولاناؒ کے امام فن ہونے کی کافی دلیل ہے۔اھ۔

حضرت گنگوہیؒ کے مکتوبات سے اقتباسات

اب اس حالت کے متعلق حضرت مولانا گنگوہیؒ قدس سرہٗ العزیز کے بعض والا نامہ جات کا اقتباس مکاتیب رشیدیہ سے لیکر نقل کیا جاتا ہے۔ وھواہذا۔

(مکتوب اول) خط آپ کا موصول ہو کر کاشف مافیہ ہوا اگر یہ خوف وحزن امور آخرت سے ہے تو محمود ہے۔(چنانچہ واقع بھی یہی تھا کیونکہ امر منکر پر اگرچہ وہ غیر اختیاری ہو طبعاً محزون ہونا اس کا منشا بجز حُبّ حق کے کیا ہو سکتا ہے پھر اس حزن سے خوف بُعد ناشی ہوا اور ان سب کا امور آخرت میں سے ہونا ظاہر ہے) بزرگوں کو اسی خوف سے بڑی بڑی شدت سے قبض واقع ہوا حتیٰ کہ بعض نے جان بھی دی۔حضرت شیخ فرماتے ہیں ؎

جان صدیقاں ازیں حسرت بریخت کآسماں برفرق ایشاں خاک بیخت

(دوستوں کی جان اسی حسرت سے چلی گئی کہ آسمان نے ان کے سر پر خاک رکھ دی)

پس ایسی حالت اور اس صورت میں تو جائے شکر ہے نہ جائے غم۔امام غزالیؒ اسی غم میں بیت المقدس میں دس سال تک پریشان اور محزون رہے کہ اطباء ان کے علاج سے عاجز ہو گئے آخر ایک یہودی طبیب نے ان کو دیکھا اور تشخیص کی کہ ان کو کوئی حسی مرض نہیں ہے بلکہ خوف آخرت ہے اس کا کوئی علاج نہیں ہے پس مژدہ ہو کہ حق تعالیٰ نے یہ دولت آپ کو دی۔ایسے حزن پر ہزار فرحت قربان اور اس حالت کی موت شہادت کبریٰ ہے اور اگر کوئی امر دیگر ہے تو اس کا جواب بدوں دریافت حقیقت حال کے میں نہیں لکھ سکتا۔اور یہاں آنے کے باب میں جو آپ استفسار فرماتے ہیں تو بقولے ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔مگر معہذا اگر آپ تشریف لاویں گے تو خود ہی امید نفع کی رکھتا ہوں کہ صحبت صلحاء جس قدر میسر آوے غنیمت ہے فقط والسلام۔

(مکتوب دوم) آپ کے خط سے کیفیت معلوم ہوئی میں آپ کے لیے دعاء خیر کرتا ہوں۔(الی قولہ) وسوسۂ مذکورہ میں اندیشہ سوء خاتمہ بھی منجملہ اوہام ہے اس کو حتی الوسع دفع کرتے رہیں اور اجر و تکفیر (سیئات بھی یقینی ہے۔انشاء اللہ لخ ۱۵۔شعبان ۱۳۱۶ھ۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی دعوات وبشارات

حضرت مولانا گنگوہیؒ سے رجوع کرنے کے علاوہ حضرت والا اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز کو بھی جلد جلد اطلاع حالات کرتے رہے اور وہاں سے بھی تدبیرات وبشارت ودعوات حاصل ہوتی رہیں چنانچہ مکتوبات امدادیہ کے مکتوب نمبر ۴۴ مورخہ یکم رجب ۱۳۱۶ھ میں تحریر فرماتے ہیں کہ الحمدللہ آپ کے قلب کی حالت بہت اچھی ہے یہ مقام خوف ورجا ہے اسی کو ہیبت واُنس کہتے ہیں کبھی ہیبت کبھی اُنس کا غالب ہوجاتا ہے دونوں کو ایک سمجھنا چاہیے اھ۔ دوسرے مکتوب نمبر ۴۵ مورخہ ۱۹۔ رجب ۱۳۱۶ھ میں تحریر فرماتے ہیں خط آپ کا دوسرا بھی پہنچا پہلے خط کے جواب میں لکھ دیا گیا ہے۔ مکرر ہے کہ آپ کی حالت بھی بہت اچھی ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ کچھ ضرور نہ ہوگا فقیر دعا کرتا ہے (الی قولہ) جو کچھ قلب پر وارد ہو منجانب اللہ خیال کرو جو واردات مضر ہوں گے اس مراقبہ سے سب دفع ہوجائیں گے۔ اھ۔ پھر مکتوب نمبر ۴۶ مورخہ ۸۔ شعبان ۱۳۱۶ھ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی حالت بہت اچھی ہے پہلے آپ کو لکھ دیا گیا ہے (الی قولہ) اس قسم کی گھاٹیاں طالب کو آیا ہی کرتی ہیں انشاءاللہ تعالیٰ سب سے پار ہوجاؤ گے فقیر دعا کرتا ہے۔ انہ سمیع قریب اھ۔

پھر مکتوب نمبر ۴۷ مورخہ ۲۲ شوال ۱۳۱۶ھ میں بھی یہی تحریر فرماتے ہیں کہ حالت آپ کی ماشاءاللہ بہت اچھی ہے اللہ تعالیٰ مبارک کرے جو کچھ بقیہ قبض ہے وہ بھی رفع انشاءاللہ تعالیٰ ہوجائے گا فقیر دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مخلصین سے کرلے اھ۔ پھر مکتوب نمبر ۴۸ مورخہ ۱۴۔ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ میں بھی استحسان حالت تحریر فرمائی اور پھر مکتوب نمبر ۴۹۔ مورخہ ۱۵۔ محرم ۱۳۱۷ھ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی حالت اب الحمدللہ بہت اچھی ہے فقیر دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ ترقی فرماوے اھ۔

دورِ سلوک کا عام الحزن

واقعات اور مکتوبات کی تاریخوں سے مظنون ہوتا ہے کہ تقریباً ایک سال تک یہ غلبہ ہیبت ممتد رہا اور یہ سال حضرت والا کے دور سلوک کا گویا عام الحزن تھا۔

ابتلاء کی شدت اور حضرت والا کا تحمل

اس حالت کی شدت کا اندازہ بجز خود حضرت والا کے کوئی دوسرا کر نہیں سکتا۔ بمصداق

شب تاریک وبیم موج وگردابے چنیں ہائل کجا دانند حال ما سبکسارانِ ساحلہا

(اندھیری رات موج کا خطرہ اور اس طرح بھنور نے گھیر لیا ہے، ہماری حالت کو کنارے پر بیٹھے ہوئے خوشحال کیا جانیں)

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

(اے وہ کہ تیرے پاؤں میں کانٹا نہیں چبھا تو کیا جانے کہ ان شیروں کا کیا حال ہے جو مصیبت کی تلوار سر پر لیتے ہیں)

چنانچہ حضرت والا "الابتلاء لا ھل الا صطفاء" میں ایک طالب کو جنہوں نے اپنی سخت سخت باطنی پریشانیوں کی ایک طویل تفصیل لکھ کر بھیجی تھی تحریر فرماتے ہیں کہ جو جو مضائق ومصاعب وعقبات وبلیات آپ نے لکھی ہیں یہ تو سو حصوں میں سے ایک حصہ بھی نہیں جو جو بعض کو پیش آتے ہیں اس وقت مجھ کو بعض (مراد خود حضرت والا) کے احوال یاد آ گئے اور سر سے پاؤں تک اس نے مجھ کو ہلا دیا ہے۔ کہ مشکل سے اپنے کو سنبھال کر لکھنے کو موقوف نہیں کیا۔ الخ۔ (منقولہ از مقدمہ تبویب تربیت السالک) اس تحریر کی تاریخ ۱۸۔ محرم ۱۳۳۲ھ ہے یعنی حالت غلبہ ہیبت کے فرو ہو جانے کے پندرہ برس بعد بھی اس کی کیفیت کے محض تصور نے حضرت والا کو سر سے پاؤں تک ہلا دیا۔ اللہ اکبر! اسی سے ناظرین اندازہ فرمالیں کہ جس کیفیت کے محض تصور نے اور وہ بھی اتنی طویل مدت گزر جانے کے بعد اس درجہ اثر کیا اس کے عین طریان کے زمانہ میں حضرت والا پر نہ معلوم کیا گزری ہوگی۔

غرض جس حالت کا بیان کیا جا رہا ہے وہ بہت ہی شدید قسم کی حالت تھی جس کا اتنی مدت تک تحمل بہ اعانت خداوندی وبہ توجہات بزرگان حضرت والا ہی جیسے عالی ظرف اور راسخ الایمان سے ہو سکا ورنہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ بدحواسی میں ضرور اپنے ایمان یا جان یا ایمان اور جان دونوں کا سخت نقصان کر بیٹھتا چنانچہ خود احقر کو بعض اہل قبض کے حالات معلوم ہیں جن کی ایسی خطرناک حالت ہوگئی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت والا کی

برکت ودعا وتوجہ سے جلد افاقہ نہ ہو جاتا تو وہ تو کہیں کے بھی نہ رہے تھے نہ دین کے نہ دنیا کے دونوں ہی جہان سے گئے گزرے تھے حالانکہ حسب ارشاد حضرت والا ان کی حالت ہزاروں حصہ بھی اس حالت کی نہ تھی جو خود حضرت والا پر طاری ہوئی تھی۔

حضرت حاجی سید محمد عابدؒ کا ارشاد

حضرت والا کی تواضع اور صدق طلب بھی قابل صد ہزار آفریں ہے کہ اپنے کو بعد تکمیل بھی کبھی بزرگوں سے مستغنی نہیں سمجھا۔ جب بھی ضرورت پیش آئی بلا ادنی تامل علاوہ اپنے پیر ومرشد کے اپنے بڑے رتبہ کے پیر بھائیوں سے بھی عرض حال کرتے رہے اور مشورے لیتے رہے۔ چنانچہ علاوہ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرۂ العزیز کے حضرت حاجی سید محمد عابد صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی جو حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفہ مجاز تھے اس حالت کو ظاہر کیا سید صاحب نے بھی حال سن کر حضرت والا کی بہت تسلی فرمائی اور فرمایا کہ یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ خطرات قلب میں داخل نہیں ہو رہے بلکہ خارج ہو رہے ہیں جیسے اگر چور گھر کے اندر چوری کرنے کے لیے گھسے تب بھی دروازہ پر نظر آتا ہے اور اگر گھر والوں کے جاگ پڑنے کے بعد بھاگنے لگے تب بھی دروازہ ہی سے گزرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس قول کو نقل فرما کر حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میں پہلے حاجی محمد عابد صاحب کو بزرگ تو سمجھتا تھا لیکن سچی بات یہ ہے کہ شیخ اور مربی باطن اس درجہ کا نہ سمجھتا تھا لیکن اس ارشاد کو سن کر مجھے معلوم ہوا کہ شیخ اور مربی بھی کامل درجہ کے تھے۔

مشکلات راہ کو عبور کر جانا

غرض بفضلہ تعالیٰ حضرت والا سلوک کی اس دشوار گزار اور آخری گھاٹی سے بتوجہات وتدبیرات ودعوات بزرگاں پار ہو گئے اور حسن اتفاق دیکھیے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بشارت کہ انشاء اللہ تعالیٰ سب گھاٹیوں سے پار ہو جاؤ گے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی میں پوری ہو گئی کیونکہ حضرت والا کی اس حالت کے فرو ہونے کے چند ماہ بعد ہی دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے گویا اپنے سامنے ہی حضرت والا کو

سب گھاٹیوں سے پار کرا گئے اور حضرت حافظ شیرازیؒ کا یہ شعر صادق آ گیا۔

آں پریشانیِ شبہائے دراز و غم دل　　　　همه در سایۂ گیسوئے نگار آخر شد

(وہ لمبی راتوں کی پریشانی اور دل کا غم محبوب کی زلفوں کے سائے میں آ کر ختم ہو گیا ہے)

حافظ شیرازیؒ کی دو غزلیں

اس جگہ حضرت حافظ شیرازیؒ کی دو غزلیں بھی یاد آ گئیں جن میں سے پہلی غزل حالت ابتلاء کے اور دوسری غزل حالت سکون کے مناسب ہے وہ دونوں غزلیں بمناسبت مقام ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

پہلی غزل (مناسب حالت ابتلاء)

نفس برآمد و کام از تو برنمی آید　　　　فغاں کہ بخت من از خواب برنمی آید

(میری جان نکلتی ہے مگر تجھ سے میرا مقصد پورا نہیں ہوتا، ہائے فریاد کہ میرا بخت نیند سے بیدار نہیں ہوتا)

نگر بروئے دل آرائے یار من ورنہ　　　　بہیچ گونہ دگر کار برنمی آید

(دل کو سنوارنے والے میرے محبوب کے چہرہ کو دیکھ ورنہ اور کسی طرح کام نہیں ہوگا)

دریں خیال بسر شد دریغ عمر عزیز　　　　بلائے زلف سیاہت بسر نمی آید

(افسوس کہ پیاری زندگی اسی خیال میں گذر گئی کہ تیری سیاہ زلف کی مصیبت ختم نہیں ہوتی)

چناں بحسرت خاک درِ تو می میرم　　　　کہ آب زندگیم در نظر نمی آید

(تیرے در کی مٹی میں یہ حسرت لے کر مر رہا ہوں کہ مجھے اپنی زندگی کا پانی نظر میں نہیں آتا)

بسے حکایت دل ہست بانسیم سحر　　　　ولے بہ بخت من امشب سحر نمی آید

(سحری کی ہوا سے دل کی بہت ساری داستانیں وابستہ ہیں لیکن میرے بخت کی سحر تو آج رات بھی نہیں آئی)

قد بلند تراتر ببر نمی گیرم　　　　درخت کام مرادم ببر نمی آید

(تیرے بلند قد سے جب تک پھل نہ لے لوں میرے مقصود کے درخت پر پھل نہیں لگے گا)

مقیم زلف تو شد دل کہ خوش ہوائے اداشت وزاں غریب بلاکش خبر نمی آید

(وہ دل جو اچھی آرزوئیں رکھتا تھا تیری زلفوں میں مقیم ہوا اور اب اس مصیبت میں مبتلا مسافر کی کوئی خبر نہیں آتی)

ہمیشہ تیر سحر گاہ من خطا نشدے کنوں چہ شد کہ یکے کارگر نمی آید

(میرا صبح کے وقت کا تیر کبھی خطا نہیں ہوا، اب کیا ہوا کہ ایک بھی کامیاب نہیں ہوتا)

زبسکہ شد دل حافظ رمیدہ از ہمہ کس کنوں ز حلقۂ زلفت بدر نمی آید

(اس وجہ سے کہ حافظ کا دل ہر ایک سے متنفر ہو گیا ہے اب تیری زلف کے حلقہ سے باہر نہیں آتا)

دوسری غزل (مناسب حالت سکون)

روز ہجران وشب فرقت یار آخر شد زدم ایں فال وگذشت اختر وکار آخر شد

(محبوب سے جدائی کے دن اور فرقت کی راتیں ختم ہو گئی ہیں، میں نے یہ فال نکالی، عید گزری اور کام مکمل ہو گیا)

آں ہمہ ناز وتنعم کہ خزاں می فرمود عاقبت درقدم باد بہار آخر شد

(وہ سب ناز وعیش جو خزاں کر رہی تھی، آخر کار بہار کی ہوا کے قدموں میں ختم ہو گئے)

بعد ازیں[1] نور بہ آفاق دہیم از دل خویش کہ بخورشید رسیدیم وغبار آخر شد

(اس نور کے بعد اپنے دل کو دنیا سے باہر لے جاتے ہیں کیونکہ ہم سورج پر پہنچ گئے ہیں اور مٹی ختم ہو گئی ہے)

آں پریشانی شبہائے دراز وغم دل ہمہ[2] در سایہ گیسوئے نگار آخر شد

(وہ لمبی راتوں کی پریشانی اور دل کا غم، سب محبوب کی زلفوں کے سایہ میں آ کر ختم ہو گیا ہے)

ساقیا عمر دراز وقدحت پرمئی باد کہ بسعی توام اندوہ خمار آخر شد

(اے ساقی تیری عمر لمبی ہو اور تیرا جام شراب سے بھرا رہے، کیونکہ تیری ہی کوشش سے میرا غم ومستی ختم ہوئی ہے)

شکر ایزد کہ بہ اقبال کلہ گوشۂ گل نخوتِ باد دے وشوکتِ خار آخر شد

---

[1] بحوالہ: ۱۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ بعد سکون غلبہ قبض وہیبت ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے۔ ۱۲ [2] یعنی بہ ظل عاطفت مرشد ۱۲

(اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پھول کی کلی کے سر نکالنے سے خزاں کی ہوا کا غرور اور کانٹے کا رعب ختم ہوا)

صبحِ اُمید کہ بُد معتکف پردۂ غیب ۔۔۔ گو بروں آئے کہ کار شبِ تار آخر شد

(امید کی صبح جو غیب کے پردہ میں اعتکاف کئے ہوئے تھی، کہو کہ باہر آئے تا کہ اندھیری رات کا کام ختم ہو جائے)

گرچہ آشفتگیِ کارِ من از زلفِ تو بود ۔۔۔ حلِ ایں عقدم ہم از روئے نگار آخر شد

(اگرچہ میرے کام کی پریشانی تیری زلف کی وجہ سے تھی، اس عقدہ کا حل بھی محبوب کے چہرہ سے ہوا ہے)

در شمار ارچہ نیاورد کسے حافظ را ۔۔۔ شکر کاں محنت بیحد و شمار آخر شد

(اگرچہ حافظ کو کوئی شمار میں نہیں لایا، شکر کہ وہ بے حد و بے شمار مشقت ختم ہو گئی)

حالت ہیبت میں بیعت و تلقین کو موقوف رکھنا

اس حالت کے طریان کے زمانہ حضرت والا نے بیعت لینا اور تعلیم و تلقین کرنا سب مؤقوف فرما دیا تھا کیونکہ اس حال میں تو حضرت والا اپنی فکر میں شب و روز مبتلا تھے دوسروں کی جانب توجہ کرنے کی کہاں فرصت تھی اور کسے ہوش تھا۔ طالبین بہت اصرار کرتے لیکن حضرت والا عذر فرما دیتے اور از راہ تدین صاف فرما دیتے کہ ایسی حالت میں مجھ سے رجوع کرنا بالکل بے سود ہے کیونکہ میں تو اپنے ہی غم میں گرفتار ہوں لیکن ایک صاحب بریلی میں بہت ہی مصر ہوئے اور باوجود اس کے کہ حضرت والا نے صاف طور پر متنبہ فرما دیا تھا کہ کچھ نفع نہ ہوگا پھر بھی اصرار کر کے بیعت ہو ہی گئے مگر حسب ارشاد حضرت والا بیعت سے ان کی حالت میں کوئی اصلاحی تغیر واقع نہ ہوا۔ اور حضرت والا کی فراست کہ کچھ نفع نہ ہوگا بالکل صحیح ثابت ہوئی۔

غلبۂ ہیبت کا تذکرہ خود حضرت کے اپنے قلم سے

حضرت والا کی اس خاص حالت باطنی یعنی غلبہ ہیبت کے متعلق ضروری ضروری واقعات بیان کیے جا چکے ہیں اب آخر میں خود صاحب واقعہ یعنی حضرت والا کے قلم مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ میں اس حالت کی مختصر کیفیت جو حضرت والا نے اپنی تصنیف یاد یاراں (تذکرہ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز) میں بضمن احسانات مولانا تحریر

فرمائی ہے۔درج ذیل کی جاتی ہے۔وہی ہذا۔

''اور دوسرا احسان متعلق باطن کے سو اس کی تفصیل میں چونکہ مخفیات کا اظہار بھی ہے اور نیز وہ قصہ بھی نہایت دردناک اور ناگوار ہے اس لیے محض اس اجمال پر اکتفا کرتا ہوں کہ میری شامت اعمال و کثرت معاصی سے (یہ سوء ظن بنفسہ قابل تقلید ہے'' مؤلف) مجھ پر ایسی ایک حالت شدید ظاہری ہوئی تھی کہ باوجود صحت بدنی کے زندگی سے مایوسی تھی بلکہ موت کو ہزار ہا درجہ حیات پر ترجیح دیتا تھا اور اس کو اس سے زیادہ عنوان سے تعبیر نہیں کر سکتا۔

دو گونہ رنج و عذاب جان مجنوں را بلائے فرقتِ لیلےٰ و وصلت لیلےٰ

(مجنوں کی جان پر دوگنا مصیبت و تکلیف ہے لیلیٰ کی جدائی کا آغاز اور لیلیٰ کے وصال کا)

اس وقت حضرت قدس سرہٗ نے دعا و تعلیم و ہمت سے خاص توجہ فرمائی جس سے ہوش و حواس درست ہوئے اور جان میں جان آئی اور اس حالت کے طریان کے اور پھر اس کے زوال کے منافع بحمد اللہ محسوس ہوئے۔ان دونوں احسانوں و عمر بھر نہ بھولوں گا اور حکم بھی یہی ہے۔من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔

تبدیل حالت قبض و ہیبت بحالت بسط و اُنس

(جس پر احقر مؤلف حضرت صاحب سوانح کے حضور میں نہایت ادب و مسرت کے ساتھ حضرت عارف شیرازیؒ کے یہ اشعار بطور تہنیت پیش کرتا ہے۔

حافظ شب ہجراں شد بوئے خوش صبح آید شادیت مبارکباد اے عاشق شیدائی

(اے حافظ! جدائی کی رات ہوگئی ہے اور صبح کی خوشبو آ رہی ہے، اے دیوانے عاشق تجھے خوشی مبارک ہو)

رسید دولتِ وصل و گذشت محنت ہجر نہاد کشور دل بازرہ بہ معموری

(وصال کی دولت آ پہنچی ہے اور جدائی کی تکلیف گذر گئی ہے، دل کی سلطنت کی دوبارہ آبادی کا آغاز ہو گیا ہے)

یہ ابتلائے شدید و مدید جس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی حضرت والا کے سلوک کی سخت

---

[۱] پہلا احسان متعلق علم ظاہر کے تھا جس کا مضمون یاد یاراں ہی سے اپنے موقع پر اسی باب میں پیشتر نقل کیا جا چکا ہے ۱۲

ترین اور آخری گھاٹی تھی جس سے بعون اللہ تعالیٰ و بتوجہات بزرگان حضرت والا پار ہو کر بفضلہٖ تعالیٰ پھر جمعیتِ باطنی و انشراح قلبی سے مشرف ہو گئے اور پھر وہی سابقہ کیفیت بسط و اُنس اور ذوق وشوق کی عود کر آئی بمصداق اشعار ہذا۔

باز آمد آبِ من در جوئے من　　　باز آمد شاہِ من در کوئے من

(میرا پانی میری ندی میں لوٹ آیا ہے، میرا سردار میری گلی میں لوٹ آیا ہے)

باز سودائی شدم من اے طبیب　　　باز دیوانہ شدم من اے حبیب

(اے معالج میں پھر پاگل ہو گیا ہوں، اے محبوب میں پھر دیوانہ ہو گیا ہوں)

بلکہ اس شدید و مدید قبض کے بعد جو بسط و اُنس میسر ہوا وہ بفضلہٖ تعالیٰ بے نظیر ولازوال اور ترقی پذیر تھا اور جو انشراح وسکون حاصل ہوا وہ نہایت راسخ و متمکن اور روز افزوں تھا اور اس انجام بخیر کے لحاظ سے حضرت والا کا یہ ابتلاء شدید بالکل حضرت عراقیؒ کے اس شعر کا مصداق نکلا۔

خوشا دردے کہ درمانش تو باشی　　　خوشا راہے کہ پایانش تو باشی

(وہ درد بہت اچھا ہے جس کا علاج تو ہو وہ راستہ اچھا ہے جس کی انتہاء تو ہو)

ضمیمہ: رسوخ وتمکن کی تشریح

اس جگہ رسوخ وتمکن حال کی جس کو اصطلاح صوفیہ میں مقام سے تعبیر کرتے ہیں شرح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ غلط فہمی واقع نہ ہو صاحب مقام ہو جانے کے یہ معنی نہیں کہ سالک تغیرات احوال سے بالکل ہی خالی ہو جاتا ہے کیونکہ حسب ارشاد حضرات والا تغیرات عارضی تو بربناء مصالح لوازم سلوک سے ہیں جو رسوخ کامل اور تمکین تام کے حصول کے بعد بھی سالکین کے احوال میں گاہ گاہ واقع ہوتے رہتے ہیں لیکن ان میں اشتداد و امتداد واعتداد نہیں ہوتا جیسے صحت کاملہ کے حاصل اور اعتدال مزاج قائم ہو جانے کے بعد بھی موسم کے بدلنے یا دیگر اسباب خارجی سے احیاناً کبھی زکام ہو جاتا کبھی طبیعت کسلمند ہو جاتی ہے کبھی بخار بھی چڑھ آتا ہے مگر اس قسم کی عارضی شکایات صحت طبعیہ کے منافی نہیں

ہوتیں غرض اعتبار غالب حالت کا ہے اگر سالک میں آثار مقام غالب ہیں تو وہ صاحب مقام ہے گو احیاناً اس میں آثار حال کا بھی ظہور ہو اور اگر آثار غالب ہیں تو وہ صاحب حال ہے گو احیاناً اس میں آثار مقام بھی پائے جائیں جیسے وہ شخص صحیح المزاج ہے جس میں آثار صحت غالب ہوں گو کبھی کبھی کسی خلط کا غلبہ بھی ہو جائے اور وہ شخص مریض ہے جس میں آثار مرض غالب ہوں گو کبھی کبھی اس کو افاقہ بھی ہو جاتا ہو۔

غرض کاملین پر بھی کبھی غلبہ حال ہو جاتا ہے لیکن وہ منافی کمال نہیں ہوتا۔ بلکہ حضرات انبیاء علیہم اسلام پر بھی کبھی کبھی ان حضرات کی شان کے موافق غلبہ حال طاری ہوا ہے چنانچہ یوم بدر میں حضور سرور عالم سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس ابتہال کے ساتھ دعا فرمائی تھی وہ بھی غلبہ حال ہی سے ناشی تھا بلکہ گاہ گاہ فرشتوں سے بھی غلبہ حال منقول ہے حالانکہ ان میں انفعال بشری بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ اسلام کا فرعون کے منہ میں کیچڑ ٹھونسنا روایت ترمذی میں مذکور ہے لیکن صاحب مقام پر جو غلبہ حال ہوتا ہے اس میں وہ حدود سے خارج نہیں ہوتا بخلاف صاحب حال کے وہ کبھی حدود سے بھی خارج ہو جاتا ہے کہ اس کو گناہ نہیں ہوتا کیونکہ بوجہ مغلوبیت وہ اس وقت مرفوع القلم ہوتا ہے۔

تمکن ورسوخ کے بعد کبھی غلبۂ حال

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت والا کو بحمد اللہ تعالیٰ اس قبض شدید و مدید کے بعد پھر اس درجہ کا قبض کبھی پیش نہیں آیا اور بفضلہ تعالیٰ حالت باطنی میں ایک مستحکم کیفیت تمکن ورسوخ کی پیدا ہوگئی لیکن حسب تحقیق بالا عارضی تغیرات سے بالکل خالی کیونکر رہ سکتے ہیں وہ تو عادۃً لوازم سلوک سے ہیں اور سالک کو صاحب مقام ہو جانے کے بعد بھی گاہ گاہ پیش آتے رہتے ہیں جن میں سے اکثر تو عام طور پر ظاہر بھی نہیں ہونے پاتے لیکن بعض ظاہر بھی ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ حضرت والا کا بھی ایک واقعہ غلبہ حال کا احقر کو ثقہ راویوں سے معلوم ہوا جو چند ہی سال ہوئے دوران وعظ میں بمقام مسجد خانقاہ تھانہ بھون پیش آیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ دوران وعظ میں حضرت والا نے کسی مضمون کے سلسلہ میں بہت جوش اور نہایت کیف

کے ساتھ مثنوی شریف کے یہ اشعار پڑھے۔

اے حریفاں راہ ہارا بست یار   آہوئے لنگیم وا وشیر شکار

(اے دشمنو! راستوں کو دوستوں نے بند کر دیا ہے، میں لنگڑا ہرن ہوں اور وہ شکاری شیر ہے)

جز بہ تسلیم و رضا کو چارۂ   درکف شیر نرخوں خوارۂ

(سوائے تسلیم و رضا کے کون سا راستہ ہے ورنہ خونخوار بہادر شیر کا پنجہ ہے)

بس دوسرے شعر کا پڑھنا تھا کہ حضرت والا پر حالت کا اس قدر غلبہ ہوا کہ بے اختیار زور سے ایک چیخ نکل گئی اور دیر تک خود بھی بے حد مضطرب رہے اور سامعین کو بھی مضطرب رکھا۔ خصوصیت مضمون اور قرائن حالیہ و مقامیہ سے صاف نمایاں تھا کہ یہ کیفیت غلبہ ہیبت سے ناشی ہے اس کیفیت کا عود گویا اس شعر کا مصداق تھا۔

باز گلبانگِ پریشاں میزنم   آتش اندر عندلیباں میزنم

(میں پھر ایک پریشانی نغمہ گاتا ہوں اور بلبلوں میں آگ لگا دیتا ہوں)

اللہ اللہ وہ کیفیت بھی کس قوت کی کیفیت ہوگی جس نے حضرت والا جیسے کوہ استقلال کو بعد حصول تمکین تام بھی از جارفتہ کر دیا۔ کیوں نہ ہو صاحب مقام کے بھی صبر و استقلال کی آخر ایک حد ہوتی ہے جب اس پر کسی ایسی قوی کیفیت کا ورود ہوتا ہے جس کی قوت اس حد سے فوق ہوتی ہے تو اس سے فی الحال مغلوب ہو جاتا ہے لیکن فی المال جلدی ہی پھر اس پر غالب آ جاتا ہے امتداد نہیں ہونے پاتا نہ زیادہ اشتداد ہوتا ہے اور اس قسم کا غلبہ بھی کبھی کبھی ہوتا ہے۔ بکثرت نہیں ہوتا اور اگر ایسی قوی کیفیت کا ورود غیر صاحب مقام پر ہو تو اس کی تو جان ہی کے لالے پڑ جائیں۔ غرض اس قسم کا غلبہ حال منافی تمکین نہیں بلکہ اس کو بھی باعتبار حقیقت ایک درجہ کی تمکین ہی کہنا زیبا ہے۔ بقول حضرت شیفتہ

باحسنش ایں جنوں کہ تو بینی تحمل است   ناصح ملامتے مکن ایں ناشکیب را

(اس کے اس حسن کے ساتھ یہ دیوانگی جو تو دیکھ رہا ہے، برداشت ہے، اے ہمدرد اس بے صبرے کو ملامت نہ کر)

یہ تو وہ غلبہ حال تھا جس کا حاضرین پر اظہار ہو گیا۔ اس کے علاوہ خفیف ولطیف کیفیات

کا ورود تو ہوتا ہی رہتا ہے جو اپنی ذات میں تو عظیم اور قوی ہوتی ہیں لیکن محل وُرود کی قوت تحمل اور استقلال تمکین کی وجہ سے ان کے آثار بصورت غلبہ نمایاں نہیں ہونے پاتے لیکن ایسی کیفیات لطیفہ روحانیہ کے آثار لطیفہ بھی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں رہتے چنانچہ حضرت والا کی بات بات سے آثار خشیت ایسے نمایاں ہوتے رہتے ہیں کہ طریق سے ادنیٰ مناسبت رکھنے والا بھی ان کا بوضاحت وبسہولت ادراک کرسکتا ہے اور کرتا رہتا ہے ان آثار کی چند مثالیں بھی آئندہ بیان حکمت حالت قبض وہیبت میں عرض کی جائیں گی اور جو اس دعویٰ کی دلیل ہوں گی۔ اگرچہ حضرت والا کے کمالات عالیہ واحوال رفیعہ ایسے کھلے ہوئے ہیں کہ صاحب نظر وانصاف اور غیر معاند کو ہرگز کسی دلیل کی حاجت نہیں حسب ارشاد حضرت مولانا رومی۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب   گر دلیلت باید ازوے رومتاب

(سورج کی دلیل خود سورج ہے، اگر تجھے دلیل درکار ہے تو اس سے منہ نہ پھیر)

لیکن

مغز را خالی کن از انکار یار   تا کہ ریحاں یابی از گلزار یار

(اپنے دماغ کو یار کے انکار سے خالی کرتا کہ تو یار کے گل باغ سے خوشبو پائے)

صاحب مقام اور صاحب حال کا فرق

اب اس ضمیمہ ضروریہ ومفیدہ کو صاحب مقام اور صاحب حال کی کیفیات کے باہمی فرق کی ایک نہایت واضح مثال پر ختم کیا جاتا ہے جو حضرت والا نے ایک موقع پر ارشاد فرمائی تھی ایک بار حضرت والا خانقاہ کے سقاوہ میں سے وضو کے لیے گرم پانی لے رہے تھے ڈھکن جو کھولا تو اندر سے بھاپ نکلی اور نیچے ایندھن جل رہا تھا اس کا دھواں بھی اٹھا جس سے آنکھوں کو تکلیف ہوئی فوراً فرمایا کہ صاحب مقام پر بھی کیفیات کا ورود ہوتا ہے لیکن ان کیفیات میں لطافت ہوتی ہے جیسی اس بھاپ میں ہے کیونکہ وہ روحانی ہوتی ہے برخلاف اس کے صاحب حال کی کیفیات نفسانی ہوتی ہیں جن میں حل ہوتا ہے جیسا اس دھوئیں میں ہے۔ تمت الضمیمہ

عود الی السابق

حضرت والا کے اس ابتلاء شدید کی جس کو اصطلاح صوفیہ میں ہیبت سے تعبیر کرتے ہیں جو

قبض کی اعلیٰ ترین قسم ہے اور جس کا طریان کاملین ہی پر ہوتا ہے ضروری تفصیلات سے بعون اللہ تعالیٰ وبحمدہ فراغت ہوئی۔ اب بعض آیات واحادیث اور ابیات عارفین وعشاق جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکثر احوال میں نزول بلا اعادۃ لوازم سلوک سے ہے بطور نمونہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

آیات: (قولہ تعالیٰ) لقد خلقنا الانسان فی کبد وقوله تعالیٰ و لنبلونکم بشیٍ من الخوف و الجوع و نقص من الاموال والا نفس و الثمرات وقال العارف الرومیؒ فی حاصله.

حق تعالیٰ گرم و سرد و رنج ودرد برتن ما می نہدائے شیر مرد
(اے بہادر مرد! اللہ تعالیٰ دکھ، سکھ اور تکلیف ومصیبت ہمارے جسم پر ڈالتا ہے)

خوف و جوع ونقص اموال و بدن جملہ بہر نقد جاں ظاہر شدن
(ڈر، بھوک، مال کی کمی اور جسم میں کمی، سب چیزیں جان کی اصلیت کے ظاہر کرنے کے لئے بھیجتا ہے)

(وقوله تعالیٰ) احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وهم لا یفتنون و قوله تعالیٰ ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولمایاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستهم الباسآء والضرآء وزلزلو احتیٰ یقول الرسول والذین امنوا معه متی نصرالله الا ان نصرالله قریب وقوله تعالیٰ اذجآؤکم من فوقکم ومن اسفل منکم و اذ زاغت الابصار و بلغت القلوب الحناجر وتظنون بالله الظنونا هنالک ابتلی المومنون و زلزلو ازلزالاً شدیداً وقوله تعالیٰ ونبلوکم بالشر و الخیر فتنة (فی الجلالین کفقر و غنی و سقم و صحته و فی جامع البیان بالمصائب تارة وبالنعم اخریٰ)

احادیث

عن عائشةؓ فی حدیث طویل قصة فترة الوحی زاد البخاری حتیٰ حزن النبی صلی الله علیه وسلم فیما بلغنا حزنا غدًا منه مرارا کی یتردی من رؤس شواهق الجبل فکلما اوفی بذروة جبل لکی یلقی نفسه منه تبدی

له جبرئيل فقال يا محمد (صلى الله عليه وسلم) انک رسول الله حقاً فيسكن كذالک جاشه و تقر نفسه وقال العارف الرومي في حاصلد.

مصطفیٰ راہجر چوں بفراختے　　خویش راازکوہ می انداختے

(حضرت مصطفیٰ کو جب ہجر نے جلایا تو آپ اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے لگے)

تا بگفتے جبرئیلش ہیں مکن　　کہ ترا بس دولتست ازامرکن

(تو جبرئیل نے عرض کیا آپ ایسا نہ کریں آپ کو تو اللہ تعالیٰ کے امرکن سے دولت ملی ہے)

مصطفیٰ ساکن شدے زانداختن　　باز ہجراں آوریدے تاختن

(آپ اپنے آپ کو گرانے سے رُک گئے، پھر آپ کو ہجر ستانے لگا)

باز خود راسرنگوں از کوہ او　　می فگندے از غم و اندوہ او

(پھر آپ اپنے آپ کو غم ودکھ کی وجہ سے پہاڑ سے سر کے بل گرانے لگے)

بازگشتے پیش پیدا جبرئیل　　کہ مکن ایں کہ تو شاہی بے بدیل

(پھر جبرئیل سامنے آئے کہ آپ ایسا نہ کریں آپ کو تو بے مثال بادشاہی ملی ہے)

ہمچنیں می بود تاکشف حجیب　　تا بیابد آں گہر را او ز حبیب

(پردہ میں ہو جانے والی صورت حال کے واضح ہونے تک آپ اسی طرح رہے یہاں تک آپ نے اس گوہر کو اپنے محبوب سے پالیا)

بہر ہر محنت چو خود رامی کشند　　اصل محنتہا ست ایں چونش کشند

(ہر تکلیف کی وجہ سے اپنے آپ کو مارتے ہیں اس طرح جب مارتے ہیں تو یہ سب تکلیفوں کی بنیاد ہے)

اے خنک آں کو فدا کردہ است تن　　بہرآں کارزدفدائے اوشدن

(اے ست! وہ آدمی جس نے اپنا جسم قربان کر دیا، اس کام کے لئے اسی پر قربان ہونا چاہیے)

بارے آں مقبل فدائے ایں تن است　　کاندراں صد زندگی در کشتن است

(کئی بار وہ شریف آدمی اس پر قربان ہے کیونکہ اس راہ میں مرنے میں سو زندگیاں ہیں)

عن سعد قال سئل النبي صلى الله عليه وسلم اى الناس اشد بلاءً قال الانبياء ثم الامثل فالا مثل يبتلى الرجل علىٰ حسب دينه فان كان في دينه

صلباً اشتد بلاء ه للعارف الرومی فی حاصلہ ۔

زاں بلاہا کانبیا برداشتند　　　　سر بہ چرخ ہفتمیں افراشتند

(وہ مصیبتیں جوانبیائے کرامؑ نے اٹھائی ہیں انہوں نے اپنا سر ساتویں آسمان پر پچھایا ہے)

وان کان فی دینه رقة هون علیه فما زال کذلک حتیٰ یمشی علی الارض ماله ذنب رواه الترمذی و ابن ماجة والدارمی.

اقوال عارفین وعشاق (از عارف شیرازیؒ)

زپیچ[1] زلف تو ہر حلقہٴ و آشوبے　(۱)　زسحرِ چشم تو ہر گوشہٴ و بیمارے

(تیری زلف کے بل کی وجہ سے ہر حلقہ میں شور ہے، تیری آنکھ کے جادو کے سبب ہر کونے میں بیمار پڑا ہے)

تحصیل عشق ورندی آساں نمود اول　(۲)　جانم بسوخت آخر در طے ایں منازل

(عشق ورندی کا حاصل ہونا پہلے آسان لگتا ہے، آخر ان منزلوں کو طے کرنے میں میری جان جل گئی)

الا یا ایہا الساقی ادرکا ساوناولہا　(۳)　کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

(سن اے ساقی کہ جام گھما اور اسے تھما کیونکہ عشق پہلے آسان نظر آتا ہے لیکن اس میں بڑی مشکلیں ہیں)

درریست درد عشق کہ اندر علاج او　(۴)　ہر چند سعی بیش نمائی بتر شود

(عشق کا درد ایسا درد ہے کہ اس کے علاج میں تو جتنی زیادہ کوشش کرے گا وہ اور بڑھے گا)

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست　(۵)　آنجا جز اینکہ جاں بسپا رند چارہ نیست

(عشق کا سمندر ایسا سمندر ہے جیسا کوئی کنارہ نہیں ہے، وہاں جان حوالے کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے)

بہ فتراک بلا جانہا چو بر بندند بر بندند　(۶)　ززلفِ عنبریں دلہا چو بفشانند بفشانند

(مصیبتوں کے خانہ میں جب جانیں ڈالنے لگتے ہیں تو ڈالتے ہی جاتے ہیں، عنبر جیسی زلف سے جب دلوں کو جھٹکنے لگتے ہیں تو جھٹکتے چلے جاتے ہیں)

دکانِ عاشق رابسیار مایہ باید　(۷)　دلہاے ہمچو آتش چشماں رود بارے

(عاشقی کی دکان کے لئے بہت سرمایہ چاہیے آگ جیسے دل اور بہتی نہر جیسی آنکھیں چاہئیں)

---

[1] بتغییر یسیر ۱۲

درآں ہوا کہ جز برق اندر طلب نباشد (۸) گر خرمنے بسوزد چندیں عجب نباشد
(عشق کی طلب میں بجلی کے سوا کچھ نہیں ہے، اگر یہ طلب کھیت ہی کو جلادے تو عجیب نہ ہوگا)

مرغے کہ باغمِ دل شد انقیش حاصل (۹) بر شاخسارِ عمرش برگِ طرف نباشد
(جس پرندے کو دل کے غم کے ساتھ محبت ہو جائے اس کی زندگی کے رخسار پر کبھی خوشی کے آثار نہ ہوں گے)

در رہِ منزلِ لیلےٰ کہ خطرہاست بجاں (۱۰) شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی
(لیلیٰ کی منزل کے راستہ میں جان کو خطرے ہیں، اس کے پہلے قدم کی شرط یہ ہے کہ تو مجنوں ہو)

تاصد ہزار خار نمی روید از زمیں (۱۱) از گلبنے گلے بہ گلستان نمی رسد
(جب تک زمین سے لاکھوں کانٹے نہ اگیں، کسی کیاری میں باغ اور پھول نہیں اُگتے)

در طریق عشقبازی امن وآسائش خطاست (۱۲) ریش باد آں دل کہ با دردش بجوید مرہمے
(عشق بازی کے راستہ میں امن وآرام غلطی ہے، وہ دل زخمی ہی رہے گا جو درد میں مرہم چاہتا ہے)

اہل کام و ناز را در کوئے رنداں راہ نیست (۱۳) رہروے باید جہاں سوزے نہ خامے بیغمے
(مصروفیت اور ناز والوں کے لئے رندوں کی گلی میں کوئی راستہ نہیں ہے، اس میں ایسے مسافر کی ضرورت ہے جو جہان کو جلا کے آیا ہو، وہ نہیں چاہیے جو پختہ نہ ہو اور بے غم ہو)

در ہر کہ بنگری بہ غمے از تو مبتلاست (۱۴) یک دل ندیدہ ام کہ ز عشقت خراب نیست
(جسے دیکھے وہی تیرے عشق کے غم میں مبتلا ہے، میں نے کوئی ایسا دل نہیں دیکھا ہے جو تیرے عشق سے بیمار نہ ہوا ہو)

از حضرت عراقی رحمہ اللہ

بہ عالم ہر کجا وبلا بود (۱۵) بہم کردند و عشقش نام کردند
(جہان میں جہاں کہیں دکھ وآزمائش تھی اسے جمع کر کے اس کا نام عشق رکھ دیا)

ازنواب مصطفےٰ خان صاحب شیفتہؒ

شعلۂ خوجا نگداز ولمعۂ روتاب سوز (۱۶) ہاں نہ پنداری کہ در وصل است آساں زیستن

(جان کو پگھلانے والے شعلہ اور روشن چہرہ کو جلانے والی بجلی ہے، ہاں یہ نہ سمجھ کہ وصل میں جینا آسان ہے)

درخرابات یکے نیست کہ رسوا نبود (۱۷) بلبلے نیست بہ گلزار کہ شیدا نبود

(اس ویرانے میں کوئی نہیں ہے، جو رسوانہ ہوا ہو گلزار میں کوئی بلبل نہیں جو عشق میں مبتلا نہ ہو)

آسودہ خاطری و تجلی طلب کنی (۱۸) ایں برق کے بجز دل ناشاد ماں رسد

(تیری طبیعت مطمئن ہے اور تو جلوہ نمائی کی خواہش کرتا ہے، یہ بجلی دردمند دل کے سوا کسے حاصل ہوتی ہے)

اتصالِ دوست آساں نیست پیش از اتصال (۱۹) انفصالِ تن زجان وجاں زتن خواہد شدن

(وصل سے پہلے دوست کا وصال آسان نہیں ہے پہلے بدن سے روح کو پھر روح کو بدن سے الگ ہونا پڑتا ہے)

از حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ

جان صدیقاں ازیں حسرت بریخت (۲۰) کآسماں برفرق ایشاں خاک بیخت

(سچوں کی جان اسی حسرت میں چلی گئی کہ آسمان نے ان کے سروں پر زمین رکھ دی)

از عارف رومی رحمہ اللہ

اینچنیں شیخے گدائے کوبکو (۲۱) عشق آمد لاابالی فاتقوا

(عشق بڑا بے پرواہ ہے، بچ کے رہنا ایک بوڑھا گلی گلی میں یہ صدا لگا رہا تھا)

از حضرت جامی رحمہ اللہ

نسازد عشق را کنج سلامت (۲۲) خوشار سوائی کوئے ملامت

(عشق کے لئے سلامتی کا کونہ مناسب نہیں، اس کیلئے تو ملامت کی گلی کی رسوائی اچھی ہے)

متفرقات

ماپروریم دشمن ومامی کشیم دوست (۲۳) کس رارسد نہ چون و چرادر قضاے ما

(ہم نے دشمن کو پالا ہے اور ہم ہی نے دوست کو قتل کیا، کسی کو ہمارے فیصلہ میں چوں چرا کی اجازت نہیں)

قطعہ

تابلا بر کسے قضا نکنیم (۲۴) نامِ او از اولیا نکنیم

(جب تک کسی کے اوپر آزمائش پوری نہ کریں اس کا نام اولیاء میں شمار نہیں کرتے)

ایں بلا گوہر خزانۂ ماست (۲۵) گوہر خود بکس عطا نکنیم

(یہ آزمائش ہمارے خزانے کا موتی ہے ہم اپنا موتی کسی کو نہیں دیتے)

نوٹ: یہ کل اشعار پچیس ہیں۔

حالتِ قبض و بیعت کی حکمتیں (جزواول)

اب حسب وعدہ سالکین کے فائدہ بالخصوص اہل ابتلاء کی تسلی کے لیے اس حالت رضیعہ یعنی قبض و ہیبت کی چند خاص خاص حکمتیں بھی نمونہ کے طور پر بیان کی جاتی ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

اس فصل کے تین جزو ہیں۔ جزواول میں انشاءاللہ تعالیٰ وہ حکمتیں بیان کی جائیں گی جو حضرت والا کے مجموعی حالات کے مشاہدہ سے بداہۃً مفہوم ہوتی ہیں۔ جزودوم میں ان حکمتوں کو نقل کیا جائے گا جو خود حضرت والا نے اپنی بعض تحریرات میں ارقام فرمائی ہیں اور جزوسوم میں وہ حکمتیں درج کی جائیں گی جو آیات واحادیث اور کلام قوم میں منتشر طور پر مذکور ہیں۔

صورۃً ابتلاء حقیقۃً بارانِ رحمت

جزواول:۔ حضرت والا کا یہ باطنی ابتلاء بمصداق ارشاد خداوندی **عَسىٰ اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔** محض صورۃً ابتلاء تھا حقیقۃً سرچشمہ الطاف رب العلیٰ اور منبع رحمت خدا تھا۔ جس کے اندر نہ صرف خود حضرت والا کی بے انتہا ترقیات باطنیہ خاصہ مضمر تھیں بلکہ طالبین کی بے شمار مصالح دینیہ عامہ بھی مستتر تھیں۔ اس وقت تو حضرت والا اس بلائے ناگہانی سے بے حد پریشان تھے کہ یا اللہ میں کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا لیکن یہ خبر نہ تھی کہ اس ظلمات کی تیرگی میں چشمۂ آب حیات موجیں مار رہا ہے اور یہ جو غم واندوہ کی گھنگھور گھٹا قلب محزوں پر چاروں طرف سے چھائی ہوئی ہے درحقیقت نزول باران رحمت الٰہی کا پیش خیمہ ہے۔ حضرت والا کو جو جو ترقیات باطنیہ خاصہ اس ابتلاء سے حاصل ہوئیں ان کا تفصیلی علم تو بھلا کسی کو کیا ہو سکتا ہے کیونکہ

میان عاشق و معشوق رمزیست　　　کراماً کاتبیں راہم خبر نیست

(عاشق ومعشوق کے درمیان ایسی خفیہ باتیں ہیں جن کی کراماً کاتبین کو بھی خبر نہیں ہے)

اور نہ اس تفصیل کو حضرت والا سے دریافت کرنے کی کوئی جرأت کرسکتا ہے۔ بقول ئے۔

اکنوں کراد ماغ کہ پُرسد زباغباں　　　بلبل چہ گفت وگل چہ شنید وصبا چہ کرد

(اب کس کو ہمت ہے کہ باغ کے مالک سے پوچھے کہ بلبل نے کیا کہا، پھول نے کیا سنا اور صبا نے کیا کہا)

مقام عبدیت میں رسوخ

لیکن اجمالاً اتنا سب اہل طریق کو معلوم ہے کہ سلوک کا اعلیٰ ترین مقام مقام عبدیت ہے اور یہ بھی مسلمات اہل طریق سے ہے کہ ایسے شدید ومدید قبض میں جیسا کہ حضرت والا کو پیش آیا تھا ثابت قدم رہنے کے بعد سالک بعون اللہ تعالیٰ نے مقام عبدیت میں نہایت متمکن اور راسخ القدم ہو جاتا ہے کیونکہ متصرف حقیقی کے تصرفات عظیمہ کو خود اپنے اندر مشاہدہ کر لینے کے بعد اس کو اپنا ہیچ درہیچ اور لاشئے محض ہونا روز روشن کی طرح مشاہد ہو جاتا ہے اور اس مشاہدہ عجز کی بدولت وہ بفضلہ تعالیٰ نزول کامل سے جو ترقیات باطنیہ کی انتہائی منزل ہے مشرف وممتاز اور سربلند وسرفراز ہو جاتا ہے۔ نیز چونکہ تغیرات احوال قلب کا اس کو خوب اچھی طرح اور ذاتی طور پر تجربہ ہو چکا ہوتا ہے اس لیے عدم غلبہ ہیبت کی حالت میں بھی وہ عظمت وجلال خداوندی اور شوکت وہیبت قضاؤ قدر الٰہی سے ہمیشہ ترساں ولرزاں ہی رہتا ہے اور اچھی سے اچھی باطنی حالت کو بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہوئے اس کو کبھی عجب وناز کا واہمہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ بربناء تجربہ سابق وہ اس حالت کو حدوثاً محض موہبت خدا اور بقاءً ہر وقت زیر تصرف رب العلیٰ یقین کیے ہوئے ہوتا ہے۔ غرض استحضار عظمت حق اس کا حال دائمی اور غایت ادب واحترام حضرت ذوالجلال والاکرام اس کا اقتضا طبعی اور تفویض کامل وفناء تام اس کا شعار زندگی ہو جاتا ہے یا بطور حاصل یوں کہیے کہ عبدیت محضہ اس کی صفت لازمہ وبندگی وسرافگندگی اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت والا کی ذات عالی صفات کے اندران اوصاف جلیلہ کا تحقق بدرجہ اتم ادنیٰ بصیرت رکھنے والوں کو بھی ملاحظہ حالات ومصنفات اور استماع ملفوظات وارشادات

سے رات دن کالشمس فی نصف النہار مشاہد ہو رہا ہے حاجت بیان نہیں کیونکہ عیاں راچہ بیان اور بیان بھی کیا جائے تو کیا کیا اور کیونکر کیونکہ ان اشعار کا مضمون صادق آرہا ہے۔

دامانِ نگہ تنگ وگلِ حُسنِ تو بسیار　　　گلچین بہار تو زداماں گلہ دارد

(نظر کا دامن تنگ ہے اور تیرے حسن کے پھول بہت ہیں، تیری بہار کے پھول چننے کو دامن سے گلہ ہے)

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید　　　لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید

(اگر مصور اس دلبر کی تصویر بنانا چاہے گا تو میں حیران ہوں کہ اس کے نازوں کی تصویر کس طرح بنائے گا)

اپنے آپ کو کمتر سمجھنا

تاہم چند واقعات بطور نمونہ گزارش کیے جاتے ہیں۔

بارہا قسم کھا کھا کر فرمایا کرتے ہیں کہ میں اپنے آپ کو کسی مسلمان سے حتیٰ کہ ان مسلمانوں سے بھی جن کو لوگ فساق وفجار سمجھتے ہیں فی الحال اور کفار سے بھی احتمالاً فی المآل افضل نہیں سمجھتا اور آخرت میں درجات حاصل ہونے کا کبھی مجھے وسوسہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ درجات تو بڑے لوگوں کو حاصل ہوں گے۔ مجھے تو جنتیوں کی جوتیوں میں بھی جگہ مل جائے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہو اس سے زیادہ کی ہوس ہی نہیں ہوتی اور اتنی ہوس بھی بربناء استحقاق نہیں بلکہ اس لیے کہ دوزخ کے عذاب کا تحمل نہیں اور یہ جو میں بضرورت اصلاح زجر و توبیخ کیا کرتا ہوں تو اس وقت یہ مثال پیش نظر رہتی ہے جیسے کسی شاہزادے نے جرم کیا ہو اور بھنگی جلاد کو حکم شاہی ہوا ہو کہ اس شہزادے کو دُرے لگائے تو کیا بھنگی جلاد کے دل میں دُرے مارتے وقت کہیں یہ بھی وسوسہ ہو سکتا ہے کہ میں اس شاہزادے سے افضل ہوں۔ غرض کوئی مومن کیسا ہی بداعمال ہو میں اس کو حقیر نہیں سمجھتا بلکہ فوراً یہ مثال پیش نظر ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی حسین اپنے منہ پر کالک مل لے تو اس کو جاننے والا کالک کو برا سمجھے گا لیکن اس حسین کو حسین ہی سمجھے گا اور دل میں کہے گا کہ یہ جب کبھی بھی صابون سے منہ دھوئے گا پھر اس کا وہی چاند سا منہ نکل آئے گا غرض مجھ کو صرف فعل سے نفرت ہوتی ہے۔ فاعل سے نفرت نہیں ہوتی۔ اھ۔

بارگاہ الٰہی کے لائق کوئی عمل نہیں ہے

ایک بار احقر نے حضرت والا کے ایک ذی فضل معتقد کا یہ قول نقل کیا کہ میں آخرت میں اپنا کوئی عمل ایسا نہ پیش کرسکوں گا جو خالص ہو۔ اس کو سن کر حضرت والا جو اس وقت کسی خط کا جواب لکھ رہے تھے لکھتے لکھتے بے اختیار رک گئے اور چہرۂ مبارک پر بہت نمایاں آثار سخت خجلت وندامت کے ظاہر ہونے لگے اور غلبۂ عبدیت سے بیٹھے بیٹھے کسی قدر جھک بھی گئے اور پھر تھوڑی دیر تک اسی ہیئت سے ساکت بیٹھے رہنے کے بعد بہت حسرت کے لہجہ میں فرمایا کہ جی ہاں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے لائق کیا کوئی عمل پیش کیا جاسکتا ہے۔ پھر لیلۃ اللبن والی حکایت بیان فرمائی۔

تکبّر کے شک سے خوف

ایک بار فرمایا کہ جب میں کسی کے ہدیہ کو رد کرتا ہوں تو گو وجہ کے ساتھ ہو لیکن بہت ڈرتا ہوں کیونکہ غور کرنے سے کسی قدر شک کبر کا ہوتا ہے جس سے نہایت خوف ہوتا ہے اللہ تعالیٰ معاف فرماویں۔ استغناء اور کبر میں فرق نہایت دشوار ہے دونوں بہت متشابہ ہیں کبھی اس میں دھوکہ ہوجاتا ہے کہ جس کو ہم استغناء سمجھ رہے ہیں وہ دراصل ہوتا ہے کبر خدا ہی محفوظ رکھے تو انسان محفوظ رہ سکتا ہے ورنہ ہمارا ہر قول فعل حال قال سب ہی پُر از خطر ہے کوئی حالت خطرہ سے خالی نہیں۔ مجھے تو اب وہ شعر اکثر یاد آیا کرتا ہے جو کبھی بچپن میں پڑھا تھا۔

من نگویم کہ طاعتم بہ پذیر   قلمِ عفو برگنا ہم کش

(میں یہ نہیں کہتا کہ میری عبادت قبول کر، بس میرے گناہوں پر معافی کا قلم کھینچ دے)

بلکہ بروئے حدیث (یعنی قول حضرت عمرؓ کہ ہمارے جو اعمال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں ہوئے ہیں وہ تو مقبول ہوجاویں اور حضور کے بعد جو ہوئے ہیں اگر ان پر مواخذہ نہ ہو تو غنیمت ہے اجر کی ہم ہوس نہیں کرتے ۱۲) برگنا ہم تو کیا حق تعالیٰ خود ہماری طاعات کو معاف فرماوے۔ اور طاعات تو خیر کیا قابل معافی ہوتیں مطلب یہ ہے کہ جو ان میں کوتاہی ہے وہ معاف فرمائے کیونکہ جن کو ہم اپنی طاعات سمجھ رہے ہیں وہ درحقیقت طاعات ہی کب ہیں جس طرح کوئی بے ڈھنگے طور سے پنکھا جھل رہا ہو یا اور کوئی خدمت کر رہا

ہوتو وہ اپنے جی میں بڑا خوش ہوگا کہ ہم خدمت کررہے ہیں حالانکہ بعضوں کی خدمت سے سخت اذیت ہوتی ہے لیکن محض دلشکنی کی وجہ سے ان کو منع نہیں کیا جاتا اسی طرح ہماری طاعات ہیں کبھی کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ہم نے گھنٹہ بھر تک اللہ اللہ کیا ہے یہ خبر نہیں کہ وہاں کچھ پوچھ تک نہیں ہوئی ایسی طاعات پر میں کہتا ہوں کہ ہم لوگوں پر اگر مواخذہ نہ ہو تو غنیمت ہے۔ درجات کی تو اہل درجات تمنا کریں۔ یہاں تو بس یہ التجا ہے کہ حق تعالیٰ سزا سے بچاویں۔ خواہ جنت میں صف نعال ہی میں جگہ مل جائے۔ (منقول از حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۹۸)

ایک رئیس کے خط کا جواب

ایک ذی وجاہت رئیس کے ایک بڑے عہدے دار عزیز کو دفعۃً سخت نمونیہ ہوگیا جس سے سب اعزہ کو نہایت درجہ تشویش لاحق ہوگئی کیونکہ زندگی کی بھی امید نہ رہی تھی ان رئیس صاحب نے گھبرا کر حضرت والا کو فوراً تار دیا کہ دعائے صحت فرماویں۔ حضرت والا نے دعا فرمائی بفضلہ تعالیٰ خلاف توقع بہت جلد مرض کا استیصال ہوگیا۔ جس سے ڈاکٹروں کو بھی حیرت تھی۔ ان رئیس صاحب نے حضرت والا کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور والا کی دعا کو قبول فرمالیا اور ہم لوگوں کو زندہ درگور ہونے سے بچالیا جب انتہائی وحشت ہوئی تو حضور والا کو تار دیا۔ قاضی کی دوڑ مسجد تک اھ۔ احقر کو بھی یہی لکھا تھا کہ قاضی کی دوڑ مسجد تک۔ جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے تو حضرت قبلہ ہی کو دعا کے لیے تکلیف دی جاتی ہے اور بفضلہ تعالیٰ ہمیشہ کامیابی ہوتی ہے۔ قاضی کی دوڑ مسجد تک کے فقرے پر حضرت والا نے غایت تواضع سے نہایت لطافت کے ساتھ تحریر فرمایا کہ مسجد مگر بے چھت کی جس میں نہ سردی کا بچاؤ نہ دھوپ کا نہ بارش کا مگر معتقدین چھتریاں کھول کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور نام مسجد کا وہ چھتری آپ کی محبت اور حسن ظن ہے۔ (جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ فضل فرما دیتے ہیں ۱۲)

اپنی کسی حالت پر ناز نہ کرو

ایک سلسلہ کلام میں نہایت پر اثر اور بہت ہی پستی اور شکستگی کے لہجہ میں فرمایا کہ نہ علم کا اعتبار نہ عمل کا اعتبار نہ حال کا اعتبار نہ مقام کا اعتبار کسی شے کا اعتبار نہیں یہاں تک کہ جو سب

سے زیادہ ضروری چیز ہے یعنی ایمان اس کے بقاء کا بھی اعتبار کیونکہ قضا و قدر سب جگہ بند ہیں۔ کیا معلوم کس کے لیے کیا مقدر ہو چکا ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جانتا ہے کہ یہ گناہ ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس سے بچنا بھی اختیاری ہے لیکن پھر اس میں مبتلا ہوتا ہے اور اپنے اختیار سے اپنے آپ کو اس میں مبتلا کرتا ہے آخر وہ کون ہے جو اس کو کشاں کشاں لے جارہا ہے اور پھر دلائل سمعیہ وعقلیہ سے بھی یہ واجب کہ جبر کا بھی عقیدہ نہ رکھو اور واقع میں بھی جبر نہیں۔ بہت ہی نازک بات ہے اور بہت ہی ڈرنے کا مقام ہے اپنی کیسی ہی اچھی حالت ہو ہرگز ناز نہ کرے اور دوسرے کی کیسی ہی بری حالت ہو ہرگز اس پر طعن نہ کرے کیا خبر ہے کہ اپنی حالت اس سے بھی بدتر ہو جائے۔ پھر اپنا واقعہ کچی گڑھی کے وعظ کا (جس میں بیان پر قدرت ہی نہ ہو سکی تھی اور مجبوراً وعظ موقوف کرنا پڑا تھا جس کا مفصل حال باب ہشتم "مواعظ حسنہ" میں گزر چکا ہے) بیان فرما کر فرمایا کہ بھلا کس چیز پر ناز کیا جائے۔ ہمارا علم و عمل حال و مقام سب خدا کے قبضہ میں ہے۔ **مایفتح اللّٰہ للناس من رحمة ولاممسک لھا وما یمسک فلامرسل لہ من بعدہ۔** اللہ تعالیٰ جس رحمت کو کشادہ کرنا چاہیں کوئی اس کا روکنے والا نہیں اور جس رحمت کو روکنا چاہیں کوئی اس کا کشادہ کرنے والا نہیں کوئی چیز انسان کے مستقل اختیار میں نہیں۔ ایک بار نہایت خشیت کے لہجہ میں فرمایا کہ دیا سلائی کی طرح سارے مواد خبیثہ نفس میں موجود ہیں بس رگڑ لگنے کی دیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب تک رگڑ سے بچا رکھا ہے بچے ہوئے ہیں۔ فرعون وہامان کو نہیں بچایا ان میں وہ مادے سلگ اٹھے اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رکھے تو انسان محفوظ رہ سکتا ہے ورنہ ہر وقت خطرہ ہے مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

علتِ ابلیس انا خیر بدست ایں مرض در نفسِ ہر مخلوق ہست

(شیطان کی بیماری یہی تھی کہ وہ اپنے آپ کو اچھا کہتا تھا، یہ بیماری ہر مخلوق میں ہے)

اکثر گمراہ فرقوں کے عقائد واہیہ کے تذکروں میں بے اختیار ہاتھ جوڑ جوڑ کر اللہ تعالیٰ سے نہایت عجز و نیاز کے لہجہ میں عرض کرنے لگتے ہیں اے اللہ اپنے قہر سے بچائیو اے اللہ اپنے قہر سے بچائیو اور حضرت مولانا رومیؒ کا یہ شعر پڑھنے لگتے ہیں۔

از شراب قہر چوں مستی دہی نیستہارا صورت ہستی دہی

(جب تجھے قہر کے شراب کی مستی آتی ہے تو تو نہ ہونے کو ہونے کی صورت دے دیتا ہے)

اور فرمانے لگتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا قہر ہوتا ہے تو باطل چیزیں بھی حق نظر آنے لگتی ہیں اور اوہام باطلہ بھی حقائق کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

لوگوں کے مصافحہ کے وقت نیت

رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ کے آخری جمعہ کی نماز کے بعد ایک انبوہ کثیر حضرت والا سے مصافحہ کرنے کے لیے بیتابانہ منتظر تھا حضرت والا نے بجائے اس کے کہ اپنی جگہ سے اٹھنے کے بعد ہی سے مصافحہ کی اجازت دیں سب کو روک دیا جب تک میں حوض پر جا کر نہ بیٹھ جاؤں گا کسی سے مصافحہ نہ کروں گا کیونکہ ہجوم کی کثرت سے بباعث کبرسنی گر جانے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ اس غرض کے لیے حوض تک اس طور پر تشریف لے گئے کہ اپنے دونوں ہاتھ الگ الگ دو صاحبوں کے ہاتھوں میں دے دیئے اگر چلتے ہوئے کوئی مصافحہ کے لیے بڑھتا تو فرما دیتے کہ میرے ہاتھ تو رکے ہوئے ہیں اگر ابھی مصافحہ کرنا ہو تو ان سے مصافحہ کر لو جن کے ہاتھوں میں میرے ہاتھ ہیں اور میں تو حوض پر بیٹھ کر مصافحہ کروں گا پھر حوض پر بیٹھ کر دیر تک اطمینان کے ساتھ لوگوں سے مصافحہ فرماتے رہے فارغ ہونے کے بعد جائے نشست پر تشریف لا کر فرمایا کہ میں تو واللہ اپنی بڑی سعادت سمجھتا ہوں کہ ایک ناکارہ شخص کے اتنے مسلمان محبت کرنے والے ہیں لیکن بے ڈھنگا پن برا معلوم ہوتا ہے۔ اگر میں یہ انتظام نہ کرتا تو ہڑبونگ میں لوگوں کے چوٹیں آجاتیں اور مجھے خود بھی بوجہ ضعف گر جانے کا اندیشہ تھا۔ اب اطمینان کے ساتھ سب سے مصافحہ ہو گیا اور میں نے اس نیت سے مصافحہ کیا ہے کہ کیا اتنے سارے محبت کرنے والے مسلمانوں میں سے کوئی بھی خدا کا مقبول و مرحوم بندہ نہ ہوگا۔ کیا نعوذ باللہ سب مبغوض اور دوزخی ہی ہوں گے اگر اتنے سارے محبت کرنیوالوں میں ایک بھی مرحوم ہوا تو کیا مجھ کو دوزخ میں جلتا ہوا دیکھ کر اسے رحم نہ آجائے گا اور اللہ میاں سے سفارش کر کے وہ مجھ کو دوزخ سے نہ نکلوا لے گا۔ اھ۔

میرا کوئی کمال نہیں ہے

بارہا فرمایا کہ یہ جو اصطلاح نفس کی سہل سہل اور نافع تدابیر اللہ تعالیٰ ذہن میں ڈال دیتے

ہیں یہ سب طالبین ہی کی برکت ہے۔ میرا کوئی کمال نہیں اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ میرے بندوں کی اصلاح ہو اور نفع پہنچے لہذا ایک ناکارہ سے خدمت لے رہے ہیں اور جس کو اپنے علوم و معارف پر ناز ہو طالبین سے الگ ہو کر تو ذرا دیکھے واللہ جو بالکل ہی پٹ نہ ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ اوروں ہی کے نفع کے لیے اس کو یہ علوم و معارف عطا فرما رکھے ہیں ع۔ خاص کند بندہ مصلحت علم را۔ ماں یہ ناز نہ کرے کہ میں بچہ کو دودھ پلاتی ہوں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کو منظور ہے کہ بچہ کی پرورش ہو اس لیے اس نے گوشت میں بھی دودھ پیدا کر دیا ہے۔ یہ جو دودھ چھاتیوں میں سے ابل رہا ہے یہ بچہ کے جذب ہی کی برکت ہے۔ اگر ماں بچہ کو دودھ پلانا چھوڑ دے تو پھر دودھ ہی خشک ہو جائے اسی طرح اگر کنویں میں ڈول نہ ڈالا جائے اور پانی نہ نکالا جائے تو نیا پانی آنا بند ہو جائے۔ غرض اگر شیخ القاء چھوڑ دے تو تلقی بھی بند ہو جائے۔ اھ۔

نہ علم ہے نہ عمل

ایک اہل علم سے جن کو شیخ کی تلاش تھی اور جن سے حضرت والا بوجہ اس کے کہ انہیں خود رائی اور اعتراض کا مادہ تھا کشیدہ خاطر تھے۔ فرمایا کہ میں مسجد میں کھڑے ہو کر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے حضرات میں سے کسی سے بھی آپ جس روز بیعت ہو جائیں گے اور مجھ کو مطلع کر دیں گے انشاء اللہ تعالیٰ اسی وقت سے میرے قلب کے اندر شائبہ بھی کسی قسم کے تکدر کا آپ کی جانب سے نہ رہے گا۔ پھر میں آپ کو اپنا دوست اور اپنے کو آپ کا خادم سمجھوں گا باقی اپنی غرض کے حصول کا یہاں پر آپ خیال بھی نہ لائیں کیونکہ میں آپ جیسے ذی علم کی دستگیری کا ہرگز اہل نہیں ہوں اس پر اگر آپ کہیں تو میں حلف اٹھا سکتا ہوں اھ۔ (ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۹۲) اسی کے مناسب حضرت والا کا ایک حال کا ملفوظ بھی ہے۔ فرمایا کہ میرے اندر نہ علم ہے نہ عمل ہے۔ نہ کوئی کمال ہے لیکن الحمد للہ اپنے خلو کا اعتقاد تو ہے اللہ تعالیٰ بس اسی سے فضل فرما دے گا۔ اھ۔

سب اللہ کی تائید ہے

ایک طالب نے ایک سخت مرض نفسانی کا علاج حضرت والا سے بذریعہ تحریر پوچھا

حضرت والا نے جواب دیا جس سے بفضلہ ان کا وہ سخت مرض بالکل زائل ہوگیا۔ عرض کیا گیا کہ حضرت والا کی تعلیم میں تو کھلی ہوئی برکت ہے۔ فرمایا کہ میری تعلیم میں کیا رکھا ہے۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کی تائید ہے۔ اللہ تعالیٰ کارساز ہیں میں کیا چیز ہوں۔ چمار کو سڑک کوٹنا نہیں آتا مگر انجینئر اپنا ہاتھ اس کے دُرمٹ پر رکھ کر اس سے دُرمٹ چلواتا ہے تو سڑک کُٹ جاتی ہے۔ امر اصلاح میں نہ میرے علم کو دخل نہ فہم کو۔ خدا نے ایک کام میرے سپرد کیا ہے وہ میری مدد کرتے ہیں میرا کچھ بھی کمال نہیں۔

ادب کا غلبہ

حضرت والا پر حضرت حق جل و علیٰ شانہ کے ادب کا اس قدر غلبہ رہتا ہے کہ ادنی ایہام بے ادبی سے بھی سخت اجتناب فرماتے ہیں اگر سلسلہ کلام میں کسی کا بے ادبی کا قول نقل کفر کفر نباشد کے طور پر نقل فرمانے کا اتفاق ہوتا ہے تو اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر نہایت عجز و نیاز کے ساتھ بے اختیار فرمانے لگتے ہیں۔ الٰہی توبہ الٰہی توبہ۔ متعدد اشعار میں جن میں بے ادبی کا ایہام تھا نہایت لطیف اصلاحیں بھی فرمائی ہیں مثلاً اس شعر میں۔

فارغ از دغدغۂ گبر و مسلماں کردی اے جنوں گردتو گردم کہ چہ احساں کردی

(تو نے مجھے مسلمان و کافر کی پریشانی سے آزاد کر دیا ہے، اے جنوں میں تیرے پاس آیا تو نے کیا احسان کردیا)

الفاظ ''گبر و مسلماں'' کے بجائے دست و گریباں تجویز فرمائے ہیں اور۔

خود بخود آں بتِ عیار بہ بر می آید نہ بزور نہ بزاری نہ بزرمی آید

(وہ مکار بت خود بخود باہر آجاتا ہے، طاقت، منت اور دولت سے نہیں آتا)

میں بجائے بتِ عیار کے شہِ مختار کردیا ہے جو بقیہ الفاظ کے بھی نہایت مناسب ہے اور۔

سوئے زلفش نظرے کردن و رویش و بدن گاہ کافر شدن و گاہ مسلمان بودن

(اس کی زلف کی طرف دیکھنا اور اس کے جسم و چہرے کو دیکھنا، کبھی کافر ہونا اور کبھی مسلمان ہونا)

میں دوسرے مصرعہ کو یوں کر دیا ہے ''گاہ شاداں شدن و گاہ پریشان بودن'' اس میں لفظ پریشان زلف کے بھی مناسب ہے اور۔

ہمہ شہر پر زخوباں متم و خیال ماہے   چہ کنم کہ چشم بدبیں نکند بہ کس نگاہے

(سارا شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے اور میں ہوں کہ اپنے محبوب کے خیال میں مست ہوں، کیا کروں کہ یہ بری نظر والی آنکھ کسی اور کو دیکھتی ہی نہیں)

میں بجائے چشم بدبیں کے چشم بدخو یا چشم یک بیں کر دیا۔

مجھ میں تو عیوب ہی عیوب ہیں

ایک صاحب نے ایک خواب کی بناء پر جس میں ان کو تنبیہ کی گئی تھی کہ تو جو بزرگوں کی طرف سے فاسد خیالات رکھتا ہے ان سے جلد توبہ کر حضرت والا سے بھی ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ میں جناب سے بھی معافی چاہتا ہوں۔ حضرت والا نے فوراً ان کے ہاتھ پکڑ کر علیحدہ کر دیئے اور فرمایا کہ اجی حضرت یہ آپ کیا کرتے ہیں مجھ سے معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے آپ اس خواب میں کیوں داخل کرتے ہیں اس میں تو بزرگوں کا ذکر تھا بزرگوں سے ضرور معافی مانگنی چاہیے میں تو بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا نہ علمی نہ عملی نہ حالی نہ قالی بلکہ مجھ میں تو سراسر عیوب ہی عیوب بھرے پڑے ہیں۔ میری اگر کوئی برائی کرتا ہے تو یقین جانئے مجھے کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا کہ میں برائی کا مستحق نہیں بلکہ اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو واللہ تعجب ہوتا ہے کہ مجھ میں بھلا کون سی تعریف کے قابل بات ہے جو اس کا یہ خیال ہے اس کو دھوکا ہوا ہے۔ حق تعالیٰ کی ستاری ہے کہ میرے عیوب کو پوشیدہ کر رکھا ہے اس لیے مجھ کو کسی کا برا بھلا کہنا مطلق ناگوار نہیں ہوتا اور اگر کوئی میری ایک تعریف کرتا ہے تو اسی وقت اپنے دس عیب میرے پیش نظر ہو جاتے ہیں دوسرے یہ کہ آپ نے جو کچھ میرے بارہ میں برا بھلا کہا ہوگا۔ تو عدم واقفیت کی وجہ سے کہا ہوگا اس لیے آپ معذور ہیں۔ تیسرے یہ کہ مدت سے یہ دعا مانگ رہا ہوں۔ اور اب بھی تازہ کر لیا کرتا ہوں کہ اے اللہ میری وجہ سے اپنی کسی مخلوق پر مواخذہ نہ کیجیو۔ جو کچھ کسی نے میرے ساتھ برائی کی ہو یا آئندہ کرے وہ سب میں نے دل سے معاف کی۔ اس لیے مخلوق خدا کو میری طرف سے بالکل بے فکر رہنا چاہیے کوئی اپنے دل میں شبہ نہ رکھے۔ آپ بھی میری طرف سے بے فکر رہیے میں پیشتر ہی سب کو دل سے معاف کر چکا ہوں۔ آپ بھی اس عموم میں آ گئے بلکہ

اگر کبھی ضرورت ہو تو میری طرف سے پوری اجازت ہے کہ جو کچھ آپ چاہیں مجھے کہہ سن سکتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اگر میں معاف نہ کرو یا کروں اور دوسرے کو عذاب بھی ہو تو مجھے کیا نفع حاصل ہوا۔ اھ۔ (ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۶۰۲)

ایک بار فرمایا کہ اگر میں معاف نہ کروں تو کیاں میں کسی کو اپنی وجہ سے دوزخ میں جلتا ہوا دیکھ سکوں گا۔ استغفر اللہ۔ یہ بھی فرمایا کہ اس معافی میں حقوق مالیہ وغیرہ کو کوئی صاحب داخل نہ سمجھ لیں ورنہ لوگ میری چیزیں ہی اٹھا لے جائیں صرف سب وشتم مراد ہے۔

اپنے اعمال کی کوتاہی پر ندامت

کئی بار فرمایا کہ گو میں اعمال میں تو بہت کوتاہ ہوں لیکن الحمد للہ اپنی اصلاح سے غافل نہیں ہمیشہ یہی ادھیڑ بن لگی رہتی ہے کہ فلاں حالت کی یہ اصلاح کرنی چاہیے فلاں حالت میں یہ تغیر کرنا چاہیے غرض کسی حالت پر قناعت نہیں اور گو میں نجات کو اعمال پر منحصر نہیں سمجھتا محض فضل پر سمجھتا ہوں لیکن بندہ کے ذمہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اس کے اوامر کو بجالائے اور نواہی سے اجتناب رکھے اس لیے مجھ کو اپنے اعمال کی کوتاہی پر سخت ندامت ہے اور ہمیشہ اپنی اصلاح کی فکر رہتی ہے۔ اھ۔ اپنے کسی منتسب کی دینداری اور تقویٰ کے حالات سن کر فرمایا کرتے ہیں کہ وہ باپ بڑا خوش قسمت ہے جس کی اولاد کمالات میں اس سے بڑھ جائے۔ یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو میرا نیک نام کرنا منظور ہے کہ جو پہلے سے نیک ہیں انہی کو میرے پاس بھیج دیتے ہیں۔ اور میں مفت میں نیک نام ہو جاتا ہوں ۔

نے دام خوش نہ دانہ خوش اما ز اتفاق   ہر بار شاہباز درافتد بہ دامِ ما

(نہ جال اچھا ہے نہ دانہ اچھا ہے لیکن اتفاق سے ہر دفعہ ہمارے جال میں شاہباز آ پڑا)

ایک بار یہ بھی فرمایا کہ جس نے جو فن مجھ سے سیکھا وہ اس فن میں مجھ سے بڑھ گیا۔

غرض حیرت ہے کہ باوجود کمالات ظاہری و باطنی میں یگانہ روزگار ہونے کے اور بعض خاص کمالات کو تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اپنے اندر تسلیم کرتے ہوئے بھی حضرت والا اپنے کو ہیچ در ہیچ سمجھتے ہیں اور عُجب و کبر کا نام ونشان تک بھی نہیں جیسا اہل بصیرت پر روز روشن کی طرح واضح ہے و ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ ۱۲

نوٹ: یہ بارہ واقعات بطور نمونہ عرض کیے گئے ہیں جن کا آیت فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عینا کے ساتھ عدد میں اتفاقی توافق ہو گیا۔

تنبیہ: کمال کی نفی کا مطلب ومصداق

حضرت والا کے ان واقعات واقوال کو نقل کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے اقوال واحوال عبدیت کے متعلق حضرت والا کی ایک ضروری تحقیق بھی اس جگہ نقل کر دی جائے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز بھی تقسیم فرمایا کرتے تھے کہ میرے اندر کوئی کمال نہیں۔ اس پر ایک معتقد نے حضرت والا کی خدمت میں اشکال پیش کیا کہ دو حال سے خالی نہیں اگر یہ قسم سچی ہے تو مولانا کے کمالات کی نفی جاتی ہے اور اگر سچی نہیں تو مولانا نے خلاف واقعہ قسم کیوں کھائی اس کے متعلق کیا عقیدہ رکھا جائے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ مولانا کو اپنی قسم میں سچا بھی سمجھا جائے اور کمالات کا اعتقاد بھی رکھا جائے کیونکہ مولانا جو نفی فرما رہے ہیں وہ کمالات متوفیہ کی اور ہم جو اعتقاد رکھتے ہیں وہ کمالات واقعہ کا لہذا کوئی تعارض نہیں۔ اھ۔ اس پر احقر عرض کرتا ہے کہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بہل بلند مینار پر چڑھتا چلا جا رہا ہو اور اس کی نظر اوپر کو ہو تو وہ انتہائی بلندی پر بھی پہنچ کر یہی سمجھے گا کہ میں نے ابھی کچھ بھی اونچائی طے نہیں کی کیونکہ آسمان کی بلندی تو ابھی اتنی ہی معلوم ہوتی ہے تو گویہ ٹھیک ہے کہ آسمان کی بلندی کے لحاظ سے ابھی اس نے گویا کچھ بھی اونچائی طے نہیں کی لیکن اگر زمین سے دیکھا جائے تو وہ بہت اونچائی پر پہنچا ہوا ہے بقول حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ۔

آسماں نسبت بعرش آمد فرود | لیک بس عالیست پیش خاک تود

(آسمان عرش کی نسبت پست ہے لیکن خاک کے ٹیلے سے بہت اونچا ہے)

چونکہ حق سبحانہ وتعالےٰ شانہ کی تجلیات لا متناہی ہیں اس لیے سالک عرفان کے کتنے ہی بلند مقام پر پہنچ جائے وہ اپنے کو ہنوز روز اول کا مصداق اور تہی دست ہی یقین کرتا ہے اور وہ اس یقین میں بالکل سچا ہوتا ہے۔ بفحوائے ماعرفناک حق معرفتک (ہم نے آپ کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح پہچاننے کا حق ہے) وبفحوائے ارشاد مولانا رومیؒ ہے

اے برادر بے نہایت درگہیست   ہر کہ بروے میرسی بروے مئیست

(اے بھائی یہ بے انتہاء درگاہ ہے تو جس پر بھی پہنچے تو اسی کے سامنے ہے)

نیست کس را از حقیقت آگہی   جملہ می میرند با دست تہی

(کسی کو حقیقت سے واقفیت نہیں ہے سارے خالی ہاتھ مر رہے ہیں)

اس جگہ ایک مجذوب صاحب جھنجھانوی کا قول حضرت والا کے متعلق یاد آیا فرمایا کہ ترقی کر رہے ہیں اس سے یہی مقام مراد ہے۔ صاحب مقام ہذا جب ترقی باطنی کے درجات طے کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے تو اس کو ہر درجہ حاصلہ بلحاظ درجات متوقعہ بالکل پست بلکہ لاشئے محض معلوم ہوتا ہے۔ یہی بناء حضرت والا کے مذکورہ بالا اقوال واحوال عبدیت کی ہے اور اسی قسم کے اقوال واحوال اکابر طریق سے بھی بکثرت منقول ہیں جیسا کہ واقف سے مخفی نہیں اور یہی بناء وہاں ہوتی تھی۔ غرض عارف کی جتنی بصیرت بڑھتی جاتی ہے عظمت حق کا انکشاف روز افزوں ہوتا چلا جاتا ہے اور آداب عبودیت کے روز بروز نئے نئے دقائق پیش نظر ہوتے چلے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی عبادات وطاعات کو خواہ کتنی ہی کامل ہوں حقوق عظمت حق کے لحاظ سے ہیچ در ہیچ سمجھتا ہے اور اس کا یہ سمجھنا بالکل حق بجانب ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق کسی طرح ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے عارف کو اپنی کسی درجہ کی بھی حالت پر قناعت نہیں ہوتی اور کسی درجہ کی بھی اصلاح پر اطمینان نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ وہ قسمیں کھا کھا کر اپنے کمالات کی نفی کرتا رہتا ہے۔ تم التنبیہ

شیخ پر ورودِ کیفیات میں طالبین کی مصلحتیں

یہ تو ان منافع خاصہ کا اجمالی ذکر تھا جو خود حضرت والا کو اس حالت ہیبت کے طریان سے بفضلہٖ تعالیٰ حاصل ہوئے اور طالبین کے مصالح عامہ تو ظاہر و باہر ہیں کیونکہ کامل رہبر وہی ہو سکتا ہے جس کو ہر قسم کے نشیب وفراز طریق کا ذاتی تجربہ ہو چکا ہو اور ہر طرح کے عقبات خود اس کو پیش آ چکے ہوں چنانچہ خود حضرت والا ہی فرمایا کرتے ہیں کہ مجھ کو سخت سے سخت حالات پیش آ چکے ہیں لہذا احوال باطنی کا ایسا تجربہ ہو گیا ہے کہ کسی سالک کی کتنی

ہی الجھی ہوئی حالت ہو اور وہ کیسی ہی باطنی پریشانی میں مبتلا ہو بحمد اللہ مجھ کو اس کے معالجہ کے باب میں ذرا بھی تردد لاحق نہیں ہوتا اور بفضلہ تعالیٰ ایسی ایسی تدبیریں ذہن میں آجاتی ہیں کہ ان کے استعمال سے وہ نہایت سہولت اور سرعت کے ساتھ اس حالت سے نکل جاتا ہے۔ بالخصوص وساوس وخطرات کی تشخیص ماہیت اور تجویز علاج میں تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایسی بصیرت عطا فرمادی ہے کہ آج کل کم لوگوں کو ہوگی۔ والا فخر اھ۔

اسی ارشاد کی تصدیق ایک دو سے نہیں بلکہ بلا مبالغہ صدہا سالکین سے ہوسکتی ہے جن کو حضرت والا نے بعون اللہ تعالیٰ سخت سخت عقبات سلوک سے نہایت سہولت وسرعت کے ساتھ بہت ہی مختصر مختصر کلمات حکمت آیات اور نہایت سہل سہل تدابیر پر تاثیر ارشاد فرما کر پار کرایا ہے اور پار کرا رہے ہیں جن میں سے بعض کا حال تربیت السالک کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے اور بعض تو یہاں تک پریشان تھے کہ خودکشی پر آمادہ ہوگئے تھے لیکن ان کو حضرت والا کے ایک ہی خط سے بفضلہ کامل تسلی ہوگئی اور پھر وہ اپنے ارادہ سے باز آگئے۔

ایک رئیس کی پریشانی کا علاج

بریلی میں ایک صاحب علم رئیس تھے جو مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ مرض وفات میں ان پر وساوس کا اس درجہ ہجوم ہوا کہ انہیں اپنے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہونے لگا گھبرا کر حضرت والا کو بواسطہ منشی اکبر علی صاحب مرحوم جو حضرت والا کے چھوٹے بھائی تھے اور اس زمانہ میں بریلی میں بعہدہ سیکرٹری میونسپلٹی ممتاز تھے تکلیف شریف آوری دی۔ حضرت والا کو مریض پر اس قدر شفقت ہوتی ہے کہ اس کی درخواست کو حتی المقدور ضرور پوری فرماتے ہیں چنانچہ تشریف لے گئے۔ ان رئیس صاحب نے فوراً تخلیہ کرایا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ حضرت والا نے ایسی تسلی آمیز تقریر فرمائی کہ ان کی ساری پریشانی دور ہوگئی اور وہ اس قدر مسرور ہوئے کہ بعد کو جتنے دن حضرت والا کا وہاں قیام رہا روزانہ بہ اصرار مکلف کھانے بھجواتے رہے حالانکہ حضرت والا کا قیام اپنے بھائی صاحب ہی کے مکان پر رہا۔ پھر قریب ہی زمانہ میں وہ رئیس صاحب بہ برکت ارشادات حضرت والا نہایت ہشاش بشاش دنیا سے رخصت ہوئے۔

ایک وکیل صاحب کا علاج

۱۳۱۹ھ میں ایک وکیل صاحب کانپوری کو جو ایک درجہ میں صاحب علم بھی تھے احیاء العلوم کی کتاب الخوف کے مطالعہ سے سوء خاتمہ کا اس قدر اندیشہ ہوگیا تھا کہ مایوسی کی سی کیفیت ہوگئی تھی اور قریب تھا کہ نماز روزہ سب چھوڑ دیں اسی زمانہ میں حسن اتفاق سے حضرت والا بتقریب سفر کانپور تشریف لائے۔ انہوں نے وہ عبارات پیش کیں حضرت والا فرماتے ہیں کہ ان پر اس قدر خوف کا غلبہ تھا کہ ان سے عبارت بھی اچھی طرح نہیں پڑھی جاتی تھی۔ حضرت والا نے ان کے اشکالات کے نہایت تسلی بخش جوابات دیئے۔ جن سے ان کی پوری تسلی ہوگئی پھر انہی کی فرمائش پر ان جوابات کو حضرت والا نے قلمبند بھی فرمالیا جن کا مجموعہ بصورت رسالہ موسومہ بہ خاتمہ بالخیر طبع بھی ہو چکا ہے۔ یہ سب فیوض وبرکات اسی غلبہ ہیبت کے ہیں جو حضرت والا پر طاری ہو چکا ہے جس کی بدولت حضرت والا کو دستگیری اہل ابتلاء میں بفضلہ ایسی کامل دستگاہ حاصل ہوگئی ہے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

اس پر جناب محترمہ بڑی پیرانی صاحبہ مدظلہا کی ارشاد فرمائی ہوئی ایک مثال یاد آئی۔ حضرت والا غلبہ ہیبت کے زمانہ میں جس وجہ پریشان تھے اس کا حال تو ناظرین کو معلوم ہو ہی چکا ہے جب پریشانی بہت زیادہ بڑھتی تو اپنا غم ہلکا کرنے کے لیے اپنی غمگسار وجاں نثار شریک غم وشادی رفیق زندگی یعنی حضرت بڑی پیرانی صاحبہ سے بھی اپنے پر درد حالات بیان فرماتے رہتے اور وہ حضرت والا کی باتوں کے نہایت مناسب اور تسکین بخش جوابات دے دے کر تسلی فرماتی رہتیں۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ مجھے ان کے جوابات سے بہت تسلی ہوئی تھی۔ اھ۔

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ الحمدللہ اس امر میں بھی حضرت والا کو موافقت سنت کی برکت حاصل ہوگئی کیونکہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتداً نزول وحی سے خوف زدہ ہوگئے تھے تو اس وقت اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے بھی حضور کی بہت تسلی فرمائی تھی۔ حضرت بڑی پیرانی صاحبہ مدظلہا نے حضرت والا کی اس حالت غلبہ ہیبت کے فرو ہو جانے کے بعد بھی حضرت والا کو خوش کرنے کے لیے اس ابتلاء کی ایک نہایت اچھی مثال دی۔ فرمایا کہ اس کی ایسی مثال ہوئی جیسے کسی کو کہیں جانا ہو اور راستہ باغ

کے اندر سے ہو لیکن اس کے برابر برابر ہی جھاڑ جھنکاڑ بھی ہوں اور وہ اتفاق سے جھاڑ جھنکاڑ میں ہو کر چلنے لگا تو گو کانٹوں کی وجہ سے اس کا تمام بدن لہولہان ہو گیا اور نہایت پریشانی اٹھانی پڑی لیکن راستہ برابر قطع ہوتا رہا اور آگے چل کر پھر وہ اسی پُر بہار راستہ پر پڑ گیا ایسے شخص کو تکلیف تو بیشک سخت ہوئی لیکن قطع مسافت میں کوئی حرج واقع نہیں ہوا اور اس تجربہ سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ وہ دوسروں کی بہت اچھی طرح رہبری کر سکے گا یعنی اگر کوئی سالک اس قسم کی پریشانی میں مبتلا ہو جائے گا تو وہ اس کو بہت آسانی کے ساتھ اس سے نکال سکے گا۔اھ۔اس مثال سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ مبتلائے قبض و ہیبت کو تکلیف تو بے شک سخت ہوتی ہے لیکن قطع طریق میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔

غرض یہ ابتلاء شدید خود حضرت والا کے لیے بھی نیز مسترشدین کے لیے بھی سراسر رحمت ہی رحمت تھا۔ بعون اللہ تعالیٰ بیان حکمت حالت قبض و ہیبت کے جزو اول سے فراغت ہوئی اب بنام خدا اس کے جزو دوم کو شروع کرتا ہوں یعنی ان حکمتوں کو نقل کرتا ہوں جو خود حضرت والا نے اپنی بعض تحریرات میں ارقام فرمائی ہیں۔و باللہ التوفیق۔

جزو دوم

یعنی حالت قبض و ہیبت کی ان حکمتوں کا بیان جو خود حضرت والا نے اپنی بعض تحریرات میں ارقام فرمائی ہیں

(ا) حضرت والا ایک طالب کے طویل خط کے جواب میں جو مبتلائے قبض و وساوس تھے رسالہ مسمّی بہ الابتلاء لاھل الاصطفاء کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں "اب بعض منافع ومصالح وساوس و بعض اقسام قبض اور میل الی المعصیت کے سالک کے حق میں بیان کر کے اس عجالہ کو ختم کرتا ہوں۔ اس میں چند خفی الطاف رحمانیہ ہیں جن کو دیکھ کر مبتلائے بلیہ بیساختہ یہ کہہ کر پوری تسلی حاصل کرے گا۔

الالایجارن اخو البلیه　　　　فللہ حمن الطاف خفیه

(خبردار کوئی مصیبت والا ہرگز نہ گھبرائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں پوشیدہ بھی ہیں)

نمبر۱ اس شخص کو کبھی عجب نہیں ہوتا سمجھتا ہے کہ میں بدحال ہوں۔
نمبر۲: ہمیشہ ترسان رہتا ہے اپنے علم وعمل پر ناز نہیں ہوتا سمجھتا ہے کہ میرا علم وعمل و حال کیا چیز اس کی حقیقت دیکھ چکا ہوں۔
نمبر۳: اگر یہ عقبہ پیش آ چکتا ہے شیطان کے مقابلہ میں اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اس سے ڈرتا نہیں کہ بس اس سے زیادہ کیا کرے گا۔ اور بدوں اس کے گزرے ہوئے لطیف الطبع کو ہر مضر صحبت تک سے اندیشہ رہتا ہے جس کو میں نے ایک بار بیان کیا تھا کہ اس کی وجہ لطافت طبع معلوم ہوتی ہے۔
نمبر۴: مرتے وقت اگر دفعۃً یہ حالت پیش آتی تو پریشان ہو کر خدا جانے کس کس خیال میں مرتا اگر یہ عقبہ گزر جائے تو اس کے تحمل کی قوت ہو جاتی ہے اگر اس وقت بھی ایسا ہوا تو پریشان اور حق تعالیٰ پر بدگمان نہ ہو گا اطمینان ومحبت حق میں جان دے گا۔
نمبر۵: یہ شخص محقق ہو جاتا ہے دوسرے مبتلا کی دستگیری آسانی سے کر سکتا ہے۔
نمبر۶: ہر وقت اپنے اوپر حق تعالیٰ کی رحمت دیکھتا ہے کہ ایسے نالائق کو ایسی نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔
نمبر۷: اس حدیث کے معنی برائے العین دیکھ لیتا ہے کہ مغفرت عبد کے عمل سے نہ ہوگی۔ رحمت حق سے ہوگی۔ و غیر ذالک مما لا یحصی اور میں نے اسی مجموعہ کو کہا تھا کہ کوئی حالت محمودہ پیدا ہونے والی ہے۔ (منقول از مقدمہ تبویب تربیۃ السالک)

(۲) ایک طالب نے جن پر ہیبت کا غلبہ تھا ایک طویل عریضہ حضرت والا کی خدمت میں لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کچھ عرصہ میں حالاً اور وجداناً اپنے اندر کفر کی حالت پاتا ہوں اگر چہ بحمد اللہ عقیدہ میں کچھ فرق نہیں لیکن ذوقاً اپنے اعمال و افعال افعال کفر معلوم ہوتے ہیں الخ حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

(جواب) مبارک ہو یہ حالت ہیبت کہلاتی ہے جو حالت رفیعہ ہے اکابر صحابہ پر یہ حالت گزری ہے صحیح بخاری میں ستر صحابہ کی نسبت ہے کلھم یخاف النفاق علی نفسہ۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد یہ حالت مبدل بہ اُنس ہو جائے گی مخاطب (یعنی خود

حضرت والا ۱۲) پر بھی یہ حالت گزری ہے جس میں ہزاروں منافع حاصل ہوئے زوال عجب ومشاہدہ قدرت ومعائنہ عجز خود وغیر ذلک۔ (منقول از تبویب تربیۃ السالک باب پنجم)

(۳)۔ ایک اور اہل قبض کے طویل خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں میں نے پورا خط پڑھا کوئی بات پریشان ہونے کی نہیں ہے یہ حالت قبض کہلاتی ہے جس کے اسباب مختلف ہوتے ہیں چنانچہ ایک سبب یہ بھی ہے کہ تحمل سے زیادہ کام کیا جائے۔ آپ کو یہی سبب پیش آیا اور یہ بری حالت نہیں ہے محمود اور نافع ہے بلکہ محققین نے اس کو بسط سے ارفع کہا ہے کہ اس سے اخلاق رذیلہ کا معالجہ زیادہ ہوتا ہے۔ بہر حال نہ لاعلاج ہے اور نہ خدانخواستہ یہ محرومی کی علامت ہے تمام ذاکرین کو قریب قریب یہ حالت پیش آتی ہے پھر اس سے نجات بھی ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اور ترقی ہوتی ہے ایک علامت اس کے محمود ہونے کی خود آپ نے لکھی ہے۔ یعنی حب شیخ، مطرد اس سے محروم رہتا ہے۔ غرض بالکل تسلی رکھیں اور ذکر وشغل تھوڑا تھوڑا شروع کریں اور اپنی رائے سے نہ بڑھاویں مجھ کو معمولات کی اطلاع کرتے رہیں اور میری تعلیم کے موافق عمل کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ روز بروز ترقی ہوگی۔ (منقول از تبویب تربیت السالک باب پنجم)

(۴)۔ ایک اہل قبض کو تحریر فرماتے ہیں "حق تعالیٰ رحیم وحکیم ہیں جس شوق وذوق سوز وگداز کو آپ کمال سمجھتے ہیں نہ وہ کمال ہے اور جس خشکی اور وسوسہ کو آپ نقصان سمجھتے ہیں نہ وہ نقصان ہے اگر آپ کو وہ کیفیات حاصل ہوتیں چونکہ آپ ان کو بڑی چیز سمجھتے ہیں ضرور عجب پیدا ہوتا خدا تعالیٰ نے عجب سے بچایا جو خدا تعالیٰ کی نعمت ہے اور اس پر شکر واجب نہ کہ بالعکس شکایت کی جائے ؎

آنکس کہ تونگرت نمی گرداند　　　او مصلحت تو از تو بہتر داند

(وہ ذات جو تجھے دولت مند نہیں بناتی وہ تیری بھلائی کو تجھ سے زیادہ جانتی ہے)

اس مضمون میں یہ باطنی دولت بھی داخل ہے اور جس چیز کو آپ نقصان سمجھ رہے ہیں اگر یہ نہ ہوتی تو آپ میں یہ انکسار نہ پیدا ہوتا جو بڑی نعمت ہے اور اس پر بھی شکر واجب ہے۔ البتہ چونکہ اس میں احتمال ناشکری کا ہے اس لیے اب اس کی حقیقت سمجھ لیجئے تاکہ اس

پر بھی شکر کیجئے معلوم ہوتا ہے تربیت السالک کے مضمون کو آپ ذہن سے نکال دیتے ہیں۔ کلیہ سمجھ لیجئے کہ جو افعال اختیاری ہیں ان میں اللہ ورسول کے خلاف نہ کیا جائے تو پھر احوال خواہ کچھ ہی ہوں وہ چونکہ غیر اختیاری ہیں ان کی کچھ پرواہ نہ کرنا چاہیے کام کیے جایئے۔ آپ محروم نہیں ہیں ایک وقت میں یہ امر تحقیقاً بھی معلوم ہو جائے گا اب تقلیداً مان لیجئے۔ (منقول از تبویب تربیت السالک باب پنجم)

(۵)۔ ایک اور اہل قبض کو تحریر فرماتے ہیں "مبارک مبارک یہ وہ حالت ہے کہ میری تمنا دل سے اپنے متعلقین کے لیے اس کے طاری ہونے کی بشرط البصیرۃ والاستقلال ہوا کرتی ہے اور اس کے منافع اس قدر ہیں کہ احصاء میں نہیں آتے مثلاً عجب وکبر کی جڑ کٹ جانا ہر وقت استحضار اپنے محل تصرف قہر میں ہونے کا۔ وساوس وخطرات غیر اختیاریہ یعنی تصرفات شیطانیہ کی انتہاء معلوم ہو کر جھجک نکل جانا جو کہ شرعاً عین مطلوب ہے اگر مرتے وقت کسی کو ایسی حالت پیش آوے وہ طبعاً گھبرا جائے اور خدا جانے گھبراہٹ میں کیا سمجھ بیٹھے حالت حیات وعلم میں اس کے پیش آ جانے سے اس کا تحقق ہو جاتا ہے اگر وقت مرگ پیش آوے وہ مؤثر نہیں ہوتی۔ و غیر ذالک من المنافع و المصالح جن سب کا خلاصہ فنائے نام ہے اور اس کے بعد جو بسط ہوتا ہے وہ بھی بے نظیر ہوتا ہے۔ الحمدللہ اس حالت کے منافع حق تعالیٰ نے مجھ کو بھی مشاہدہ کرائے ہیں تب ہی سے اس کو حصول مقصود کے لیے مثل جزو اخیر علت تامہ کے سمجھ رہا ہوں اور اسی سے اپنے احباب کے لیے اس کا متمنی ہوتا ہوں مکرر مبارکباد دیتا ہوں۔ (منقول از تبویب تربیت السالک باب پنجم)

ناظرین حضرت والا کے اس جواب ہی سے اندازہ فرمالیں کہ حضرت والا کو اس حالت سے کس قدر منافع حاصل ہوئے ہیں اور اس حالت کا طریان عموماً سالکین کے لئے کس درجہ ضروری تصور فرماتے ہیں۔

(۶)۔ ایک اور مبتلائے پریشانی کو تحریر فرماتے ہیں جنہوں نے یہاں تک لکھ دیا تھا کہ اس ورطہ ناپیدا کنار سے بساحل تسلی پہنچا دیجئے گا ورنہ اس نابکار نانجار بدکردار بدشعار کو جان تلف کرنے کے لیے فتویٰ کی کوئی حالت باقی نہیں رہی۔

جواب: یہ حالت قبض کہلاتی ہے اور منافع میں یہ بسط سے بھی زیادہ ہے گو عین قبض کے وقت وہ منافع معلوم نہ ہوں مگر بعد میں اکثر معلوم بھی ہو جاتے ہیں ورا گر معلوم بھی نہ ہوں تب بھی حاصل تو ہوتے ہیں اور حصول ہی مقصود ہے نہ کہ اس حصول کا علم۔ چنانچہ جو حالات اس وقت آپ پر طاری ہیں یہ غایت انکسار وعبدیت کے آثار ہیں جن پر دولت قرب کے ترتب کی قوی امید ہے جیسا اکابر کا الہام ہے۔ **انا عند المنکسرة قلوبهم قال العارف الرومیؒ**

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ — جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(سمجھ وطبیعت کو چست کرنا راستہ نہیں ہے، بغیر عاجزی کے مالک فضل نہیں ملتا)

ہرگز پریشان نہ ہوں ذکر جس قدر ہو سکے کرلیا کیجئے اگرچہ کسی قدر تکلف بھی کرنا پڑے اور اگرچہ اس میں دلچسپی بھی نہ ہو اور جس میں زیادہ کلفت ہو اس کو تخفیف (کم) کر دیجئے۔ اور استغفار کی قدرے کثرت رکھیں۔ اور جب تک یہ حالت رہے ہفتہ میں ایک بار دو بار اطلاع دیتے رہے انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد رفع ہو جائے گی۔ سب کو یہ حالت پیش آتی ہے میں تو اس سے خوش ہوا کہ علامت ہے راہ قطع ہونے کی۔ یہ سب راستہ ہی کی گھاٹیاں ہیں۔ (منقول از تبویب تربیت السالک باب پنجم)

(۷)۔ ایک اور اسی قسم کے طویل خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں "یہ تغیرات طبعی و نفسانی ہیں نہ کہ روحانی وقلبی سوایسے تغیرات مضر تو کیا نافع ہوتے ہیں۔ عُجب کا علاج ان سے ہوتا ہے عبدیت کی حقیقت کا اس میں مشاہدہ ہوتا ہے فنا و تہی دستی رائے العین ہو جاتی ہے فی الحقیقت یہ قسم ہے قبض کی جس کی یہ حکمتیں ہیں اختیاری کام کی پابندی ایسے ہی وقت دیکھنے کے قابل اور محل امتحان ہے اگر اس امتحان میں پاس ہو گیا اعلیٰ درجہ کے نمبر کا مستحق ہوگا خوب غور کر کے سمجھے کئی بار اس کو پڑھنے میں بھی دعائے خیر کرتا ہوں۔ (منقول از تبویب تربیت السالک)

نوٹ: اس قسم کی اور بھی تحریریں ہیں لیکن بخوف طوالت ان سات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ حضرت والا کی تحریرات بالا سے ناظرین کو بطور نمونہ حالت قبض وہیبت کی چند حکمتیں معلوم ہونے کے علاوہ یہ بھی بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اگر خود حضرت والا پر ایسی حالت نہ

طاری ہو چکی ہوتی تو اس جزم وقوت اور وثوق وبصیرت کے ساتھ دوسروں کی ہرگز تسلی نہیں فرما سکتے تھے اور یہ امر بھی اس حالت کے طریان کی بڑی حکمتوں میں سے ہے۔

الحمد للہ حالت قبض ہیبت کی خود حضرت والا کے قلم مبارک سے ارقام فرمائی ہوئی حکمتوں کی نقل سے فراغت ہوگئی۔ اب حضرت والا کی زبان مبارک سے بھی ارشاد فرمائی ہوئی ایک حکمت خاص اور درج کر کے اس جز ودوم کو ختم کیا جاتا ہے اسی حالت کا تذکرہ تھا۔ فرمایا کہ اس حال میں سالک یہ دیکھ کر پریشان ہوتا ہے کہ میرے لیے چاروں طرف سے راستے بند کر دیئے گئے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی اس میں یہ مصلحت ہوتی ہے کہ سب طرف سے مایوس ہو کر میری ہی طرف رجوع ہو اور اس سد باب سے مقصود اپنے سے محجوب کرنا نہیں ہوتا بلکہ شیطان سے بچا کر خود اپنی پناہ میں لینا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے ماں اپنے بچہ کو کسی مکان میں مقید کر کے چاروں طرف کے کیواڑ بند کر دے کیونکہ باہر ریچھ ہے تو بچہ گھبراتا ہے اور سخت پریشان ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ماں نے میرے اوپر بڑا ظلم کر رکھا ہے لیکن اس نادان کو یہ خبر نہیں کہ ماں کا مقصود اس کو محبوس کرنا نہیں بلکہ باہر جو ریچھ پھر رہا ہے اس سے بچانا اور اپنی پناہ میں لینا مقصود ہے۔ انتہیٰ کلامہ

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ چاروں طرف سے راستے بند کر دیئے جانے کی یہ صورت ہوتی ہے کہ سالک ان خطرات واہیہ کو جس نہج سے بھی دفع کرنا چاہتا ہے وہ ہرگز دفع نہیں ہوتے بلکہ وہ دفع کی جتنی زیادہ کوشش کرتا ہے اتنا ہی زیادہ ان کا ہجوم اور زور بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا اپنی پناہ میں لینا اس طور پر ہوتا ہے کہ جب دفع کی سب کوششیں بیکار بلکہ مولم ثابت ہوتی ہیں تو مجبور اور مایوس ہو کر ان کو چھوڑ دیتا ہے اور پھر اضطراراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جس سے فوراً سکون محسوس ہونے لگتا ہے۔ پھر اس تجربہ کے بعد بجائے دفع کی کوشش کے وہ توجہ الی اللہ ہی کے دائما قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ اس میں بعون اللہ تعالیٰ کامیاب ہو کر خطرات کا استیصال ورنہ کم از کم اضمحلال ضرور ہو جاتا ہے۔ جس سے اذیت جاتی رہتی ہے اور اس سے بھی بہتر اور اقرب توضیح اپنی ارشاد فرمودہ مثال مذکور کی خود حضرت والا نے بعد کو فرمائی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سالک کو اس تنگی میں

اس لیے مبتلا کرتے ہیں کہ وہ مہلکات باطنی عُجب و کبر سے محفوظ رہے۔ اور اگر اس کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا جاتا تو رذائل نفس کے پنجہ میں جا پھنستا اور ہلاک ہو جاتا۔ اھ۔

جزو سوم

یعنی بعض وہ آیات واحادیث واقوال عارفین جن میں حالت قبض و ہیبت کی حکمتیں منتشر طور پر مذکور ہیں۔

آیات

(قوله تعالیٰ) عسیٰ ان تکرهوا شیئا وهو خیر لکم (وقوله تعالیٰ) و لیمحص الله الذین آمنوا (وقوله تعالیٰ) ام حسبتم ان تدخلوا الجنة و لما یعلم الله الذین جاهدوا منکم و یعلم الصابرین (وقوله تعالیٰ) و لیبتلی الله مافی صدورکم و لیمحص مافی قلوبکم (وقوله تعالیٰ) ولقد فتنا الذین من قبلهم فلیعلمن الله الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین وقیل فی حاصله۔

در محبت ہر کہ او دعوے کند　　صد ہزاراں امتحاں بروے کند

(محبت میں جو اس کا دعویٰ کرتا ہے، اس پر لاکھوں امتحان آتے ہیں)

گر بود صادق کشد بارِ جفا　　ور بود کاذب گریزد از بلا

(اگر سچا ہوتا ہے تو وہ سختیاں جھیلتا ہے اور اگر جھوٹا ہوتا ہے تو آزمائش سے بھاگ جاتا ہے)

وقال العارف الشیرازیؒ فی حاصله

خوش بود گر محک تجربہ آید بمیاں　　تا سیہ روئے شود ہر کہ درو غش باشد

(اگر تجربہ کا ترازو درمیان میں آجائے تو اچھا ہے تاکہ جو جھوٹا ہے اس کا منہ کالا ہو جائے)

وقیل فی حاصله ایضاً

بشکل و ہیئت انسان زرہ مرو زنہار　　تو ان بہ صبر و تحمل شناخت جوہر مرد

(انسان کی شکل وصورت دیکھ کر راستہ سے نہ ہٹ جا، آدمی کی اصلیت صبر وتحمل سے

پہچانی جاسکتی ہے)

اگر نہ پاک بود از بلا نخواہد جست　　　　وگر در اصل بود پاک صبر خواہد کرد

(اگر سچا نہ ہوا تو آزمائش برداشت نہیں کرے گا اور اگر سچا ہونے میں اصل ہوا تو صبر کرے گا)

احادیث

(جزو حدیث اشد الناس بلاء الانبیاء) یبتلیٰ الرجل علےٰ حسب دینه كان في دينه صلباً اشتد بلاء ه وان كان في دينه رقة هون عليه فما زال كذالک يمشي علىٰ الارض ماله ذنب رواه الترمذی وابن ماجة والدارمی۔

اقوال عارفین

(از عارف رومیؒ)

نالم آنرا نالہا خوش آیدش　(۱)　از دو عالم نالہ و غم بایدش

میں روتا ہوں اس لئے کہ اسے سارے جہان سے رونا و غمگین ہونا ہی پسند ہے)

عاشقم بر رنج خویش و درد خویش　(۲)　بہر خوشنودیٔ شاہ فردِ خویش

(میں اپنے دکھ اور درد پہ عاشق ہوں، اپنے تن تنہا مالک کی خوشنودی کے لئے)

خاکِ غم را سرمہ سازم بہر چشم　(۳)　تاز گوہر پر شود دو بحر چشم

(میں غم کی خاک کو آنکھوں کے لئے سرمہ بناتا ہوں تاکہ دونوں آنکھوں کا دریا موتیوں سے بھر جائے)

اشک کاں از بہر او بارند خلق　(۴)　گوہر است و اشک پندارند خلق

(مخلوق اس کے لئے جو آنسو بہاتی ہے وہ موتی ہیں مگر مخلوق انہیں آنسو سمجھتی ہے)

زاں بلاہا بر عزیزاں بیش بود　(۵)　کاں تجمش یار با خوباں نمود

(اپنوں پر اس لئے آزمائشیں زیادہ آتی ہیں کہ وہ محبوب کے ساتھ)

طفل می لرزد زنیش احتجام　(۶)　مادر مشفق ازاں غم شاد کام

(بچہ پچھنے لگانے والے کے نشتر سے سے کانپتا ہے اور مہربان اس غم سے خوش ہے)

تانگرید کودک حلوا فروش (۷) بحر بخشائش نمی آید بجوش

(جب تک حلوائی کا بچہ نہ روئے اس کی سخاوت کا سمندر جوش میں نہیں آتا)

تانگرید ابر کے خندو چمن (۸) تانگرید طفل کے جوشد لبن

(جب تک بادل نہ روئے باغ کہاں ہنستا ہے جب تک بچہ نہ روئے دودھ کہاں جوش مارتا ہے)

ہر کجا پستی است آب آنجا رود (۹) ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

(جہاں نیچی جگہ ہو پانی وہیں جاتا ہے جہاں مشکل ہو جواب وہیں جاتا ہے)

ہر کجا دردے دوا آنجا رود (۱۰) ہر کجا رنج شفا آنجا رود

(جہاں درد ہو دوا وہیں جاتی ہے، جہاں تکلیف ہو شفا وہیں جاتی ہے)

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو (۱۱) آن صلاح تست آئس دل مشو

(اے مسافر جب تجھ پر کوئی تنگی آئے وہی تری بھلائی ہے تو دل کو مایوس نہ کر)

گر ہمارہ فصل تابستان بدے (۱۲) سوزش خورشید در بستاں زدے

(اگر فصل ہمیشہ چمکدار رہتی تو سورج کی گرمی بھی باغ ہی میں ہوتی)

گر ترش رویست آں دی مشفق است (۱۳) صیف خنداں است اما محرق است

(اگر وہ سخت چہرہ دکھاتا ہے تو مہربان بھی وہی ہے، گرمی ہنستی ہوئی آتی ہے تو جلاتی بھی ہے)

چونکہ قبض آید تو در وے بسط بیں (۱۴) تازہ باش و چیں میفکن بر جبیں

(جب تجھے سختی آئے تو تو اس میں کشادگی سمجھ، خوش رہ اور پیشانی پر بل نہ لے آ)

قند شادی میوۂ باغ غم است (۱۵) ایں فرح زخم ست واں غم مرہم است

(خوشی کی لذت غم کے باغ کا میوہ ہے یہ خوشی زخم ہے اور وہ غم مرہم ہے)

غم چو آئینہ است پیش مجتہد (۱۶) کاندراں ضد می نماید روئے ضد

(محنتی آدمی کے لئے غم آئینہ کی طرح ہے کیونکہ اس میں ضد کی ضد نظر آتی ہے)

بعد ضد رنج آں ضدِ دگر (۱۷) رود ہد یعنی کشادو کروفر

(تکلیف کی ضد کے بعد دوسری ضد منہ دکھاتی ہے یعنی خوشحالی وخوش عیشی)

ایں دو وصف از پنجۂ دستت ببیں (۱۸) بعد قبضِ مشت بسط آید یقیں

(یہ دونوں وصف اپنے ہاتھ کے پنجے سے سمجھ، تنگی کی مٹھی کے بعد یقیناً کشادگی آتی ہے)

پنجہ را گر قبض باشد دائما (۱۹) یا ہمہ بسط او بود چوں مبتلا

(پنجہ کیلئے اگر ہمیشہ تنگی رہے گی یا کشادگی رہے، بہر حال وہ کسی نہ کسی میں مبتلا رہتا ہے)

زیں دو وصفش کار و مکسب منتظم (۲۰) چوں پر مرغ ایں دو حال او را مہم

(یہ دو صفتیں ہیں اور کام ومحنت کرنے والا ان کا انتظام کرنے والے ہیں پرندے کے پروں کی طرح دو حال اس کے لئے ضروری ہیں)

امتحانہائے زمستان وخزاں (۲۱) تاب تابستان بہار ہمچوں جاں

(سردیوں اور خزاں کی آزمائشیں باغ کی رونق ہیں اور بہار کی جان ہیں)

تا بروں آرد زمین خاک رنگ (۲۲) ہر چہ اندر جیب دارد لعل و سنگ

(تاکہ زمین کی مٹی اپنے دامن میں جو پتھر و موتی رکھتی ہے اس کیلئے رنگ نکالے)

تا میان قہر و لطف آں خفیہا (۲۳) ظاہر آید زآتش خوف ورجا

(تاکہ خوف وامید کی آگ اور قہر وکرم میں جو ہے وہ ظاہر ہو جائے)

آں بہارا لطف و شحنۂ کبریاست (۲۴) واں خزاں تہدید وتخویف خداست

(بہاریں اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم ہیں اور خزاں اللہ تعالیٰ کی دھمکی اور ڈانٹ ہے)

پس مجاہد را زمانے بسط دل (۲۵) یک زمانے قبض و درد وغش وغل

(لہٰذا مجاہد کے لئے کبھی تو دل کھلا رہتا ہے اور کبھی تنگی وتکلیف اور درد وغم ہوتا ہے)

زانکہ ایں آب وگلے کا بدن ماست (۲۶) منکر و دزد ضیائے جانہاست

(چونکہ ہمارے جسموں کا پانی ومٹی روحوں کے لئے نقصان دہ، چور اور مہلک ہے)

بندہ می نالد بحق از درد نیش (۲۷) صد شکایت میکند از رنج خویش

(بندہ سختی کی تکلیف کے سبب اللہ کی بارگاہ میں فریاد کرتا ہے اور اپنے درد کی سینکڑوں شکایتیں کرتا ہے)

حق ہمی گوید کہ بے ایں رنج و درد (۲۸) مر ترا لا بہ کناں در است کرد

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس دکھ و درد کے بغیر.........

زیں سبب برانبیاء رنج و شکست (۲۹) از ہمہ خلق جہاں افزوں ترست

(اسی لئے انبیاء علیہم السلام پر تمام مخلوق سے زیادہ تکلیفیں اور مصیبتیں آئی ہیں)

پوست از دار و بلاکش میشود (۳۰) چوں ادیم طائفی خوش میشود

(دوا سے جب چھلکا صاف کیا جاتا ہے تب وہ جانور کے چمڑے کی طرح اچھا ہوتا ہے)

آدمی را نیز چوآں پوست داں (۳۱) از رطوبتہا شدہ زشت وگراں

(آدمی کو بھی اسی چھلکے کی طرح سمجھ کہ یہ بھی آلائشوں کی وجہ سے گندہ اور بھاری ہو گیا ہے)

تلخ و تیز والش بسیارده (۳۲) تاشود پاک و لطیف و بافره

(اسے کڑوی و تیز دوائیں بہت دے تا کہ پاک صاف اور خوبصورت ہو جائے)

ورنمی تانی رضا دہ اے عیار (۳۳) کہ خدا رنجت دہد بے اختیار

(اور اگر تو نہیں سمجھتا تو بھی، اے دھوکہ میں پڑے ہوئے راضی ہو جا کہ اللہ تعالیٰ خود تجھے تیرے اختیار کے بغیر تکلیف دیتا ہے)

کہ بلائے دوست تطہیر شماست (۳۴) علم او بالائے تدبیر شماست

(کیونکہ دوست کا آزمانا تمہارے لئے پاکیزگی ہے اس کا علم تمہاری تدبیر سے بالاتر ہے)

چوں صفا بیند بلا شیریں شود (۳۵) خوش شود دارو چو صحت میں شود

(جب وہ صاف دیکھتا ہے آزمائش میٹھی ہوتی ہے جب صحت ہو جائے تو دوا اچھی لگتی ہے)

من عجب دارم زجو یائے صفا (۳۶) کورمدد روقت صیقل از جفا

(مجھے اس صفائی چاہنے والے پر تعجب ہے جو صفائی کرتے وقت تکلیف کے سبب چلاتا ہے)

گر بلا آید ترا اندہ مبر (۳۷) ورزیاں بینی غم اور امخور

(اگر تجھ پر مصیبت آئے تو غم نہ کر اگر نقصان دیکھے تو اس کا غم نہ کھا)

کاں بلا دفع بلا ہائے بزرگ (۳۸) واں زیاں منع زیانہائے سترگ

(کیونکہ وہ مصیبت بڑی مصیبتوں کو دفع کرتی ہےاور وہ نقصان بڑے نقصانوں کو روکتا ہے)

تمثیل گریختن مؤمن و بے صبری در بلا باضطراب وبیقراری نخود بجوش تا بیروں جہد و منع کدبانو

بشنو ایں تمثیل وقدر خود بدان (۳۹) وز بلا ہارو مگرداں اے جواں

(یہ مثال سن اور اپنی قدر پہچان اور اے جوان مصیبتوں سے منہ نہ پھیر)

ہرزمانے می برآید وقت جوش (۴۰) برسر دیگ و برآرد صد خروش

(ہر وقت وہ گرم ہوتے وقت دیگ سے باہر نکل آتا ہے اور بڑا شور مچاتا ہے)

میزند کفلگیر کدبانو کہ نے (۴۱) خوش بجوش و برمجہ زآتش کنے

(پکانے والا خوف کفگیر ہلاتا ہے تاکہ اچھی طرح گرم ہو اور صحیح بھونا جائے)

زاں بجو شانم کہ مکروہ ممنی (۴۲) بلکہ تاگیری توذوق و چاشنی

(میں تجھے اس لئے گرم نہیں کرتا کہ مجھے تجھ سے دشمنی ہے بلکہ اس لئے بھونتا ہوں تاکہ تیرا ذائقہ اور لذت اچھی ہو جائے)

سر بہ پیش قہر نہ دل برقرار (۴۳) تا برم حلقت اسمٰعیل دار

(تو سختی کے سامنے سر جھکا دے اور مطمئن ہو جا تاکہ میں تجھے کاٹوں اس لئے حضرت اسمٰعیلؑ جیسی گردن لے آ)

اے نخودمی جوش اندر ابتلا (۴۴) تانہ ہستی ونہ خود ماند ترا

(اے چھولے اس آزمائش میں خوب جوش کھا تاکہ تیری ہستی اور خودی نہ رہے)

زاں حدیث تلخ میگویم ترا (۴۵) تاز تلخیہا فرو شویم ترا

(اس لئے تجھے کڑوی باتیں کہتا ہوں تاکہ ان کڑواہٹوں کے ذریعے تجھے صاف کردوں)

ہرکہ اواندر بلا صابر نشد (۴۶) مقبل ایں درگہہ فاخر نشد

(جو مصیبت میں صبر نہ کرے وہ اس بلند بارگاہ میں مقبول نہیں ہوتا)

از عارف شیرازیؒ

ابیات

جاں فدائے تو کہ ہم جانی وہم جانانی (۴۷) ہر کہ شد خاک درت است زسر گردانی

(میری جان تجھ پر قربان کیونکہ تو میری جان بھی ہے اور جان کا محبوب بھی، جو تیرے در کی خاک ہوا وہ پریشانی سے نجات پا گیا)

من شکستہ بدل حال زندگی یابم (۴۸) دراں زماں کو بہ تیغ غمت شوم مقتول

(میں کمزور و بدحال اسی وقت زندگی پاؤں گا جب تیرے غم کی تلوار سے قتل کیا جاؤں گا)

غزل

ازآں زمان کو فتنہ چشمت بمارسید (۴۹) ایمن زشرِ فتنہ آخر زماں شدم

(جس زمانہ میں ہم تیری آنکھ کے فتنہ میں مبتلا ہوئے اسی زمانہ میں ہم سارے جہاں کے فتنوں سے بے خوف ہو گئے)

اول زحرفِ لوحِ وجودم خبر نبود (۵۰) در مکتبِ غمِ تو چنیں نکتہ داں شدم

(پہلے تو مجھے اپنے وجود کی تختی کے ایک حرف کو بھی خبر نہ تھی، تیرے غم کے مکتب میں آ کر اس طرح نکتہ داں ہو گیا ہوں)

نوٹ: یہ اشعار جن میں حالت قبض و ہیبت کی حکمتیں مذکور ہیں پچاس ہیں۔ یہ عدد برعایت حمایت۔ مضمون ان اشعار کے عدد سے مضاعف ہے جن میں اس کا ذکر ہے کہ اکثر احوال میں تردل بلاء لوازم سلوک سے ہے اور جن کو بیان واقعات غلبہ قبض و ہیبت کے ختم پر ذیلی عنوان عودالی السابق کے تحت میں بعد نقل آیات واحادیث درج کیا گیا ہے اور چونکہ اس حالت قبض و ہیبت کے معالجہ کا بیان جو آگے آتا ہے بیان حکمت سے بھی زیادہ اہم ہے اس لیے معالجہ قبض و ہیبت کے ذیل میں جو اشعار آئندہ درج کیے جائیں گے۔ ان کا عدد انشاء اللہ تعالیٰ ان اشعار متضمن حکم کے عدد سے بھی مضاعف یعنی سو ہوگا۔ احقر نے ان ہر سہ اقسام کے اشعار کو منتخب کر کے حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا تو جن جن اشعار کا عنوان کچھ بیبا کانہ سا تھا ان کو حذف فرما دیا اور بعض اشعار کے بعض الفاظ میں مناسب ترمیم فرما دی اور

اشعار کے عدد کی مذکورہ بالا تحدید بھی حضرت والا ہی کی موزونیت طبع لطیف کا نتیجہ ہے۔

الحمدللہ بیان حکمت حالت قبض و ہیبت کے تینوں اجزاء یعنی جز و اول و جز دوم و جز سوم سے فراغت حاصل ہوئی۔ اب اشتد اد و امتداد خطرات کے رفع کی تدابیر ذکر کی جاتی ہیں جس کا وعدہ سابقہ اثناء بیان واقعہ ہیبت میں جہاں ضمناً تدابیر انسداد خطرات مذکور ہیں گزر چکا اس مضمون کا عنوان معالجہ حالت قبض و ہیبت تجویز کیا جاتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس تدبیر سے اس کا اثر بلکہ خود وہ خطرہ ہی متخلیہ سے بالکل نکل جائے گا۔ علاج کلی اس کا یہی ہے۔ حدیث میں جو ایسے وقت میں بعض اذکار یا مطلق ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اس سے یہ علاج مستنبط ہے۔ باقی معالجات جو مشائخ کے نزدیک معمول ہیں جیسے تصور شیخ یا پاس انفاس یا تخیل نقش اسم ذات وہ سب اسی کلی کے جزئیات ہیں اور اگر خطرات سے پریشان ہو کر ضعف قلب یا خفقان یا نحافت جسم یا کسی مرض کے عروض کی نوبت آ گئی ہو تو علاج مذکور کے ساتھ مقویات و مفرحات قلب و غذائے نفیس اور ادویہ مرض عارضی کا استعمال بھی کیا جانا ضرور ہے چونکہ بعض سالکین کو یہ عقبہ پیش آتا ہے جس سے ان کے ظاہری و باطنی انتظام میں خلل پڑ جاتا ہے اس لیے اس کی اصلاح عرض کر دی گئی اس علاج کو سہولت و اختصار کی وجہ سے بے قدری کی نظر سے نہ دیکھیں امتحان کر کے اس کا نفع ملاحظہ فرمائیں ۱۱۔ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ۔

نوٹ متعلقہ ضمیمۂ بالا۔ (از مؤلف سوانح) چونکہ قریب زمانہ ہی میں خود حضرت والا کو یہ عقبہ سخت پیش آ چکا تھا اس لیے نہایت بصیرت کے ساتھ دیگر اہل ابتلاء کے لیے یہ علاج اکسیر و مجرب تحریر فرما دیا گیا۔ ۱۲۔

(ب) نقل مضمون (متعلق حدیث ان اللّٰہ تجاوز لامتی عما حدث بہ انفسھا الخ) ملقب بہ الحصحصہ فی حکم الوسوسہ جز و التشرف جلد سوم زیر عنوان ''علاج الوسوسۃ باستحضار العفوعنہا'' ۱۲

حدیث اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے ان کے خیالات سے تجاوز فرما دیا ہے جن کی وہ اپنے جی سے باتیں کرتے ہیں جب تک کہ ان کو منہ سے نہ نکالیں یا ان کو عمل میں نہ لاویں۔ عزیزی نے کہا ہے کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان کے سینہ میں جو وسوسہ پیدا

ہوں خفی نے کہا ہے کہ (خیال) کے مراتب پانچ ہیں ایک ہاجس، دوسرا خاطر، تیسرا حدیث النفس، چوتھا ہم پانچواں عزم پس جب کوئی بات قلب میں ابتداء واقع ہوئی اور اس نے نفس میں کوئی حرکت نہیں کی اس کو ہاجس کہتے ہیں پھر اگر اس شخص کو توفیق ہوئی اور اول ہی سے اس کو دفع کر دیا تو وہ مابعد کے مراتب (کی تحقیق) کا محتاج نہ ہوگا اور اگر وہ نفس میں دورہ کرنے لگے یعنی وقوع ابتدائی کے بعد اس کے نفس میں اس کی آمد ورفت ہونے لگے مگر اس کے کرنے نہ کرنیکا کوئی منصوبہ نفس نے نہیں باندھا اس کو خاطر کہا جاتا ہے۔ جب نفس کرنے نہ کرنے کا برابر درجہ میں منصوبہ باندھنے لگا اور ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہوتی اس کو حدیث نفس کہتے ہیں سو یہ تین درجے ایسے ہیں کہ ان پر نہ عتاب ہے اگر یہ شر میں ہے اور نہ ثواب ہے اگر خیر میں ہے۔ پھر جب اس فعل کو کرلیا تب اس فعل پر عقاب یا ثواب ہوگا اور ہاجس اور خاطر اور حدیث النفس پر نہ ہوگا (جیسا بعض علماء اس طرف بھی گئے ہیں پھر جب نفس میں فعل یا عدم فعل کا منصوبہ ترجیح فعل کے ساتھ ہونے لگا لیکن وہ ترجیح قوی نہیں ہے بلکہ مرجوع ہے جیسا وہم ہوتا ہے اس کو ہم کہتے ہیں اس پر ثواب بھی ہوتا ہے اگر وہ خیر میں ہے اور عقاب بھی ہوتا ہے اگر شر میں ہے۔ پھر جب فعل کا رجحان قوی ہوگیا یہاں تک کہ جازم مصمم بن گیا کہ ترک پر قابو نہیں رہا اس کو عزم کہتے ہیں اس پر بھی ثواب ہوتا ہے اگر خیر میں ہے اور عقاب ہوتا ہے اگر شر میں ہے اھ۔ میں کہتا ہوں کہ لفظ وسوسہ تینوں مرتبوں کو عام ہے یعنی ہاجس اور خاطر اور حدیث النفس سو وسوسہ کی ان تینوں قسموں پر مواخذہ نہیں ہے اور دونوں حالتوں میں حکم معانی کا مختلف نہیں ہوتا اور حدیث النفس پر مواخذہ نہ ہونا تو حدیث صحیح سے ہے (جو اوپر مذکور ہوئی) اور بقیہ دو پر (یعنی ہاجس وخاطر پر) عدم مواخذہ بالاولیٰ ہے کیونکہ جب حدیث النفس معاف ہے تو اس کے ماقبل کے درجات (یعنی ہاجس وخاطر جو کہ اس سے اہون وادون) بدرجہ اولیٰ معاف ہوں گے اور اگر تم کو یہ خلجان ہو کہ حدیث کی بناء پر حدیث کی معانی کا حکم اس پر موقوف ہے کہ حدیث میں (حدیث النفس کے) اصطلاحی معنی مراد ہوں سو اس کی کیا دلیل ہے پس اس خلجان کو اس طرح دفعہ کرو کہ یہ اصطلاح عین لغت ہے اور نصوص معنی لغویہ ہی پر محمول ہوتے ہیں جب تک معانی لغویہ پر کوئی شرعی اصطلاح

طاری نہ ہو جائے اور یہاں طاری نہیں ہوئی پس لغوی معنی ہی مراد ہوں گے اور لغوی معنی (حدیث النفس کے) وہی ہیں جو ہم نے اوپر ذکر کیا۔ خوب سمجھ لو اور رہا جس پر عدم مواخذہ کا راز یہ ہے کہ یہ اس کا فعل نہیں صرف اس پر ایک ایسی شے وارد ہوگئی جس پر اس کو نہ قدرت ہے نہ اس کا کوئی تصرف ہے اور خاطر کا درجہ جو اس کے بعد ہے اگرچہ یہ شخص اس کے دفع پر اس طرح قادر ہے کہ ہاجس کے اول ہی وارد ہونے کے وقت اس کو ہٹا دے (مثلاً کسی دوسری جانب میں لگ جائے) لیکن چونکہ یہ خاطر حدیث النفس سے کم ہے اور حدیث النفس حدیث کی رو سے معاف ہے اس لیے یہ خاطر بدرجہ اولیٰ معاف ہے اور اس (تحقیق) سے ایک سخت اشکال حل ہوگیا اور وہ اشکال یہ ہے کہ کلیات شرعیہ اور قواعد عقلیہ کا مقتضاء یہ ہے کہ اختیاری پر مواخذہ ہو اور غیر اختیاری پر مواخذہ نہ ہو (یہ تو مقدمہ ہے آگے اشکال ہے کہ) پھر امت مرحومہ کا (یہ) اختصاص (کہ وساوس پر مواخذہ نہیں ہوتا) اگر مراتب مذکورہ میں سے غیر اختیاری کے اعتبار سے ہے (کہ غیر اختیاری پر ان سے مواخذہ نہیں ہوتا اور دوسری امم سے ہوتا تھا۔) تب تو امم سابقہ کو امور غیر اختیاریہ کے ساتھ مکلّف ہونا لازم آتا ہے اور یہ کلیات شرعی کا منافی ہے (جیسے لا یکلف اللّٰہ نفساً الا وسعہا کہ ظاہراً اس میں نفس عام ہے لاحق اور سابق کو) اور اگر اختیاری کے اعتبار سے ہے تو خود ایک اختیاری اور دوسری اختیاری میں کیا فرق ہے کہ عزم پر تو مواخذہ ہوتا ہے اور حدیث النفس پر مواخذہ نہیں ہوتا باوجود یہ کہ اختیاری ہونے میں دونوں شریک ہیں۔ وجہ حل ہونے کی یہ ہے کہ اختصاص مرتبہ اختیاری ہی کے اعتبار سے ہے اور فرق درمیان خاطر و حدیث النفس کے اور درمیان عزم کے یہ ہے کہ خاطر و حدیث النفس کا دفع اگرچہ اختیاری ہے مگر اس کے لیے قصد کی ضرورت ہے اور اس قصد سے اکثر ذہول ہو جاتا ہے پس ہاجس (اس ذہول کی حالت) میں اکثر خاطر اور حدیث النفس کی طرف (بلا قصد) منجر ہو جاتا ہے سو اس (خاطر و حدیث النفس) پر مواخذہ ہونا کلیات شرعیہ کے خلاف نہیں (کیونکہ یہ بایں معنی اختیاری ہے کہ اس کا دفع اختیاری تھا جب دفع نہ کیا تو بقاء اختیاری ہوا اور اس بناء پر کسی امت کا اس کا مکلّف ہونا کلیات شرعیہ کے خلاف نہ تھا) لیکن رحمت الٰہیہ نے اس امت کو یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ اس درجہ کو معاف کر

دیا جیسے اصرواغلال (بوجھ اور اطواق یعنی احکام شدیدہ) کو جوامم سابقہ پر تھے اس امت سے ہلکا کر دیا پس یہ مرتبہ اختیاری ہے لیکن اس میں شدت تھی اس لیے یہ اصرواغلال کی ایک فرد تھی باقی رہا عزم تو ہاجس اس کی طرف اس طرح سے مفضی نہیں ہوتا بلکہ وہ قصد مستقل سے پیدا ہوتا ہے پس یہ فرق ہے عزم میں اور حدیث النفس میں تو مدار عفووہ افضاء ہوا جو ذہول کے سبب سے ہو اور مدار مواخذہ عزم مستقل ہوا (جب یہ بات ہے) تو اگر گناہ کا حدیث النفس بھی عزم مستقل سے ہو اگرچہ عزم معصیت نہ ہو جیسے کسی نامحرم عورت کے تصور سے (قصداً) لذت حاصل کرنا سو ظاہر یہ ہے کہ اس پر مواخذہ ہوگا اور ایسا التذاذ میرے نزدیک اس حدیث کے عموم میں داخل ہوگا کہ نفس (بھی زنا کرتا ہے اور اس کا زنا یہ ہے کہ وہ) تمنا کرتا ہے اور اشتہاء کرتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ قلب میلان کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے (اور ظاہر ہے کہ التذاذ بدوں اشتہار و میلان کے ہو نہیں سکتا پس یہ التذاذ بھی زنا ہوا) اور اس حدیث کا مستحضر رکھنا وساوس کا علاج عظیم ہے جس کا مشائخ استعمال کرتے ہیں (اور اسی حیثیت سے اس رسالہ میں یہ حدیث لائی گئی ہے) اور بعض اکابر (جیسے امام غزالیؒ) کا کلام اس مقام پر اور طرح ہے لیکن اصل مقصود نہیں بدلتا (یعنی اختیاری پر مواخذہ اور غیر اختیاری پر عدم مواخذہ خواہ حقیقتاً غیر اختیاری ہو خواہ حکماً) و یلقب بیان هذا الحدیث بالحصحصة فی حکم الوسوسة۔

معالجہ حالت قبض وہیبت

بیان حکمت حالت قبض وہیبت کے عنوان سابق البیان کی طرح حسن اتفاق سے عنوان زیر بیان کا بھی تین ہی جزو پر مشتمل ہونا ذہن میں آیا گویا یہ معالجہ ایک نسخہ ہے جس کے تین جزو ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

جزو اول مطالعہ کتب ذیل مصنفہ حضرت والا مع مطالعہ جملہ مضامین عنوان سابق البیان یعنی بیان حکمت حالت قبض وہیبت (۱) رسالہ خاتمہ بالخیر (۲) رسالہ الابتلاء لاہل الاصطفاء (۳) رسالہ خیر الاخبار فی خیر الاختیار جو کتاب کمالات اشرفیہ کے آخر میں طبع ہو کر

ے یہ رسالہ الگ بھی طبع ہوا تھا مگر اب وہ کمیاب ہے جداگانہ کم ملتا ہے البتہ اب تبویب تربیت السالک کے مقدمہ کا جزو بن کر شائع ہوا ہے وہاں دیکھ لیا جائے ۱۲

شائع ہوا ہے (۴) تبویب تربیۃ السالک باب ہشتم۔

جزو دوم: مطالعہ بعض مضامین متفرقہ منقولہ ذیل از حضرت والا یہ مضامین دو حصوں پر مشتمل ہیں۔ حصہ اول تحریرات حصہ دوم تقریرات۔

حصہ اول تحریرات

(۱) (الف) نقل ضمیمہ رسالہ خاتمہ بالخیر۔

ضمیمہ: ایک موذی مرض کے علاج میں۔ خطرہ ہر چند مواخذہ کی چیز نہیں جیسا اوپر تحقیق ہوا مگر اس کا غلبہ وہجوم طبیعت کو بہت پریشان کر دیتا ہے اور انتہا درجہ کا حزن والم قلب پر طاری ہو جاتا ہے سو (یہ) امراض شرعیہ میں سے تو نہیں ہے اس حیثیت سے اس کا علاج ضرور نہیں مگر امراض طبعیہ میں سے سخت درجہ کا مرض ہے اس لیے اس کا علاج سہل ومجرب و مختصر بیان کیا جاتا ہے وہ یہ کہ خطرہ کی حقیقت بلا اختیار نفس کا کسی بری چیز کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے چونکہ یہ مسئلہ بہ ہدایت عقل و بہ تسلیم حکماء وعلماء ثابت ہے کہ نفس جس وقت ایک طرف متوجہ ہوتا ہے دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا اس لیے جب کسی بری چیز کا خیال دل میں آوے تو اس کے دفعیہ کا قصد نہ کرے نہ اس میں نہ اس کے اسباب میں خوض کرے کہ اس سے زیادہ لپٹتا ہے بلکہ فوراً کسی نیک چیز کی طرف خیال کو متوجہ کر دے اس سے وہ برا خیال خود بخود دفع ہو جائے گا اور اگر وہ پھر خیال میں آوے پھر ایسا ہی کرے۔

غلبۂ ہیبت کا علاج

(۲) ایک طالب کو جن پر ہیبت کا اس قدر غلبہ تھا کہ ضعف جسمانی بھی ہو چلا تھا اور لکھا تھا کہ شاید اس ہیبت میں گھل گھل کر مثل برف کے ختم ہو جاؤں گا۔ تحریر فرماتے ہیں۔ یہ ہیبت اور حزن مبارک اور رفیع حالات میں سے ہے اگر اس میں ختم ہو جائے شہادتِ کبریٰ ہے مگر سنت کا مقتضاء یہ ہے کہ جہاں تک اپنا علم اور قدرت کام دے اعتدال اور تعدیل کو اپنا مستقرِ اصلی بنائے' ہیبت کے ساتھ اُنس اور حزن اور سوءِ ظن بنفسہ کے ساتھ رجاء رحمت اور فنا کے ساتھ بقا اور نیستی کے ساتھ ہستی اور مبالغہ فی التواضع کے ساتھ مشاہدہ نعمت کا اہتمام و

استحضار کرے تا کہ ختم ہونے سے پہلے دوسروں کا خاتمہ درست کر سکے۔ کیفیات مذکورہ بالا سابقہ میں صاحب نسبت راسخہ کو اضطرار کم ہوتا ہے اکثر سوچنے سے بڑھ جاتی ہیں تو یہ سوچنا طریق میں مضر سمجھا جاتا ہے حدیث کے یہی معنی ہیں۔ **سددوا وقاربوا واستقیموا ولن تحصوا ومن شاق شاق اللہ علیہ** اور حافظ شیرازیؒ نے اسی معنی میں کہا ہے۔

دوش بامن گفت پنہاں راز دان تیز ہوش — کز شما پنہاں فشاید داشت راز میفر وش

(کل تیز سمجھ والے راز دان نے مجھ سے خفیہ کہا کہ شراب بیچنے والا تم سے پوشیدہ ہو کر راز پھیلاتا ہے)

گفت آساں گیر بر خود کارہا کز روئے طبع — سخت میگردد جہاں برمردمان سخت کوش

(اس نے کہا کاموں کو اپنے اوپر آسان سمجھ کیونکہ سختی جھیلنے والوں پر جہان والے طبعاً سخت ہوتا ہے)

آپ کو اگر آثار ہیبت وسوظن بنفسہ کا زیادہ غلبہ ہوا کرے تو یہ سوچا کیجئے کہ بیش بریں نیست کہ ہم ہر حالت میں ناقص اور عاصی ہیں تو خدا تعالیٰ کے یہاں جس طرح کاملین کی نجات ہوگی اسی طرح پر تائبین کی بھی ہوگی اگر صدر نشین نہ ہوں گے تو صف نعال ہی میں جگہ مل رہے گی اگر اولیت نہ ہوگی تو جوتیاں لگنے کے بعد ہی سہی بس یہ سمجھ کر اللھم اغفرلی کی کثرت کرنی چاہیے۔ انشاء اللہ تعالیٰ مزاج درست ہو جائے گا اور اگر اس پر بھی قبض مغلوب نہ ہو تو بعد رمضان یہاں فوراً آ جانا چاہیے اھ۔ (منقول از تبویب تربیۃ السالک باب پنجم)

نوٹ از مؤلف: سبحان اللہ کس بصیرت وقوت اور توجہ وشفقت کے ساتھ تدابیر ارشاد فرمائیں اور بصورت عدم رفع قبض کس جزم واعتماد سے خود اپنے پاس بغرض معالجہ طلب فرمایا۔ یہ سب فیوض وبرکات اس کے ہیں کہ خود حضرت والا پر سخت غلبہ ہیبت طاری ہو چکا تھا لہٰذا جو کچھ ایسے احوال شدیدہ میں فرماتے ہیں وہ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید کا مصداق ہوتا ہے اور یہی سبب ہے کہ حضرت والا کو اہل ابتلاء پر غایت درجہ ترحم ہوتا ہے اور بیحد شفقت کے ساتھ توجہ فرماتے ہیں۔

برے خاتمہ کے خوف کا غلبہ

(۳)۔ ایک اور طالب کو جنہوں نے ایک طویل عریضہ لکھا تھا (جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کبھی تو دل میں ایمان کی فرحت اور خوشی ہوتی ہے کبھی اپنے برے وجود کا خیال اور خاتمہ کا خوف غالب رہتا ہے) تحریر فرمایا۔ جو کچھ مجموعی حالت لکھی ہے اس سب کا حاصل قبض وبسط

ہے اور دونوں حالتیں نہایت رفیع ہیں اور دونوں سے قرب حق بڑھتا ہے اس واسطے دونوں کو نعمت سمجھ کر شکر کرنا چاہیے قبض کے غلبہ کے وقت اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت میں یا ثلاثین ترجمۂ اربعین میں کتاب الرجاء یعنی خدا کی رحمت کی امید کا مضمون بار بار دیکھنا چاہیے میں بھی دعا کرتا ہوں (منقول از تبویب تربیۃ السالک باب پنجم)

قبض کی وجہ سے پریشانی کا علاج

(۴)۔ ایک طالب کو جو بوجہ حالت قبض سخت پریشانی میں مبتلا تھے تحریر فرمایا۔ آپ کا حال اچھا خاصہ ہے۔ عبادت کے مختلف طریقے ہیں فکر بھی عبادت ہے۔ ذکر بلا قید عدد بھی عبادت ہے اپنے کو ذلیل وخوار قاصر وناقص سمجھنا بھی عبادت ہے غرض مقصود ہر حال میں حاصل ہے ہاں مذموم حالت دو ہیں ایک معصیت دوسری غفلت سو یہ بفضلہٖ تعالےٰ نہیں ہے۔ رہا غلبہ (جوش وخروش) اور شوق یہ حالات عارضہ میں سے ہے اس کا فقدان سالک کو مضر نہیں اور نہ یہ کیفیت بعینہ قائم ودائم رہ سکتی ہے جن حجابات کا آپ کو شبہ ہو گیا ہے وہ محض وہم ہے اور کچھ نہیں ہے آپ بلا دلیل محض تقلید سے میری تحریر پر مطمئن رہیے اور اپنے کام میں سہولت اور راحت سے لگے رہیے۔ پریشانی سے البتہ قلب ضعیف ہو جاتا ہے جس میں مضر ہونے کا احتمال ہے۔ غرض نہ آپ مریض نہ علاج کے محتاج البتہ فن کے نہ جاننے سے اپنی صحت کی خبر نہیں سو یہ بھی کوئی ضرر کی بات نہیں اھ۔ (منقول از تبویب تربیۃ السالک باب پنجم)

مختلف اہل قبض کو مکتوب گرامی

(۵)۔ بعض اہل قبض کے مختلف خطوط کے جوابات جن میں اسباب وتشخیص وعلاج مذکور ہیں ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

(الف)۔ یہ قبض ہے اس کی طرف التفات نہ کرو۔ کام میں لگے رہو اور استغفار کی کثرت رکھو اس کے منافع بسط سے بھی زیادہ ہیں صبر وتسلیم ورضا وتفویض اس کے آداب میں سے ہے۔

(ب)۔ یہ حالت جو آپ نے لکھی ہے قبض کہلاتی ہے اس کے اسباب مختلف ہیں اور معالجات بھی مختلف اگر آپ سے کوئی معصیت نہیں ہوئی اور غیر جنس لوگوں سے اختلاط

بھی نہیں ہوا تو اس کا سبب امتحان ہے توکل اور صبر سے کام لیجئے اور استغفار کیجئے اور میرے مواعظ وتربیۃ السالک دیکھئے کہ رحمت حق متوجہ ہو۔

(ج)۔ یہ قبض ہے اس کا سبب کبھی کوئی تغیر طبعی طبی ہوتا ہے کبھی معصیت کبھی محض امتحان طلب اس لیے جہاں سبب کی تشخیص نہ ہو سکے سب معالجات کو جمع کیا جائے۔ یعنی طبیب سے نبض وغیرہ دکھلا کر تعدیل مزاج کی جائے اور بلا التفات وتردد کام میں لگے رہنا چاہیے۔ (منقول از تبویب تربیۃ السالک باب پنجم)

صبر کرو

(۶)۔ ایک اہل قبض کو تحریر فرماتے ہیں۔

صبر کن حافظ بہ تلخی روز و شب　　　عاقبت روزے بیابی کام را

(حافظ حالات زمانہ کی تختی پر صبر کر آخر کار تو کسی دن اپنا مقصد حاصل کر لے گا)

شرح اس صبر کی یہ ہے کہ جتنے کام اختیار میں ہیں کیے جائیں اور جو امر غیر اختیاری پیش آوے اس میں ذرا جنبش نہ کریں نہ کچھ تجویز کریں بس خدا کے سپرد کر کے خاموش رہیں۔ (منقول از تبویب تربیۃ السالک باب پنجم)

(۷) بعض مختلف مبتلایان خطرات کو جو قطع خطرات کی بعض تدابیر ارقام فرمائیں وہ ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔ (الف) وساوس کوئی پریشانی کی چیز نہیں۔ پریشانی سے قلب ضعیف ہو جاتا ہے جس سے دونا ہجوم ہو جاتا ہے بجز بے پروائی اور بے التفاتی کے اور کوئی تدبیر نہیں بلکہ بہتر ہے کہ اس پر خوش ہو اس سے قلب کو قوت ہوتی ہے اور وساوس کو قبول نہیں کرتا بہت جلد قطع ہو جاتے ہیں اور حقیقت میں جب اس میں گناہ نہیں تو پھر پریشانی کیوں ہو۔

نوٹ یہ طالب حاجی حاجی صاحبؒ ہی کے سلسلہ کے ایک شخص سے بیعت تھے جو اس وقت مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے اس جواب کی برکت سے اس قدر نفع ہوا کہ پھر انہیں صاحب کا دوسرا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ الحمد للہ اب نہ وساوس کا ہجوم ہے نہ اوہام وہوا جس کا تلاطم سب قطعی طور سے نیست ونابود ہو گئے۔ حضور کا کس زبان سے اور کیسے شکر یہ ادا کیا جائے جو اس آڑے وقت میں دستگیری فرمائی ہے۔ الخ۔

(ب)۔ ایک طالب نے لکھا کہ کبھی ایسے وساوس قلب پر آتے ہیں جن سے ایمان کا خطرہ رہتا ہے۔ حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ یہ تو رحمت ہے کیا حدیث میں آپ نے ذاک صریح الایمان نہیں پڑھا اور اس میں بڑی حکمت ایک یہ ہے کہ اس سے عُجب کی جڑ کٹ جاتی ہے اور عدم تضرر یقینی اور منصوص ہے۔

(ج)۔ اس کی خاص تدبیر اور اس کی کوشش اور اس میں کاوش نہ فرمایئے۔ سرسری توجہ بقصد ذکر کی طرف رکھئے اس سے شدہ شدہ خود سب خطرات قطع ہو جائیں گے۔ (یہ سب تبویب تربیۃ السالک باب ہشتم سے منقول ہیں۔)

(د)۔ اس کا تو سہل علاج یہ ہے کہ جب ایسے تخیلات کا ہجوم ہو اپنے قصد و اختیار سے کسی نیک خیال کی طرف فوراً متوجہ ہو جانا اور متوجہ رہنا چاہیے اس کے بعد بھی اگر تخیلات باقی رہیں یا نئے آویں ان کا رہنا یا آنا یقیناً غیر اختیاری ہے۔ کیونکہ مختلف قسم کے دو خیال ایک وقت میں اختیار جمع نہیں ہو سکتے بس اشتباہ رفع ہو گیا اور اگر بالاختیار اچھے خیال کی طرف توجہ کرنے میں ذہول ہو جائے تو جب تنبیہ ہو ذہول کا تدارک تو استغفار سے اور پھر اسی تدبیر استحضار سے کام لیا جائے۔ یہ طریق عمل اس قدر سہل ہے کہ اس سے سہل کوئی چیز ہی نہیں بس اس کو دستور العمل بنا کر بے فکر ہو جانا چاہیے۔

(منقول از مکتوب مسمی بہ علاج الخیال جز و تربیۃ السالک مطبوعہ النور جلد ۱۵ نمبر ۳ بابتہ ماہ رجب المرجب ۱۳۵۳ھ)

حصہ دوم تقریرات

خطرات سے پریشان نہ ہونا چاہیے

(۱) فرمایا کہ سالک کو خطرات منکرہ سے پریشان نہ ہونا چاہیے نہ ان کی بناء پر اپنے کو مردود سمجھنا چاہیے کیونکہ ان خطرات کو تو شیطان قلب میں ڈالتا ہے جیسے کوئی بُری بُری باتیں کسی کے کان میں کہے اور سننے والے کو اس کے روکنے پر قدرت نہ ہو تو باوجود ناگوار ہونے کے اس کو مجبوراً بلا قصد و بلا اختیار سننا ہی پڑے گا یعنی وہ سامع ہو گا مستمع نہ ہو گا نہ متکلم ہو گا لہٰذا اس کا کیا قصور بلکہ اس کو جو ناگواری کی وجہ سے اذیت ہو رہی ہے اس کا اس کو اجر ملے

گا۔اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی اپنے محبوب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کے لیے نہایت شوق کے ساتھ جھپٹا ہوا چلا جارہا تھا کہ راستے میں اس کا دشمن ملا اور اس کو اس ارادہ سے باز رکھنے کے لیے اس کو سنا سنا کر بادشاہ کی شان میں بے ادبی کے کلمات بکنے لگا تو گونا گوار تو بہت ہوگا لیکن عقل اور طلب کا مقتضا یہی ہے کہ اس نالائق اور نمک حرام کی بیہودہ بکواس کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے ورنہ اگر ردوکد شروع کردی تو حاضریٔ دربار کے وقت کے گزر جانے کا اندیشہ ہے۔بس اس کو چاہیے کہ صبر کیے ہوئے خاموشی کے ساتھ چلتا چلا جائے پھر جب دربار میں رسائی ہوجائے گی تو اول تو وہ کم بخت آپ ہی پیچھا چھوڑ دے گا ورنہ کان پکڑ کر نکلوا دیا جائے گا چنانچہ اکثر عادۃ اللہ یہی ہے کہ بعد وصول تمام خطرات فنا ہو جاتے ہیں اور اگر بمقتضائے اسباب ومصالح خاصہ پھر بھی فنا نہ ہوں تب بھی کچھ غم نہ کرے کیونکہ خطرات غیر اختیاریہ پر مطلق مواخذہ نہیں نہ وہ معصیت ہیں البتہ اذیت وکلفت ضرور ہوتی ہے مگر اس پر بھی اجر ملتا ہے اور درجے بڑھتے ہیں۔

خطرات کی خاصیت

(۲)۔فرمایا کہ خطرات کی خاصیت بجلی کے تار کی سی ہے کہ اگر اس کو اپنی طرف کھینچنے کی نیت سے ہاتھ لگایا جائے تب بھی وہ لپٹتا ہے اور اگر ہٹانے کی نیت سے ہاتھ لگایا جائے تب بھی وہ لپٹتا ہی ہے بس خیریت اسی میں ہے کہ اس کو ہاتھ ہی نہ لگایا جائے۔نہ جلباً نہ سلباً اسی طرح خطرات و وساوس سے امن کی صورت یہی ہے کہ ان طرف التفات ہی نہ کیا جائے۔نہ جلباً نہ سلباً۔

قلب کی مثال

(۳)۔فرمایا کہ قلب کی مثال شاہی سڑک کی سی ہے جس پر امیر غریب شریف رذیل سب ہی چلتے ہیں کسی کو یہ حق نہیں کہ ایک دوسرے کو روکے اگر چمار اور بھنگی بھی چل رہے ہیں تو حرج ہی کیا ہے۔وہ اپنے راستے جارہے ہیں یہ اپنے راستے چلتا رہے۔اسی طرح قلب کی ساخت ہی منجانب اللہ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اس میں اچھے برے سبھی قسم کے خیالات کا ورود ہوتا رہتا ہے۔کسی کو اس مطالبہ کا حق نہیں کہ میرے قلب میں اچھے ہی اچھے

خیالات آیا کریں برے خیالات بالکل آویں ہی نہیں۔ اگر بلا اختیار برے خیالات آتے ہیں تو کیا ڈر ہے ہاں قصداً بُرے خیالات نہ لائے نہ قصداً ان کو باقی رکھے اور پھر اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہے۔ خطرات منکرہ کی طرف التفات ہی نہ کرے۔

سالک کی پریشانی کا سبب

(۴) فرمایا کہ سالک یہ سمجھ کر پریشان ہوتا ہے کہ خطرات قلب کے اندر سے پیدا ہو رہے ہیں حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ شیطان خارج سے ان خطرات کو قلب میں ڈالتا ہے جیسے کسی کوٹھری میں غلہ بھرا ہو تو یہ بات نہیں ہے کہ وہ غلہ کوٹھری کے اندر سے پیدا ہوا ہو بلکہ وہ پیدا تو کھیت میں ہوا ہے وہاں سے لا کر کوٹھری میں بھر دیا گیا ہے۔ اھ۔ یہ تو حضرت والا نے خطرات کے وارد علی القلب ہونے کے متعلق تحقیق بیان فرمائی اور بعد ورود ان کے واقع فی داخل القلب ہونے کے متعلق فرمایا کہ اگرچہ بادی النظر میں ایسا متوہم ہوتا ہے کہ خطرات قلب کی تہ میں گھسے ہوئے ہیں لیکن درحقیقت یہ بات نہیں ہوتی۔ خطرات داخل قلب میں واقع نہیں ہوتے بلکہ حوالی قلب میں رہتے ہیں اور جو چیز داخل قلب میں متوہم ہوتی ہے وہ خطرات نہیں ہوتے بلکہ ان کا اثر اور محض انعکاس ہوتا ہے کیونکہ داخل قلب میں واقع ہونے والی چیز تو صرف عقیدہ راسخہ ہوا کرتا ہے۔ (**کما یفھم من قولہ تعالیٰ ولما یدخل الایمان فی قلوبکم**) نہ کہ خطرہ جو ایک محض وہمی اور سطحی چیز ہے اور کچھ بھی نہیں (**کما یفھم من قولہ علیہ السلام ان الشیطان جاثم علیٰ قلب ابن ادم فاذا ذکر اللہ خنس واذا غفل وسوس الحدیث و انظر فی التفاوت بین کلمۃ فی و کلمۃ علیٰ**) پھر فرمایا کہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی آئینہ پر مکھی بیٹھی ہو تو بوجہ اس کے کہ اس کا عکس آئینہ کے اندر پڑ رہا ہے وہ آئینہ کے اندر بیٹھی ہوئی معلوم ہوتی ہے حالانکہ وہ ہوتی ہے آئینہ کے اوپر اور جو چیز آئینہ کے اندر نظر آ رہی ہے وہ مکھی نہیں ہے بلکہ مکھی کا محض عکس ہے۔ جس سے آئینہ میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔

خطرات پر خوش ہونا چاہیے

(۵)۔ فرمایا کہ شیطان اسی قلب میں وسوسے ڈالتا ہے جس میں ایمان ہوتا ہے

جیسے چور اسی گھر میں نقب لگاتا ہے جس میں دولت ہوتی ہے لہذا خطرات پر بجائے مغموم ہونے کے عقلاً خوش ہونا چاہیے کیونکہ شیطان کا قلب میں وسوسے ڈالنا قلب کے اندر دولت ایمان ہونے کی علامت ہے چنانچہ حدیث شریف میں بشارت وارد ہے ذاک صریح الایمان جب سالک خوش ہوگا تو شیطان مایوس ہوکر وسوسے ڈالنا ہی چھوڑ دے گا کیونکہ مؤمن کا خوش ہونا بھلا اس کو کب گوارا ہے اس نے تو مغموم کرنے کے لیے وسوسے ڈالے تھے جب وہ اس کو خطرات سے خوش ہوتا دیکھے گا تو پھر خطرات ڈالنا ہی چھوڑ دے گا۔ علاوہ بریں خطرات پر عقلاً خوش ہونے سے قلب میں قوت پیدا ہوگی اور پھر یہ قوت بھی خود معین ہوجائے گی دفع خطرات میں۔ اور جب خطرات دفع ہوجائیں گے تو پھر طبعی غم بھی جاتا رہے گا۔ اس طرح عقلی مسرت طبعی مسرت کا بھی سبب ہوجائے گی۔

احقر مؤلف کا تجربہ

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس کا مجھ کو بھی ذاتی تجربہ ہو چکا ہے کہ خطرات پر مغموم ہونے سے قلب میں سخت ضعف عارض ہو جاتا ہے جس سے خطرات کا اور زیادہ ہجوم ہوتا ہے اور سخت اذیت پہنچتی ہے اور اس امر کا عقلی اطمینان ہو جانے کے بعد یہ خطرات نعوذ باللہ سوء اعتقاد سے ناشی نہیں ہیں بفضلہ تعالیٰ فوراً سکون طبعی بھی حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ اس اطمینان کے بعد پھر ان خطرات کا پورا اندفاع ورنہ کم از کم تقلیل ضرور ہو جاتی ہے چنانچہ حال ہی میں بوجہ تبخیر احقر کے قلب و دماغ میں خطرات واہیہ کا سخت ہجوم تھا جس سے شدید غم و حزن طاری رہتا تھا۔ میرے استاد مکرم جناب مولانا سراج احمد صاحب سے یہ سلسلہ گفتگو جو ذکر آیا تو انہوں نے خود اپنے تجربہ کی بناء پر میرے احتمال تبخیر کی بہت قوت کے ساتھ تائید کی اور فرمایا کہ یہ حالت یقیناً تبخیر ہی کی وجہ سے ہے اور اس کی طبی اصول پر اس طرح تقریر فرمائی کہ مجھ کو اس وقت کامل یقین ہو گیا کہ ان خطرات کا سبب واقعی تبخیر ہی ہے نعوذ باللہ سوء اعتقاد نہیں بس اس کا یقین ہونا تھا کہ قلب کی تشویش فوراً دفع ہوگئی اور اس وقت سے انقباض طبعی مبدل بہ انشراح وانبساط ہو گیا پھر اس انبساط سے قلب کو قوت پہنچی جس نے

تبخیر ہی کو دفع کر دیا کیونکہ غم بھی اکثر موجب تبخیر ہو جاتا کرتا ہے۔

غرض کبھی عوارض طبیہ سے بھی خطرات کا ہجوم ہونے لگتا ہے بالخصوص ضعف قلب و دماغ اور اس تبخیر سے جس کو اصطلاح طب میں دُخانِ مراق سے تعبیر کرتے ہیں جس سے فساد متخیلہ عوارض ہو کر انسان اوہام باطلہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کبھی خطرات کے غم سے بھی عارض طبیہ لاحق ہو جاتے ہیں جو موجب ہو جاتے ہیں ازدیاد خطرات کے خلاصہ یہ ہے کہ کبھی عارض سبب ہوتے ہیں اور خطرات مسبب اور کبھی خطرات سبب ہوتے ہیں اور عارض طبیہ مسبب ایسی حالتوں میں طبیب جسمانی سے بھی رجوع کرنا چاہیے چنانچہ حضرت والا اکثر اہل ابتلاء کو یہ بھی مشورہ دیا کرتے ہیں لیکن فرمایا کرتے ہیں کہ خطرات غیر اختیاریہ خواہ کسی سبب سے ہوں نہ موجب مواخذہ ہیں نہ قابل اندیشہ و غم گو طبعی حزن وغم مذموم نہیں بلکہ یہ ایمان کی علامت ہے لیکن عقلاً بے فکری کو بہر حال غالب رکھنا چاہیے تا کہ وحزن طبعی مضمحل ہو جائے اور موجب پریشانی نہ ہو۔

خیال کی تبدیلی بھی نافع ہے

احقر کے واقعہ مذکورہ بالا سے یہ بھی تجربہ ہوا کہ خیال کے بدل جانے سے بھی خطرات دفع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت والا سالک کے لیے اس مراقبہ کا کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے بیحد نافع ہونا بتاکید فرمایا کرتے ہیں بلکہ یہاں تک فرمایا کرتے ہیں کہ اگر اپنی حالت اللہ تعالیٰ کی محبت کے قابل نہ بھی ہو تب بھی حسب بشارت انا عند ظن عبدی بی یہی نیک گمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے اھ۔ اور محبت حق کے آثار بھی موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان بنایا اور دین کی فکر عطا فرمائی۔ اور خطرات منکرہ پر طبعی غم نصیب فرمایا جو صریح علامت ہے ایمان کی اس مراقبہ محبت میں علاوہ اور منافع باطنیہ کے جن کے بیان کا یہ موقع نہیں یہ بھی بڑا نفع ہے کہ یہ مراقبہ خطرات کے دفع کا نہایت قوی الاثر اور مجرب بلکہ ضروری علاج ہے کیونکہ خطرات منکرہ کی بناء پر سالک کو بوجہ غایت خشیت و ناواقفی اس حالت پر بعد کا اور اپنے اوپر مبغوض عند اللہ ہونے کا وہم ہو جاتا ہے جو در حقیقت خلاف واقع ہوتا ہے لہذا بقاعدۂ العلاج بالضد اس وہم کا علاج محبوب عند اللہ ہونے کا مراقبہ ہے جو ایسی

حالت میں مطابق حقیقت کے بھی ہے کیونکہ خطرات مؤمنین ومقبولین ہی کو پیش آتے ہیں۔کافرین ومردودین کو پیش نہیں آتے جس کا سبب یہ ہے کہ شیطان کافرین ومردودین کی جانب سے تو مطمئن رہتا ہے کیونکہ وہ تو گمراہی میں اس کا کامل اتباع کر ہی رہے ہیں اور جب ایسے ضرر عظیم میں ان کو مبتلا کر رکھا ہے تو اس کو ضرورت ہی کیا ہے کہ پھر خطرات میں جو مطلق مضر دین نہیں ان کو مبتلا کرے (اور یہی مضمون اختصار کے ساتھ عنقریب جزو سوم میں بسلسلہ احادیث بضمن شرح حدیث ذاک صریح الایمان امام نوویؒ سے عبارت وقیل معناہ الخ میں منقول ہوگا) البتہ مؤمنین ومقبولین کے درپے رہتا ہے کہ اگر ہوسکے تو ان کو خطرات کے ذریعہ سے گمراہ کرے ورنہ کم از کم پریشان ہی کرے لہذا اس کی خواہش کو ہرگز پورا نہ ہونے دیا جائے یعنی خطرات منکرہ کو عقلاً منکر سمجھا جائے اور اپنے اختیار کو ان سے ہرگز متعلق نہ ہونے دیا جائے نہ حدوثاً نہ بقاءً نہ ان کے مقتضاء پر عمل کی نوبت آنے دی جائے اور بجائے مغموم ہونے کے خطرات کو علامت ایمان سمجھ کر اس پر عقلاً مطمئن اور مسرور رہے کہ بحمد اللہ میرے عقائد تو صحیح ہیں اور اسی جزو دوم کے حصہ اول کے فقرہ (د) میں جو حضرت والا کا ارقام فرمایا ہوا دستور العمل ہے اس کو اپنا معمول بنا کر بے فکری اور اطمینان کے ساتھ اپنے کو ذکر وطاعۃ اور ضروریات دینیہ ودنیویہ میں بلا لحاظ دلچسپی و عدم دلچسپی مشغول رکھا جائے بلکہ حسب تحقیق حضرت والا امور مباحہ کا بھی قدرے شغل رکھا جائے کہ وہ بھی وقایہ ہو جاتے ہیں خطرات منکرہ کا۔

خطرات کا بہترین علاج

(۶)۔ فرمایا کہ خطرات کو دفع کرنے کے ہرگز درپے نہ ہونا چاہیے۔ ورنہ وہ اور زیادہ ہجوم کرنے لگتے ہیں۔ شیطان کی خاصیت کتے کی سی ہے کہ جتنا اس سے ڈر کر بھاگا جائے اتنا ہی وہ اور زیادہ بھونکتا اور پیچھا کرتا ہے اور اگر اس کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے نہ ڈرا جائے نہ بھاگا جائے تو آپ ہی خاموش ہو کر واپس چلا جاتا ہے۔ لہذا خطرات کا بہترین علاج یہی ہے کہ ان کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے اور خوض تو ہرگز ہرگز نہ کیا جائے کیونکہ خطرات کے اندر بس خوض کرنا ہی غضب ہے اس سے بجائے شفا ہونے کے اور زیادہ پریشانی بڑھتی ہے اور خطرات کا

بہت زیادہ ہجوم ہونے لگتا ہے اور گو ان کا ہجوم دین کے لیے مطلقاً مضر نہیں کیونکہ بوجہ غیر اختیاری ہونے کے معصیت نہیں لیکن ان سے اذیت بے حد ہوتی ہے اور ان سے نجات پانے کی جو تدابیر بتائی جاتی ہیں وہ بھی دفع اذیت ہی کے لیے بتائی جاتی ہیں نہ کہ معصیت ہونے کی بناء پر کیونکہ اپنے آپ کو بلا ضرورت مشقت اور پریشانی میں ڈالنا بھی تو مناسب نہیں۔

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ کبھی خطرات کا سبب لطافت طبع اور ذکاوت حس ہوتی ہے جس پر یہ مصرع صادق آتا ہے۔ ع۔ اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی، کبھی عوارض طبیہ کبھی رذائل نفسانیہ کبھی تصرفات شیطانیہ کبھی معاصی اور کبھی حق تعالیٰ کی جانب سے طلب کا امتحان ہوتا ہے اور کبھی ان اسباب میں سے ایک سے زائد اسباب بھی جمع ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں جب سبب کی تشخیص نہ ہو سکے تو سب معالجات کو جمع کر لیا جائے لیکن ہر صورت میں علاوہ معالجات خاصہ کے سب کا مشترک علاج یہی ہے کہ التفات نہ کرے اور خوض نہ کرے نہ خطرات میں نہ ان کے اسباب میں نیز حضرت والا رذائل نفسانیہ کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ ملکات رذیلہ پر مواخذہ نہیں کہ وہ غیر اختیاری ہیں۔ افعال پر مواخذہ ہے جو اختیاری ہیں۔ ملکات رذیلہ کے مقتضاء پر بس عمل نہ ہونے دے باقی اس فکر میں نہ پڑے کہ ملکات رذیلہ زائل ہو جائیں کیونکہ وہ زائل نہیں ہوا کرتے البتہ مجاہدات اور تکرار مخالفت نفس سے مضمحل ہو جاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ وہ جبلی ہیں اور جبلت بدلا نہیں کرتی البتہ افعال جبلی نہیں ان پر اختیار ہے ان کا صدور نہ ہونے دے اور نہ اس غم میں پڑے کہ میری جبلت ہی کیوں ایسی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق بھی ہیں اور حکیم بھی ہیں ان کی اس میں سینکڑوں حکمتیں ہیں نیز رذائل نفس سے کون خالی ہے کم و بیش سب میں موجود ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ کیونکہ نفس کی ساخت ہی ایسی رکھی گئی ہے لیکن جب تک وہ رذائل قوت سے فعل میں نہ لائے جاویں اور ان کا ظہور بذریعہ صدور اعمال نہ ہو کوئی مواخذہ نہیں۔ جیسے دیا سلائی میں سب مادے جل اٹھنے اور بھڑک اٹھنے کے موجود ہیں لیکن اگر اس کو رگڑا نہ جائے تو چاہے جیب میں لیے پھرے کوئی اندیشہ نہیں ہاں اس کی ہر وقت سخت احتیاط رکھنی ضروری ہے کہ رگڑ نہ لگنے پائے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد فرمایا ہوا علاج

(۷)۔ فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے خطرات کا عجیب وغریب علاج ارشاد فرمایا تھا وہ یہ کہ یوں سوچا کرے کہ اللہ اکبر اللہ تعالیٰ نے قلب کو بھی کیسا بحر مواج بنایا ہے کہ خطرات موجوں کی طرح امڈے ہی چلے آتے ہیں۔ کسی طرح روکے رکتے ہی نہیں کیا خدا کی قدرت ہے کیا خدا کی صنعت ہے اس کو نقل فرما کر حضرت والا نے فرمایا کہ سبحان اللہ کیا لطیف معالجہ ہے کہ جن خطرات کو سالک آلہ بُعد سمجھ رہا تھا انہی کو مرآۃ جمال خداوندی بنا کر موجب قرب ومشاہدہ بنادیا۔اھ۔ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کا ایک اور بھی لطیف معالجہ جو خود حضرت والا کے لیے حضرت والا کی حالت رفیعہ اور شان عالی کے مناسب تحریر فرمایا تھا اس جگہ نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مکتوب نمبر ۴۵ مورخہ ۱۹۔ رجب ۱۳۱۶ھ میں جس کی نقل نقول مکتوبات امدادیہ میں نمبر ۴۰ پر پہلے اپنے موقع پر پیش بھی کی جا چکی ہے تحریر فرماتے ہیں کہ جو کچھ قلب پر وارد ہو منجانب اللہ خیال کرو۔ جو واردات مضر ہوں گے اس مراقبہ سے سب دفع ہو جائیں گے۔اھ۔

ضروری تنبیہ: مذکور معالجات کے مفید ہونے کی شرط

بعون اللہ تعالیٰ وبفضلہٖ حضرت والا کے ارشاد فرمودہ تحریری وتقریری معالجات خطرات کی نقل سے فراغت ہوئی۔ اب آخر میں ان سب معالجات کے متعلق حضرت والا ہی کی ارشاد فرمائی ہوئی ایک نہایت ضروری تنبیہ نقل کی جاتی ہے جس کو حضرت والا نے اس حصہ کو سنکر نہایت اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ اس قدر ضروری بات ہے کہ بغیر اس کے یہ سارا مضمون ہی معالجات خطرات کا نامکمل رہا جاتا ہے وہ تنبیہ یہ ہے کہ ان سب مذکورۂ بالا معالجوں کی شرط نفع یہ ہے کہ ان معالجوں کو معالجہ سمجھ کر اور دفع خطرات کی نیت سے ہرگز نہ کیا جائے بلکہ مستقل اعمال مفیدہ سمجھ کر اختیار کیا جائے اور نتیجہ خاص یعنی اندفاع خطرات کا بھی انتظار نہ کیا جائے ورنہ اس انتظار سے تعجیل اور تعجیل سے تقاضا اور تقاضے سے تشویش پیدا ہوگی اور بھلا تشویش کے ہوتے ہوئے خطرات کیونکر دفع ہو سکتے ہیں بلکہ

بجائے انتظار اندفاع خطرات کے اپنی طرف سے اس پر بالکل آمادہ رہا جائے کہ اگر ساری عمر بھی خطرات سے نجات نہ ملے تب بھی کچھ پرواہ نہیں جو کام ہم کو بتایا گیا ہے بس وہ ہم کر رہے ہیں اس سے زیادہ کے ہم مکلف ہی نہیں اور ہر حال میں اس امر واقعی اور عقیدہ واجبہ کا استحضار رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی۔ حاکم ہونے کی بناء پر تو ان کو اپنی مخلوق کے اندر ہر قسم کے تصرفات کرنے کا پورا حق اور کامل اختیار حاصل ہے وہ اپنے بندوں کے اندر جو چاہیں تصرف فرمائیں کسی کو مجال چون و چرا نہیں اور حکیم ہونے کی بناء پر بندہ کو ان کے ہر تصرف کے متعلق اجمالاً یہ اعتقاد رکھ کر بالکل مطمئن رہنا چاہیے کہ یہ تصرف میرے حق میں سراسر حکمت ہے گو اس کی تفصیلی حکمتیں معلوم نہ ہوں۔ اھ۔ الحمدللہ معالجہ قبض وہیبت کے جزو دوم سے بھی فراغت حاصل ہوئی اب اس کا جزو سوم ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

جزو سوم

مراقبہ و استحضارِ بعض آیات و احادیث و تکرار بعض اشعارِ اہلِ استبصار بہ تفکر و اعتبار جو ذیل میں مذکور ہیں۔

آیات: لایکلف اللّٰہ نفساً الا وسعها لها ماکسبت وعلیها ما اکتسبت وتکرار مناجات ہذا ربنا لا تؤاخذ نا ان نسینا او اخطا نا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین ونیز تکرار مناجات ہذا ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذهدیتنا وهب لنا من لدنک رحمة انک انت الوهاب ونیز تکرار مناجات ہذا ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین۔ ضروری تفسیر آیت لایکلف اللّٰہ نفساً الا وسعها از بیان القرآن توضیح مضمون وان تبدوا الخ۔ لا یکلف اللّٰہ نفساً الا وسعها . لها ماکسبت وعلیها ما اکتسبت۔ (یعنی ہم نے جو پہلی آیت میں کہا ہے کہ نفوس کی پوشیدہ باتوں پر بھی محاسبہ ہوگا اس سے مراد امور غیر اختیاری نہیں بلکہ صرف امور اختیاریہ

ہیں کیونکہ) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو (احکام شرعیہ میں) مکلف نہیں بناتا (یعنی ان امور کو واجب یا حرام نہیں فرماتا) مگر اسی کا جو اس کی طاقت (اور اختیار) میں ہو اس کو ثواب بھی اسی کا ہوتا ہے جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے (اور جو وسعت سے باہر ہے اس کا مکلف نہیں کیا گیا اور جس کے ساتھ قصد اور ارادہ متعلق نہیں اس کا نہ ثواب ہے نہ عذاب اور وساوس طاقت سے خارج ہیں۔ تو ان کے آنے کو حرام اور ان کے نہ آنے دینے کو واجب نہیں کیا اور نہ ان پر عذاب رکھا۔)

نوٹ: اگر کسی صاحب کو مزید تفصیل و تحقیق کا شوق ہو تو وہ سورۂ بقر کے آخری رکوع کی پوری تفسیر کو بیان القرآن مصنفہ حضرت والا میں ملاحظہ فرمائیں ۱۲۔

احادیث: عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله تجاوز عن امتي ماوسوست به صدورها مالم تعمل به (اى مادام لم يتعلق به العمل ان كان فعليا) اوتتكلم (ان كان قوليا) متفق عليه و عنه قال جاء ناس من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الى النبى صلى الله عليه وسلم فسألوه انا نجد فى انفسنا مايتعاظم احد نا ان نتكلم به قال اوقد وجد تموه قالو انعم قال ذاک صريح الايمان رواه مسلم.

عن ابن عباس ان النبى صلى الله عليه وسلم جاءه رجل فقال انى حدث نفسى بالشئ لان اكون حممة احب الى من ان اتكلم به قال الحمدلله الذى ردامره الى الوسوسة راوه ابوداؤد.

عن ابى هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ياتى الشيطان احد كم فيقول من خلق كذا من خلق كذا حتىٰ يقول من خلق ربک فاذابلغه فليستعذ بالله ولينت. متفق عليه و عنه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (فى مثل هذا) فمن وجد من ذلک شيئا فليقل امنت بالله و رسله متفق عليه و عنه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (فى مثل هذا) فاذا قالو اذلک فقولوا الله احد الله الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له

كفواً احد ثم ليتفل عن يساره ثلثا و ليستعذ باللّٰه من الشيطٰن الرجيم رواه ابو داؤد (مشكوة باب الوسوسة)

قال النووی فقوله صلی اللّٰه علیه وسلم ذاک صریح الایمان معناه استعظامکم الکلام به هو صریح الایمان فان استعظام هذا اوشدة الخوف منه ومن النطق به فضلا عن اعتقادهٖ انما یکون ممن استکمل الایمان ایمانا محققا و انتفت عنه الریبة والشکوک الیٰ قوله و قیل معناه ان الشیطٰن انما یوسوس لمن ایس من اغوائه فینکد علیه بالوسوسة لعجزه عن اغوائه واماالکافرفانه یاتیه من حیث شاء ولا یقتصر فی حقه علی الوسوسة بل یتلاعب به کیف اراد فعلےٰ هذا معنی الحدیث سبب الوسوسة محض الایمان اوالوسوسة علامة محض الایمان وهذا القول اختیار القاضی عیاض. واما قوله صلی اللّٰه علیه وسلم فمن وجد ذلک فلیقل اٰمنت باللّٰه و فی الروایة الاخریٰ فلیستعذ باللّٰه ولینته فمعناه الاعراض عن هذا الخاطر الباطل والالتجاء الی اللّٰه فی اذهابه و نقل عن الامام المازری قال ظاهر الحدیث انه صلی اللّٰه علیه وسلم امرهم ان ید فعو الخواطر بالا عراض عنها والردلها من غیر استدلال و الانظرفی ابطالها الیٰ قوله لما کان امراطار یا بغیر اصل دفع بغیر نظر فی دلیل اذلااصل له ینظر فیه وقال فی معناه اذا عرض له هذا الوسواس فلیلجاء الی اللّٰه تعالیٰ فی دفع شره عنه و لیعرض عن الفکر فی ذلک ولیعلم ان هذا الخاطر من وسوسة الشیطٰن وهوا انما یسعےٰ بالفسادوالاغواء فلیعرض عن الاصغاء الی وسوسته ولیبادر الی قطعها بالاشتغال بغیرها۔

اشعار اہل استبصار

(از حضرت عارف رومیؒ)

رنج راحت شد چو مطلب شد بزرگ　　(۱)　　گردِ کلہ توتیا لے چشم گرگ

جب مقصد بڑا ہو تو تکلیف راحت میں بدل جاتی ہے، بھیڑیے کی نظر..........

بس زبون وسوسہ باشی دلا　　(۲)　　گر طرب را باز دانی از بلا

اے دل تو وسوسوں میں مبتلا ہو جائے گا اگر تو مصیبت سے نکل راحت میں آ جائے۔

گر مُرادت را مذاق شکر است　　(۳)　　بے مرادی نے مراد دلبر است

اگر تیری طبیعت میں شکر کی عادت ہو، تو کوئی ناکامی نہیں ہے سب محبوب کی مراد ہے۔

ناخوش او خوش بود بر جانِ من　　(۴)　　دل فدائے یارِ دل رنجان من

اے میری جان اس کا ناخوش بھی خوش ہوتا ہے، میرا دل مجھے تکلیف دینے والے محبوب پر قربان ہے

عاشقم بر لطف و بر قہرش بجد　　(۵)　　اے عجب من عاشقم بر ہر دو ضد

میں دل سے مہربانی اور غصے پر عاشق ہوں، تعجب ہے کہ میں دو متضاد چیزوں پر عاشق ہوں۔

غم چو بینی زود استغفار کن　　(۶)　　غم بہ امرِ خالق آمد کار کن

جب تو غم دیکھے تو فوراً استغفار کر، غم پیدا کرنے والے کے حکم سے آیا ہے تو کام کر۔

در بلیاتِ جہاں صبار باش　　(۷)　　گاہِ نعمت شاکر جبار باش

زمانہ کی مصیبتوں پر صبر کرتا رہ، کبھی اس جبار کی نعمتوں کا شکر بھی کر۔

صُنعِ حق را بین و مکرِ خود بہل　　(۸)　　اے زِ صُنعش مکرِ مکاراں خجل

اللہ تعالیٰ کی کاریگری دیکھ اور اپنا مکر چھوڑ دے، اس کی کاریگری کے سامنے بڑے بڑے تدبیر کرنے والوں کی تدبیریں شرمسار ہے۔

چونکہ مکرت شد فنائے صنعِ رب　　(۹)　　بر کشائی یک کمینے بوالعجب

چونکہ تیرا مکر اللہ تعالیٰ کی کاریگری میں فنا ہے اس لئے اے حیرانی میں ڈوبے ہوئے اپنے لئے کوئی پناہ گاہ بنالے۔

کہ کمینہ این کمیں باشد بقا (۱۰) تا ابد اندر عروج وارتقا

کیونکہ اس پناہ گاہ میں پناہ لئے ہوئے کو بقا حاصل ہے جو ابد تک ترقی و بلندی میں رہے گا۔

از برائے ایں کمیں سعی بکن (۱۱) تا بری بوئے زعلم من لدن

اس پناہ گاہ میں آنے کے لئے کوشش کرتا کہ تو علم لدنی کی خوشبو پائے۔

چونکہ برمیخت بہ بند بستہ باش (۱۲) چوں کشاید جابک و برجستہ باش

جب وہ تجھے ایک جگہ پر باندھ دے تو تو بندھا رہ، جب کھولے تو چست و ہوشیار ہو جا۔

کوئے نومیدی مرد کامید ہاست (۱۳) سوئے تاریکی مرد خورشید ہاست

مایوسی کے کوچے میں نہ جا کیونکہ بہت ساری امیدیں ہیں، اندھیرے کی طرف نہ جا کیونکہ بہت سارے سورج ہیں۔

(از حضرت عارف شیرازیؒ)

دعا

اے بادشہِ خوباں داد از غم تنہائی (۱۴) دل بے تو بجاں آمد وقت است کہ باز آئی

اے حسینوں کے بادشاہ! تنہائی کے غم سے ہماری فریاد ہے، تیرے بغیر دل موت کے قریب ہے یہ تیرے واپس آنے کا وقت ہے۔

اے دردِ توام درماں بر بستر ناکامی (۱۵) دے لے یادِ توام مونس در گوشۂ تنہائی

اے وہ کہ تیرا درد ہی اس ناکامی کے بستر پر میرا علاج ہے، اے وہ کہ تیری یاد میں میری اس تنہائی میں مجھے محبت دینے والی ہے۔

در دائرۂ قسمت مانقطۂ پرکاریم (۱۶) لطف آنچہ تو اندیشہ حکم آنچہ تو فرمائی

قسمت کے دائرے میں ہم پرکار کا نکتہ ہیں، تو جو سوچے گا وہی کرم ہے اور جو تو فرمائے وہی حکم ہے۔

زیں دائرۂ مینا خونیں جگرم مے دہ (۱۷) تا حل کنم ایں مشکل زیں ساغر مینائی

اس شرابی دائرے سے میرا دل خون میں لت پت ہے مجھے شراب دے، تاکہ میں اس شرابی جام سے اس مشکل کو حل کروں۔

ایضاً

جز آستانِ توام در جہان پناہے نیست (۱۸) سرِ مرا بجز ایں در حوالہ گاہے نیست

تیرے آستانے کے سوا اس جہان میں میرے لئے کوئی پناہ نہیں ہے۔ میرا راز اس درگاہ کے سوا کہیں نہیں ہے۔

ایضاً

در تیرہ شب ہجر تو جانم بہ لب آمد (۱۹) وقت است کہ ہمچوں مہ تاباں بدر آئی

جدائی کی اندھیری رات میں میری جان لبوں تک پہنچ گئی ہے، اب وقت ہے کہ تو روشن چاند کی طرح اندر آئے۔

جاں میدہم از حسرت دیدارِ تو چوں صبح (۲۰) باشد کہ چو خورشید درخشاں بدر آئی

تیرے دیدار کی حسرت میں صبح کی طرح جان دے رہا ہوں، ہوسکتا ہے کہ تو روشن سورج کی طرح باہر آئے۔

بر خاک دست بستہ ام از دیدہ دو صد جوئی (۲۱) باشد کہ تو چوں سروِ خراماں بدر آئی

میں تیرے در کی خاک پر تیری آنکھوں کو انتظار میں لگا کر بندھا ہوا ہوں، ہوسکتا ہے کہ تو سرو کی طرح ٹہل کر باہر آئے۔

برائے تسلی (غزل)

یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعان غم مخور (۲۲) کلبۂ احزاں شود روزے گلستان غم مخور

گمشدہ یوسف کنعاں میں واپس آجائے گا تو غم نہ کھا، غم سے بھرا ہوا گھر ایک دن باغ بن جائے گا تو غم نہ کھا۔

ایں دلِ غمدیدہ حالش بہ شود دل بد مکن (۲۳) دیں سرِ شوریدہ باز آید بہ ساماں غم مخور

اس غمگین دل کا حال بدل جائے گا تو دل کو مایوس نہ کر، وہ دیوانہ سامان کے ساتھ واپس آجائے گا تو غم نہ کر۔

دورِ گردوں گردو روزے بر مراد ما نگشت (۲۴) دائما یکساں نماند کارِ دوراں غم مخور

زمانہ کی گردش چکر کھائے گی اور ایک دن ہمارے مطلوب پر آئے گی، زمانے کا معاملہ ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا تو غم نہ کھا۔

ہاں مشو نومید چوں واقف نہ از سرِ غیب (۲۵) باشد اندر پردہ بازیہائے پنہاں غم مخور

جب تو غیب کے راز سے واقف نہیں ہے تو ناامید نہ ہو، پردے کے اندر کئی کھیلیں ہوتی ہیں تو غم نہ کر۔

ہر کہ سرگرداں بعالم گشت وغمخوارے نیافت (۲۶) آخر الامر او بہ غمخوارے رسد ہاں غم مخور

جو جہاں میں پریشان ہو کر گھوما اور اسے کوئی غمخوار نہیں ملا، آخر کار وہ بھی اپنے غمخوار تک پہنچ جائے گا تو غم نہ کھا۔

در بیاباں گر بہ شوق کعبہ خواہی زد قدم (۲۷) سرزنشہا گر کند خار مغیلاں غم مخور

اگر تو کعبہ جانے کے شوق میں جنگل میں چلا ہے اور جھاڑیوں کے کانٹے تجھے تنبیہ کرتے ہیں تو بھی تو غم نہ کر۔

گرچہ منزل بس خطرناک است مقصد ناپدید (۲۸) ہیچ راہے نیست کو را نیست پایاں غم مخور

اگرچہ منزل بہت خطرناک ہے اور مقصد ظاہر نہیں ہو رہا لیکن ہر راستہ ایسا نہیں ہے جس کی انتہاء نہ ہو، تو غم نہ کر۔

ایدل ار سیل فنا بنیاد ہستی ہر کند (۲۹) چوں ترا نوح ست کشتیباں از طوفاں غم مخور

اے دل اگر ہلاک کرنے والا سیلاب تیری ہستی کی بنیاد اکھیڑتا ہے تو حضرت نوحؑ جیسا تیری کشتی کا ملاح ہے تو غم نہ کھا۔

گر بہار عمر باشد باز بر طرف چمن (۳۰) چتر گل بر سر کشی اے مرغ خوشخواں غم مخور

اگر زندگی کی بہار رہی تو تو اے خوش آواز پرندے تو باغ کے کنارے پھول پر بیٹھے گا۔

حافظا در کنج فقر وخلوت شبہائے تار (۳۱) تا بود وردت دعا ودرس قرآں غم مخور

اے حافظ جب تک خلوت خانے کے کونہ میں اندھیری راتوں میں تیرا ورد وظیفہ دعا اور قرآن پڑھنا ہے تو غم نہ کر۔

دیگر

رسید مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند (۳۲) چناں نماند وچنیں نیز ہم نخواہد ماند

خوشخبری آئی ہے کہ غم کے دن نہیں رہیں گے، وہ حالات نہیں رہے تو یہ بھی نہیں رہیں گے۔

چہ جائے شکر وشکایت زنقش نیک وبد است (۳۳) کہ کس ہمیشہ گرفتار غم نخواہد ماند

یہ اچھے برے حالات کے شکوہ وشکر کی جگہ نہیں ہے کیونکہ کوئی ہمیشہ غم میں گرفتار نہیں رہتا۔

ابیات

اے دل صبور باش مخور غم کہ عاقبت (۳۴) از شام صبح گردد واز شب سحر شود

اے دل صبر پر قائم رہ غم نہ کر کیونکہ آخر کار شام سے صبح ہوگی اور رات کی سحر ہوگی۔

حافظ مکن اندیشہ کہ آن یوسفِ مصری (۳۵) باز آید واز کلبۂ احزاں بدر آئی

حافظ اندیشہ نہ کر کیونکہ وہ مصر والے یوسفؑ واپس آئینگے اور تو غموں سے باہر آئیگا۔

ازغم ودرد مکن نالۂ وفریاد کہ دوش (۳۶) زدہ ام فالے وفریادرسے می آید

غم کی وجہ سے آہ وزاری نہ کر کیونکہ میں نے کل فال نکالی ہے اور کوئی فریاد کو پہنچنے والا آرہا ہے۔

صبر کن حافظ بہ تلخی روز وشب (۳۷) عاقبت روزے بیابی کام را

اے حافظ حالات کی سختی پر صبر کر، آخر کار ایک دن تو اپنے مقصد کو پالے گا۔

در طریقت، ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست (۳۸) بر صراطِ مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

طریقت میں سالک کو جو بھی پیش آئے اس کے لئے بہتر ہے، اے دل سیدھے راستہ پر ہوتے ہوئے کوئی گمراہ نہیں ہوتا۔

دوزے برسی بہ وصل حافظ (۳۹) گر طاقتِ انتظار داری

اے حافظ ایک دن تو وصل حاصل کرے گا، اگر تجھ میں انتظار کی طاقت ہے تو!

نصیحت (غزل)

ہر چہ فرمانِ تو باشد آں کنند (۴۰) عاشقاں را بر سر خود حکم نیست
عاشقوں کو تو اپنے اوپر حکم کرنے کا بھی اختیار نہیں ہے جو آپ فرمائیں گے وہی کریں گے۔

عیشِ خوش در بوتۂ ہجراں کنند (۴۱) خوش برآ از غصہ ایدل کاہل راز
اے دل غصہ سے باہر نکل خوش رہ کیونکہ راز دان، ہجر کی کٹھالی میں اچھا وقت گزارتے ہیں۔

دیگر

چو یار ناز نماید شما نیاز کنید (۴۲) میان عاشق و معشوق فرق بسیار است
عاشق و معشوق کے درمیان بہت فرق ہے، جب محبوب ناز کرے تو تم نیاز کرو۔

گر اعتماد بر الطافِ کارساز کنید (۴۳) بجانِ دوست کہ غم پردۂ شما ندرد
تمہیں محبوب کی جان کی قسم کہ غم تمہارا پردہ نہ پھاڑ ڈالے، اگر تم کارساز حقیقی کے کرم پر اعتماد کرو۔

دیگر

جز آہ اہل فضل بکیواں نمی رسد (۴۴) از حشمت اہل جہل بکیواں رسیدہ اند
(جاہل دولت کے سبب ساتویں آسمان پر پہنچے ہوئے ہیں مگر بزرگ لوگ فریاد کے بغیر ساتویں آسمان پر نہیں پہنچتے۔

ہر کس کہ جاں ندارد بہ جاناں نمیرسد (۴۵) حافظ صبور باش کہ درراہ عاشقی
حافظ صبر کر کیونکہ عاشقی کے راستہ میں جو جان قربان کرے وہ محبوب تک نہیں پہنچتا۔

دیگر

بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش (۴۶) باغباں گر پنج روزے صحبتِ گل بایدش
مالی اگر پانچ دن پھولوں کی صحبت میں رہنا چاہتا ہے تو اسے جدائی کے کانٹوں پر بلبل کی طرح صبر کرنا چاہیے۔

مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش (۴۷) ایدل اندر بندِ زلفش از پریشانی منال
اے دل اس کی زلفوں کی قید میں پریشان ہو کر فریاد نہ کر، سمجھدار پرندہ جب جال میں پھنس جائے تو اسے صبر چاہیے۔

نازہا زیں نرگسِ مستانہ می باید کشید (۴۸) ایں دلِ شوریدہ گر آں زلف وکاکل بایدش

اگر اس دیوانے دل کو وہ زلف چاہیے تو اسے اس مست محبوب کے نخرے برداشت کرنے ہوں گے۔

باچنیں زلف ورخے یادش نظر بازی حرام (۴۹) ہر کہ روئے یاسمین وجعد سنبل بایدش

جسے یاسمین جیسا چہرہ اور سنبل جیسی زلفوں کی ضرورت ہے اسے عام زلفوں اور چہروں پر نظر کرنا حرام ہے۔

تکیہ برتقویٰ ودانش درطریقت کافریست (۵۰) راہ روگر صد ہنر دارد توکل بایدش

طریقت کے راستہ میں تقویٰ وعمل پر بھروسہ کرنا کفر ہے، مسافر اگرچہ سو کمال رکھتا ہو پھر بھی اسے توکل کرنا چاہیے۔

دیگر

روزے اگر غمے رسدت تنگدل مباش (۵۱) رو شکر کن مبادکہ از بد بتر شود

اگر ایک دن تجھے غم پہنچے تو تنگدل نہ ہو، بلکہ شکر کر کہ کہیں بد سے زیادہ برا نہ ہو جائے۔

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر (۵۲) آرے شود ولیک بخونِ جگر شود

کہتے ہیں کہ صبر کرنے کے بعد پتھر موتی بنتا ہے، ہاں بنتا ہے مگر خونِ جگر دینے کے بعد۔

خواہم شدن بمیکدہ گریاں ودادخواہ (۵۳) کز دستِ غم خلاص دل آنجا مگر شود

میں شراب خانہ میں فریاد کرتا ہوں اور انصاف کی درخواست کرتا ہوں، ہوسکتا ہے کہ وہاں میرا دل غم کے ہاتھ سے نجات مل جائے۔

ابیات

عاشق مخور غم گر وصل خواہی (۵۴) خوں بایدت خور درگاہ و بیگاہ

عاشق! اگر تجھے وصل چاہیے تو غم نہ کھا، تجھے وقت بے وقت اپنا خون پینا چاہیے۔

جام مئے وخونِ دل ہر یک بہ کسے دادند (۵۵) در دائرۂ قسمت اوضاع چنیں باشد

شراب کا جام کسی کو اور کسی کو خونِ دل دیا ہے، قسمت کے دائرہ کی تقسیم اسی طرح ہے۔

از خلاف آمدِ عادت بطلب کام کہ من (۵۶) کسبِ جمعیت ازاں زلفِ پریشاں کردم
عادت کے خلاف اپنے مطلب حاصل ہونے کی خواہش کر کیونکہ میں نے اس پریشان زلف سے دل کا اطمینان پایا ہے۔

تو بندہ گلہ از بادشہ مکن اے دل (۵۷) کہ شرطِ عشق نباشد شکایت از کم وبیش
اے دل تو غلام ہے تو بادشاہ سے شکایت نہ کر، کیونکہ کم وزیادہ کی شکایت عشق کے لئے مناسب نہیں ہے۔

بہ دُرد وصاف ترا حکم نیست دم درکش (۵۸) کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است
تجھے گدلے اور صاف سے کیا واسطہ تو خاموش رہ، جو کچھ ہمارے ساقی نے ہمیں دیا ہے وہی اس کا کرم ہے۔

مشو فریفتۂ رنگ وبو قدح درکش (۵۹) کہ زنگِ غم زدلت جز مئے مغاں نبرد
رنگ وخوشبو پر عاشق نہ ہو جام پی جا، کیونکہ تیرے دل کا زنگ سوائے مستانے کی شراب کے اور کوئی نہیں اتار سکتا۔

بہ دردِ عشق بساز وخموش شو حافظ (۶۰) رموزِ عشق مکن فاش پیش اہل عقول
اے حافظ عشق کے درد کے ساتھ گزارا کر اور چپ رہ، عاشق کے راز عقل والوں کے سامنے نہ کھول۔

حافظ از بادِ خزاں در چمن دہر مرنج (۶۱) فکر معقول بہ فرما گل بے خار کجاست
اے حافظ زمانہ کے باغ میں خزاں کی ہوا سے پریشان نہ ہو، عقل سے سوچ کہ پھول بغیر کانٹے کے کہاں ہے۔

بر آستانۂ تسلیم سر بنہ حافظ (۶۲) کہ گر ستیزہ کنی روزگار بستیزد
اے حافظ، تسلیم کے آستانہ پر سر جھکا دے کیونکہ اگر تو لڑائی کرے گا تو زمانہ بھی لڑے گا۔

صحبت عافیت گرچہ خوش افتاد اے دل (۶۳) جانبِ عشق عزیز است فرو مگذارش
اے دل تجھے راحت کی رفاقت اچھی لگی ہے مگر عشق کا پہلو عزیز ہے اسے نہ چھوڑ۔

بہ پائے شوق گرایں رہ بسر شدے حافظ (۶۴) بدستِ ہجر ندادے کسے عنانِ فراق

اے حافظ اگر یہ راستہ شوق کے قدموں سے طے ہو جاتا تو کوئی بھی جدائی کے ہاتھوں میں ہجر کی باگ نہ دیتا۔

طبیبِ عشق منم بادہ خور کہ ایں معجون (۶۵) فراغت آرد و اندیشہ بلا ببرد

میں عشق کا معالج ہوں، لہٰذا تو شراب پی کیونکہ یہ معجون تجھے مطمئن کرے گی اور مصیبت کا غم ختم کرے گی۔

جز بآبِ آتشیں یعنی شراب (۶۶) حل نمیگردد مرا ایں مشکلات

آگ کے رنگ والے پانی یعنی شراب کے بغیر میری یہ مشکلات کوئی حل نہیں کرتا۔

ہمت افزائی (غزل)

روزگاریست کہ سودائے کسی دین من است (۶۷) غمِ ایں کار نشاطِ دلِ غمگین من است

ایک زمانہ گزر گیا ہے کہ کوئی میرے طریقہ کا عاشق ہے، اس مقصد کا غم میرے غمگین دل کے لئے خوشی ہے۔

یارب ایں کعبۂ مقصود زیارتگہِ کیست (۶۸) کہ مغیلان طریقش گل و نسرین من است

اے رب اس مقصد کی منزل کس کی زیارت گاہ ہے کیونکہ اس کے راستہ کے کانٹے میرے لئے پھول وکلیاں ہیں۔

ابیات

مرا گدائے تو بودن ز سلطنت خوشتر (۶۹) کہ ذُلِ جور و جفائے تو عزّ و جاہ من است

میرے لئے تیری گدائی کرنا بادشاہی سے اچھی ہے کہ تیری ظلم کی ذلت میرے لئے عزت و مرتبہ ہے۔

عالم از نالۂ عشاق مباد اخالی (۷۰) کہ خوش آہنگ و فرح بخش نوائے دارد

جہان عاشقوں کی فریادوں سے خالی نہ ہو کیونکہ ان کی آواز بڑی خوبصورت و فرحت بخش ہے۔

ناز پروردہِ تنعم نبرد راہ بدوست (۷۱) عاشق شیوۂ رندان بلاکش باشد

نازوں میں پلے ہوئے محبوب کا راستہ نہیں پا سکتے کیونکہ عاشق تو مصیبتیں جھیلنے والے رندوں کا کام ہے۔

خام را طاقتِ پروانۂ پر سوختہ نیست (۷۲) نازکاں را نہ رسد شیوۂ جاں افشانی

کسی غیر پختہ کو پر جلانے والے پروانے جتنی بھی ہمت نہیں ہوتی، نازک لوگ جان قربان کرنے کا کام نہیں کر سکتے۔

عشق بازی کارِ بازی نیست ایدل سر بباز (۷۳) زانکہ گوئے عشق نتواں زد بچوگان ہوس

اے دل تو ہٹ جا کیونکہ عشق کوئی کھیل نہیں ہے، کیونکہ عشق کی گیند ہوس کی لکڑی سے نہیں پھینکی جا سکتی۔

میل من سوئے وصال و قصدِ دوست سوئے فراق (۷۴) ترک کامِ خود گرفتم تا بر آید کام دوست

میرا میلان وصال کی طرف ہے اور اس کا ارادہ فراق کا ہے، میں نے اپنا ارادہ چھوڑ دیا ہے تا کہ محبوب کا مقصد پورا ہو جائے۔

بادل خونیں لبِ خنداں بیاور ہمچو جام (۷۵) نے گرت زخمے رسد آئی چونے اندر خروش

خون میں لتھڑے دل کے باوجود شراب کی طرح ہنستے ہوئے لبوں کے ساتھ آ، یہ نہیں کہ اگر تجھے کوئی زخم آ گیا ہے تو تو بانسری کی طرح شور مچاتا ہوا آئے۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب (۷۶) کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

فراق و وصل کیا ہے تو اپنے محبوب کی رضا طلب کر، کیونکہ اس سے اسی کے علاوہ کسی اور چیز کی تمنا عیب کی بات ہے۔

فراز و شیب بیابانِ عشق دام بلاست (۷۷) کجاست شیر دلے کز بلا نہ پرہیز د

عشق کے جنگل کی اونچ نیچ آزمائش کا جال ہے، وہ بہادر کہاں ہے جو آزمائش سے نہ ڈرے۔

گر موج خیز حادثہ سر بر فلک زند (۷۸) عارف بآب تر نکند رختِ بخت خویش

اگر موجیں مارنے والے حادثہ کی بلندی آسمان تک پہنچ جائے تو عارف اپنے بخت کے سامان کو پانی سے بھیگنے نہیں دیتا۔

زیر شمشیر غمش رقص کناں باید رفت (۷۹) کانکہ شد کشتۂ او نیک سرانجام افتاد

اس کے غم کی تلوار کے نیچے ناچتے ہوئے جانا چاہیے کیونکہ جو اس کے ہاتھوں قتل ہو وہ اچھے انجام کو پہنچتا ہے۔

حافظا شاید اگر در طلب گوہر وصل (۸۰) دیدہ دریا کنم از اشک و در غوطہ خورم

اے حافظ! مناسب ہے کہ اگر میں وصل کے موتی کی تلاش میں آنکھوں کو آنسوؤں کا دریا بنالوں اور اس میں غوطے کھاؤں۔

از حضرت شیخ شیرازیؒ

طلبگار باید صبور و حمول (۸۱) کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول

طالب کو صبر والا اور برداشت والا ہونا چاہیے، کیونکہ میں نے کسی کیمیا گر کو تنگ ہوتے ہوئے نہیں سنا ہے۔

اگر مردِ عشقی کم خویش گیر (۸۲) وگرنہ رہِ عافیت پیش گیر

اگر تو عشق باز آدمی ہے تو اپنے آپ کو گم کر دے ورنہ عافیت کا راستہ قابو رکھ۔

مترس از محبت کہ خاکت کند (۸۳) کہ باقی شوی چوں ہلاکت کند

محبت سے نہ ڈر کہ وہ تجھے خاک کر دے گی جب وہ تجھے ہلاک کرے گی تو تو باقی ہوگا۔

خوشا وقت شوریدگان غمش (۸۴) اگر ریش بینند وگر مرہمش

عشق کے دیوانوں کا وقت کیا خوب ہے کہ اگر ایک زخم کھاتے ہیں تو دوسرے کو اس کا مرہم سمجھتے ہیں۔

دما دم شراب الم درکشند (۸۵) وگر تلخ بینند دم درکشند

برابر درد کی شراب پیتے جاتے ہیں اور اگر کڑوی محسوس کرتے ہیں تو بھی خاموش رہتے ہیں۔

اسیرش نخواہد رہائی زبند (۸۶) شکارش نجوید خلاص از کمند

اس کا قیدی قید سے رہائی نہیں چاہتا، اس کا شکار جال سے چھٹکارا نہیں چاہتا۔

صبوری ترا کامگاری دہد (۸۷) زرنج و بلا رستگاری دہد

صبر تجھے کامیابی دے گا، دکھ اور تکلیف سے تجھے رہائی دے گا۔

از حضرت عطارؒ

گرہمی داری فرح را انتظار (۸۸) در بلا جز صبر نبود ہیچ کار

اگر تو خوشی کا انتظار کر رہا ہے تو مصیبت کے وقت صبر کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے۔

(از نواب مصطفٰے خان صاحب شیفتہ متخلص بہ حسرتی در فارسی)

ابیات

خواہش کہ دمے چند بہ آرام برآری (۸۹) خونیں جگر و خستہ دل و سوختہ جاں باش

اگر تو چند لمحے آرام سے گزارنا چاہتا ہے تو جگر کو خون خون اور دل کو ٹکڑے کر کے اور جان کو جلا کر رہ۔

اے عندلیب جائے تو در خاطر گل است (۹۰) گو برق سوز و باد ببر آشیانہ را

اے بلبل تیرا ٹھکانہ تو پھول کے دل میں ہے، اسے کہہ کہ اپنے آشیانہ کو آگ و ہوا سے جلاوے۔

ریزند گلِ وصل بہ دامانِ محبت (۹۱) یک نالہ بہ شب در کش و صد خندہ سحر کن

محبت کے دامن میں محبوب سے ملاقات کے پھول گراتے ہیں، ایک رات آہ و زاری میں گزار اور سینکڑوں خوشیوں کے ساتھ صبح کر۔

حسرتی دل شاہد عدل است ہاں محزوں مباش (۹۲) بیت عشرت باز ایں بیت الحزن خواہد شدن

اے حسرتی تو غمگین نہ ہو دل اس پر سچا گواہ ہے کہ یہ غموں کا گھر خوشیوں کا گھر بن جائیگا۔

منتظر باش و مکن شکوہ واز دیر مرنج (۹۳) وعدۂ وصل سزاوار تقاضا نبود

انتظار میں رہ، شکایت نہ کر اور شراب خانے سے ناراض نہ ہو، وصل کا وعدہ تقاضے کے لائق نہیں ہوتا

(متفرقات) قطعہ

عاشق چیست بگو بندۂ بودن (۹۴) دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن

عاشقی کیا ہے کہو کہ محبوب کا غلام بن جانا، دل دوسروں کے ہاتھ میں دینا اور حیران رہنا۔

سوئے زلفش نظرے کردن و رویش دیدن (۹۵) گاہ شاداں شدن و گاہ پریشان بودن

اس کی زلف کو تکنا اور اس کا چہرہ دیکھنا، کبھی خوش ہونا اور کبھی پریشان رہنا۔

غزل

بہ تیغ ادائے تو سری فروشم (۹۶) بہ نوکِ سنانت جگری فروشم

تیری ادا کی تلوار کے بدلے سر بیچتا ہوں، تیرے تیر کی نوک کے بدلے جگر بیچتا ہوں۔

اسیری زیر وازِ گلزار بہتر (۹۷) بکنج قفس بال وپرمی فروشم

زندہ رکھے تو تیری عطا ہے اور اگر قتل کرے تو بھی تجھ پر قربان ہیں، دل تجھ پر فریفتہ ہے تو جو بھی کرے تیری مرضی۔

ابیات

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو (۹۸) دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اگر چہ دور افتادم باین امید خورسندم (۹۹) کہ شاید دست من بار دگر جانانِ من گیرد

اگر چہ دور پڑا ہوں لیکن اس امید پر خوش ہوں کہ شاید میرا محبوب دوبارہ میرا ہاتھ پکڑ لے۔

گاہ شادی گاہ غمگینی دلے (۱۰۰) می ندانی شادی و غم از کجا

کبھی خوشی اور کبھی غم، لیکن تو یہ نہیں جانتا کہ یہ خوشی وغم کہاں سے ہیں۔

نوٹ: یہ سو اشعار ہیں اس عدد کی مصلحت بیان حکمت حالت قبض و ہیبت کے آخر میں جو اشعار درج کیے گئے ہیں ان کے ختم پر جو نوٹ ہے اس میں ظاہر کی جا چکی ہے۔۱۲

بعون اللہ تعالےٰ وبفضلہٖ معالجہ قبض وہیبت کا جزو سوم بھی جو اس کا آخری جزو تھا ختم ہو گیا اور بحمد اللہ تعالےٰ اس کے ساتھ ہی کراسہ حاضرہ مسمّی بہ الغیبہ فی الھیبہ بھی بوجہ اس کے کہ اس کے متعلق تقریباً سب مضامین ضروریہ بعون اللہ تعالےٰ معرض تحریر میں آ گئے ختم ہو گیا۔

اب اس رسالہ الغیبہ فی الھیبہ میں سے واقعات و دلائل کو حذف کر کے صرف مہمات مسائل علمیہ وعملیہ متعلقہ حالت قبض وہیبت کا خلاصہ "بہ طیب الطیبہ لشیب الھیبہ" بغرض تسہیل استفادہ اور ایک ضروری انتباہ بغرض رفع اشتباہ مسمّی بہ "الانتباہ لرفع الاشتباہ" ہدیۂ ناظرین کر کے اور پھر معذرت طویل پیش کر کے شکر نعمت اختتام و دعائے رحمت رب الانام پر اس عاجلہ نافعہ کو انشاء اللہ تعالیٰ ختم کر دیا جائے گا۔

طیب الطیبه لشیب الهیبه
ملقب به اربعین للمجروحین

یعنی خلاصہ مہمات مسائل علمیہ وعملیہ متعلقہ حالت قبض وہیبت

ملتقطہ از رسالہ "الغیبہ فی الہیبہ" بحذف واقعات ودلائل

(اس خلاصہ میں بلالحاظ ترتیب رسالہ کی اصل عبارات جابجا سے نقل کی گئی ہیں بجز چند الفاظ زائدہ کے جو کہیں کہیں ربط ظاہر کرنے کے لیے بڑھائے گئے ہیں لیکن امتیاز کے لیے ان الفاظ کو بین القوسین محصور کر دیا گیا ہے ۱۲)

ابتلاء ولوازم سلوک سے ہے

(۱) اکثر احوال میں نزول بلا عادۃ لوازم سلوک سے ہے۔

عادت اللہ

(۲) اکثر و بیشتر سالکین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی معاملہ رہتا ہے کہ قبض وبسط یا خوف و رجاء یا ہیبت و انس یا عروج ونزول کم وبیش عمر بھر پیش آتے رہتے ہیں اور اس کے قلب پر جو کہ جلوہ گاہ محبوب حقیقی ہے کبھی تجلی جمال اور کبھی تجلی جلال کا ورود ہوتا رہتا ہے۔

انسدادِ خطرات کی تدبیر

(۳) تدابیر انسدادِ اشد ادخطرات: اول یہ کہ سالک حتی الوسع اپنے قلب کی تقویت اور تفریح کے لیے مقویات ومفرحات کا استعمال اور اسباب مشوشۂ قلب سے حتی الامکان اجتناب رکھے تاکہ قلب میں قوت رہے اور ایسے احوال کا تحمل کر سکے اور منجملہ اسباب قویہ مشوشۂ قلب کے کسی ایسے واقعہ حزن کا جس کی تدبیر اختیار سے خارج ہو (مثلاً کسی کی موت) خواہ اس حزن کا منشاء اپنا درد ہو یا دوسرے کی ہمدردی ہو یا اس کے آثار ونتائج متیقنہ یا محتملہ کا

ذہن میں استمرار استحضار یا زبان سے اس کا تکرار ہے یعنی بقصد اس کو سوچنا اور اس میں خوض و فکر کرنا یا اس کا بکثرت تذکرہ کرنا کہ اس سے قلب ایک معتد بہ درجہ میں متاثر ہو کر مشوش اور مضمحل ہو جاتا ہے اور واقعہ مخوف سے حزن طبعی ہونا گو غیر اختیاری ہے جو مضر بھی نہیں ہے لیکن اس کا بار بار یاد کرنا ذکر کرنا اختیاری ہے اور مضر بھی ہے اور جس طرح اس کا احداث یا ابقاء اختیاری ہے اسی طرح اس کا ازالہ بھی اختیاری ہے۔ جس کا طریق تجربہ سے تایید بالنص سے یہ ہے کہ کسی اہم واجب مساح یا طاعت میں قلب کو مشغول کر دیا جائے اور واقعہ غم کی یاد کی مذکورہ بالا ممانعت میں جو کثرت کی قید لگائی اسکی وجہ یہ ہے کہ بالکل تذکرہ نہ کرنا اور ضبط میں مبالغہ کرنا بھی تجربہ سے مضر ثابت ہوا ہے کہ سب غبار اندر ہی اندر رہنے سے طبعیت گھٹ جاتی ہے اور اس کی قوت دافعہ غم گھٹ جاتی ہے اس لیے مصلحت یہ ہے کہ شروع شروع میں گاہ گاہ اپنے کسی دیندار ہمدرد سے اعتدال کے ساتھ حدود شرعیہ میں رہ کر اس واقعہ غم کا کسی قدر تذکرہ بھی کر لیا کرے۔ اس کی بھی تائید نص سے ہوتی ہے۔ (دونوں جزوں کی نصوص تائید یہ اصل میں مذکور ہیں) اور دوسرے کے ساتھ اپنی ہمدردی کو بھی حد کے اندر رکھے اور وہ حد یہ ہے کہ دوسرے کو نفع تو پہنچ جائے لیکن اپنے کو ضرر نہ پہنچے اس کے لیے بس عقلی ہمدردی کافی ہے اور طبعی ہمدردی کو صرف اسی حد تک رہنے دیا جائے جس حد تک عقلی ہمدردی کے مؤثر ہونے کے لیے ضروری ہو اس سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے ورنہ تجربہ سے یہ بھی مضر ثابت ہوا ہے۔ زیادہ ہمدردی اور ترحم سے قلب کو تو تکلیف ہوتی ہی ہے بعض اوقات خلاف تسلیم و تفویض خیالات پیدا ہونے لگتے ہیں جو سخت اندیشہ کی بات ہے۔

دوسرے ترک مشاغل مباحہ میں مبالغہ نہ کرے اور بالکلیہ یکسوئی اختیار نہ کر لے تاکہ قلب میں ایسی چیزیں بھی مہیا رہیں جو اس قسم کے خطرات کو آنے سے روکیں لیکن ان مشاغل مباحہ میں تعلقات حبی کا بڑھانا داخل نہیں کہ وہ بھی مضر ہیں صرف تعلقات انتظامی و تفریحی کافی ہیں مثلاً انتظامات معاش، سیر و تفریح، مطالعہ تواریخ وغیرہ

تیسرے خطرات کی طرف التفات ہی نہ کرے یہاں تک کہ بقصد دفع بھی التفات نہ کرے بلکہ ذکر میں توجہ کے ساتھ مشغول ہو جائے لیکن توجہ میں بھی مبالغہ اور تندہی نہ کرے

ورنہ کاوش کرنے سے طبیعت تھک کر ملول ہو جائے گی اور پھر خطرات کا اثر ہونے لگے گا۔

مفید مراقبے

(۴)۔ (ارشادات حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (الف) جو کچھ قلب پر وارد ہو منجانب اللہ خیال کرو۔ جو واردات مضر ہوں گے اس مراقبہ سے سب دفع ہو جائیں گے۔ (ب) یوں سوچا کرے کہ اللہ اکبر اللہ تعالیٰ نے قلب کو بھی کیسا بحر مواج بنایا ہے کہ خطرات موجوں کی طرح امڈے ہی چلے آتے ہیں کسی طرح روکتے رکتے ہی نہیں کیا خدا کی قدرت ہے۔ کیا خدا کی صنعت ہے (ختم ہوئے ارشادات حضرت حاجی رحمۃ اللہ علیہ کے)

خطرات کو خارج سمجھنا چاہیے

(۵)۔ (تدبیر فرمودۂ حاجی سید محمد عابد صاحب دیوبندیؒ) یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ خطرات قلب میں داخل نہیں ہو رہے بلکہ خارج ہو رہے ہیں جیسے اگر چور گھر کے اندر چوری کرنے کے لیے گھسے تب بھی دروازہ پر نظر آتا ہے اور اگر گھر والوں کے جاگ پڑنے کے بعد بھاگنے لگے تب بھی دروازہ ہی سے گزرتا ہوا نظر آتا ہے۔ (ختم ہوا ارشاد حاجی محمد عابد صاحب دیوبندیؒ کا)

غلبۂ حال منافیٔ کمال نہیں

(۶) کاملین پر بھی کبھی غلبۂ حال ہو جاتا ہے لیکن وہ منافی کمال نہیں ہوتا۔

صاحبِ مقام حدود سے تجاوز نہیں کرتا

(۷)۔ صاحب مقام پر جو غلبۂ حال ہوتا ہے اس میں وہ حدود سے خارج نہیں ہوتا بخلاف صاحب حال کے کہ وہ کبھی حدود سے بھی خارج ہو جاتا ہے گو اس کو گناہ نہیں ہوتا کیونکہ بوجہ مغلوبیت وہ اس وقت مرفوع القلم ہوتا ہے۔

صاحبِ مقام کی کیفیات روحانی ہوتی ہیں

(۸)۔ صاحب مقام پر بھی کیفیات کا ورود ہوتا ہے لیکن ان کیفیات میں لطافت ہوتی ہے کیونکہ وہ روحانی ہوتی ہیں برخلاف اس کے صاحب حال کی کیفیت نفسانی ہوتی ہے جن میں ثقل ہوتا ہے۔

(۹)۔ ابتلائے قبض وہیبت کو تکلیف تو بیشک سخت ہوتی ہے لیکن قطع طریق میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔

وساوس میں الطاف ہوتے ہیں

(۱۰)۔ وساوس بعض اقسام قبض میں چند خفی الطاف رحمانیہ ہیں۔ (الف) اس شخص کو کبھی عُجب نہیں ہوتا سمجھتا ہے کہ میں بدحال ہوں (ب) ہمیشہ ترساں رہتا ہے اپنے علم و عمل پر ناز نہیں ہوتا۔ سمجھتا ہے کہ میرا علم و عمل و حال کیا چیز ہے اس کی حقیقت دیکھ چکا ہوں۔ (ج) اگر یہ عقبہ پیش آ چکتا ہے شیطان کے مقابلہ میں اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اس سے ڈرتا نہیں کہ بس اس سے زیادہ کیا کرلے گا اور بدوں اس کے گزرے ہوئے لطیف الطبع کو ہر مضر صحبت تک سے اندیشہ رہتا ہے (د) مرتے وقت اگر دفعۃً یہ حالت پیش آتی تو پریشان ہو کر خدا جانے کس کس خیال میں مرتا اگر یہ عقبہ گزر جائے تو اس کے تحمل کی قوت ہو جاتی ہے اگر اس وقت بھی ایسا ہوا پریشان تو حق تعالیٰ پر بدگمان نہ ہوگا اطمینان و محبت حق میں جان دے گا۔ (ہ) یہ شخص محقق ہو جاتا ہے دوسرے مبتلا کی دستگیری آسانی سے کرسکتا ہے (و) ہر وقت اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھتا ہے کہ ایسے نالائق کو ایسی نعمتیں عطا فرماتے ہیں (ز) اس حدیث کے معنی برائے العین دیکھ لیتا ہے کہ مغفرت عبد کی عمل سے نہ ہوگی رحمت حق سے ہوگی۔ وغیر ذلک مما لا یحصیٰ۔

قبض کا ایک سبب

(۱۱)۔ (قبض کے) اسباب مختلف ہوتے ہیں چنانچہ ایک سبب یہ بھی ہے کہ تحمل سے زیادہ کام کیا جائے۔

قبض بسط سے ارفع ہے

(۱۲)۔ محققین نے اس کو (یعنی قبض کو) بسط سے ارفع کہا ہے کہ اس سے اخلاق رذیلہ کا معالجہ زیادہ ہوتا ہے تمام ذاکرین کو قریب قریب یہ حالت پیش آتی ہے پھر اس سے نجات بھی ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اور ترقی ہوتی ہے۔

نہ سوز کمال ہے نہ خشکی نقصان

(۱۳)۔ جس شوق و ذوق سوز و گداز کو آپ کمال سمجھتے ہیں نہ وہ کمال ہے اور جس خشکی اور وسوسہ کو آپ نقصان سمجھتے ہیں نہ وہ نقصان ہے۔ (نوٹ) یہ ایک خط کی عبارت ہے ۱۲)

افعال اختیاری و غیر اختیاری

(۱۴) کلیہ سمجھ لیجئے کہ جو افعال اختیاری ہیں ان میں اللہ و رسول کے خلاف نہ کیا جائے تو پھر احوال خواہ کچھ ہی ہوں وہ چونکہ غیر اختیاری ہیں ان کی کچھ پرواہ نہ کرنا چاہیے آپ محرم نہیں ہیں ایک وقت میں یہ امر تحقیقاً بھی معلوم ہو جائے گا اب تقلیداً مان لیجئے۔ (نوٹ یہ بھی ایک خط کی عبارت ہے ۱۲)

قبض کے بے شمار منافع ہیں

(۱۵)۔ میری (یعنی حضرت والا کی ۱۲) تمنا دل سے اپنے متعلقین کے لیے اس کے (یعنی حالت قبض کے) طاری ہونے کی بشرط البصیرت والاستقلال ہوا کرتی ہے اور اس کے منافع اس قدر ہیں کہ احصاء میں نہیں آتے جن سب کا خلاصہ فناء تام ہے اور اس کے بعد جو بسط ہوتا ہے وہ بھی بے نظیر ہوتا ہے۔

منافع بعد میں معلوم ہوتے ہیں

(۱۶)۔ عین قبض کے وقت گو (اس کے) منافع معلوم نہ ہوں مگر بعد میں اکثر معلوم بھی ہو جاتے ہیں اور اگر معلوم بھی نہ ہوں تب بھی حاصل تو ہوتے ہیں اور حصول ہی مقصود ہے نہ کہ اس حصول کا علم ہرگز پریشان نہ ہوں ذکر جس قدر ہو سکے کر لیا کیجئے اگر چہ کسی قدر تکلف ہی کرنا پڑے اور اگر چہ اس میں دلچسپی بھی نہ ہو اور جس میں زیادہ کلفت ہو اس کو تخفیف کر دیجئے اور استغفار کی قدرے کثرت رکھیں جب تک یہ حالت رہے ہفتہ میں ایک بار دو بار اطلاع دیتے رہیے۔ سب کو یہ حالت پیش آتی ہے میں تو اس سے خوش ہوا کہ علامت ہے راہ قطع ہونے کی یہ سب رستہ ہی گھاٹیاں ہیں۔ (نوٹ یہ بھی ایک خط کی عبارت ہے ۱۲)

عبدیت کی حقیقت کا مشاہدہ

(۱۷)۔ یہ تغیرات (یعنی تغیرات احوال) طبعی و نفسانی ہیں نہ کہ روحانی و قلبی سوا ایسے

تغیرات مضر تو کیا نافع ہوتے ہیں۔ عبدیت کی حقیقت کا اس میں مشاہدہ ہوتا ہے فنا و تہی دستی رائے العین ہو جاتی ہے اختیاری کام کی پابندی ایسے ہی وقت دیکھنے کے قبل او رمحل امتحان ہے اگر اس امتحان میں پاس ہو گیا اعلیٰ درجہ کے نمبر کا مستحق ہوگا۔

حالتِ قبض وہیبت کی حکمت

(۱۸)۔ اس حالت میں (یعنی حالت قبض وہیبت میں) سالک یہ دیکھ کر پریشان ہوتا ہے کہ میرے لیے چاروں طرف سے راستے بند کر دیئے گئے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی اس میں یہ مصلحت ہوتی ہے کہ سب طرف سے مایوس ہو کر میری ہی طرف رجوع ہو اور اس سد باب سے مقصود اپنے سے محجوب کرنا نہیں ہوتا بلکہ شیطان سے بچا کر خود اپنی پناہ میں لینا مقصود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سالک کو اس تنگی میں اس لیے مبتلا کرتے ہیں کہ وہ مہلکات باطنی عُجب و کبر سے محفوظ رہے اور اگر اس کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا جاتا تو رذائل نفس کے پنجہ میں جا پھنستا اور ہلاک ہو جاتا۔

مفید کتابیں

(۱۹)۔ مطالعہ کتب ذیل مصنفہ حضرت والا۔

رسالہ خاتمہ بالخیر و رسالہ الابتلاء لاہل الاصطفاء و رسالہ خیر الاخبار فی خیر الاختیار (جو کتاب کمالات اشرفیہ کے آخر میں طبع ہو کر شائع ہوا ہے) و تبویب تربیۃ السالک باب ہشتم۔

خطرہ کی حقیقت

(۲۰)۔ خطرہ کی حقیقت بلا اختیار نفس کا کسی بُری چیز کی طرف متوجہ ہو جانا ہے۔

(۲۱)۔ ہیبت اور حزن مبارک اور رفیع حالات میں سے ہے اگر اس میں ختم ہو جائے شہادت کبریٰ ہے مگر سنت کا مقتضاء یہ ہے کہ جہاں تک اپنا علم وقدرت کام دے اعتدال و تعدیل کو اپنا مستقر اصلی بنائے ہیبت کے ساتھ اُنس اور حزن و سوءِ ظن بنفسہ کے ساتھ رجاء رحمت اور فناء کے ساتھ بقا اور نیستی کے ساتھ ہستی اور مبالغہ فی التواضع کے ساتھ مشاہدہ نعمت کا اہتمام و استحضار کرے۔

اللّٰھم اغفرلی کی کثرت کریں

(۲۲)۔ اگر آپ کو آثار ہیبت و سوءِ ظن بنفسہ کا زیادہ غلبہ ہوا کرے تو یہ سوچا کیجئے کہ

بیش بریں نیست کہ ہم ہر حالت میں ناقص اور عاصی ہیں تو خدا تعالیٰ کے یہاں جس طرح کاملین کی نجات ہوگئی اسی طرح پر تائبین کی بھی ہوگی اگر صدر نشین نہ ہوں گے تو صف نعال ہی میں جگہ مل رہے گی اگر اولیت نہ ہوگی تو جوتیاں لگنے کے بعد ہی سہی۔ بس یہ سمجھ کر اللّٰھم اغفرلی کی کثرت کرنی چاہیے۔ (نوٹ۔ یہ ایک خط کی عبارت ہے ۱۲)

غلبہ قبض کے وقت مطالعہ کی کتب

(۲۳)۔ قبض کے غلبہ کے وقت اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت میں یا ثلاثین ترجمہ اربعین میں کتاب الرجاء یعنی خدا کی رحمت کی امید کا مضمون بار بار دیکھنا چاہیے۔

مذموم حالتیں

(۲۴)۔ مذموم حالت دو ہیں ایک معصیت دوسری غفلت۔ رہا غلبہ (جوش وخروش) اور شوق یہ حالت عارضہ میں سے ہے اس کا فقدان سالک کو مضر نہیں اور نہ یہ کیفیت بعینہ قائم ودائم رہ سکتی ہے حجابات کا آپ کو شبہ ہو گیا ہے وہ محض وہم ہے اور کچھ نہیں اپنے کام میں سہولت اور راحت سے لگے رہیے۔ پریشانی سے البتہ قلب ضعیف ہو جاتا ہے جس میں مضر ہونے کا احتمال ہے۔ (یہ ایک خط کی عبارت ہے ۱۲)

نہ مریض نہ حاجتِ علاج

(۲۵)۔ نہ آپ مریض نہ علاج کے محتاج البتہ فن کے نہ جاننے سے (اپنی) صحت کی خبر نہیں۔ سو یہ بھی کوئی ضرر کی بات نہیں (یہ بھی ایک خط کی عبارت ہے ۱۲)

قبض کے مختلف اسباب

(۲۶)۔ اس کے اسباب (یعنی قبض کے) مختلف ہیں اور معالجات بھی مختلف اگر آپ سے کوئی معصیت نہیں ہوئی اور غیر جنس لوگوں سے اختلاط بھی نہیں ہوا تو اس کا سبب امتحان ہے توکل اور صبر سے کام لیجئے اور استغفار کیجئے اور میرے مواعظ (یعنی حضرت والا کے ۱۲) وتربیۃ السالک دیکھئے کہ رحمت حق متوجہ ہو۔ (یہ بھی ایک خط کی عبارت ہے ۱۲)

بس خاموش رہیں

(۲۷)۔ جتنے کام اختیار میں ہیں کیے جائیں اور جو امر غیر اختیاری پیش آوے اس

میں ذرا جنبش نہ کریں نہ کچھ تجویز کریں بس خدا کے سپرد کر کے خاموش رہیں۔

وساوس پریشانی کی چیز نہیں

(۲۸)۔ وساوس کوئی پریشانی کی چیز نہیں۔ پریشانی سے قلب ضعیف ہو جاتا ہے جسے دونا ہجوم ہو جاتا ہے بجز بے پروائی اور بے التفاتی کے اور کوئی تدبیر نہیں بلکہ بہتر ہے کہ اس پر خوش ہو اس سے قلب کو قوت ہوتی ہے اور وساوس کو قبول نہیں کرتا بہت جلد قطع ہو جاتے ہیں اور حقیقت میں جب اس میں گناہ نہیں تو پھر پریشانی کیوں ہو۔ گو طبعی خون و غم مذموم نہیں بلکہ یہ ایمان کی علامت ہے لیکن عقلاً بے فکری کو بہر حال غالب رکھنا چاہیے تا کہ وہ حزن طبعی مضمحل ہو جائے اور موجب پریشانی نہ ہو۔

تخیلات کا آسان علاج

(۲۹)۔ اس کا (یعنی تخیلات فاسدہ کا) تو سہل علاج یہ ہے کہ جب ایسے تخیلات کا ہجوم ہو اپنے قصد و اختیار سے کسی نیک خیال کی طرف فوراً متوجہ ہو جانا اور متوجہ رہنا چاہیے اس کے بعد بھی اگر تخیلات باقی رہیں یا نئے آویں ان کا رہنا یا آنا یقیناً غیر اختیاری ہے کیونکہ مختلف قسم کے دو خیال ایک وقت میں اختیاراً جمع نہیں ہو سکتے بس اشتباہ رفع ہو گیا اور اگر بالاختیار اچھے خیال کی طرف توجہ کرنے میں ذہول ہو جائے تو جب تنبہ ہو ذہول کا تدارک تو استغفار سے اور پھر اسی تدبیر استحضار سے کام لیا جائے۔ طریق عمل اس قدر سہل ہے کہ اس سے سہل کوئی چیز ہی نہیں بس اس کو دستور العمل بنا کر بے فکر ہو جانا چاہیے۔

خطرات پر اجر

(۳۰)۔ سالک کو خطرات منکرہ کی بناء پر اپنے کو مردود نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ ان خطرات کو تو شیطان قلب میں ڈالتا ہے لہذا اس کا (یعنی سالک کا) کیا قصور بلکہ اس کو جو ناگواری کی وجہ سے اذیت ہو رہی ہے اس کا اس کو اجر ملے گا۔

خطرات پر مؤاخذہ نہیں

(۳۱)۔ غالب عادۃ الہیہ یہی ہے کہ بعد وصول تمام خطرات فنا ہو جاتے ہیں اور اگر بمقتضائے اسباب و مصالح خاصہ پھر بھی فنا نہ ہوں تب بھی کچھ غم نہ کرے کیونکہ خطرات غیر اختیاریہ پر مطلق مؤاخذہ نہیں۔

قلب کی ساخت

(۳۲)۔ قلب کی ساخت ہی منجانب اللہ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اس میں اچھے بُرے سبھی قسم کے خیالات کا ورود ہوتا رہتا ہے کسی کو اس مطالبہ کا حق نہیں کہ میرے قلب میں اچھے ہی اچھے خیالات آیا کریں۔ بُرے خیالات بالکل آویں ہی نہیں۔

خطرات کا مقام

(۳۳)۔ خطرات داخل قلب میں واقع نہیں ہوتے بلکہ حوالی قلب میں رہتے ہیں اور جو چیز داخل قلب میں متوہم ہوتی ہے وہ خطرات نہیں ہوتے بلکہ ان کا اثر اور محض انعکاس ہوتا ہے کیونکہ داخل قلب میں واقع ہونے والی چیز تو صرف عقیدۂ راسخہ ہوا کرتا ہے نہ کہ خطرہ جو ایک محض وہمی اور سطحی چیز ہے اور کچھ بھی نہیں۔

خطرات ایمان کی علامت ہیں

(۳۴)۔ شیطان اسی قلب میں وسوسے ڈالتا ہے جس میں ایمان ہوتا ہے۔

مفید مراقبہ

(۳۵)۔ حضرت والا سالک کے لیے اس مراقبہ کا کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے بیحد نافع ہونا بتاکید فرمایا کرتے ہیں بلکہ یہاں تک فرمایا کرتے ہیں کہ اگر اپنی حالت اللہ تعالیٰ کی محبت کے قابل نہ بھی ہو تب بھی سب بشارت انا عند ظن عبدی بی یہی نیک گمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے۔

خطرات مومنین کو آتے ہیں

(۳۶)۔ خطرات مؤمنین ومقبولین ہی کو پیش آتے ہیں کافرین ومردودین کو پیش نہیں آتے۔

خطرات کو منکر نہ سمجھا جائے

(۳۷)۔ خطرات منکرہ کو عقلاً منکر سمجھا جائے اور اپنے اختیار کو ان سے ہرگز متعلق نہ ہونے دیا جائے۔ نہ حدوثاً نہ بقاءً نہ ان کے مقتضاء پر عمل کی نوبت آنے دی جائے اور بجائے مغموم ہونے کے خطرات کو علامت ایمان سمجھ کر (جیسا نمبر ۳۶ سے ظاہر ہے) اس پر مطمئن

اور مسرور رہے کہ بحمد اللہ میرے عقائد تو صحیح ہیں اور دستور العمل مرقومہ نمبر ۲۹ کو معمول بنا کر بے فکری اور اطمینان کے ساتھ اپنے کو ذکر و طاعۃ اور ضروریات دینیہ و دنیویہ میں بلا لحاظ دلچسپی و عدم دلچسپی مشغول رکھا جائے بلکہ (جیسا نمبر ۳ میں تجویز کیا گیا ہے ۱۲) امور مباحہ کا بھی قطرے شغل رکھا جائے کہ وہ بھی وقایہ ہو جاتے ہیں خطرات منکرہ کا۔

خطرات کا جامع علاج

(۳۸)۔ کبھی خطرات کا سبب لطافت طبع اور ذکاوت حس ہوتی ہے کبھی عوارض طبیہ کبھی رذائل نفسانیہ کبھی تصرفات شیطانیہ کبھی معاصی اور کبھی حق تعالیٰ کی جانب سے طلب کا امتحان ہوتا ہے اور کبھی ان اسباب میں سے ایک سے زائد اسباب بھی جمع ہو جاتے ہیں اس صورت میں جب سبب کی تشخیص نہ ہو سکے تو سب معالجات کو جمع کر لیا جائے۔ لیکن ہر صورت میں علاوہ معالجات خاصہ کے سب کا مشترک علاج یہی ہے کہ التفات نہ کرے اور خوض نہ کرے نہ خطرات میں نہ ان کے اسباب میں۔

وساوس کی ظلمت

(۳۹)۔ وساوس سے ایک گونہ ظلمت طبعی ہوتی ہے مگر ہر تاریکی مانع قطع مسافت نہیں جبکہ وسائط صحیح ہوں چنانچہ ریل کبھی تاریکی میں بھی چلتی ہے اس طرح کہ اس کی کھڑکیاں بند ہوتی ہیں (بس) ڈرائیور کا صاحب نور ہونا کافی ہوتا ہے اور ریل کا لائن پر ہونا۔

معالجت کی شرط

(۴۰)۔ ان سب مذکورۂ بالا معالجوں کی شرط نفع یہ ہے کہ ان معالجوں کو معالجہ سمجھ کر اور دفع خطرات کی نیت سے ہرگز نہ کیا جائے بلکہ مستقل اعمال مفیدہ سمجھ کر اختیار کیا جائے اور نتیجہ خاص یعنی اندفاع خطرات کا بھی انتظار نہ کیا جائے بلکہ بجائے انتظار اندفاع خطرات کے اپنی طرف سے اس پر بالکل آمادہ رہا جائے کہ اگر ساری عمر بھی خطرات سے نجات نہ ملے تب بھی کچھ پرواہ نہیں۔ جو کام ہم کو بتایا گیا ہے بس وہ ہم کر رہے ہیں اس سے زیادہ کے ہم مکلف ہی نہیں اور ہر حال میں اس امر واقعی اور عقیدہ واجبہ کا استحضار رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی۔ حاکم ہونے کی بناء پر تو ان کو اپنی مخلوق کے اندر ہر قسم

کے تصرفات کرنے کا پورا حق اور کامل اختیار حاصل ہے وہ اپنے بندوں کے اندر جو چاہیں تصرفات فرمائیں کسی کو مجال چون و چرا نہیں اور حکیم ہونے کی بناء پر بندہ کو ان کے ہر تصرف کے متعلق اجمالاً یہ اعتقاد رکھ کر بالکل مطمئن رہنا چاہیے کہ یہ تصرف میرے حق میں سراسر حکمت ہے گو اس کی تفصیلی حکمتیں معلوم نہ ہوں۔ اھ۔ تمت الخلاصہ

نوٹ: اس مختصر مگر جامع مانع خلاصہ کو اصل رسالہ یعنی الغیبہ فی الھیبہ کا عطر کہنا زیبا ہے اس کی خاصیت وخصوصیت اور نافعیت واہمیت کی بناء پر حضرت صاحب سوانح ہذا نے اس کا ایک نہایت لطیف نام بھی تجویز فرما دیا ہے جو زیب عنوان ہے یعنی طیب الطیبہ لشیب الھیبہ'' وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کا ہر مسئلہ تعلیمات نبویہ علیٰ صاحبہا السلام والتحیۃ ہی سے مستفاد ہے جن کی تدوین زیادہ تر مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ اور مجموعہ ہذا سالکین محزونین کے لیے جن کو حالت قبض وہیبت نے سخت مضمحل اور مارے غم کے گویا بوڑھا کر رکھا ہو مثل خوشبو کے فرحت بخش اور نشاط انگیز ہے نیز چونکہ اس کے اجزاء کا عدد حسن اتفاق سے چالیس ہے اور یہ گویا اہل ابتلاء کے مجروح قلوب کے لیے ایک مرہم ہے جو مرکب ہے چالیس اجزاء سے لہذا اس کا ایک نہایت موزوں لقب بھی تجویز فرما دیا ہے۔ یعنی ''الاربعین للمجروحین'' چنانچہ یہ لقب بھی زیب عنوان کر دیا گیا ہے۔ حسب ارشاد حضرت والا اس خلاصہ کو مرتب کرنے میں اختصار کو بہت زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ مبتلائے پریشانی سہولت سے مطالعہ کر کے اور ذہن میں مستحضر رکھ کر منتفع ہو سکے اور کثرت مضامین سے خلجان میں نہ پڑ جائے۔

حضرت والا نے اس مجموعہ کی غایت نافعیت کی بناء پر اس کی تعجیل اشاعت کا بھی ایماء فرمایا کیونکہ سوانح ہذا کی تکمیل واشاعت میں تو ابھی کچھ دیر تھی۔ اللہ تعالیٰ اس کو مقبول ونافع اور ہر طرح اسم بامسمیٰ فرمائے یعنی سالکین محزونین ومجروحین کے لیے مفرح قلب اور مرہم زخم دل بنے۔ بحرمتہ سید المرسلین و خاتم النبین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ و ازواجہ واتباعہ اجمعین۔

الانتباہ لرفع الاشتباہ

اس کراسۂ حاضرہ مسمی بہ ''الغیبہ فی الھیبہ'' میں جتنے مضامین حضرت والا کی تحریرات و

تقریرات سے نقل کیے گئے ہیں وہ گو حضرت والا کی مجتہدانہ تحقیقات ہیں جیسا کہ اس فن میں مصلح کے لیے اجتہاد شرط ہے لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت والا اس اجتہاد میں متفرد ہیں بلکہ متقدمین ائمہ فن کے اجتہادات بھی حضرت والا کی ان تحقیقات اجتہادیہ کی تائید میں مصرح ہیں۔ چنانچہ امام قشیریؒ متوفی ۴۶۵ھ کا کلام تینوں مقاصد یعنی بیان واقعات و بیان حکمت و بیان معالجات کے متعلق بطور نمونہ کے نقل کیا جاتا ہے وہو ہذا۔

لزوم ابتلاء عادۃً و اعلم ان فی هذا الحالة قلما یخلو المرید فی اوان خلوته فی ابتداء ارادته من الوساوس۔

حکمت ابتلاء وهذا امن الامتحانات التی تستقبل المریدین۔

اشتداد ابتلاء۔ و اعلم انه یکون للمریدین علیٰ الخصوص بلایامن هذا الباب و ذالک انهم اذاخلو فی مواضع ذکرهم اوکانو افی مجالس سماع اوغیرذلک یهجس فی نفوسهم و یخطرببالهم اشیاء منکرة یتحققون ان اللّٰه سبحانه منزه عن ذلک و لیس یعتریهم شبهة فی ان ذلک باطل و لکن یدوم ذلک فیشتدتاذیهم به حتی یبلغ ذلک حداً شکون اصعب شتم واقبح قول و اشنع خاطر بحیث لا یمکن المرید اجراء ذلک علی اللسان وابداؤه لاحدوهذا اشد شئ . یقع لهم۔

علاج ابتلاء فالو اجب عندهذا ترک مبالاتهم بتلک الخواطر واستدامة الذکرو الابتهال الی اللّٰه عزوجل باستد فاع ذلک و تلک الخواطر لیست من وساوس الشیطان و انما هی من هوا جس النفس فاذا قابلها العهد بترک المبالاة بها ینقطع ذلک عنه. اھ۔ ختم ہوئی عبارت قشیریہ کی گو اختصار و بسط کا تفاوت ہو جس کا مبنیٰ تفاوت افہام مخاطبین پر متکلم کی نظر ہے اور خلف کے اجتہا کا توافق سلف کے اجتہاد کے ساتھ مسلم دلیل ہے اس کی صحت و مقبولیت کی و للّٰه الحمد۔

معذرت: چونکہ ''الغیبہ فی الہبیہ'' کا موضوع بہت مہتم بالشان تھا اور اس کے متعلق بہت سے مباحث قابل تحقیق تھے جیسا کہ ناظرین کو مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا اس لیے اضطراراً تطویل ہو گئی اور باوجود کوشش اختصار اختصار نہ ہو سکا حالانکہ حضرت والا ہر موقع پر بار

بار سخت تاکید فرماتے رہے بلکہ بہت سے مضامین مفیدہ کو جن کا موضوع اصلی سے بے تکلف تعلق نہ تھا حذف بھی کرادیا۔ لیکن پھر بھی تطویل ہو ہی گئی اور کیوں نہ ہوتی جبکہ حضرت حافظ شیرازیؒ کا یہ شعر ہو بہو بلکہ برعایت الفاظ یوں کہا جائے کہ مو بمو صادق نظر آرہا تھا۔

شرحِ شکنِ زلف خم اندر خمِ جاناں کوتہ نتواں کرد کہ ایں قصہ درازاست

(محبوب کی گھنگھریالی زلف میں پڑے ہوئے ایک بل کی شرح کرتی ہے اور یہ قصہ چونکہ لمبا ہے اس لئے مختصر نہیں کیا جاسکتا۔)

بہرحال اس سلسلہ میں بفضلہٖ تعالیٰ بہت سے حقائق و دقائق طریق معرض تحریر میں آگئے۔ الحمدللہ علی ذالک۔ اس عجالہ نافعہ کی نافعیت واہمیت کا اسی امر سے اندازہ فرمالیا جائے کہ اس کے مرتب ہوجانے کے بعد خود حضرت والا نے نہایت مسرت کے ساتھ فرمایا کہ الحمدللہ یہ رسالہ اس موضوع میں بے نظیر مرتب ہوگیا نیز اس کی مستقل اشاعت کی تمنا کا بھی اظہار فرمایا۔ اور واقعی چونکہ یہ عجالہ بحمداللہ تعالیٰ۔ حالت قبض وہیبت اور ورود خطرات ووساوس کے متعلق تحقیقات نادرہ ونکات دقیقہ نیز معالجات عجیبہ علمیہ وعملیہ سے مملو ہے اور اس موضوع کے سارے پہلوؤں کو حاوی اس لیے اگر یہ مستقلاً بھی شائع ہوجائے تو طالبین وسالکین طریق کے لیے جنہیں اکثر ایسے احوال پیش آتے رہتے ہیں اور بالخصوص مبتلایان خطرات ووساوس کے لیے انشاءاللہ تعالیٰ ایک نہایت ہی کارآمد اور حرز جان بنانے کے قابل چیز ہوگی۔

چنانچہ اس کے غایت درجہ نافع ہونے کا خود احقر کو بھی ذاتی تجربہ ہوچکا ہے جس کی صورت یہ ہوئی کہ اتفاق سے اس کے دوران تحریر میں برابر خود احقر پر بھی بوجہ ہجوم خطرات واہیہ شدید کیفیت انقباضیہ طاری رہی جس کو حضرت والا نے مصلحت آمیز حسن اتفاق پر محمول فرمایا کیونکہ اس سے بھی اس مضمون کے لکھنے میں ایک گونہ اعانت وسہولت ہوئی پھر حضرت والا کے ارشاد فرمودہ معالجات کو یاد کرکے اور سوچ سوچ کر خود اپنے قلم سے معرض تحریر میں لانے اور حسب ضرورت ان پر عمل پیرا ہونے کی برکت سے وہ کیفیت انقباضیہ بفضلہٖ تعالیٰ وبحمدہٖ تقریباً بلکہ فی الحال بالکلیہ زائل بھی ہوگئی اور اس قسم کے حالات کے متعلق ایسے ایسے مفید اور زریں اصول علمی وعملی ذہن نشین ہوگئے کہ ان کو ہمیشہ پیش نظر اور زیر عمل رکھنے سے امید ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ اس درجہ پریشانی کی کبھی نوبت بھی نہ آئے گی والامر بیداللہ

تعالیٰ۔ بالخصوص حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کے ارشاد فرمودہ دو معالجات یعنی مراقبہ حسن ظن باللہ اور استحضار صحت اعتقاد عقلی نے تو اکسیر کا کام کیا اور یہ دونوں معالجے گویا تریاق ثابت ہوئے فالحمدللّٰہ حمداً کثیراً۔ اللہ تعالیٰ ببرکت حضرت صاحب سوانح استقامت بخشے اور ہمیشہ راہ مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین۔ یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک. اللّٰھم اھدنی وسد ونی اللّٰھم اعطنی ایماناً لا یرتد و یقیناً لیس بعدہ کفر و رحمة انال بھا شرف کرامتک فی الدنیا والاخرہ. رب اعوذبک من ھمزات الشیطان و اعوذبک رب ان یحضرون. ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا و ھب لنا من لدنک رحمة. انت الوھاب اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ. اللّٰھم انی اعوذبک من السک فی الحق بعد الیقین و اعوذبک من الشیطان الرجیم و اعوذبک من شریوم الدین امین ثم امین یا رب العالمین بحرمة سید المرسلین صلی اللّٰہ علیہ والہ و اصحابہ اجمعین۔

یہ ادنیٰ نمونہ ہے حضرت والا کے ارشادات حقہ کی نافعیت اور برکت اللہ تعالیٰ سایۂ عاطفت کو بایں فیوض و برکات روزافزوں مسلمانوں کے سروں پر مدت مدید تک بعافیت تمام سلامت با کرامت رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

اسی عجالہ کے دوران تحریر میں الحمدللہ یہ برکت بھی ظاہر ہوئی کہ اس احقر ناکارہ کو حضرت مولانا شاہ فضل رحمان صاحب گنج مرادآبادی قدس اللہ سرہٗ کی زیارت منامی کا شرف حاصل ہوا۔ جس میں احقر نے بحضور شاہ صاحب عرض کیا کہ مجھے وساوس شیطانیہ کی بہت کثرت رہتی ہے دعا فرمایئے کہ ایمان کامل نصیب ہو۔ فرمایا کہ تمہارا پیر تو بڑا بھاری شیخ ہے تم تو مولوی اشرف علی کے مرید ہو پھر وساوس کے متعلق فرمایا کہ ریل کبھی تاریکی میں بھی چلتی ہے اس طرح کہ اس کی کھڑکیاں بند ہوتی ہیں۔ اھ۔

اس خواب کی تعبیر ظاہر ہے اس میں ریل کی جو مثال ہے اس کی حضرت والا نے احقر کے عریضہ پر جس میں یہ خواب پیش کیا گیا تھا خواب کی عبارت کے ختم پر منقولۂ ذیل توضیح تحریر فرمائی۔

"یعنی وساوس سے ایک گونہ ظلمت طبعی ہوتی ہے مگر ہر تاریکی مانع قطع مسافت نہیں جبکہ وسائط صحیح ہوں چنانچہ ڈرائیور کا صاحب نور ہونا کافی ہوتا ہے اور ریل کا لین پر ہونا انتہا کلامہ بالفاظہ۔ حضرت والا کی یہ توضیح بھی خطرات کے متعلق ایک مستقل تحقیق لطیف ہے اور استعلاجاً قابل استحضار فقط۔

شکر نعمت اختتام ودعائے رحمت رب الانام

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ محض اس کے فضل وکرم سے حضرت والا کی خاص الخاص حالت باطنیہ رفیعہ یعنی غلبہ ہیبت کا مفصل بیان ببرکت دعوات و توجہات واصلاحات وہدایات حضرت والا اس نااہل ونابلد کے ہاتھوں بہمہ وجوہ سرانجام پاکر اختتام کو پہنچا اور اس کے ساتھ ہی باب شرف بیعت واستفاضۂ باطنی میں بفضلہ تعالیٰ ختم ہوگیا اور خلاف توقع بحسن وخوبی ختم ہوا یہاں تک کہ خود صاحب واقعات مندرجہ باب ہذا یعنی حضرت والا نے بعد ملاحظہ بغایت شفقت وتحسین اس نااہل ونا کارہ کو مخاطب فرما کر فرمایا کہ آپ نے تو ماشاء اللہ ان حالات کو اس طرح لکھا ہے جیسے آپ ہر موقع پر میرے ساتھ ساتھ رہے ہوں۔ فالحمدللّٰہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ وماتوفیقی الا باللّٰہ۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس ناکارہ وآوارہ کو بھی اچھے ٹھکانے لگائے اور انجام بخیر فرمائے نیز اس کے لکھنے میں جو ظاہری وباطنی فروگذاشتیں اس احقر سے ہوئی ہیں ان کو اپنے فضل وکرم سے معاف فرما کر اس کو شرف قبولیت بخشے اور طالبین وسالکین کے لیے موجب خیرات و برکات اور اس بداعمال وبداحوال کے لیے کفارۂ سیئات وذریعہ نجات فرمائے آمین ثم آمین یا رب العالمین بحرمت سید المرسلین صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

تمت الرسالة المسماة بالغيبة فى الهيبه " مع باب البيعة والاستفاضة فالحمدللّٰه الذى بنعمته تتم الصالحات۔

الحاق متضمن طریقه اشاعةِ مستقلهٔ الغیبه فی الهیبه

اگر اس عجالۂ نافعہ مسمی بہ الغیبہ فی الہیبہ کی نافعیت خاصہ کی بناء پر جس کا ذکر زیر عنوان "معذرت" ابھی کیا جا چکا ہے۔ کوئی صاحب خیر اس کو سوانح ہذا سے جس کا یہ ایک جزو ہے لیکر

مستقلاً شائع کرنا چاہیں تو ان کی سہولت کے لیے اس کی ابتداء اور انتہاء نیز پیشانی کی عبارت اور ہیئت عرض کی جاتی ہے۔ ابتداء: کتاب اشرف السوانح میں جس مقام پر عنوان "الغیبہ فی الہیبہ" شروع ہوا ہے اس سے ذرا قبل ایک سرخی جس کی یہ عبارت ہے "تمہید مضمون قبض وہیبت معنون بہ "الغیبہ فی الہیبہ" اس سرخی کے بعد کی عبارت جو اس طرح شروع ہوتی ہے "غرض بعد ترک تعلق مدرسی الخ" بس وہی عبارت ابتداء ہے۔ انتہاء۔ رسالہ کے ختم پر ایک عربی عبارت ہے جو ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے "بنعمتہ تتم الصالحات" بس وہی انتہاء ہے لیکن اس عربی عبارت میں سے صرف یہ الفاظ نہ لکھے جائیں۔ "مع باب الہیبۃ والاستفاضۃ" پیشانی اور اس کی ہیئت۔ جس مضمون کی ابتداء اور انتہاء ابھی عرض کی گئی ہے اس کے اوپر بہ ہیئت ذیل یہ پیشانی لکھ دی جائے۔

رسالہ الغیبہ فی الہیبہ: (ملتقط از اشرف السوانح یعنی سوانح عمری حضرت اقدس حکیم الامۃ مجدد الملۃ اشرف العلماء افضل الفضلاء قطب الاقطاب شیخ المشائخ واقف اسرار خفی وجلی حافظ قاری حاجی مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی حنفی چشتی امدادی مدت فیوضہم العالی)

حامداً ومصلیاً: تمہید رسالہ: (اس تمہید کے قبل اشرف السوانح میں حضرت صاحب سوانح کی خلوت گزینی اور اُنس مع اللہ کے حالات مبارکہ کا سلسلہ اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ عبارت مابعد اسی سے مرتبط ہے)

غرض بعد ترک تعلق مدرسی: (یہاں سے ختم رسالہ تک جس کا پتہ اشرف السوانح کی سرخی "الحاق متضمن طریقہ اشاعۃ الخ کے تحت میں بہ عنوان انتہاء بتلایا گیا ہے۔ نقل کرتے چلے جائیں۔" ۱۲۔

بحمد اللہ